PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

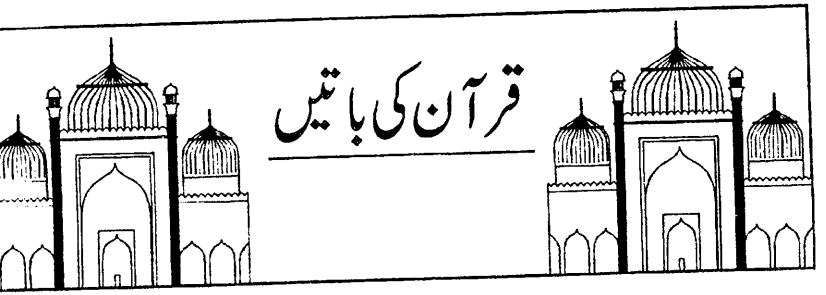

☆ اور اللہ ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل سے چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ہم نے روشن آیتیں نازل کی ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ (سورۃ شوریٰ 42 آیت 45 سے 46)

☆ اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ تمہارے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ (سورۃ ھود 11 آیت 7)

☆ اور جب تک عدت پوری نہ ہوئے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور علم والا ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 235)

☆ تمہارے رب کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔ (سورۃ النساء 4 آیت 65)

☆ اور جب تمہارے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے سلام علیکم کہا کرو۔ اللہ نے اپنی ذات پاک پر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ انعام 6 آیت 54)

☆ اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ شوریٰ 42 آیت 40)

☆ لوگوں کا حساب اعمال کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں پڑے اس سے منہ پھیر رہے ہیں ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (سورۃ انبیاء 21 آیت 2 سے 3)

(کتاب کا نام ''قرآن مجید کے روشن موتی'' بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی

مینجنگ ایڈیٹر خالد علی

چیف ایڈیٹر آصف حسن

ایڈیٹر شاہد علی

سب ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/90 روپے

سالانہ قیمت -/1500 روپے

جلد نمبر 22 شمارہ نمبر 3 دسمبر 2020ء

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

ادارہ کا کسی بھی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ڈر ڈائجسٹ میں چھپنے والی تمام کہانیاں فرضی ہوتی ہیں کسی کی ذات یا شخصیت سے مماثلت اتفاقیہ ہوسکتی ہے

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

مصنف	صفحہ	عنوان	تعارف
منزغام محمود	18	دیوانگی	اچھی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے کہنہ مشق رائٹر کے قلم سے لکھی گئی شاہکار کہانی
ساجدہ راجہ	35	آفت	کہنہ مشق رائٹر کی لکھی ہوئی اچھوتی انوکھی خوفناک دہشت ناک حیرت انگیز کہانی
سید محسن حسین کاظمی	43	حویلی کا جن	نافرمانی کی سزا اکثر بھگتنی پڑتی ہے، حقیقت کہانی میں پنہاں ہے پڑھ کر دیکھیں
ایم اے راحت	48	آسیب	کیا یہ حقیقت ہے کہ..... جادو ٹونا سر چڑھ کر بولتا ہے، اپنی نوعیت کی شاہکار کہانی
ماریہ مسعود	73	عاشق روحیں	رات کے خوفناک اندھیرے میں جنم لینے والی دلوں پر دہشت طاری کرتی ڈراؤنی کہانی
نثار فاطمہ	83	زرد گلاب	شاہکار کہانیاں پڑھنے والوں کے لئے خونچکاں بھونچکاں..... دل شکستہ.....کہانی
ایس امتیاز احمد	89	خوفناک سفر	وہ دونوں ہر لمحہ کسی خوفناک حادثے کے منتظر تھے لیکن جب حقیقت سامنے آئی تو.....
راشد نذیر طاہر	94	جہنمی دروازہ	رات کے اندھیرے میں جنم لینے والی داستان جو کہ پڑھنے والوں پر لرزہ طاری کردے گی
آس پراسہ	115	لاش کی سالگرہ	ڈراؤنی کہانیوں کے شوقین لوگوں کے لئے حقیقت پر مبنی ہولناک اور خوفناک کہانی
محمد رضوان قیوم	117	مددگار بت	لفظ لفظ اور سر سر خوف وہراس کے لبادے میں لپٹی ہوئی دل دہلاتی خوفناک کہانی
محمد زعیم انگڑا	123	موت کا سامنا	حقیقت سے روشناس کراتی اپنی نوعیت کی عجیب وغریب دماغ سے محو نہ ہونے والی روداد
مریم فاطمہ	127	موت کا پیچھا	خوف کے افق پر جھلمل کرتی دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی ہولناک اور دہشتناک کہانی

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

عثمان غنی خان 132
ٹائم پاس
نئی نسل کی چاہت ...... کے عین مطابق دل کو خوش کرتی ...... خوبصورت ...... کہانی

خلیل جبار 157
آسیب کی دھمکی
سوچ کے نئے دریچے کھولتی اپنی نوعیت کی بے مثال لاجواب اور دلفریب ڈراؤنی کہانی

محمد عثمان اشرف 163
انکشاف
ایک عجیب وغریب مخلوق کی دیدہ دلیری جس نے لوگوں کو حیران پریشان ...... کردیا تھا

ڈاکٹر طارق محمود آکاش 169
پراسرار بچہ
ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے میں جنم لیتی جسم وجاں پر کپکپی طاری کرتی کہانی

مظہر الحق علوی 172
موت کی سرگوشی
ایک ایسے ...... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت ...... سے نکل آیا تھا

ناصر محمود فرہاد 193
ڈائن
رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی جسم وجان کو سحر زدہ کرتی ہولناک کہانی

میمونہ ارم مون شاہ 205
تریاق
دل ودماغ بلکہ عقل کو حیران کرتی لرزیدہ لرزیدہ خوف کا سکہ بیٹھاتی ڈراؤنی کہانی

نعیم بخاری آکاش 219
نمبر 19
اچھی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے دل گرفتہ اور دل فریفتہ ذہن کو مبہوت کرتی کہانی

اے اے احمد 225
زہریلا عاشق
خوف کی دنیا کی شاہکار کہانی جو کہ پڑھنے والوں کے ذہن سے برسوں محو نہ ہوگی

عنیزہ فضل داد 229
اجڑی دلہن
کبھی کبھی بداحتیاطی انسان کے لئے جان لیوا ہوجاتی ہے، حقیقت کہانی میں پنہاں ہے

ادارہ 231
قوس قزح
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں......

شہزاد خان 234
جادونگری
ایک عجیب وغریب خونچکاں بھونچکاں حیرتناک اور تحیر انگیز لرزہ براندام کرتی کہانی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

خطوط

ایس حبیب خان کراچی سے، السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ ڈراور اس کے چاہنے والے خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ضرغام محمود صاحب کے حوالے سے بات کرنا چاہوں گی۔ ان کے والد محترم کے انتقال کا پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ دراصل میں یہاں نہیں تھی اس وجہ سے پہلے تعزیت نہ کرسکی۔ اللہ تعالیٰ ان کے والد کی بخشش و مغفرت فرمائے اور ان کی آخرت کی منزلیں آسان فرمائے۔ (آمین) اس بار کا شمارہ اور سالگرہ نمبر اب واپس آ کر پڑھ رہی ہوں۔ اس مرتبہ خطوط میں جن دوستوں نے مجھے یاد کیا ان سب کا شکریہ۔ بلقیس خان، عثمان غنی، کائنات بلوچ، خانسہ غیور، مہرینہ غلام علی، نوری بشریٰ، ذیشان سمیر، محبوب خان، فرح چوہدری، بینا خان، بسما خان، فریدہ خانم آپ سب نے مجھے برتھ ڈے وش کیا۔ آپ تمام دوستوں کا بہت بہت شکریہ آپ سب کی محبت کا میرے دل میں اہم مقام ہے۔ Once Again Thanks۔ احسان الحق صاحب! آپ کا خط پڑھ کر سب سے پہلے تو بہت خوشی ہوئی، ایک طویل عرصے بعد آپ کا خط نظر آیا ہے۔ اس تمام عرصے میں بارہا میں نے ایڈیٹر صاحب سے ذاتی طور پر آپ کی خیریت دریافت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ اور درازی عمر عطا فرمائے۔ (آمین)۔ آپ جیسے بڑے رائٹر نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے مجھ جیسی ادنیٰ رائٹر کو جس عمدہ الفاظ میں سراہا ہے وہ آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ ورنہ میں کسی قابل کہاں؟ آپ جیسے بہترین رائٹر کے سامنے میں طفل مکتب ہی ہوں آپ کے قلم سے تحریر کردہ لازوال تحریریں آج بھی ذہن پر نقش ہیں۔ آپ کے خلوص کا از بد شکریہ!

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: خط لکھنے اور خلوص دل پیش کرنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔ دراصل آپ کی کہانیاں پڑھنے والے انتظار کرتے کرتے تھک گئے ہیں، پلیز مصروفیات سے تھوڑا سا وقت نکال کر کوئی بھی چھوٹی کہانی لکھ دیا کریں۔ احسان صاحب بڑے دل کے مالک ہے اور پر خلوص الفاظ میں دوسروں کو یاد کرتے ہیں۔

صبا شاہ جڑانوالہ سے، السلام علیکم! ماہ نومبر کا شمارہ 24 تاریخ کو بذریعہ ڈاک موصول ہوا، ڈاک بھیجنے کے لئے ڈر کی ٹیم کا شکریہ اور میری کہانی لگانے کا بھی بے حد شکریہ سب سے پہلے قرآن پاک کی باتوں سے شروعات کی پھر خطوط کی محفل میں ذیشان سمیر، عبدالرؤف، ابرار بشیر، بلقیس خان، بینا خان، عثمان غنی، بسما خان، فریدہ خانم، کائنات بلوچ، خانسہ غیور، مہرینہ غلام علی، نوری بشریٰ، نورینہ خیام، روبانیہ عامر، احسان الحق، احسار بن ناصر، شرف الدین جیلانی کے تبصرے دل کو چھو گئے، کہانیوں میں خالد شاہان کی شیطانی حویلی، ایس امتیاز کی حویلی کا آسیب، رضوان علی سومرو کی بند دروازہ، ایم اے راحت کی آسیب، مونا شہزاد کی آسیب، راسد نذیر کی جہنمی دروازہ، مریم فاطمہ کی کہانی پسند آئی۔ خیر سب کو سلام۔ حوصلہ افزائی کے لئے شکر گزار۔

☆☆ صبا شاہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، آپ کی کہانی اگلے شمارہ میں ضرور جلوہ گر ہوگی اور ایک بات ذہن نشین کریں کہانی لکھنے کے بعد ایک مرتبہ ضرور پڑھ کر فیئر کر لیا کریں تو کہانی میں پختگی ہوگی۔ آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا۔ شکریہ۔

ماریہ مسعود بانٹھ سے، السلام علیکم! اکتوبر کا ڈر ڈائجسٹ کچھ لیٹ ملا، عثمان غنی خان کی کہانی پڑھ کر سچ خوف زدہ ہوگئی۔ خونی سڑک رضوان علی سومرو کی اچھی تھی۔ دل سے انجوائے کی باقی سب کہانیاں پرانا اسکول سکندر حبیب، جنگل کا آسیب خلیل جبار، زندگی رابعہ آفرین، نیلا بندر ناصر محمود فرہاد، مہلک مرض احسان الحق، بے بس وجود مریم فاطمہ، سچ یا وہم افشاں رمضان، کالی روبینہ عبدالقدیر، خونی پیاس عنیزہ فضل داد، کوٹھری کا جن زیبا حسن مخدوم، زندگی کا ڈر کائنات رشک تنویر، بھٹکتی روح شہزاد خان، چیل محمد رضوان قیوم، محبت ایک سایہ نثار فاطمہ، آسیبی بلی ایس امتیاز احمد، خونخوار بلیاں مرزا صہیب اکرام، اندھیری رات کا مسافر ضرغام محمود، آخری وعدہ زمر دخان، درندگی محمد عثمان اشرف، انتقام حافظ مون بخاری یہ سب اچھی کہانیاں تھیں۔ رقص اجل ہما خان کی بہت زبردست کہانی تھی۔ تتلی سنبل وسیم سیالوی کی جاسوسی کہانی تھی۔ یہ اچھی تھی۔ ایڈیٹر صاحب میں اپنی ایک کہانی بھیج رہی ہوں، امید ہے شائع کے قابل ہوگی۔

☆☆ ماریہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ کہانی شامل اشاعت ہے، خوش ہو جائیں اور نئی کہانی پلیز ارسال کر دیں، Thanks۔

انفال شیخ تربیلا سے، السلام علیکم ڈر ڈائجسٹ نومبر کا جلدی مل گیا، اس ماہ کا ٹائٹل اچھا تھا، سب سے پہلے قرآن کی باتیں دل و

دماغ کو فرحت عطا کر گئیں، اس ماہ کے خطوط میں عثمان غنی خان صاحب، بلقیس خان، اللہ رکھا، ظہیر ملک، احسان الحق، شریف الدین، امرحہ خان کا تبصرہ دل کو چھو گئے، بلقیس خان کا لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے، ویسے ایس حبیب کی کمی خطوط میں محسوس ہوتی رہی، خانسہ، مہرینہ، ذیشان سمیر، روہانیہ عامر، صبا کے خطوط بھی پسند آئے۔ اس ماہ کا ٹائٹل بہت پیارا ہے۔ شیطانی حویلی، جنات کا بسیرا پسند نہ آسکی، حویلی کا آسیب اچھی کہانی تھی۔ قلعے کا بھوت کا خوب اینڈ کر دیا۔ بھوت بنگلہ کہانی مجھے پسند آگئی، ٹائم پاس قسط نمبر 1 عثمان غنی خان کمال کی تحریر لکھ ڈالی ہے۔ یہ کہانی پہلی قسط سے بہت آمیزنگ لگ رہی ہے، اسٹارٹ میں جتنا ہنسایا ہے، مجھے لگ رہا ہے، یہ اینڈ تک جاتے ہوئے کافی رلائے گی، دادی کا کردار بہت زیادہ ڈینجرس تھا، امرینہ بھی کم نہیں ہے۔ کیونکہ کہانی کے آخر میں جو سوالات ہیں، ان کے جوابات سے صاف پتہ چلتا ہے، ان کے جوابات بہت مشکل ہیں۔ میرے خیال میں رُخام مرنے والا ہے۔

☆☆ انفال صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دل خوش ہو گیا، آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ اور امید ہے شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

انویرہ شاہ لاہور سے، نومبر کا ڈر بہت جلد ملا، اس بار ٹائٹل بہت پیارا تھا، دسمبر کے شمارے کا ابھی سے انتظار ہے، پہلے نومبر کا ڈر جلد ملنے کی خوشی بہت ہوئی اور اس ماہ خطوط کافی تھے۔ سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کر دی پھر خطوط کی محفل میں آگئے، ارے واؤ، بہت اچھے تبصرے کیے گئے تھے، سب نئے لوگوں کو خوش آمدید اور سب کو سلام اس بار خطوط عثمان غنی خان نے اچھا اور مثبت تبصرہ لکھا۔ بلقیس خان کا تبصرہ دیکھ کر خوشی سے بے حال ہو گئی، کاشف عبید کا تبصرہ بھی بہت اچھا تھا۔ اللہ رکھا کا لاجواب تھا۔ مہرینہ غلام کا خط بے حد پسند آیا۔ اس بار کہانیاں دل جیتنے میں ناکام نظر آئیں۔ جن میں مندرجہ ذیل نام ہیں۔ شیطانی حویلی، حویلی کا آسیب، جنات کا بسیرا، بھوت بنگلہ، ایبی میمنا، بھیانک مخلوق، پرچھائیاں، قلعے کا بھوت، جنات کا احسان، بھیانک حقیقت رہی، جن کہانیوں نے دل جیت لیا وہ درج ذیل ہیں۔ بددعا بے حد مزے دار کہانی رہی، بند دروازہ بہت عمدہ لکھا۔ اس میں آخر تک کہانی دم خم موجود تھا۔ ٹائم پاس قسط نمبر 1 عثمان غنی خان واؤ یار، سپر سے بھی اوپر کی چیز لکھ ڈالی ہے۔ اس کہانی میں جان دار کرداروں سے ملاقات کروا کر دم لیا۔ مجھے اس کی دوسری قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ امرینہ جیسے کردار بہت کم لکھے گئے ہیں۔

☆☆ انویرہ صاحبہ: آپ کا دلکش تبصرہ پڑھ کر دل خوشیوں سے جھومنے لگا، ہر آدمی کی پسند اپنی اپنی ہوتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی ایک دوسرے کی پسند پر قناعت کرے، دل شکنی کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

عائشہ خان روات سے، ماہ نومبر کا ڈر ڈائجسٹ جلدی مل گیا۔ ٹائٹل پیج بہت پیارا تھا۔ لڑکی بہت پیاری تھی، ویسے لڑکیاں ہوتی بھی پیاری ہیں، اس بار بھی میری طرح سب کو ٹائٹل پسند آیا ہوگا۔ بلقیس خان آپ نے جو بھی لکھا بہت خوب لکھا، خطوط میں جتنے بھی لوگوں نے تبصرے کیے تھے سب بیحد پسند آئے۔ خاص کر بسما، کائنات، بینا، مہرینہ، خانسہ، نوری، نورینہ، روہانیہ، احسان الحق، شرف الدین، اللہ رکھا، ظہیر ملک، کاشف عبید کے تبصرے داد کے قابل ہیں، عثمان غنی خان کا خط بھی اچھا لگا اور پسند آیا، کیونکہ بہترین تبصرہ تھا۔ حویلی کا آسیب اچھی کہانی ہے۔ بند دروازہ خوبصورت کہانی ہے۔ بھیانک مخلوق بھی اچھی لگی۔ آشا بھی اچھی لگی، بھوت بنگلہ بس سو سو تھی، قلعے کا بھوت بس گزارے لائق تھی، مریم فاطمہ کو لگتا ہے، صرف انگریزی ادب میں جنات ہوتے ہیں، کبھی ان کی دیسی کہانی نہیں پڑھی، جنات کا احسان، بالکل بھی سمجھ نہیں آئی۔ ٹائم پاس کا پہلا حصہ عثمان غنی خان کو پڑھ کر بے حد مزہ آیا۔ ویلڈن عثمان غنی خان بھائی بہت اچھی تحریر ہے۔ ون آف دی بیسٹ اسٹوری آف دی منتھ! بددعا آمیزنگ کہانی ہے۔ پرچھائیاں بہت نائس کہانی ہے۔

☆☆ عائشہ صاحبہ: آپ کا خط بھی پسندیدگی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آئندہ ماہ بھی خط بھیجنا بھول نہ جانا، کیونکہ یہاں خط کا انتظار رہے گا۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم! ماہ نومبر کا ڈر ڈائجسٹ بہت جلد مل گیا۔ اس ماہ کا ٹائٹل اتنا ہار نہیں تھا۔ پہلے قرآن کی باتیں پھر خطوط کی محفل میں جم کر قدم رنجا فرمایا۔ میرے خط کو پسند کرنے پر آپ سب کی شکر گزار ہوں۔۔۔!! سب سے پہلے فلک زاہد اور ڈر ڈائجسٹ کی ہر دل معروف رائٹر کو دل کی گہرائیوں سے happy birth day to you...!!many many happy return of the day...!! آپ سدا خوش رہیں۔۔۔!! جہاں بھی رہیں۔۔۔!!! اللہ آپ کو خوشیاں دے۔۔۔!! اور ہنستے مسکراتے رہیں۔۔۔!! ویسے نیکسٹ برتھ ڈے بوائز میں سے ایک ہر دل عزیز رائٹر کی آ رہی ہے۔ اگر کوئی گیس کر کے ان کو وش

کرنا چاہے تو دلی خوشی ہوگی، کیونکہ میں نیکسٹ منتھ اس کو بھی وش کرنے والی ہوں۔ کہانیوں پر بات کرتے ہیں، حویلی کا آسیب، عمدہ تحریر کو لکھ کر باذوق ہونے کا ثبوت دے دیا گیا۔ جنات کا بسیرا بھی پسند آئی۔ قلعے کا بھوت بالکل بھی پسند نہ آسکی۔ بھوت بنگلہ بھی پسند نہ آسکی۔ آسیبی میمنا چارم اوز کر گئی تھی، آشا بھت، بہت اچھی تھی۔ تین پتی کہانی میں بھرپور کرداروں کے تاثرات بے حد عمدہ اور مزے دار تھے، عمدہ ترین طرز تحریر، خوبصورت اور ذوق، شوق کے مطابق قلم چلایا۔ اللہ اور توفیق دے۔ اس کے بعد عثمان غنی خان کی طرف دوڑ پڑے۔ ٹائم پاس نام نیا تھا، مگر کہانی شاہکار تھی، آخری صفحے پر باقی آئندہ ماہ نے دل بہت زیادہ افسردہ کیا، مگر سوالات کے جوابات نا دینا زیادتی ہوگی، میرے خیال میں امرینہ اور رخام کے درمیان مس انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہے۔ منشال کو ایک ایسی بیماری لاحق ہے، جس میں انسان کو آئیڈیل سے پیار ہوجاتا ہے اور اس بیماری کو الوژن کہتے ہیں۔ اور میرے خیال میں پینٹر کی پینٹنگ میں واقعی کچھ تو ہے، وہ جس کی تصویر بنالیتا ہے، وہ مرجاتا ہے۔ اس لیے میں کہہ رہی ہوں، جب پینٹر کا کردار اسٹارٹ ہورہا تھا، تو عثمان غنی خان نے کہانی میں یہ بات واضح کردی تھی۔ آپ کو اتنا عمدہ لکھنے پر دل سے مبارک باد قبول ہو۔

☆☆ بلقیس صاحبہ: آپ کا ارسال کردہ خط دل موہ لیتا ہے اور اپنی تحریر پر قابو پانا بھی آگیا ہے، تحریر ایسی جو کہ تمام لوگ پسند کریں، ہر دل عزیزی کے لئے کسی نے کہا ہے کہ زبان شیریں ملک گیری۔

بینش خان نوشہرہ واہ کینٹ سے، السلام علیکم.....!! ڈر نومبر کا جلدی جلدی مل گیا، سب کو پیارا سا سلام قبول ہو، سب کے خطوط بے حد پسند آئے، بلقیس خان نے جو کچھ بھی لکھا، وہ قابل داد ہے۔ بلقیس میں آپ سے ایگری کرتی ہوں۔ عثمان غنی خان بہت پیارا تبصرہ لکھا ہے۔ اس ماہ کا شمارہ سو سو تھا۔ کیونکہ اس میں زیادہ تر دہرائی گئی کہانیوں کو جگہ دی گئی تھی۔ تین پتی کہانی بہت اسپیشل کہانی ہے۔ ایس امتیاز احمد کی کہانی حویلی کا آسیب بھی اچھی کہانی ہے، جبکہ قلعے کا بھوت بھی نائس لگی، بھوت بنگلہ بس گزارے لائق تھی۔ بند دروازہ بہترین کہانی تھی۔ ٹائم پاس پہلی قسط دل سے پڑھی، عثمان غنی خان اس کی دوسری قسط کا بے پناہ شدت سے انتظار کررہے ہیں، ان کی یاد میں یہ ناول دہرایا جارہا ہے۔ موت کی سرگوشی میں موت کی سرگوشیاں بالکل بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ ویسے ناول اچھا جارہا ہے۔

☆☆ بینش صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کا خط پڑھ کر دل جھوم اٹھا، آپ کا نرم رویہ خط میں دیکھ کر دو مرتبہ آپ کا خط پڑھا، امید ہے آئندہ بھی خط میں اچھے الفاظ کا چناؤ کریں گی۔

حنا اکرام اسلام آباد سے، نومبر کا ڈر بہت جلد مل گیا۔ اس بار ٹائٹل کافی اچھا تھا، قرآن کی باتیں بہترین ہیں، خطوط کی محفل بے حد پسندیدہ ہے، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جہاں آپ سے اور باقی سب سے ملاقات تو ہوجاتی ہے۔ وہاں کچھ نوک جھونک بھی دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ اللہ ہمارے ملک میں امن قائم کردے۔ بلقیس خان، عثمان غنی خان، مہرینہ غلام، کائنات، صبا شاہ، ذیشان سمیر، نوری صاحبہ، بسما خان، اللہ رکھا، ظہیر ملک کے خطوط دل کی گہرائیوں سے پسند آئے، آپ سب کو سلام قبول ہو، جنات کا بسیرا پسند آئی۔ نئی قسط وار کہانی آسیب کی پہلی قسط بہت اچھی لگی۔ جہنمی دروازہ کی قسط نمبر 5 بہت اچھی لگی۔ موت کی سرگوشی بھی مزے دار تحریر ہے، اس کی نئی قسط کا انتظار ہے، ٹائم پاس، عثمان غنی خان کی کہانی نے دل خوش کردیا، ویلڈن پہلی قسط دل کے پار ہوگئی، میرے خیال میں رُخام میں امرینہ کی کامیابی سے جل گئے ہوں گے، منشال مجھے بھی پاگل لگتی ہے اور پینٹر صرف بنا رہا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ کسی کے ہاتھوں میں موت کا برش ہو۔ عثمان غنی خان صاحب بہت مبارک باد قبول ہو، کیونکہ اس کہانی میں روانی تھی۔ شروع کرنے کے بعد آخر تک پڑھ لی، اتنی اچھی کہانی پر مبارک باد قبول کریں۔

☆☆ حنا صاحبہ: آپ کے خط نے دل موہ لیا، کم لکھا مگر بہت کچھ لکھا، آپ کی تحریر دل میں اتر گئی اور قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی خوبصورت خط ضرور ارسال کریں گی۔

ماہ شین بلوچستان سے، السلام علیکم! نومبر کا شمارہ جیسے ہی ملا تو دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں، پھر خطوط کی محفل میں بلقیس خان آپ نے بہترین خط لکھ کر گویا دل جیت لیا۔ اللہ رکھا کا خط بھی اچھا تھا، موسٹ ویلکم، ظہیر ملک کا خط پیارا تھا، عثمان غنی خان، ہمیشہ کی طرح بہترین تبصرے کے ساتھ حاضر خدمت تھے، احسان الحق صاحب ویلڈن، ویسے باقی سارے خطوط بھی اچھے تھے۔ بھیانک حقیقت، سبق آموز کہانی تھی۔ آسیبی میمنا بھی بس گزارہ حال تھی۔ بھوت بنگلہ بے کار تھی۔ بددعا نائس اسٹوری ہے، بند دروازہ بہت اچھی کہانی تھی۔ آسیب بہترین کہانی ہے، مگر یہ دہرائی جارہی ہے۔ عثمان غنی خان کی ٹائم پاس کی پہلی قسط اس ماہ کی خاص اور جاندار کہانی نے دل کے تار چھیڑ ڈالے ہیں، کہانی میں میرے خیال میں رُخام ٹائم پاس کررہا تھا اور امرینہ اسے سب کچھ سمجھ بیٹھی، عموماً

ٹین ایج کے لڑکے سیریس نہیں ہوتے ہیں، بس لڑکیوں کو پھانسنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ منشال جیسی مڈل لیول کی لڑکیوں کو اپنے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا ہے۔ وہ اپنے آپ سے پیار کرتی ہیں، مشکل موضوع پر آسانی سے قلم چلانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر اس ماہ ٹائم پاس، تین پتی، بند دروازہ، اور آشا شامل نہ ہوتی، تو اس ماہ کا ڈر بالکل پھیکا، پڑ جاتا تھا۔

☆☆ ماہ شین صاحبہ: آپ کا دلکش خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، آئندہ ماہ بھی پرخلوص خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

انمول شاہ حیات کالام سے، نومبر کا ڈر کافی لیٹ ملا، ہمارے گاؤں میں کافی لیٹ آتا ہے، مینگورہ سے لانا پڑتا ہے، اور اس بار کور بہت پیارا تھا، سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کی۔ پھر خطوط کی محفل میں آئی، پہلے تو، سب کو خوش آمدید، اور سب کو سلام، دل کرتا ہے، مجھے بھی پورے دل سے ویلکم کہا جائے۔ میرا پہلا خط ہے، اس بار بلقیس خان کا خط لیڈ پر تھا، عثمان غنی خان جی بالکل ایسا ہی ہے، ہمیشہ سے لوگ ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ اس بار خطوط میں کافی اچھی باتیں کی گئی تھیں۔ سب کے تبصرے مثبت تھے، جنات کا بسیرا گڈ پیاری دل سے سراہنے والی تحریر ہے۔ قلعے کا بھوت بھی نائس لگی، بھوت بنگلہ اچھا موضوع تھا۔ نوبل کا زبھی اچھی کہانی ہے، آشا کہانی مزے سے بھرپور اور جامع تشریح کی طرح لکھی گئی تھی۔ ٹائم پاس عثمان غنی خان بہت اچھی عمدہ اور نیو کہانی لکھی ہے۔ نئی نسل کی بگڑتی ہوئی حالت' کے مطابق یہ تحریر بہت خاص ثابت ہوئی ہے، کہانی کے دوسرے حصے کا انتظار رہے گا۔ بس اللہ زور قلم اور دے، ایس امتیاز احمد کی کہانی حویلی کا آسیب بہترین کہانیوں میں ایک رہی، اچھی کہانی ہے۔ آسیبی مینا پسند آگئی ہے۔ بھیانک مخلوق پسند نہ آسکی، پرچھائیاں اچھی اور پیاری کہانی تھی۔ بددعا بہترین کہانی

☆☆ انمول صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم بلکہ بہت بہت ویلکم، آپ کا خط پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا، آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا۔ Thanks۔

مہرینہ غلام علی بدین سے، السلام علیکم! امید واثق ہے کہ ادارہ بخیر وخیریت ہوگا، ڈر کا نیا شمارہ جلد مل گیا، اللہ رکھا نے اچھی باتیں لکھ کر دل جیت لیا، بلقیس خان آپ کو سلام، اور آپ کی سوچ کی قدر کرتے ہیں۔ آپ لاجواب سوچ کی مالک ہیں۔ عثمان غنی خان، آپ میرے فیوریٹ رائٹر ہیں؟ احسان الحق نے بہت اعلیٰ تبصرہ پیش کیا۔ کاشف عبید ہم آپ کی سوچ کی قدر کرتے ہیں، شرف الدین جی بالکل عموماً کے پی میں مختلف علاقوں میں ایسا ہی ہوتا ہے، والد ماجد اپنے بچوں کو پستول، چلانا ضرور سکھاتے ہیں۔ جنات کا بسیرا بس قابل قبول تھی۔ تین پتی یہ مدتوں یاد رہے گی۔ کیونکہ اس کے ابھی سے ہم دوسرے حصے کے منتظر ہیں۔ حویلی کا آسیب کہانی اچھی تھی، ٹائم پاس عثمان غنی خان آپ نے بہت پیاری تحریر لکھی۔ نگینے کی طرح فٹ تھی۔ ایک اور شاہکار کہانی اس ماہ کی سب سے خاص الخاص تحریر ثابت ہوئی مگر افسوس قسطوں میں تھی۔ ویلڈن۔ اب اتنا سسپنس کیوں پھیلاتے ہیں؟ آسیب قسط نمبر 1 سب سے اچھی کہانی تھی۔ پہلی قسط پرانے رائٹر کی یاد تازہ کرادی۔ آشا میں نے اس کہانی کو دل سے انجوائے کیا ہے۔ قلعے کا بھوت بھی اچھے موضوع پر لکھی گئی پیاری تحریر ہے، بھیانک مخلوق بس ہاہاہا۔۔۔۔ پرچھائیاں پیاری تھی، قسط وار کہانیاں اچھی چل رہی ہیں۔

☆☆ مہرینہ صاحبہ: پرخلوص دل سے لکھا ہوا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی خط ارسال کرکے شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

روحانیہ عامر مردان سے، ہائے سردیوں کا آغاز ہوگیا ہے، اور دسمبر کی سردی کی تو کیا ہی بات ہوتی ہے، بس گرم بستر ہوتا ہے، اور ساتھ میں جان سے عزیز ڈر کا ساتھ۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھی، پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے، بلقیس خان واؤ، آپ نے جاندار تبصرہ کرکے دل جیت لیا۔ ویلڈن! کاشف عبید بہت زیادہ اچھا لکھا۔ عثمان غنی خان آپ کا خط بہت بہت اچھا لگا۔ شرف الدین صاحب آپ جو کہہ رہے ہیں۔ زبردست، ماشاءاللہ آپ بڑے دین دار بندے ہیں۔ شیطانی حویلی گزارہ لائق تھی، دوسری جنات کا بسیرا ابھی بس ایویں سی تھی، حویلی کا آسیب کہانی بہت اچھی اور بہترین تھی۔ بند دروازہ بھی ایک بہترین اور اچھی کہانی ہے۔ عثمان صاحب آپ کی کہانیاں سچ پوچھیں تو مجھے دل سے پسند آتی ہیں۔ عثمان غنی خان پلیز، منشال کے ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہونا چاہیے۔ نوبل کا زاتی بھرپور اور مزے کی کہانی، سیدھی دل میں اتر گئی ہے۔ پرچھائیاں بہت بھرپور کہانی ہے۔ آسیبی مینا کہانی اچھی تھی۔ قلعے کا بھوت بھی بس ایوریج تھی۔ بھوت بنگلہ کہانی بہت اچھی رہی آسیب کی پہلی قسط نائس رہی۔

☆☆ روحانیہ صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دلی خوشی سے جھوم اٹھا اور آئندہ ماہ بھی دلکش خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

شمع شاہ شیخوپورہ سے، ڈر نومبر کا جلدی مل گیا۔ ٹائٹل بہت خوبصورت تھا لڑکی بہت پیاری تھی۔ قرآن کی باتیں زبردست ہیں،

وہ بہت اعلیٰ ہیں، ایمان تازہ ہو جاتا ہے، پھر خطوط کی طرف چلے آئے، سب کو میرا پیارا سا سلام قبول ہو، بلقیس خان آپ بہت اچھا خط لکھتی ہیں۔ بس اب کہانی بھی لکھ دیں، کیونکہ کب سے تشنہ پیاس بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں، عثمان غنی خان آپ کا تبصرہ بہت پیارا ہوتا ہے، آپ دل کی گہرائیوں سے مطالعہ کرتے ہیں۔ ایس امتیاز احمد بھائی پہلے تو آپ بہت پیارا خط لکھا کرتے تھے، احسان الحق آپ کا تبصرہ بھی بہت مثبت ہوتا ہے۔ اللہ رکھا کا تبصرہ اچھا تھا، ایس حبیب خان آپ کی نئی کہانی کا ہمیں بے حد انتظار ہے۔ جو کہ پورا نہیں ہونا ہے۔ ٹائم پاس حصہ اول، بہت زبردست، آمیزنگ، انٹرسٹنگ، چارمنگ، اور بھرپور تاثرات لئے ایک الگ تھلگ کہانی تھی، جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہی ہوگی۔ بس مجھے اس کے دوسرے حصے کا ابھی سے شدید انتظار ہے۔ عثمان غنی خان ویلڈن، بہت اچھی کہانی ہے۔ آسیب کی پہلی قسط دل سے پسند آئی۔

☆☆ شمع صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں ویلکم، آپ کے خط کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، آپ کا خط پڑھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا، آئندہ ماہ بھی آپ خط لکھنا نہ بھولئے گا۔

عروسہ خان کوہاٹ سے، سال کا گیارواں مہینہ شروع ہو چکا ہے، اور اب سال تمام ہونے کو ہے، یقین اور امید ہے کہ آپ خیر وعافیت سے ہونگے، جیسے ہی اس ماہ کا ڈرڈائجسٹ ملا۔ دل خوشی سے جیسے باغ بہار ہو گیا۔ قرآن کی باتیں بہت خوبصورت اور دیدہ زیب لگیں، دل میں سکون پہنچانے کا سبب بن گئیں، خیر خطوط کی محفل میں پہنچے۔ بلقیس خان نے بے حد عمدہ تبصرہ لکھا تھا۔ ویلڈن بلقیس خان۔ عثمان غنی خان کا خط بہت پیارا لگا۔ رہا نیہ خط اچھا لکھتی ہیں، اللہ رکھا کا خط اچھا تھا۔ کاشف عبید نے اچھا خاصا لمبا تبصرہ لکھا تھا، ظہیر ملک واؤ، گریٹ اینڈ ویلکم، اسحار ناصر صاحب زبردست، شرف الدین، یار کیا بات ہیں، ذیشان سمیر آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔ مہرینہ غلام دل جیت لیا ہے، عندلیب کا تبصرہ بھی ٹھیک تھا۔ اللہ سب کو خوش رکھے۔ سب کو سلامت رکھے، سب کو سلام قبول ہو۔ اس ماہ نومبر کی کہانیاں کافی اچھی تھیں، بددعا بہت زبردست فنٹاسٹک کہانی ہے۔ آشا بہت آمیزنگ اینڈنگ کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ پرچھائیاں اس کہانی نے بھی دل جیت لیا ہے۔ حویلی کا آسیب دل سے پڑھنے والی تحریر ہے۔ ٹائم پاس پہلی قسط مجھے پسند آئی۔ مہارت سے لکھی ہوئی ایک بہترین کہانی ہے۔ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

☆☆ عروسہ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کا خط دل میں اتر گیا اور دو مرتبہ پڑھا، کیونکہ اچھی تحریر ہمیشہ خوش کرتی ہے، امید ہے آئندہ ماہ بھی دلکش خط ضرور ارسال کریں گی۔

دانیال اعظم چارسدہ سے، نومبر کا ڈرجلدل گیا، مگر اس کے لیے مجھے گاؤں سے تیس کلومیٹر دور پشاور جانا پڑا، قرآن کی باتیں ہمیشہ کی طرح سب سے بہترین رہیں، سب سے پہلے خطوط کی بات کرتے ہیں۔ عثمان غنی خان آپ نے کمال کا تجزیہ لکھا ہے۔ بلقیس خان ویلڈن زبردست تجزیہ لکھ رہی ہیں، اللہ رکھا گڈ، ظہیر ملک بھی نائس تجزیے کے ساتھ موجود تھے، کاشف عبید بھی اچھا لکھ رہے ہیں۔ ڈر کی محفل میں سب دوستوں کو خوش آمدید باقی اچھے تبصرہ نگاروں کائنات بلوچ، نورینہ، مہرینہ، بسمہ، بینا، عندلیب، صبا اور شرف الدین، احسان الحق، اسحار بن ناصر کا نام قابل ذکر رہا ویلڈن...! آپ کے خطوط بہت خوبصورت تھے۔ ابتدائی کہانی شیطانی حویلی پسند نہیں آئی۔ جنات کا بسیرا روانی میں پڑھتے چلے گئے مگر یہ بھی اچھی نہیں لگی۔ بند دروازہ بہت بہت اچھی کہانی ہے۔ تین پتی ایک لاجواب، عمدہ، شاہکار نابت ہوئی، ٹائم پاس حصہ اول بے حد اچھی عمدہ اور پیاری تحریر ہے۔ اس میں امرینہ کا کردار بہت مزے کا تھا۔ ویسے امرینہ کے ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہونا چاہیے، رُخام نے امرینہ کے ساتھ ایسا کیا کر دیا، جو وہ اس کو مار دینا چاہتی ہے۔ مجھے اس کہانی کے دوسرے حصے کا شدت سے انتظار رہے گا۔ آسیب کی پہلی قسط پسند نہیں آئی۔ جنات کا احسان بہت خوبصورت کہانی ہے۔ باقی دونوں قسط وار کہانیاں ٹھیک جا رہی ہیں۔

☆☆ دانیال صاحب: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کا پرخلوص الفاظ میں لکھا ہوا خط پڑھ کر دل بہت خوش ہوا، آئندہ بھی آپ کے خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

عمار احمد کراچی سے، نومبر کا شمارہ جلدی ملا، خطوط کی محفل میں اچھے خطوط تھے۔ خطوط میں سربراہی کرسی صدارت اللہ رکھا سنبھال رہے تھے کیونکہ اچھا تبصرہ بہت عمدہ طریقے سے پیش کیا گیا تھا، ظہیر ملک کا تبصرہ بھی یونیک سا تھا، عثمان غنی خان نے بہت اچھی باتیں لکھی ہیں، بالکل سچ کہہ رہے ہیں، بلقیس خان ویری گڈ، ہم بھی یہی کہہ رہے ہیں، باقی اس ماہ کے اچھے خطوط کائنات بلوچ، امرحہ

خان، بینا خان، عندلیب، مہرینہ غلام، صبا، احسان، شرف الدین، اسحار بن ناصر، کاشف عبید کے خطوط پسند آئے۔ پورا ڈر پڑھا۔ ڈر کا ٹائٹل کافی پیارا تھا۔ پہلی کہانی شیطانی حویلی کہانی کم اور قیصر نامہ زیادہ لگی۔ ٹائم پاس اپنے نام کے بالکل برعکس ثابت ہوئی، بالکل بھی ٹائم پاس نہیں تھی، اس کہانی کا نام شاہکار ہونا چاہیے، عثمان غنی خان بھائی نے اس بار بھی خوب رنگ جمایا۔ بند دروازہ مجھے بے حد پسند آئی ہے۔ حویلی کا آسیب ایس امتیاز کی کہانی بھی بے حد پسند آئی۔ نئی کہانی آسیب نمبر 1 ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ پہلی قسط ہے۔

☆☆ عمار صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم، آپ کو ڈر ڈائجسٹ اور اس کی کہانیاں اچھی لگیں، اس کے لئے بہت بہت شکریہ قبول کریں، اور ہاں آئندہ بھی خط لکھنا نہ بھولنا۔ Thanks۔

ناصر حسین ملتان سے، السلام علیکم ڈر ڈائجسٹ نومبر کا جلدی مل گیا، اس ماہ کا ٹائٹل کافی شاندار تھا۔ لڑکی بہت پیاری تھی، خطوط میں بلقیس خان، عثمان غنی خان، اللہ رکھا، ظہیر ملک، اسحار بن ناصر، ذیشان سمیر، کائنات بلوچ، مہرینہ غلام، صبا، بسما خان، امرحہ خان، بینا خان، اور کاشف عبید کے تبصرے دل کو چھو گئے، ویسے عثمان غنی خان کو بہترین تبصرہ کرنے پر مبارک باد قبول ہو۔ ٹائم پاس عثمان غنی خان کی سب سے پہلے پڑھی۔ کہانی میں امرینہ کا کردار بہت آمیزنگ اور اچھا لگا، لو اسٹوری ہونے کے باوجود دل سے انجوائے کی، رُخام کا نام مجھے بہت بامعنی لگا۔ شاک تو تب لگا، جب کہانی کے اینڈنگ پر باقی آئندہ ماہ کافی دیر تک منہ چڑائے رکھا۔ ویسے ٹائم پاس کافی یونیک، اور من پسند رہی، دل سے پسند آئی، نیو انداز میں طرز تحریر کی تھی۔ ایم اے راحت کی نئی کہانی آسیب، زبردست لگی، جہنمی دروازہ کافی اچھی جا رہی ہے، موت کی سرگوشی بھی لگتا ہے اختتام کی طرف گامزن ہوگئی ہے۔ جنات کا بسیرا اچھی تھی، حویلی کا آسیب پسند آئی، بند دروازہ بھی خاص تحریر ہے، بھیانک مخلوق پسند نہیں آئی۔ آشا بہترین رہی، واہ مزہ آ گیا۔ قلعے کا بھوت بھی نائس لگی، بھوت بنگلہ بالکل بھی پسند نہیں آئی۔ آسیبی مینا ناپسند رہی۔ جنات کا احسان اچھی کہانی ہے۔ بددعا ٹھیک لگی۔ باقی نہیں پڑھا، ویسے اس ماہ کچھ یونیک کہانیاں بھی شائع ہوگئی تھیں۔ جیسے، ٹائم پاس، نوبل کاز، پلیز رائٹرز حضرات سے گزارش ہے، نئے اور فریش موضوعات لائیں، کیونکہ وہی لوگ کامیاب رہتے ہیں، جو نئے موضوع کو زیر بحث لاتے ہیں۔

☆☆ ناصر صاحب: آپ نے اچھا خط لکھا بلکہ بہت اچھا لکھا، آئندہ ماہ بھی آپ کے دلکش خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

عامر مشتاق قصور سے، السلام علیکم! امید ہے ڈر ڈائجسٹ کے قارئین اور رائٹر حضرات بخیر و عافیت ہوں گے، میں پہلی بار ڈر ڈائجسٹ میں خط لکھ رہا ہوں امید ہے شائع کر کے حوصلہ افزائی کریں گے، میں دس سال سے باقاعدگی سے ڈر پڑھ رہا ہوں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ڈر ڈائجسٹ ایک معیاری رسالہ ہے اور اس میں شامل ہر کہانی لاجواب ہوتی ہے۔ نومبر کا شمارہ ہاتھوں میں ہے شیطانی حویلی پڑھ کر مزہ آ گیا، جہنمی دروازہ بہت اچھی قسط وار کہانی ہے، ایم اے راحت کی نئی قسط وار کہانی دیکھ کر دل کو خوشی ہوئی۔ باقی سب کہانیاں بھی لاجواب ہیں، میرے فیورٹ رائٹر میں فلک زاہد اور ضرغام محمود ہیں، انشاء اللہ اگلے ماہ کہانی لکھ کر بھیجوں گا۔ تب تک کے لئے خدا حافظ۔

☆☆ عامر صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم آپ کا تبصرہ پڑھ کر دل بہت خوش ہوا، اور ہاں آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولئے گا نہیں۔ Thanks۔

عثمان غنی خان پشاور سے، السلام علیکم یقیناً، ادارہ خیر و عافیت سے ہوگا۔ زندگی کا ایک اور سال تمام ہونے کو جا رہا ہے، اور کل کی بات لگتی ہے، جیسے کل ہی جنوری کا آغاز ہو گیا ہو۔ ابھی دسمبر کا شمارہ ہاتھ میں آ رہا ہے۔ دسمبر سے یاد آیا۔ سردی اور ہارر رسالے کا ساتھ بہت خوب لگتا ہے۔ یا کسی ہارر مووی، یا ڈرامے کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دسمبر میں ہر دل عزیز لکھاری بہن، فلک زاہد کی برتھ ڈے بھی ہے، سوآئیں سب ایک ساتھ ان کو وش کرتے ہیں۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر سسٹر فلک زاہد، مے گاڈ بلیس یو، اور ریٹرن مینی ہیپینس آف دی ڈے۔ برتھ ڈے سے یاد آیا، جنوری میں میری برتھ ڈے بھی آ رہی ہے۔ سو پلیز دل سے خوشی ہوگی، کوئی وش کر دے۔ پچھلے سال جنوری کے شمارے میں ایس حبیب خان نے دل جمعی سے ایک شاہکار تبصرہ لکھا تھا، جس میں پورے سال کے شماروں پر تبصرہ کیا تھا۔ یقیناً امید ہے، اس سال بھی ایس حبیب خان سارے شماروں پر دل سے تبصرہ فرمائے گی۔ ویسے بہت سارے لوگوں کے ساتھ ساتھ ہم بھی ایس حبیب خان کی کہانیوں کے منتظر ہیں۔ اس ماہ شمارہ نومبر کی ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں دھوپ میں بیٹھ کر انجوائے کیا۔ پہلی کہانی لکھاریوں کو یکجان کر کے لکھی ہوئی اچھی تحریر ثابت ہوئی، مگر خالد شاہان شاید اس میں اپنا کردار بھول گئے۔ حویلی کا آسیب، ایس امتیاز احمد کی کہانی بہت آمیزنگ اور اچھی تحریر ہے۔ بند دروازہ آخر تک سسپنس سے بھرپور ہارر کہانی مزے دار اختتام کے ساتھ ختم کر دی۔ آسیب، ایم اے راحت کو اللہ جنت الفردوس کے

اونچے درجات میں جگہ عطا فرمائے، ان کی یاد دلادی، جب ہم بچے تھے، انہی کی کہانیاں پڑھ کر جوان ہوگئے ہیں۔ بھیانک مخلوق صبا شاہ، اچھی کوشش ہے، قلعے کا بھوت نائس کہانی لکھی ہے، بھوت بنگلہ بھی اچھی کوشش ہے۔ پرچھائیاں بھی لاجواب لگی۔ آشا مونا شہزاد آپ کی یہ کہانی ہندی اور اردو کو یکجا کے بہترین تحاریر میں سے ایک ثابت ہوئی۔ آسیبی میمنا بھی اچھی کہانی ہے۔ پرچھائیاں بھی لاجواب کہانی ہے۔ بددعا کا ایسا لگ رہا ہے، جیسے یہ کہانی آگے بھی لکھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس کا اختتام بہت زبردست لگا ہے۔ جنات کا احسان بھی اچھی ہے۔ قسط وار کہانیوں کا جواب نہیں، جہنمی دروازہ بہت اچھی جگہ پر اختتام پذیر ہوگئی ہے۔ موت کی سرگوشی بھی بہترین اور اچھے انداز میں بڑھ رہی ہے۔ سب کے کٹ پیس، بہت اچھے ہیں، جن لوگوں کو میری کہانیاں پسند آرہی ہیں، بس ان کی محبت دیکھ کر، ہمارا سیروں خون بڑھ جاتا ہے، اور ساری محنت وصول ہوجاتی ہیں۔ خطوط، میں اس ماہ بلقیس خان، لاجواب تبصرے کے ساتھ حاضر خدمت تھی، اللہ رکھا، ظہیر ملک، کاشف عبید کو ویلکم ان ڈر محفل، جی بالکل شرف الدین جیلانی صاحب، اللہ آپ کو دین کی خدمت پر ہمیشہ قائم رکھے۔ آپ کو جلتے گلاب پسند آئی، تو میری محنت جیسے وصول ہوگئی۔ نئے سال کے موقع پر سب کو دل کی گہرائیوں سے نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ کرے، یہ نیا سال ہمارے لئے اچھا رہے اور ہم سب کے لیے یہ بہت مبارک ثابت ہو۔ کیونکہ سال 2020 سے جتنی بھی توقعات تھیں، وہ اس کے بالکل برعکس نکلا۔ بس وقت چاہے اچھا ہوتا ہے یا برا یہ گزر ہی جاتا ہے۔

☆☆ عثمان صاحب: آپ کی تمام سبق آموز باتیں دل کو چھو گئیں اور اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، اور اس کے لئے جو کہانیاں اپنے چاہنے والوں کے لئے تحریر کر رہے ہیں، اس کی بھی بڑی بات ہے۔ انشاء اللہ آپ کی محنت بہت جلد رنگ لائے گی، اور یہی وجہ ہے کہ آج کل آپ ہر دل عزیز بن گئے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ Thanks۔

شاداب سکندر، نومبر کا شمارہ اس بار کچھ زیادہ ہی جلدی مل گیا، خطوط کی محفل میں اچھے خطوط موجود تھے۔ خاص کر بلقیس خان نے تو سب کے منہ بند کر دیئے، ویلڈن جی، عثمان غنی خان آپ کا خط بہت اچھا اور مثبت ہوتا ہے۔ واقعی آج کل ہر پاکستانی، پب جی اور ٹک ٹاک پر موجود ہے، اللہ رکھا، ویلکم، ظہیر ملک کو بھی ویلکم، مہرینہ، امرحہ، روبانیہ، صبا، کاشف عبید، شرف الدین، احسان الحق، کرن، نورینہ، عندلیب کے خطوط اچھے تھے اور پسند آئے، سب کے اشعار وانتخابات بھی بہت بہت پسند آئے۔ آرٹیکل بھی اچھے لگے۔ لطائف بہت پیارے اس ماہ لگائے تھے۔ ٹائٹل اس ماہ کا بے حد پیارا تھا۔ جنات کا بسیرا بس ٹھیک تھی، حویلی کا آسیب بھی گزارے لائق تھی، حالانکہ ایس امتیاز بھائی شاہکار لکھتے ہیں۔ بند دروازہ بہت زیادہ ہارر اور بھرپور توجہ تحریر تھی، ٹائم پاس قسط نمبرا عثمان غنی خان بہترین کہانی تھی۔ تین پتی ثنا اے شیخ، مائی فیوریٹ رائٹر، آپ بہت زیادہ اچھا لکھتی ہیں۔ بھوت بنگلہ کہانی میری من پسند رہی، قلعے کا بھوت اس کہانی نے دل جیت لیا۔ آشا جامعہ الفاظ کی ایک اچھی بہترین کہانی رہی۔

☆☆ شاداب صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم آپ کو ڈر ڈائجسٹ اچھا لگتا ہے، اس کے لئے شکریہ، آپ کی تحریر دل میں اترنے والی ہے۔

احسان الحق، السلام علیکم محترم ایڈیٹر صاحبان اور قارئین، اس ماہ کا شمارہ بروقت ملا جسے وصول کر کے نہایت خوشی ہوئی۔ ڈر ڈائجسٹ تمام ڈائجسٹس میں ایک خاص Charm رکھتا ہے۔ اس کے خطوط سے لے کر کہانیوں اور پھر شاعری کے سیکشن اس مرتبہ بھی حسب معمول بہت دلکش تھے۔ کہانی کاروں نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ سے جس طرح اسے سجا رکھا تھا، بہت خوشی ہوئی۔ لکھتے لکھتے ہی انسان تجربہ کے ساتھ ایک ماہر لکھاری بنتا ہے اور نئے آنے والوں کے لئے خصوصی کہوں گا کہ آپ سب کی کہانیاں بہت خوب تھیں، لکھتے رہیں۔ ماشاء اللہ آپ کی کاوشیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ میرے دل میں ایک خیال آیا کہ اپنے معزز رائٹرز سے فرمائش کروں کہ مصریات پر بھی لکھیں۔ یہ ایک وسیع مضمون ہے اور انتہائی دلچسپی سمیٹے ہوئے ہے۔ مصریات کے موضوع میں ایک خاص Horror aspect بھی موجود ہے یعنی ڈر کا عنصر۔ مجھے انتظار رہے گا کہ میرے دوست رائٹرز میں سے کوئی نہ کوئی اس موضوع پر ضرور لکھے گا۔ شاہد صاحب اور ٹیم کی انتھک محنت کی وجہ سے ڈر ہم تک ہر ماہ بلا تاخیر پہنچتا ہے جس کے لئے میں ذاتی طور پر سب کا شکریہ تہہ دل سے ادا کرتا ہوں اور آخر میں ایس حبیب خان صاحبہ سے عاجزانہ درخواست کروں گا کہ آپ ہم سب کو ایک خوبصورت ہارر اسٹوری دیں تاکہ ہمیں آپ کا نام سدا افق کی بلندیوں پر نظر آئے۔ فلک زاہد صاحبہ کو بھی ڈر میں miss کر رہا ہوں، امید ہے کہ وہ بھی ڈر میں اپنی خوبصورت سی ایک کہانی ضرور پیش کریں گی۔ سب کے لئے دل سے دعا گو ہوں۔ خیر اندیش۔

☆☆احسان الحق صاحب: پرخلوص الفاظ میں خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، کبھی کبھار آپ بھی کوئی چھوٹی سی کہانی اپنے چاہنے والوں کی خوشی کے لئے لکھا دیا کریں۔ امید ہے اپنے چاہنے والوں کی خوشی کے لئے غور فرمائیں گے۔ شکریہ۔

محسن حسنین کاظمی موچھ میانوالی سے، محترم ومکرم عزت مآب ایڈیٹر صاحبان السلام علیکم! کے بعد عرض ہے کہ مجھے نومبر 2020ء کا شمارہ ملا جس میں میری پہلی کہانی شائع ہوئی تھی۔ ساتھ خط بھی خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ میں آپ کا بے حد مشکور ہوں۔ حسب وعدہ ہر ماہ باقاعدگی سے کہانی لکھنے کا سلسلہ جاری رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا رہوں گا۔ مصروفیات اور روزمرہ کی مجبوریوں کی وجہ سے شارٹ اسٹوریز ہی میری پسندیدہ ہوتی ہیں۔ میرا اسلوب ہے کہ جو کچھ زیب قرطاس کیا جائے وہ قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہو۔ کسی بھی طریقے سے تحریر چربہ نہ ہو بلکہ نئے اور اچھوتے خیالات کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ ماہ اکتوبر اور نومبر کے تمام لکھاریوں اور شعروشاعری بھیجنے والوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے اپنے محبوب ڈائجسٹ ''ڈر'' کے لئے وقت نکالا۔ کیونکہ میں اپنی کہانیوں میں حقیقت سے قریب تر ہو کے لکھنے کی کوشش کروں گا۔

☆☆محسن صاحب: آپ کا خط آیا، پڑھ کر دلی خوشی ہوئی اور قوی امید ہے کہ حسب وعدہ ہر ماہ کہانی ضرور ارسال کرتے رہیں گے پڑھنے والوں کی چاہت کا اندازہ خطوط سے ہو جاتا ہے۔ خیر آئندہ ماہ بھی خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

اشرف الدین جیلانی ٹنڈو الہ یار سے، میں آج کل بہ خیریت ہوں، ٹائٹل پر نظر پڑی تو نگاہ ہٹنے کو تیار ہی نہیں، بھائی ضرغام کے غم میں ہم سب شریک ہیں، ڈرڈائجسٹ کی دنیا میں بلقیس خان، ایس حبیب خان کی غیر حاضری اب قابل برداشت ہے عثمان غنی اپنے چاہنے والوں کے لئے خوب محنت کر رہے ہیں، اس کے لئے شکریہ۔ خواتین رائٹرز ڈر کے مرد رائٹروں کے مقابلے میں پیچھے ہیں، ایس حبیب خان اپنی والدہ کی وجہ سے پریشان ہوں گی ہر لمحے خیر سلامتی کی دعا ہمارے سب ساتھیوں کی والدہ کے لئے خطوط میں ساتھیوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہے ہیں سب ساتھی بدلتے موسم میں نزلہ، زکام، کھانسی سے بچنے کی کوشش کریں کولڈ ڈرنک کی جگہ پر قہوہ پئیں۔

☆☆شرف الدین صاحب: ہم اور تمام رائٹرز وقارئین آپ کے لئے بھی دعا گو ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی دے اور خوشیوں سے نوازے۔ آئندہ ماہ بھی پرخلوص خط کا انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

حق نواز جمالی نوابشاہ سے، السلام علیکم! ایڈیٹر صاحب امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے، اس بار ڈرڈائجسٹ نومبر کا شمارہ جلد ملا، لیکن میں اپنا خط شمارے میں نہ دیکھ کر اداس ہو گیا، خیر امید ہے اس بار شائع کر دینگے۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف، شیطانی حویلی خالد شاہان نے تو کمال کر دیا ویری نائس اسٹوری، راشد نذیر کی جہنمی دروازہ ٹاپ ہے، موت کی سرگوشی اچھی اسٹوری ہے، باقی کہانیوں میں بند دروازہ ویری نائس کہانی ہے۔ ٹائم پاس اچھی کہانی رہی۔ حویلی کا آسیب بیسٹ اسٹوری، اجازت چاہوں گا۔ اگلے ماہ تک کے لئے۔

☆☆حق نواز صاحب: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، اگلے ماہ آپ کا خط لیٹ موصول ہوا تھا۔ خیر آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا

محمد عثمان خان لاہور سے، السلام علیکم! مین ڈرڈائجسٹ کا بہت پرانا قاری ہوں، پہلی دفعہ ڈرڈائجسٹ میں خط لکھ رہا ہوں، ڈرڈائجسٹ میرا پسندیدہ ڈائجسٹ ہے۔ نومبر کا ڈرڈائجسٹ 121 اکتوبر کو نیوز ایجنسی سے لیا، ٹائٹل اچھا تھا۔ سب سے پہلے خط شاہان کی کہانی شیطانی حویلی پڑھی، کہانی اچھی تھی۔ جنات کا بسیرا خلیل جبار بہت اچھی کہانی تھی۔ حویلی کا آسیب اور بند دروازہ پسند آئیں، ایم اے راحت کی نئی سلسلہ وار کہانی آسیب بہت زبردست لگی، اگلی قسط کا انتظار ہے۔ بھیانک مخلوق کہانی عجیب سی تھی مونا شہزاد کی آشا بھی اچھی تھی۔ مریم فاطمہ نے پھر ایک اچھی کہانی لکھی۔ ٹائم پاس بھی پسند آئی اگلی قسط کا انتظار ہے۔ بددعا آسیبی اور پرچھائیاں بھی پسند آئیں۔ امید ہے آپ میرا پہلا خط شائع کریں گے۔

☆☆عثمان صاحب: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے اور آئندہ بھی خط بھیجنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔

الله رکھا چوہدری ہارون آباد سے، السلام علیکم! امید کرتا ہوں کہ سب قارئین کرام، لکھاری حضرات اور ڈرڈائجسٹ انتظامیہ خیر خریت سے ہونگے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کے سب کی مشکلات آسان فرمائے۔ آمین۔ ویسے مجھے لگتا ہے ''مشکلات

کھیل کا نام ہی زندگی ہے'' نومبر کا شمارہ 22 اکتوبر کو ہی مل گیا۔ سرورق ہمیشہ کی طرح لاجواب ہے۔ سلسلہ ''قرآن کی باتیں'' سبحان اللہ ہر ماہ پڑھ کر دل کو سکون ملتا ہے۔ قرآن کی باتوں سے دل کو منور کیا اور سیدھے فہرست پر۔ ماشاءاللہ اتنے سارے اور پیارے پیارے ستارے جگمگا رہے تھے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی میری دعا ہے سدا لکھتے رہیں اور ایسے ہی چھائے رہیں۔ آمین۔ خطوط کی محفل سب سے پہلا خط اپنا دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ شمارے کو سینے سے لگا کر کافی دیر لیٹا رہا جب دل کی دھڑکن کچھ بہتر ہوئی تو اپنا خط پڑھا اور جواب پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ اس ماہ مجھے اتنی خوشیاں ملیں کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ جی تو بات ہو رہی ہے پیارے ڈرکی تو بہت شکریہ کہ بندا ناچیز کو اس قابل سمجھا۔ اس کے لئے شکریہ۔ ''خالد شاہان'' کی شیطانی حویلی ایک نوجوان کی سرگزشت اور بلا کی آوازیں، کمال پلاٹ اور لاجواب منظر نگاری کمال کردیا جی تو ''خلیل جبار'' اس بار جنات کا بسیرا کے ساتھ آئے اور آتے ہی چھا گئے۔ ''حویلی کا آسیب'' ایس امتیاز احمد نے تو ڈرا ہی دیا عمدہ تحریر۔ ''بند دروازہ'' نام سے ہی بہت خوفناک لگی رضوان علی آپ کے لیے اتنا ہی لکھوں گا ''آپ بہت گریٹ ہو'' ارے ارے یہ کیا ایم اے راحت صاحب کی کہانی شروع ہوگئی اور پہلی قسط پڑھ کر بہت انجوائے کیا۔ پہلی قسط زبردست رہی۔ صباشاہ بخاری لاجواب تحریر کے ساتھ انٹری کمال کردیا نام (بھیانک مخلوق) کی طرح کہانی بھی لاجواب رہی بہت سی داد اور دعائیں۔ مونا شہزاد جہاں بھی لکھتی ہیں وہاں کے قاری ان کی تحریر کے گیت گاتے ہیں۔ ''آشا'' بہت ہی عمدہ تحریر ''راشد ندیر طاہر'' میرا دل کرتا آپ کے ہاتھ چوم لوں یار کیا لکھ رہے ہو کہانی جیسے جیسے آگے جارہی ہے ایسے ایسے لاجواب ہوتی جارہی ہے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں لکھتے رہیں پیارے۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کے سدا ہنستے رہو اور تازہ گلاب کے پھولوں کی طرح مہکتے رہو۔ ان شاءاللہ زندگی نے وفا کی تو اگلے ماہ کے تبصرے میں ملاقات ہوگی۔ تب تک کے لئے اللہ حافظ۔

☆☆ اللہ رکھا صاحب: خط پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا، امید ہے آئندہ بھی دلکش تبصرہ لکھ کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گے، کبھی کبھی ہم محدود صفحات کی وجہ سے مجبور ہوجاتے ہیں۔ تمام قارئین.....Please Dont mind۔

ظہیر ملک ہارون آباد سے، السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ڈرا انتظامیہ، قارئین کرام اور پیارے پیارے مصنفین کرام امید واثق ہے آپ سب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخیر وعافیت ہونگے۔ نومبر کا شمارہ 31 اکتوبر کو موصول ہوا جس کا سرورق خوفناک تو نہیں لگ رہا تھا لیکن بہترین تھا سرورق کے لئے بہت سی داد۔ قرآن کی باتوں سے شروعات کی ماشاءاللہ بہترین سبق آموز باتیں لکھی گئی تھیں بہت پیاری لگیں۔ فہرست دیکھی تو کچھ نام پچھلے شمارے میں پڑھے جانے والے تھے اور کچھ نام نئے شامل تھے سب کو میری طرف سے بہت سارا خیر مقدم اور دعائیں۔ سلسلہ خطوط میں میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں کہ پہلا خط ہی میرے پیارے بھائی اللہ رکھا چوہدری کا ہے واہ ماشاءاللہ پیارے بہت بہت مبارکباد۔ دوسرا تبصرہ میرا تھا میں آپ انتظامیہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ میرے تبصرے کو آپ نے عزت بخشی اور شمارے کا حصہ بنایا تھا سلامت رہیں آپ کے لیئے بہت سی دعائیں۔ پہلی کہانی شیطانی حویلی خالد شاہان صاحب کی بہت خوب تھی ڈرا ڈائجسٹ کی سالگرہ کی دعوت میں جاتے ہوئے کہانی بیان کی گئی جو بہت عمدہ طریقے سے پیش کی گئی سب رائٹرز کو اکھٹے پڑھنے کا شرف ملا خالد شاہان صاحب آپ نے تو موتی پروئے ہیں الفاظ کی جگہ آپ کا انداز بیاں بہت پسند آیا کہانی نے ذرا برابر بھی بور نہیں کیا اور آخر تک تجسس اور پراسراریت قائم رہی، حویلی کا آسیب نام تو کئی بار سن چکا ہوں کہانی نئی تھی عمدہ لگی گڈ اچھی لگی ایس امتیاز احمد صاحب لکھتے رہیں گڈ ماشاءاللہ۔ بند دروازہ رضوان علی سومرو صاحب ویلڈن کہانی بہترین لگی ہے۔ آسیب ایم اے راحت صاحب بہترین لکھتے ہیں اور یہ کہانی بہترین کہانیوں میں سے ایک کہانی تھی پڑھ کہ خوف بھی محسوس ہوا اور اچھی بھی لگی گڈ ماشاءاللہ لکھتے رہیں آپ کے قلم کی روانی سدا برقرار رہے۔ محترمہ مونا شہزاد صاحبہ تو میری پسندیدہ لکھاری ہیں ان کی کہانی کو پڑھنا میرے لئے اعزاز کی بات ہے آپ کی کہانی پڑھنے پر میں بہت خوش، ہوا آپ کی ہر ایک کہانی میں سبق آموز پیغام چھپا ہوتا ہے اور اس کہانی میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اور پھر 258 صفحات کا شمارہ ہوا ختم اور ہمیں اگلے شمارے کا شدت سے انتظار شروع ہوگیا انتظامیہ سے گزارش ہے ہارون آباد میں بلکہ بہاولنگر ضلع میں ڈائجسٹ دستیاب نہیں اس بارے میں سوچیں۔ میں نے ایک کہانی میل کی ہے خونی بھیڑیا کے عنوان سے بھیجی ہے قابل اشاعت ہے یا نہیں۔ اجازت دیں اپنا اپنے پیاروں کا خیال رکھیں اللہ حافظ۔

ظہیر ملک صاحب: آپ کا خط پڑھا تو اچھا لگا بلکہ بہت ہی اچھا لگا۔ ہارون آباد یا بہاولنگر کے بکسٹال سے رابطہ کریں اور انہیں مشورہ دیں کہ وہ ڈرا ڈائجسٹ منگائیں یا پھر کوئی اور وجہ ہے تو ہمیں لکھیں تو ہم یقیناً عملی قدم اٹھائیں گے۔ Thanks۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے۔السلام علیکم!امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا!ماہ رواں کا شمارہ سامنے ہے،دلکش ٹائٹل اور خوب صورت Story`s کے ساتھ تمام ترسلسلے خوب رہے۔Story`s کا انتخاب لاجواب رہا۔رائٹرز خوب لکھ رہے ہیں۔خدا کرے اور زور قلم زیادہ ہو۔غزل کا انتخاب لاجواب رہا۔ہمارے آرٹیکلز لگانے کا تھینکس۔میٹرز آپ کے پاس ہیں۔کچھ شعر قارئین کی نظر۔

اونچے اونچے درباروں سے کیا لینا　　ننگے بھوکے بیچاروں سے کیا لینا
اپنا مالک اپنا خالق افضل ہے　　آتی جاتی سرکاروں سے کیا لینا

امید ہے قریبی اشاعت میں جگہ دیں گے۔ہماری طرف سے آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ڈرڈائجسٹ کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز کو دعا سلام۔اپنا خیال رکھئے گا۔

☆☆امتیاز صاحب: آپ کا شعر دل کو چھو گیا، بہت ہی لاجواب شعر ہے، کہانی شامل اشاعت ہے، اور کبھی کبھار تو دل کی باتیں لکھ دیا کریں۔Thanks۔

عامر شہزاد نکانہ صاحب سے محترم ایڈیٹر صاحب معزز رائٹرز اور قارئین السلام علیکم!نومبر کا رسالہ مطالعہ کے بعد زیر تبصرہ ہے۔سرورق ڈراؤنا اور جاندار ہے۔قرآنی صفحہ پڑھ کر ایمان تازہ ہوگیا۔اللہ رکھا چوہدری، ظہیر ملک، کاشف عبید کاوش، نعیم بخاری، ذیشان سمیر، محبوب خان، عبدالرؤف، ابرار بشیر، فرخ چوہدری، عندلیب شیر، بلقیس خان، بینا خان، بسما خان، فریدہ خانم، کائنات بلوچ، خانسہ غیور، مہرین غلام علی، نوری بشری، روبانیہ عامر، صبا شاہ، احسان الحق اور عثمان غنی نے بہترین خطوط لکھے، تمام نئے رائٹرز کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خوش آمدید۔شیطانی حویلی، جنات کا بسیرا، حویلی کا آسیب، بھیانک مخلوق، آسیب، آشا، قلعے کا بھوت، بھوت بنگلہ، ٹائم پاس، بھیانک حقیقت، آسیبی میمنا اور تین پتی اس ماہ کی بہترین کہانیاں ثابت ہوئیں۔ماہم ملک، ایس حبیب خان، ڈاکٹر ندیم، ماریہ سبحان، صدام ساگر، رابعہ آفرین، شازیہ پروین، کائنات رشک، صباشاہ بخاری، پروفیسر صاحب، محمد اویس، ساحل ابڑو اور ایڈووکیٹ نینا خان نے بہترین شاعری تخلیق کی۔البتہ ایس حبیب خان نمبرون رہیں۔محترم ایڈیٹر صاحب، معزز رائٹرز اور قابل احترام قارئین سے نہایت ادب واحترام سے گزارش ہے کہ مجھے اپریل، مئی اور جون کا مشترکہ ڈر کہیں سے بھی نہیں ملا، میں نے لاہور، فیصل آباد، ملتان، کراچی حتیٰ کہ ادارے سے بھی طلب کیا مگر ناکام رہا، لہٰذا میری آپ سے گزارش ہے کہ برائے مہربانی مجھے یہ شمارہ چاہئے کیونکہ اس میں میری کہانی ''شیطانی ہوس'' شائع ہوئی تھی، اگر کوئی قابل احترام بھائی یا بہن مہربانی کرنا چاہیں تو ادارہ کے توسط سے قیمتاً ارسال فرمائیں میں آپ کا نہایت مشکور ہوں گا، آخر میں دعائے خیر ہے کہ ڈر ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔(آمین)

☆☆عامر صاحب: کئی ماہ کے بعد آپ کا خط آیا اور پڑھ کر دلی سکون ملا، اور ہاں خط کے ہمراہ کوئی کہانی نہیں امید ہے غور فرمائیں گے اور جلد از جلد کہانی ارسال کردیں گے، کیونکہ آپ کے چاہنے والے اور پڑھنے والے بے چین ہیں تو ہم بھی پریشان، امید ہے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔Thanks۔

عبدالروف ہائی وے تارو جبہ سے، السلام علیکم ڈرڈائجسٹ نومبر کا جلدی مل گیا، ٹائٹل اچھا تاثر دے رہا تھا اور کافی یونیک تھا، کہانیوں کی فہرست دیکھی، پھر خطوط کی محفل میں آگئے۔اس ماہ بلقیس خان، عثمان غنی خان بھائی، کاشف عبیداللہ رکھا، ظہیر ملک، شرف الدین، احسار ناصر، محسن حسنین کے خطوط اچھے لگے۔عثمان غنی خان نے جو کچھ بھی کہا، ٹھیک کہا۔بلقیس خان نے جو بھی لکھا اچھا لکھا اور یہ بات آپ بالکل ٹھیک فرمارہی ہیں، جنات کا بسیرا کہانی ٹھیک تھی۔بھیانک مخلوق ناپسندیدہ تھی، آشا کہانی مزے کی تھی، حویلی کا آسیب ڈر کے عین مطابق تھی۔قلعے کا بھوت میری من پسند رہی، جنات کا احسان کیا کہانی تھی؟ بھیانک حقیقت کہانی پسند آئی۔بددعا گزارے لائق تھی، آسیبی میمنا بھی بس ایک بار پڑھنے لائق تھی، پرچھائیاں کی تو بالکل بھی سمجھ نہیں آئی۔قسط وار کہانی ٹائم پاس کی پہلی قسط عثمان غنی خان کی اس تحریر نے میرا دل مٹھی میں لے لیا۔مجھے بالکل بھی پتہ نہیں تھا کہ یہ قسط وار ہے، ورنہ میں جمع کر کے ایک ساتھ پڑھ لیتا۔مجھے اس کے حصے کا شدت سے انتظار ہے۔جہنمی دروازہ بھی اچھی ہے۔اچھا اب اجازت دیں پھر ملیں گے۔

☆☆عبدالرؤف صاحب: آپ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور یہ حقیقت ہے کہ پسند اپنی اپنی ہوتی ہے، کچھ لوگوں کو لوگ دھکے دے کر گرادیتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ گرتے ہوئے کو اٹھا کر سہارا دیتے ہیں۔پلیز میری بات پر غور کیجئے گا۔Thanks۔

☆☆

دیوانگی

ضرغام محمود۔ کراچی

وقت کے تھپیڑے میں دوشیزہ آگے ہی آگے بڑھتی جارہی تھی، اسے ہوش تو تھا مگر ایسی لگ رہی تھی کہ اسے کوئی ہوش نہیں اور جب.....

اچھی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے کہنہ مشق رائٹر کے قلم سے لکھی گئی شاہکار کہانی

بحری جہاز کے عرشے کی ریلنگ سے ٹیک لگائے میں سمندر میں اترے چاند کے عکس کو گھور رہا تھا جہاز سبک رفتاری کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہا تھا مجھے اپنے کیبن میں بے چینی سی ہو رہی تھی تو میں اپنے کیبن سے نکل کر عرشے پر آگیا رات کے تین بج رہے تھے عرشہ بالکل خالی تھا تمام مسافر اپنے اپنے کیبنوں میں آرام کر رہے تھے جبکہ جہاز کا عملہ اپنے کاموں میں مگن تھا۔ میں اکیلا ہی عرشے پر کھڑا سمندر کو گھور رہا تھا۔

یہ بحری جہاز امریکہ سے فرانس جارہا تھا میں اس جہاز میں میکسیکو سے بیٹھا تھا ہوائی جہاز کے نسبت میں بحری جہاز کے سفر کو ترجیح دیتا ہوں شاید اس لئے کہ یہ مجھے شاہی سواری لگتی ہے۔ میں کل دوپہر کو اس جہاز میں میکسیکو کی بندرگاہ سے بیٹھا تھا اب یہ جہاز مجھے چھ دن کے سفر کے بعد فرانس کے ساحل پر اتارے گا میں دو ماہ سے امریکہ اور میکسکو کے سیر کو نکلا تھا اور اب اپنا سفر ختم کر کے اپنے وطن فرانس لوٹ رہا ہوں۔ کل دوپہر میں اس بحری جہاز نے میکسیکو کی بندرگاہ سے لنگر اٹھایا اور فرانس کی جانب اپنا سفر شروع کیا جو چھ دن پر محیط ہے۔ جہاز پر بیٹھتے وقت میں یہی دعا کر رہا تھا کہ چھ دن کا سفر ہے لہٰذا اگر سفر میں اچھے ساتھی مل جائیں تو سفر خوشگوار گزرتا ہے اور خدا نے میری دعا سن لی مجھے کیبن نمبر ساٹھ الاٹ ہوا جو آخری کیبن تھا کیبن نمبر انسٹھ اور اڑسٹھ مسٹر فیبر کس مارکوز کے پاس تھا جو اپنی خوبصورت بیوی پامیلا مارکوز اور اپنی جوان سال سالی صوفی روڈز کے ساتھ سفر کر رہے تھے میری ان سے ملاقات کل شام ہوئی مسٹر فیبر کس مارکوز ایک زندہ دل انسان ہے لہٰذا میری ان سے فوراً دوستی ہوگئی ان کی بیوی پامیلا مارکوز تھوڑی ریسیو خاتون ہے مگر ان کی جواں سال سالی صوفی روڈز ایک ماڈرن اور زندہ دل لڑکی ہے میری اس فیملی سے فوراً دوستی ہوگئی خاص طور پر فیبر کس مارکوز سے اور ان کی سالی صوفی روڈز سے۔ کل رات بارہ بجے تک صوفی میرے ساتھ ہی جہاز کے بار میں بیٹھی تھی اس نے میرے ساتھ کافی ڈانس بھی کیا صوفی تو شناسا اور رسمی مگر صوفی کی بہن پامیلا مارکوز اسے زبردستی اپنے ساتھ کیبن میں لے گئی۔ مسٹر اور مسز مارکوز اور صوفی روڈز کے ہمسفر بننے سے مجھے قوی امکان تھا کہ میرے سفر کے یہ چھ دن کافی اچھے اور دلچسپ گزریں گے۔

صوفی کے جانے کے بعد میں بھی اپنا جام ختم کر کے اپنے کیبن میں چلا گیا چونکہ میں کافی تھکا ہوا تھا لہٰذا فوراً ہی مجھے نیند آگئی، مگر دو ہی گھنٹے بعد میری آنکھ کھل گئی

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

اور میں بے چینی محسوس کرنے لگا عموماً بحری سفر کے دوران اس طرح گھبراہٹ ہوتی ہے لہٰذا کچھ دیر میں اپنے بستر پر لیٹا رہا پھر جب میری بے چینی ختم نہیں ہوئی تو میں اپنے بستر سے اٹھا اور اپنے کیبن سے نکل کر عرشے پر آگیا اور عرشے کے ریلنگ سے ٹیک لگا کر سمندر کو گھورنے لگا سمندر پرسکون تھا آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا فضا مکمل صاف تھی اور بحری سفر کے لحاظ سے آئیڈیل موسم تھا ہوا بھی ٹھنڈی اور فرحت بخش چل رہی تھی مجھے یہاں آکر سکون ملا تو میں نے اطمینان کی ٹھنڈی سانسیں بھری اور عرشے کی جانب دیکھنے لگا عرشے پر کوئی نہیں تھا عرشہ بالکل خالی تھی میں کچھ دیر عرشے کو گھورتا رہا پھر سمندر کو دیکھنے لگا۔اسی وقت مجھے کچھ کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی ساتھ ہی کسی کی کرب میں ڈوبی ہوسسکاریاں بھی میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں چونک اٹھا۔

سسکاریوں کی آواز اتنی پر درد تھی کہ میرا دل دھڑک اٹھا صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی شدید زخمی حالت میں رو رہا ہو میں نے آواز کی سمت میں دیکھا مگر عرشے پر اندھیرا تھا چاند کی روشنی اتنی نہیں تھی کہ سب کچھ واضح نظر آئے۔میں ملگجی روشنی میں آنکھیں پھاڑے آواز کی سمت دیکھ رہا تھا مگر مجھے اس سمت کچھ نظر نہیں آیا تو میں اس سمت کی جانب بڑھا۔

''کون ہے وہاں۔۔۔''میں اس سمت بڑھتے ہوئے بولا مگر جواب میں مجھے صرف سمندر کے موجوں کا شور اور سمندری ہوا کی سائیں سائیں سنائی دی۔

''کون ہے وہاں۔۔۔۔مجھے بتاؤ میں تمہاری کچھ مدد کروں''میں دوبارہ بولا مگر اس بار کوئی آواز نہیں آئی تو میں مزید اس سمت کی جانب بڑھا جہاں سے پہلے سسکاریوں کی آواز آئی تھی اس جانب لائف بوٹس اور چھوٹی کشتیاں بندھی ہوئی تھی بڑے بحری جہازوں میں ایمرجنسی کے لئے یہ چھوٹی کشتیاں اور لائف بوٹس رکھی ہوتی ہے کہ خدانخواستہ اگر جہاز کو کچھ نقصان ہو جائے اور وہ سفر کرنے کے قابل نہ رہے تو مسافران کشتیوں کے ذریعے اپنی جان بچا سکیں۔میں ان کشتیوں کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت دبلا پتلا آدمی جس کے پورے جسم پر سفید سفید پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اور اس کے پاس سے عجیب سی بو آرہی ہے وہ شخص وہاں کھڑا تھا۔

''کون ہو تم؟''میں نے اس شخص سے پوچھا۔

''میں ایک بدنصیب اور قسمت کا مارا شخص ہوں۔جسے اس کے اپنوں نے دھوکا دیا''وہ شخص بولا۔

''تمہیں کس نے دھوکا دیا اور اس وقت تم یہاں کیا کر رہے ہو۔۔کیا تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے؟''میں نے ایک ہی سانس میں اس شخص سے کئی سوالات کر دیئے۔

''تم یہ کشتی کھول کر اسے سمندر میں اتارنے میں میری مدد کر سکتے ہو؟'' وہ شخص میرے دیگر سوالات کو نظر انداز کر کے میری آخری سوال کے جواب میں بولا۔

اس شخص کی بات سن کر میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا مجھے اس شخص کی بات پر بہت حیرانی ہو رہی تھی کہ یہ شخص اتنی رات کو ایک چھوٹی کشتی کیوں سمندر میں اتارنا چاہتا ہے۔اسی وقت میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور میرے دماغ میں یہ خیال آیا کہ یہ شخص کوئی مجرم ہے اور جہاز میں کوئی جرم کر کے بھاگنا چاہتا ہے۔۔شائد جہاز میں کسی شخص کے پاس سے اس نے کوئی قیمتی چیز چرائی ہو۔اس سوچ کے میرے ذہن میں آتے ہی میں نے تیکھی نظروں سے اس شخص کو دیکھا۔

''تمہارا نام کیا ہے''؟میں نے اس شخص کو تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''شینے۔۔۔۔شینے گارشیا ڈرباز۔۔۔''اس شخص نے اپنا نام بتایا۔

''میکسیکن ہو؟''میں نے پھر پوچھا تو اس نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

''پلیز میری مدد کرو''شینے گارشیا نے دوبارہ مجھ

سے درخواست کی۔

''تم جہاز سے فرار ہونا چاہتے ہو۔۔۔کہیں تم نے جہاز سے کچھ چرایا تو نہیں؟'' میرے سوالات ختم ہونے کو نہیں آرہے تھے۔

''نہیں۔۔۔نہیں۔۔تم غلط سمجھ رہے ہو۔۔۔ میں نے جہاز پر چوری نہیں کی'' شینے گارشیا بولا۔

''تو پھر تم کشتی کیوں سمندر میں اتارنا چاہتے ہو'' میں نے پھر پوچھا۔

''وہ۔۔۔وہ دراصل اس کشتی میں ایک لاش موجود ہے۔۔اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کو معلوم ہو کہ یہاں کوئی لاش ہے'' شینے گارشیا نے جواب دیا تو میں اچھل پڑا۔میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

''ت۔۔۔تم نے کسی کو قتل کر دیا ہے؟'' میں سراسیمگی حالت میں بولا۔

''نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔قتل تو ان لوگوں نے کیا ہے۔۔میں تو صرف انصاف کر رہا ہوں'' شینے گارشیا بولا۔

''تمہارے انصاف کی ایسی کی تیسی میں ابھی جہاز کے عملے اور کیپٹن کو تمہارے بارے میں اور اس قتل کے بارے میں جا کر بتاتا ہوں۔۔نہ جانے تم نے کس بے گناہ کو قتل کر دیا ہے'' میں غصے سے چیخا تو شینے گارشیا دھیرے سے مسکرایا اور پھر اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔اگر تم نے اس قتل کے بارے میں کسی کو کچھ بتایا تو۔۔۔میں تمہیں ایسی دردناک موت دونگا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے'' شینے گارشیا بولا اس کی آواز میں ایسی گرج تھی کہ میں لرز کر رہ گیا میرے سارے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے خوف نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا میرا دل کر رہا تھا کہ فوراً وہاں سے بھاگ جاؤں۔۔۔ مگر میرے پیر من من بھر بھاری ہو چکے تھے اور میرے ہی پیروں نے میرا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔میں خوف سے لرزتا ہوا وہیں کھڑا تھا اور شینے گارشیا میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا دھیرے دھیرے میری جانب بڑھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ میں کوشش کے باوجود اپنی نظریں اس کی نظروں سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔میرے اعصاب دھیرے دھیرے میرا ساتھ چھوڑ رہے تھے میری آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا تھا پھر میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا اور میں بے ہوش ہو کر عرشے پر گر پڑا۔

☆.....☆.....☆

صبح میری آنکھ کھلی تو کچھ دیر میں خالی الذہن لیٹا رہا پھر مجھے رات کا واقعہ یاد آیا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا میں نے جلدی سے اپنے اوپر سے چادر ہٹائی اور بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں۔۔میں تو وہاں عرشے پر بے ہوش ہوا تھا۔۔۔تو پھر یہاں اپنے کیبن میں اپنے بستر پر کیسے آ گیا'' ایک خیال میرے ذہن میں آیا۔

''ضرور یہ اس شینے گارشیا کی حرکت ہو گی اس نے میرے بے ہوش ہونے کے بعد مجھے عرشے سے اٹھا کر اس بستر پر لا کر ڈال دیا ہوگا'' میں سوچ رہا تھا میرے دل کو یہ خیال زیادہ صحیح لگا۔

''اوہ۔۔۔اس شینے گارشیا نے تو ایک قتل کیا ہے۔۔مجھے اس بارے میں جہاز کے کیپٹن کو بتانا چاہیے'' میں نے پھر سوچا اور جلدی سے کیبن سے نکلنے کے لئے دروازے کے سامنے پہنچا۔۔۔تو میں ٹھٹک کر رک گیا میری آنکھیں خوف سے اپنے حلقوں سے باہر نکلنے لگیں۔

''یہ۔۔۔یہ دروازے کی کنڈی اندر سے کیسے لگی ہوئی ہے'' میں دروازے کی کنڈی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑبڑایا ''اگر شینے گارشیا نے عرشے سے مجھے اٹھا کر کیبن میں لایا۔۔تو پھر وہ خود باہر کیسے گیا اور اگر وہ کیبن سے باہر چلا گیا۔۔تو پھر اندر سے دروازے کو کنڈی کس نے لگائی'' میں مسلسل سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

میں دروازہ کھول کے باہر جانے کے بجائے واپس اپنے بستر پر آ کر بیٹھ گیا اور رات کے واقعات پر غور کرنے لگا۔

''کہیں۔۔۔ کہیں۔۔ میں نے رات کو کوئی خواب تو نہیں دیکھا۔۔'' اب میرا اعتماد متزلزل ہو رہا تھا۔ مجھے شک ہو رہا تھا کہ رات والا واقعہ کہیں میرے دماغ کا فتور تو نہیں ہے۔

میں سوچوں میں ڈوبا اپنے بستر پر بیٹھا تھا کہ زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی ساتھ ہی کسی نے میرا نام لیکر مجھے پکارا۔

''اولیور۔۔۔ اولیور مارٹینز'' مجھے دروازے کے باہر سے ایک پریشانی سے بھرپور آواز سنائی دی تو میں بستر سے اٹھا اور جمائی لیتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا اور دروازے کی کنڈی گرا کر دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ میرا دروازہ کھٹکھٹانے والے مسٹر اینڈ مسز فیبر کس مارکوز ہیں۔

''گڈ مارننگ مسٹر اینڈ مسز مارکوز'' میں نے اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے ان دونوں کو گڈ مارننگ کہا۔

''سوری۔۔۔ مسٹر مارٹینز ہم نے آپ کو ڈسٹرب کیا'' فیبر کس نے مجھے میرے سرنیم سے پکارتے ہوئے معذرت کی۔

''کوئی بات نہیں ۔۔ میں اٹھ چکا تھا۔۔ آیئے۔۔۔ اندر آیئے'' میں نے فیبر کس کے سوری کے جواب میں خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔

''نہیں ہم لوگ جلدی میں ہیں۔ آپ نے صوفی کو کہیں دیکھا ہے'' فیبر کس نے اپنی سالی کے بارے میں پوچھا۔

''رات کو بار میں تھی۔۔ بس اسی وقت آخری بار دیکھا تھا۔۔۔ خیریت تو ہے نا'' میں نے پہلے فیبر کس کے سوال کا جواب دیا اور پھر خود بھی سوال داغ دیا۔

''پھر۔۔۔ پھر وہ کہاں گئی'' فیبر کس میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے بڑبڑانے لگا۔

''کیا صوفی کہیں چلی گئی ہے''؟ میں نے پوچھا۔

''صوفی کا کہیں پتا نہیں مل رہا ہم لوگ دو گھنٹے سے اسے تلاش کر رہے ہیں'' پامیلا مارکوز نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔

''ہوسکتا ہے۔۔۔ صوفی اپنی کسی سہیلی کے ساتھ اس کے کیبن میں ہو'' میں نے جان بوجھ کر سہیلی کہا ورنہ جتنی آزاد خیال کی صوفی تھی وہ کسی مرد دوست کے کمرے میں بھی ہوسکتی تھی۔

''ہم نے ہر ممکن جگہ پر صوفی کو ڈھونڈ لیا ہے۔۔ مگر وہ نہیں ملی'' پامیلا الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

''آپ لوگوں نے آخری بار کب صوفی کو کب دیکھا تھا'' اب میں بھی پریشان ہوگیا تھا۔

''رات کو بار سے آنے کے بعد اس نے ہمیں گڈ نائٹ کہا اور اپنے کیبن میں چلی گئی۔۔ صبح جب میں اس کے کیبن میں گئی ۔۔۔ تو وہ کیبن میں نہیں تھی ۔۔'' پامیلا بولی۔

''اوہ۔۔ آپ لوگوں نے جہاز کے کپتان کو انفارم کیا''؟ میں نے پوچھا۔

''نہیں ابھی نہیں۔۔ ابھی ہم لوگ خود ڈھونڈ رہے ہیں اگر وہ ایک آدھ گھنٹہ اور نہیں ملی تو پھر ہم جہاز کے عملے کو مطلع کریں گے'' فیبر کس نے جواب دیا اور پریشانی کے عالم میں اپنا ماتھا رگڑتے ہوئے واپسی کے لئے مڑ گیا۔

''اگر صوفی آپ کو کہیں نظر آئے تو۔۔ اس کو واپسی کا کہیئے گا۔۔'' پامیلا نے واپس مڑتے وقت مجھے مخاطب کیا تو میں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

فیبر کس مارکوز اور پامیلا مارکوز کے جانے کے بعد میں اپنے کیبن میں واپس آیا مجھے ایک بار پھر رات والا ڈراؤنا خواب یاد آ گیا تو مجھے جھرجھری سی آ گئی شینے گارشیا ڈر بازاف کتنا بھیانک چہرہ تھا اس کا اور اوپر سے اس کے پورے جسم پر سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور اس کے پاس سے ایسی بو آ رہی تھی جیسے عموماً ہسپتال میں آتی ہے میں کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر میں نے سر کو جھٹک کر پریشان کن خیالات سے

چھٹکارا پانا چاہا اور سوچوں کا رخ صوفی روڈز کی جانب موڑ دیا اور سوچنے لگا کہ آخر صوفی بغیر بتائے کہاں جاسکتی ہے۔

پھر میں نے ہر قسم کے خیالات سے پیچھا چھڑانے کی خاطر فریش ہوکر ڈائننگ ہال کا رخ کیا تاکہ ناشتہ کرسکوں۔ ناشتے سے فارغ ہوکر میں عرشے پر چلا آیا جہاں خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور بہت سے لوگ اس دھوپ سے لطف اندوز ہورہے تھے میں بھی عرشے کے ریلنگ سے اپنا جسم ٹکائے سمندر کی لہروں کو دیکھنے لگا ساتھ ہی دھوپ کی ہلکی ہلکی تمازت سے بھی لطف لے رہا تھا۔

اسی وقت میری نظر جہاز کے عرشے کے اس کونے میں اٹھی جہاں پر ایمرجنسی کے لئے لائف بوٹ اور کشتیاں رکھی ہوئی تھیں اس جانب نظر اٹھتے ہی مجھے رات والا خواب یاد آگیا اور ساتھ ہی شینے گارشیا بھی میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا میں نے سوچ رکھا تھا کہ تھوڑی دیر دھوپ سے لطف اٹھالوں پھر جہاز کے مسافروں کی لسٹ چیک کرتا ہوں کہ شینے گارشیا نام کا شخص جہاز پر کس کیبن میں ٹھیرا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اس کونے پر ایک بھرپور نظر ڈالی جہاں پر رات کو شینے گارشیا مجھے ملا تھا وہ حقیقت تھی یا میرا ایک خواب تھا میں اس بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔

ابھی میں یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک جہاز کے ایک ملازم کی چیخ ابھری میں نے چیخ کی آواز کی سمت دیکھا جہاز کا ایک ملازم جو وردی میں تھا وہ اس کشتی پر چڑھا ہوا تھا جسے رات کو شینے گارشیا نے مجھے سمندر میں اتارنے میں مدد دینے کا کہا تھا اور میں نے انکار کردیا تھا۔ ملازم کی چیخ سن کر جہاز کا کیپٹن اور چند ملازم جلدی سے اس جانب بڑھے میں بھی ان کے ساتھ جہاز کے اس حصے میں پہنچا جہاں پر سے جہاز کے ملازم نے چیخ ماری تھی۔

''کیا ہوا۔۔۔گیلم۔۔۔تم کیوں چیخے ہو؟'' جہاز کے کپتان نے چیخ مارنے والے ملازم سے پوچھا ملازم کا نام گیلم تھا۔

''سر۔۔۔۔سر۔۔۔اس کشتی میں ایک لاش ہے'' گیلم تھر تھر کانپتی آواز میں بولا۔

''کیا؟'' کیپٹن کے ساتھ میرے منہ سے بھی بے ساختہ نکل گیا۔

''جاؤ۔۔۔گیلم کی مدد کرو۔۔۔دیکھو وہاں کس کی لاش ہے'' کیپٹن نے اپنے ساتھ آنے والے ملازموں سے کہا تو وہ سب گیلم کی جانب بڑھ گئے۔

تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد جہاز کے ملازم لاش کو کشتی سے اتار کر لے آئے اور جہاز کے عرشے پر لیٹا دیا۔ میں نے لاش کے چہرے کی جانب دیکھا۔۔۔ تو میں دھک سے رہ گیا۔۔۔لاش کا چہرہ اذیت کے مارے کافی بگڑ گیا تھا مگر پھر بھی پہچان میں آرہا تھا وہ لاش صوفی روڈز کی تھی جسے اس کی بہن اور بہنوئی صبح سے تلاش کررہے تھے۔

صوفی کی لاش کی برامدگی کی خبر جہاز میں آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی لاش کے گرد جہاز کے مسافروں کا ہجوم بڑھتا ہی جارہا تھا صوفی کی بہن پامیلا مارکوز اور بہنوئی فیبر کس مارکوز بھی خبر سنتے ہی دوڑے چلے آئے۔صوفی کی لاش دیکھ کر پامیلا اپنے حواس کھو بیٹھی اور زور زور سے رونے لگی وہ اپنی بہن کی لاش سے لپٹ جانا چاہتی تھی مگر فیبر کس نے اسے مضبوطی سے اپنی بانہوں میں پکڑ رکھا تو پامیلا رو رہی تھی اور بلند آواز میں صوفی کو پکار رہی تھی پامیلا روتے روتے بے ہوش ہوگئی تو میں نے فیبر کس کی مدد کی اور پامیلا کو کیبن تک لیکر آیا۔جہاز کے مسافروں میں صوفی کی دردناک موت کی وجہ سے سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ جہاز کے کیپٹن ارتکال ارسو کو اس صورتحال سے نمٹنے میں مشکل پیش آرہی تھی مگر اس نے اپنے تجربے سے اس گھمبیر صورتحال پر بڑی خوبصورتی سے قابو پایا اور جہاز کے مسافروں کو مطمئن کرکے ان کے کیبنوں میں بھیج دیا۔ پھر اس نے فیبر کس سے چند باتیں کی جو میں دور ہونے کی وجہ سے نہیں سن سکا۔صوفی کے لاش کو ایک گھنٹے بعد ضروری مذہبی رسوم

کی ادائیگی کے بعد بحری اصولوں کے مدنظر سمندر کی لہروں کے سپرد کر دیا گیا۔ جب صوفی کی لاش کو سمندر کے سپرد کیا جارہا تھا تو میں وہاں موجود تھا فیبر کس اور پامیلا بھی موجود تھے فیبر کس نے مضبوطی کے ساتھ پامیلا کو پکڑ رکھا تھا پامیلا کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ آخر آنسوؤں کے ساتھ صوفی کو سمندر کی لہروں کی نظر کر دیا گیا۔

پورا دن جہاز کے عملے کے افراد مختلف لوگوں سے پوچھ گچھ کرتے رہے مجھ سے بھی صوفی کے بارے میں سوالات کئے گئے کیونکہ رات کو آخری آدمی میں ہی تھا جس سے ملنے کے بعد پامیلا صوفی کو لیکر چلی گئی تھی۔ میں بھی اس کیس میں خاص دلچسپی لے رہا تھا اور ساتھ ہی شینے گارشیا کو بھی ڈھونڈ رہا تھا مگر مجھے شینے گارشیا پورے جہاز پر کہیں نظر نہیں آیا میں نے بہانے سے جہاز پر سوار تمام مسافروں کی فہرست بھی چیک کر لی مگر شینے گارشیا ڈرباز کا نام فہرست میں شامل نہیں تھا میں پریشان ہو رہا تھا کہ آخر وہ میرا خواب تھا یا پھر حقیقت، کیونکہ اس شینے گارشیا کے کہنے کے مطابق لاش تو اسی کشتی سے برامد ہوئی جسے شینے گارشیا سمندر میں اتارنا چاہتا تھا مگر شائد میری مداخلت کی وجہ سے وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مگر آخر شینے گارشیا جہاز میں کس جگہ چھپا ہوا تھا اور پھر شینے گارشیا کی دھمکی جو اس نے مجھے دی تھی کہ اگر میں نے اس کے بارے میں کسی کو بتایا تو۔۔۔ تو وہ مجھے دردناک موت دے گا۔ اس لئے میں نے شینے گارشیا کے متعلق کسی کو بھی نہیں بتایا بس اپنے آپ ہی اسے ڈھونڈتا رہا مگر شینے گارشیا مجھے نہیں ملا۔ میں پامیلا یا فیبر کس سے شینے گارشیا کے متعلق معلوم کرنا چاہا رہا تھا مگر پامیلا کی حالت کی وجہ سے میں نے شینے گارشیا کے متعلق پوچھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

اگلے دن میں دن چڑھے تک سوتا رہا۔ پھر اٹھ کر میں نے اپنے کیبن ہی میں ناشتہ منگوالیا، ابھی میں ناشتے سے فارغ ہی ہوا تھا کہ کسی نے زور سے میرے کیبن کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور میں نے دروازہ کھولا تو۔۔۔ میں نے دیکھا کہ دروازہ کھٹکھٹانے والی پامیلا مارکوز ہے اور وہ بہت زیادہ پریشان اور حواس باختہ نظر آرہی ہے۔

''خیریت تو ہے نا۔۔ مسز پامیلا۔۔'' میں نے پامیلا کو پریشان دیکھا تو پوچھا۔

''وہ۔۔۔ وہ میرے شوہر کی طبیعت بہت خراب ہے۔۔ پلیز میری مدد کیجئے'' پامیلا روتے ہوئے بولی تو میں نے اپنے کیبن سے اس کے کیبن کی جانب دوڑ لگا دی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا میرے پیچھے پامیلا بھی کیبن میں داخل ہوئی کیبن میں داخل ہو کر میں نے بستر پر لیٹے ہوئے فیبر کس مارکوز کو دیکھا۔۔۔ تو میرا دل ڈوبنے لگا۔

''یہ۔۔۔ یہ فیبر کس کو کیا ہوا ہے'' میں فیبر کس کے قریب پہنچا کل تک صحت مند نظر آنے والا فیبر کس انتہائی بیمار حالت میں بستر پر لیٹا ہوا تھا ایسا لگتا تھا جیسے فیبر کس برسوں کا بیمار ہو اس کا سرخ وسفید چہرہ بالکل بے رونق ہو رہا تھا اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور وہ بہت زیادہ لاغر نظر آرہا تھا۔

''یہ۔۔ یہ فیبر کس کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔ کل تک تو بالکل ٹھیک تھے'' میں نے حیران ہو کر پامیلا سے پوچھا جو فیبر کس کے سرہانے کھڑی رو رہی تھی۔

''معلوم نہیں۔۔۔ صبح جب میں اٹھی تو میں نے دیکھا کہ فیبر کس کا یہ حال ہے ان کی سانس بھی رک رک کر آرہی ہے۔۔۔ تو میں آپ کو بلانے چلی گئی'' پامیلا روتے ہوئے بولی۔

''میں ابھی جہاز کے ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں'' اتنا کہہ کر میں کیبن سے نکلا اور آندھی طوفان کی طرح ڈاکٹر کے کیبن کی جانب بڑھا اور ذرا سی دیر میں ڈاکٹر الیگزینڈر کے ہمراہ دوبارہ فیبر کس کے کیبن میں واپس آیا۔ ڈاکٹر الیگزینڈر بھی فیبر کس کی حالت دیکھ کر حیران رہ گئے پھر انھوں نے اپنا اسٹیتھیسکوپ نکالا اپنے کانوں سے لگا کر فیبر کس کے دل کی دھڑکن سننے لگے پھر انھوں

نے فیبر کس کی نبض پکڑی۔ میں بغور ڈاکٹر الیگزینڈر کو دیکھ رہا تھا ڈاکٹر الیگزینڈر خود فیبر کس کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے کل تک بے حد تندرست اور چاق و چوبند نظر آنے والا فیبر کس اس وقت بے حد لاغر اور کمزور نظر آرہا تھا اس کے سانس بھی رک رک کر چل رہی تھی اس کی آنکھیں کیبن کی چھت پر جمی ہوئی تھیں۔ فیبر کس کا معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر الیگزینڈر نے اس کو ایک انجیکشن لگایا اور کچھ دوائیاں دیں اور پامیلا کو ان دوائیوں کے متعلق ہدایات دی۔ اور پھر کیبن سے باہر چلے گئے میں بھی ڈاکٹر الیگزینڈر کے پیچھے کیبن سے باہر نکلا۔

''ڈاکٹر۔۔۔فیبر کس کو کیا بیماری ہوگئی ہے؟'' کیبن سے باہر نکلنے کے بعد میں نے ڈاکٹر الیگزینڈر سے پوچھا۔

''کونسی بیماری ہے۔۔یہ تو میں نہیں سمجھ سکا۔۔۔ مگر۔۔۔'' ڈاکٹر الیگزینڈر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''مگر کیا؟'' میں نے حیران ہوکر پوچھا۔

''فیبر کس کے جسم میں خون کی شدید کمی ہے۔۔۔اسی وجہ سے اس کا دل بے ترتیب انداز میں دھڑک رہا ہے'' ڈاکٹر الیگزینڈر نے اپنا ماتھا رگڑتے ہوئے جواب دیا۔

''خون کی شدید کمی۔۔۔مگر خون کی کمی کیسے ہوگئی۔۔کل تک تو فیبر کس بالکل ٹھیک تھا'' میں حیران ہورہا تھا۔

''یہی بات میرے لئے بھی حیرانگی کا باعث بن رہی ہے۔۔ایک ہی رات میں اس کے جسم کا سارا خون کہاں چلا گیا'' ڈاکٹر الیگزینڈر نے کہا۔

''فیبر کس کی جان کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''سچ بولوں۔۔۔تو شائد فیبر کس آج رات بھی نہ نکال پائے گا۔۔اس کے جسم کو فوری طور پر خون کی ضرورت ہے'' ڈاکٹر الیگزینڈر نے جواب دیا۔

''تو۔۔۔خون کا بندوبست نہیں ہوسکتا''۔

''جہاز پر یہ ممکن نہیں ہے۔۔۔خشکی پر پہنچنے کے بعد ہی ہم کچھ کرسکتے ہیں'' ڈاکٹر الیگزینڈر نے کہا۔

''ابھی تین دن کا سفر باقی ہے پھر ہم فرانس کے ساحل پر پہنچیں گے'' میں سوچتے ہوئے بولا۔

اسی وقت پامیلا کے چیخنے کی آواز سنائی دی تو میں اور ڈاکٹر الیگزینڈر بھاگ کر فیبر کس کے کیبن کے اندر پہنچے اندر پہنچ کر جو منظر میں نے دیکھا اس نے میرے رونگٹے کھڑے کردیئے۔

فیبر کس اپنے بستر سے اتر کے نیچے کھڑا ہوا تھا اس کی نظریں اپنے سامنے اس طرح جمی ہوئی تھی جیسے وہ کسی کو دیکھ رہا ہو اس کی آنکھیں اس کے حلقوں سے باہر نکلی پڑ رہی تھیں پامیلا بھی فیبر کس کی نظروں کی سیدھ میں دیکھ رہی تھی اس کا چہرہ بھی خوف سے سفید پڑا ہوا تھا میں نے ان دونوں کی نظروں کی سیدھ میں دیکھا۔ مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا مگر فیبر کس اور پامیلا اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے۔۔۔جیسے وہاں کوئی بھوت کھڑا ہو۔ اچانک فیبر کس زور سے چیخا۔

''نکل جاؤ یہاں سے۔۔۔ورنہ۔۔ورنہ میں تمہیں جان سے مار دونگا۔۔۔چلے جاؤ یہاں سے'' فیبر کس اتنی زور سے چیخا کہ اس کا سارا وجود ہل کر رہ گیا اور وہ دھڑام سے بستر پر گر پڑا اور جان کنی حالت میں تڑپنے لگا فیبر کس کی حالت دیکھ کر پامیلا کو جیسے ہوش آگیا ہو وہ چیختے ہوئے فیبر کس کی جانب بڑھی اور اس نے فیبر کس کا سر اپنی گود میں رکھا اور انجان وجود کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ۔۔میرا پیچھا چھوڑ دو۔۔۔پلیز'' پامیلا رو رہی تھی میں اور ڈاکٹر الیگزینڈر حیرانی سے فیبر کس اور پامیلا کو دیکھ رہے تھے کہ۔۔۔آخر وہ لوگ کس سے باتیں کررہے ہیں۔

اسی وقت فیبر کس نے ایک تیز چیخ ماری اور سر کو زور زور سے جھٹکے لگنے لگے ایسا لگتا تھا جیسے اس کا دم نکل رہا ہو فیبر کس کی یہ حالت دیکھ کر میں تیزی کے ساتھ اس کی جانب بڑھا پھر میں نے ڈاکٹر الیگزینڈر کو جھنجھوڑا۔

''ڈاکٹر پلیز۔۔۔پلیز کچھ کرو'' میں نے ڈاکٹر الیگزینڈر کو جھنجھوڑ کر کہا تو ڈاکٹر کو جیسے ہوش آ گیا وہ تیزی کے ساتھ فیبر کس کی جانب بڑھا اور اس نے فیبر کس کے سینے پر اسٹیتھسکوپ رکھا اسی وقت فیبر کس کے جسم نے دو تین جھٹکے کھائے اور پھر اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی۔ ڈاکٹر الیگزینڈر نے جلدی سے فیبر کس کی نبض دیکھی اور پھر اس کی آنکھوں کو چیک کیا اور پھر فیبر کس کی آنکھیں اپنے ہاتھ سے بند کی اور مایوسی کی حالت میں سیدھے کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا ڈاکٹر''؟ میں سب کچھ سمجھنے کے باوجود ڈاکٹر الیگزینڈر سے ایک موہوم سی امید کے سہارے پوچھا۔

''فیبر کس اب اس دنیا میں نہیں رہا'' ڈاکٹر الیگزینڈر نے مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا ڈاکٹر کا جواب سن کر پامیلا نے ایک زور کی چیخ ماری اور فیبر کس کے برابر گر کر بے ہوش ہو گئی۔ ڈاکٹر الیگزینڈر جلدی سے پامیلا کے پاس پہنچے اور اس کی نبض دیکھنے لگے۔

''صدمے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے'' ڈاکٹر نے پامیلا کی نبض دیکھنے کے بعد کہا۔

''میں کیپٹن کو اطلاع دیتا ہوں'' میں نے ڈاکٹر الیگزینڈر سے کہا اور کیبن سے باہر نکل گیا دراصل میں خود کیبن سے باہر آنا چاہتا تھا مجھے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔۔۔آخر فیبر کس اور پامیلا کس وجود سے باتیں کر رہے تھے جو مجھے اور ڈاکٹر الیگزینڈر کو نظر نہیں آ رہا تھا اور۔۔۔پھر فیبر کس کی دردناک موت۔۔۔

مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ میرے ذہن میں شینے گارشیا ڈرکی پراسرار شخصیت کلبلا رہی تھی آخر یہ شینے گارشیا کون ہے۔۔۔اور جہاز پر کہاں چھپا ہوا ہے۔۔۔کیا وہ بھیس بدل کر سفر کر رہا ہے۔۔یا۔۔وہ کوئی پراسرار وجود ہے یا کیا کوئی بھوت۔۔پریت یا۔۔کوئی انجان مخلوق۔۔میرے ذہن میں ہزاروں باتیں کلبلا رہیں تھیں۔۔مگر ان باتوں کا جواب کون دے گا۔۔۔

شاید پامیلا مارکوز ان باتوں پر کوئی روشنی ڈال سکے۔۔۔مگر ابھی اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اس سے میں کچھ پوچھ گچھ کر سکتا۔

ڈاکٹر الیگزینڈر نے پامیلا کو نیند کا انجیکشن دے کر سلا دیا پامیلا کی غیر موجودگی ہی میں فیبر کس کی آخری رسومات ادا کی گئی اور اسے بھی صوفی کی طرح سمندر کی لہروں کے سپرد کر دیا گیا۔دو۔۔۔دو اموات کی وجہ سے جہاز میں سراسیمگی پھیل گئی تھی لہٰذا جہاز کے کیپٹن ارتکال ارسو نے تمام لوگوں کو اپنے کیبن تک محدود رہنے کی ہدایت جاری کر دی، جہاز پر ایک قسم کا کرفیو نافذ کر دیا گیا کوئی بھی مسافر بلا ضرورت اپنے کیبن سے باہر نہیں آئے گا کیپٹن ارتکال کی جانب یہ ہدایت نامہ تمام مسافروں کو مل چکا تھا لہٰذا ہر شخص اپنے کیبن تک محدود ہو گیا جہاز کا عملہ مسافروں کو ان کے کیبن میں ہی کھانا سرو کرنے لگا۔ میں بھی اپنے کیبن تک محدود تھا اور ساتھ ہی فیبر کس اور صوفی کی موت کے بارے میں سوچ رہا تھا اور شینے گارشیا کی پراسرار شخصیت کے بارے میں قیاس کر رہا تھا ابھی تک مسلسل سوچنے کے باوجود میں شینے گارشیا کی پراسرار شخصیت کے بارے میں کوئی بھی اندازہ لگانے میں ناکام رہا تھا۔

میں دو دن سے کیبن میں بند رہتے رہتے بور ہو چکا تھا لہٰذا میں اپنے کیبن سے باہر آیا باہر چمکیلی دھوپ نکلی ہوئی تھی میں نے اپنے کیبن کے سامنے کھڑے ہو کر دور عرشے پر نظر دوڑائی عرشہ خالی تھا کوئی مسافر عرشے پر کھڑے ہو کر سمندر کا نظارہ نہیں کر رہا تھا۔ پھر میں نے پامیلا کے کیبن کے دروازے پر نظر دوڑائی دروازہ حسب معمول بند تھا فیبر کس کی موت کو اڑتالیس گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ فیبر کس کی موت کے بعد سے میری پامیلا سے ملاقات نہیں ہوئی تھی حالانکہ میں پامیلا سے ملنا چاہتا تھا اور اس سے شینے گارشیا کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا تاکہ اپنی الجھن کو رفع کر سکوں ویسے بھی اب ہمارے سفر کا اختتام ہونے والا تھا چوبیس گھنٹے بعد

دلچسپ کہانیوں کا رسالہ

ماہنامہ

بچوں کا میگزین

کراچی

دسمبر کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

قیمت -/40 روپے

جس میں جن، بھوت، چڑیل، بادشاہوں،
شہزادیوں کے علاوہ دلچسپ معلومات عامہ،
پہیلیاں، لطیفے، اقوال زریں اور مزیدار کہانیاں شامل ہیں۔
لہٰذا قلم اٹھائیں اور اپنی اچھی اچھی تحریریں فوراً ارسال کردیں
تاکہ آپ بھی انعامات کے حق دار بن جائیں۔

ماہنامہ
بچوں کا میگزین

میں لکھنے کے لیے کوئی شرط نہیں بلکہ تحریر کا معیاری ہونا ضروری ہے۔

پیارے بچو! بچوں کے میگزین میں رنگین تصاویر بھی شائع کی جائیں گی تو آپ اپنی اچھی اور رنگین تصویر فوراً ارسال کردیں۔

پیارے بچو، قلم اٹھائیں اور جلد از جلد اپنی تحریریں ارسال کردیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

گوالی لائن نمبر 3، نورانی آرکیڈ

نیو اردو بازار کراچی

Mob:0324-7232580

آفس ٹائم: صبح 10 سے شام 6 تک

ماہنامہ
بچوں کا میگزین

جہاز فرانس کے ساحل پر پہنچ جائے گا اور پھر ہمارے سفر کے اختتام کے ساتھ سارے مسافر ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے اس لئے میں ہر حالت میں پامیلا سے ملاقات کرنا چاہتا تھا یہ سوچ کر میرے قدم خود بخود پامیلا کی کیبن کی جانب اٹھ گئے پامیلا کے کیبن کے دروازے کے سامنے پہنچ کر میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ آیا پامیلا سے شینے گارشیا کے متعلق پوچھنے کا یہ صحیح وقت ہے یا نہیں۔

''ذلیل ۔۔کمینے۔۔۔تم۔۔ نے میرے فیبر کس کو جان سے مار دیا ہے۔۔تم قاتل ہو''؟ اچانک مجھے کیبن کے اندر سے پامیلا کے چیخنے کو آواز سنائی دی پھر پامیلا زور زور سے رونے لگی۔

''کیا۔۔کیا فیبر کس کا قاتل اندر ہے؟'' میرے ذہن میں سوال ابھرا اس کے ساتھ ہی میں نے ہمت کر کے پامیلا کے کیبن کا دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے دروازے پر دباؤ ڈالا ۔۔۔تو دروازہ کھل گیا شائد دروازے کو اندر سے کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی دروازہ کھلتے ہی میں پھرتی کے ساتھ کیبن کے اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ پامیلا بستر پر بیٹھی اپنا منہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چھپائے زار و قطار رو رہی ہے میں نے جلدی سے کیبن میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر مجھے کیبن میں کسی اور شخص کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا۔

''مسز فیبر کس۔۔۔مسز فیبر کس۔۔آپ خیریت سے تو ہیں نا؟'' میں نے پامیلا کو پکارا تو اس نے گردن اٹھا کر میری جانب دیکھا پامیلا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور اس کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پامیلا تیزی کے ساتھ کھڑی ہوئی اور مجھ سے آکر لپٹ گئی۔ کچھ دیر میں نے پامیلا کو رونے دیا اور پھر اس کو تسلی دیتے ہوئے خود سے الگ کیا پھر میز پر رکھے پانی کے جگ میں سے پانی گلاس میں نکالا اور پامیلا کو دیا جسے اس نے ایک ہی سانس میں پی لیا پانی پی کر پامیلا کے حواس بحال ہوئے۔

''خیریت تو ہے نا مسز فیبر کس۔۔۔کون تھا ابھی آپ کے ساتھ'' میں نے پامیلا کو تسلی دینے کے بعد پوچھا۔

''وہ۔۔وہ خبیث۔۔چلا گیا'' پامیلا کیبن میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

''کون۔۔۔خبیث''؟ میری بات سن کر پامیلا اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی کچھ دیر وہ سوچتی رہی پھر بولی۔

''وہ۔۔وہ خبیث۔۔شینے ۔۔شینے گارشیا ڈرباز'' پامیلا نے نفرت کے ساتھ میری بات کا جواب دیا۔

''شینے گارشیا'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا اور میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا اس نام نے میری راتوں کی نیندیں حرام کی ہوئی تھیں اور جس کے بارے میں، میں پامیلا سے پوچھنا چاہتا تھا پامیلا نے از خود اس شخص کا نام لے لیا۔

''ہاں۔۔۔ہاں وہ شینے گارشیا ہی تھا ۔۔وہ شیطان ہے شیطان۔۔'' پامیلا پھر بولی۔

''پامیلا کیا آپ مجھے شینے گارشیا کے متعلق کچھ بتائیں گی'' میں نے آہستہ سے پامیلا سے کہا تو پامیلا نے اپنا سر جھکا لیا کچھ دیر پامیلا سر جھکا کر سوچتی رہی پھر اس نے سر اٹھایا اور گویا ہوئی۔

یہ دو سال پہلے کی بات ہے جب میں نے تعلیم مکمل کی تھی تو میں دنیا گھومنے نکلی یورپ گھومنے کے بعد میں امریکا اور اس کے بعد میں میکسیکو پہنچی میکسیکو کی سیر کرتے ہوئے میں قدیم ریڈ انڈین کے علاقوں کی جانب نکل گئی وہیں میری ملاقات شینے گارشیا ڈرباز سے ہوئی جو ریڈ انڈین قبیلے کے مذہبی پروہت کا بیٹا تھا میں چند دن اس قبیلے میں رکی اس قبیلے کے ریڈ انڈین کافی مہمان نواز تھے اور میرے ساتھ بہت اچھے طریقے سے پیش آئے شینے گارشیا سے میری وہیں پر دوستی ہوئی وہ میرا گائیڈ بن گیا اور ہم دونوں سارا سارا دن میکسیکو کی خاک چھانتے رہتے تھے شینے عمر میں مجھ سے کچھ چھوٹا ہی تھا میں اس کو صرف ایک اچھا دوست سمجھتی تھی مگر

جب میں واپس فرانس آنے لگی تو شینے گارشیا نے مجھ سے اظہارِ محبت کیا جسے سن کر میرا ہنستے ہنستے برا حال ہوگیا میں نے شینے گارشیا کے اظہارِ محبت کو مذاق میں اڑا دیا اور اسے مذاق ہی مذاق میں کہہ دیا کہ جب وہ بڑا آدمی بن جائے گا تب میں اس سے شادی کرلونگی جسے سن کر شینے بہت خوش ہوا پھر میں واپس فرانس آگئی فرانس آکر میں شینے گارشیا کو بھول گئی پھر میری زندگی میں فیبر کس مارکوز آیا اور میں فیبر کیس سے محبت کرنے لگی ہمارے گھر والوں کو بھی ہمارے پیار پر کوئی اعتراض نہ تھا لہٰذا جلد ہی ہماری شادی کی باتیں چلنے لگیں اسی دوران مجھے شینے گارشیا کا ایک خط موصول ہوا جس میں اس نے مجھ پر بے وفائی کا الزام عائد کیا اور اس خط میں اس نے لکھا کہ میں نے اپنے وعدے کا پاس نہیں رکھا جواب میں لکھے گئے خط میں، میں نے شینے کو سمجھایا کہ میرا اور اس کا ملاپ ممکن نہیں ہے لہٰذا وہ مجھے بھول کر اپنی زندگی بنانے کی کوشش کرے۔

میری شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں جب میری شادی میں دو دن رہ گئے تھے تو میرے نوکر نے مجھے آکر بتایا کہ کوئی صاحب مجھ سے ملنا چاہتے ہیں جسے اس نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے یہ سن کر میں ڈرائنگ روم میں پہنچی وہاں خلافِ توقع شینے گارشیا کو بیٹھا دیکھ کر میں دم بہ خود رہ گئی شینے بہت کمزور اور لاغر نظر آرہا تھا اس کا کھلا کھلا چہرہ کملایا ہوا تھا اس کی بڑی بڑی روشن آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اس کے چہرے پر عجیب وحشت اور دیوانگی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں میں حسرت اور مایوسی تھی۔

میں اچانک یوں شینے گارشیا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی شینے مجھے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور میرے مقابل آیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا میں اس کی آنکھوں کی بے بسی کی تاب نہ لاسکی اور اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی شینے نے مجھے پر بے وفائی کا الزام عائد کیا اور رو رو کر التجا کرنے لگا کہ میں فیبر کس سے اپنی شادی ملتوی کردوں۔

آخر میں نے دل پر پتھر رکھ کر شینے گارشیا کو درشت لہجے میں دھتکارا میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ میرا سخت لہجہ سن کر شینے واپس اپنی دنیا میں چلا جائے اور مجھے بھول کر ایک نئی زندگی کا آغاز کرے۔ میں نے اسے صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس سے پیار نہیں کرتی بلکہ میرا پیار صرف اور صرف فیبر کس کے لئے ہے۔

یہ سن کر شینے دیوانہ ہوگیا اور چیخنے لگا شینے کے اسطرح چیخنے سے میں گھبرا گئی میں نے گھر کے نوکروں کو بلوایا اور شینے کو دھکے دے کر اپنے گھر سے باہر نکلوا دیا۔

جاتے سے شینے دھمکی دے کر گیا کہ اگر میں اس کی نہیں ہوسکی۔۔۔تو وہ مجھے کسی کی بھی نہیں ہونے دے گا۔ شینے کی اس دھمکی پر میں نے بالکل توجہ نہ دی میرا خیال تھا کہ شینے وقتی ابال کی وجہ سے دھمکی دے رہا ہے۔ پھر میری شادی فیبر کس سے ہوگئی اور میں اور فیبر کس خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے لگے میں شینے گارشیا اور اس کی دھمکی کو بالکل بھول گئی۔

فیبر کس اور میری شادی کو چھ ماہ ہو چکے تھے اور اس دوران مجھے شینے گارشیا کی کوئی خبر نہ ملی آخر چھ ماہ بعد ایک کام سے فیبر کس کو امریکہ آنا پڑا تو میں اور صوفی بھی امریکہ گھومنے کے چکر میں فیبر کس کے ساتھ آگئے اب ہم لوگ واپس جارہے تھے" پامیلا نے روتے ہوئے اپنی پوری داستان سنائی۔

"اور آج شینے گارشیا آپ کے کمرے میں آیا تھا؟" میں نے پوچھا تو پامیلا نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

"کیا صوفی اور فیبر کس کو اسی نے قتل کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً۔۔۔فیبر کس کی موت کے وقت وہ کمرے میں موجود تھا" پامیلا نے پر یقین لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے شینے گارشیا جہاز میں بھیس بدل کر سفر کررہا ہے" میں سوچتے ہوئے بڑبڑایا تو پامیلا مجھے غور سے دیکھنے لگی۔

"آپ دوائی کھا کر آرام کریں۔۔۔میں

جہاز میں شینے گارشیا کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں‘‘ میں نے پامیلا سے کہا تو پامیلا نے میز کی دراز کھول کر دوائی نکالی اور سائیڈ ٹیبل کر رکھے ہوئے جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور دوائی منہ میں رکھ کو گلاس بھر پانی پی لیا۔

’’اوکے آپ کیبن کو اندر سے بند کرلیں اور پوچھے بغیر کسی بھی حالت میں دروازہ نہ کھولیں‘‘ میں نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے پامیلا سے کہا تو وہ سر ہلانے لگی۔ پھر میں پامیلا کے کیبن سے باہر آ گیا۔ اب میرا رخ کیپٹن ارتکال کے کیبن کی جانب تھا۔

میں تیز قدموں سے چلتا ہوا کیپٹن ارتکال کے کیبن کی جانب جا رہا تھا کہ میری نظر عرشے پر پڑی وہاں پر کیپٹن ارتکال دھوپ میں کرسی لگائے بیٹھا تھا اس کے سامنے رکھی میز پر شمپیئن کی بوتل کھلی ہوئی تھی اور کیپٹن ارتکال گلاس میں شمپیئن ڈالے اس کے مزے لے رہا تھا کیپٹن کو عرشے پر دیکھ کر میں سیدھا کیپٹن کی جانب گیا۔

’’ہیلو کیپٹن‘‘ میں نے قریب پہنچ کر کیپٹن ارتکال کو مخاطب کیا۔

’’ہیلو۔ ہیلو مسٹر مارٹینز۔۔۔ آیئے آیئے بیٹھے۔۔ میں ابھی آپ کو بلوانے ہی والا تھا‘‘ کیپٹن ارتکال نے خالی کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو میں کیپٹن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

’’شمپیئن چلے گی۔۔۔‘‘ کیپٹن ارتکال نے مجھ سے پوچھا اور پھر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر میرے لئے جام بنانے لگا

’’تھینکس‘‘ میں نے کیپٹن ارتکال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جام کیپٹن کے ہاتھ سے لے لیا اور ہونٹوں سے لگا کر ایک چسکی لی واقعی شمپین لاجواب تھی۔

’’شیمپین لاجواب ہے‘‘ میں نے کھلے دل سے تعریف کی۔

’’بلجئیم سے منگوائی ہے۔۔۔ خاص موقعوں پر ہی اسے کھولتا ہوں‘‘ کیپٹن ارتکال نے میری بات کا جواب دیا۔

’’آپ کو مجھ سے کچھ کام تھا‘‘ جام ختم کر کے میں نے کیپٹن ارتکال سے پوچھا کیونکہ کچھ دیر قبل ہی کیپٹن کہہ چکا تھا کہ وہ مجھے بلوانے والا تھا۔

’’مسٹر اولیور مارٹینز‘‘ کیپٹن ارتکال نے خالی جام میز پر رکھنے کے بعد نہایت سنجیدگی سے مجھے مخاطب کیا۔

’’جی‘‘۔

’’آپ پولیس میں رہ چکے ہیں؟‘‘ کیپٹن ارتکال نے پوچھا۔

’’ہاں‘‘ میں نے مختصر سا جواب دیا۔

’’آپ جہاز میں ہونے والی دونوں اموات کے متعلق کیا کہتے ہیں۔۔ کہ یہ قدرتی موتیں تھیں یا قتل‘‘ کیپٹن ارتکال نے نہایت سنجیدگی سے مجھ سے پوچھا۔

’’میرا خیال نہیں ۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں موتیں قتل تھیں ۔۔۔ ارادے اور منصوبہ بندی کے ساتھ کی جانے والی قتل کی وارداتیں‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’اوہ‘‘

’’اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس قتل کے پیچھے کس کا ذہن کارفرما ہے۔۔۔ اور قاتل کون ہے‘‘ میں نے ایک اور انکشاف کیا تو کیپٹن ارتکال اچھل پڑا۔

’’کون۔۔۔ کون ہے قاتل‘‘

’’شینے ۔۔۔ شینے گارشیا ڈرباز‘‘ میں نے ڈرامائی انداز میں کہا اور میری نظریں مسلسل کیپٹن ارتکال پر جمی ہوئی تھیں شینے گارشیا کا نام سنتے ہی کیپٹن ارتکال کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمایاں ہو گئے مگر اس نے نہایت مہارت سے اپنے اوپر قابو پایا مگر میری نظروں سے اس کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ نہ چھپ سکا۔

''کیا بات ہے کیپٹن۔۔کیا تم شینے گارشیا ڈرباز کو جانتے ہو۔۔۔''؟ کچھ دیر خاموش رہ کر میں نے کیپٹن ارتکال سے سوال کیا۔

''ہاں،، میں شینے گارشیا کو جانتا ہوں۔۔وہ اسی جہاز پر سفر کر رہا ہے'' کیپٹن ارتکال نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔

''یقیناً۔۔۔وہ نام اور بھیس بدل کر سفر کر رہا ہوگا۔۔۔کیونکہ میں نے مسافروں کی لسٹ خود چیک کی ہے اس کا نام مسافروں کی لسٹ میں موجود نہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔۔۔وہ اپنے اصلی نام سے سفر کر رہا ہے۔۔۔'' کیپٹن سوچ رہا تھا۔

''آپ اس کو جانتے ہیں''؟ میں نے پوچھا۔

''اس کا جواب ہاں میں بھی ہوسکتا ہے۔۔اور نہیں میں بھی'' کیپٹن ارتکال نے گول مول جواب دیا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا''۔

''میں یہ تو نہیں جانتا کہ شینے گارشیا کردار کے حوالے سے کیسا شخص ہے۔۔مگر یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ۔۔وہ کسی کو قتل نہیں کرسکتا'' کیپٹن ارتکال نے کہا۔

''کیوں۔۔۔وہ قتل کیوں نہیں کرسکتا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیونکہ قتل زندہ آدمی کرتا ہے'' کیپٹن ارتکال نے کہا۔

''کیا مطلب۔۔کیا شینے گارشیا مر چکا ہے''؟ اب حیرت کی باری میری تھی۔

''شینے گارشیا اس جہاز پر سفر کر رہا ہے۔۔۔مگر مردہ حالت میں'' کیپٹن ارتکال نے کہا۔

''مردہ حالت میں مطلب''؟ میری حیرانگی کم نہیں ہو رہی تھی۔

''میکسیکو کے ساحل سے جہاز میں ایک تابوت لوڈ کروا گیا ہے جو ہمیں فرانس میں ایک ایڈریس پر ڈیلیور کرنا ہے اس تابوت میں شینے گارشیا ڈرباز کی لاش ہے۔میرے پاس سارے کاغذات مکمل ہیں اور شینے گارشیا کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ بھی ہے'' کیپٹن ارتکال نے جواب دیا۔کیپٹن ارتکال کی بات سن کر میں اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ شینے گارشیا مر چکا ہے کیونکہ میں نے اسے زندہ حالت میں عرشے پر کھڑے دیکھا ہے اور پھر پامیلا نے بھی اسے دیکھا تھا میں بے یقینی انداز میں کیپٹن ارتکال کو دیکھ رہا تھا کیپٹن بھی میری بے یقینی کو بھانپ گیا۔

''میرے ساتھ میرے کیبن میں چلو میں تمہیں شینے گارشیا کی فائل دکھاتا ہوں اس فائل میں شینے گارشیا کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ موجود ہے'' کیپٹن نے کہا اور کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا تو میں بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا پھر میں اور کیپٹن ارتکال کیبن میں پہنچے کیبن میں پہنچ کر کیپٹن ارتکال نے ایک الماری کھولی اور اس میں سے ایک فائل نکالی اور پھر اس فائل میں سے ایک کاغذ نکال کر میری جانب بڑھایا تو میں نے ہاتھ آگے کر کے کیپٹن ارتکال سے وہ کاغذ لے لیا اور پڑھنے لگا۔

وہ شینے گارشیا کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ تھا جو ایک ہفتہ پہلے کا تھا یعنی جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ہی شینے گارشیا مر چکا تھا میں نے ڈیتھ سرٹیفکیٹ پڑھنے کے بعد کیپٹن ارتکال کو واپس کیا۔

''فرانس میں شینے گارشیا کا تابوت کس ایڈریس پر پہنچانا ہے'' میں نے ڈیتھ سرٹیفکیٹ واپس کرنے کے بعد کیپٹن ارتکال سے پوچھا تو اس نے اسی فائل میں سے ایک اور کاغذ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔اس کاغذ پر ایک ایڈریس لگا تھا۔

''گوزینا روڈز۔۔110 میلکم اسٹریٹ پیرس۔فرانس'' میں نے ایڈریس پڑھا اور کچھ سوچنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' مجھے سوچتا دیکھ کر کیپٹن ارتکال نے مجھ سے پوچھا۔

''یہ ایڈریس سنا ہوا ہے۔'' میں بڑبڑایا۔''اوہ

مائی گاڈ۔ یہ تو پامیلا کے والد کا ایڈریس ہے'' مجھے یاد آ گیا یہ ایڈریس مجھے صوفی روڈز نے بتایا تھا۔

''یہ تابوت تمہیں میکسکو میں کس نے دیا اور تابوت کے ساتھ کیا کوئی خط وغیرہ بھی ہے''؟ میں نے ایک ساتھ دو سوالات کر دیئے۔

''تابوت تو ایک کمپنی کے تھرو بک کروایا گیا ہے اور اس تابوت کے ساتھ یہ خط بھی اسی ایڈریس پر دینا ہے'' کیپٹن ارتکال نے ایک لفافہ میری جانب بڑھایا تو میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ لفافہ لے لیا۔

''یہ لفافہ تو بند ہے'' میں لفافہ الٹ پلٹ کرتے ہوئے بولا لفافے پر اوپر کسی کا نام وغیرہ نہیں لکھا تھا۔

''ہم کسی اور لفافے میں اس خط کو بند کر دیں گے۔۔۔ ابھی یہ خط کھول کر پڑھنا چاہیئے کہ اس میں لکھا کیا ہے شائد اس طرح صوفی اور فیبر کس کا قاتل کے متعلق کچھ معلوم ہو سکے'' کیپٹن ارتکال نے کہا تو میں نے سر ہلا دیا پھر میں نے اس لفافے کو چاک کیا تو اندر سے ایک کاغذ نکلا جس پر تحریر تھا۔

''میرے دوست۔

یہ میرے اکلوتے جواں سال بیٹے کی لاش ہے۔ جس کے ساتھ تمہاری بیٹی نے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ میرا بیٹا تو اسی دن مر گیا تھا جب پامیلا نے اس کے ساتھ بے وفائی کی تھی اور اسے دھتکارا تھا پھر اس نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا اسے امید ہے کہ دوسری دنیا میں پامیلا اسے ضرور ملے گی۔ میرے بیٹے کی آخری خواہش کے پیشِ نظر میں اس کی لاش فرانس روانہ کر رہا ہوں میرے بیٹے کی خواہش تھی کہ اسے پامیلا کے پہلو میں دفن کیا جائے تو پلیز میرے بیٹے کی آخری خواہش کو رد مت کرنا اور اسے پامیلا کے پہلو ہی میں دفن کر دینا۔

فقط

شینے گارشیا ڈرباز کا بدنصیب باپ

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ پامیلا تو ابھی زندہ ہے تو پھر شینے گارشیا کو اس کے پہلو میں کس طرح دفن کیا جا سکتا ہے'' میں سوچنے لگا پھر مجھے ایک خیال آیا اور میں دوڑتے ہوئے کیپٹن ارتکال کے کیبن سے نکلا میرے اس طرح کیبن سے نکلنے پر کیپٹن ارتکال کچھ لمحے تو حیرت سے مجھے دیکھتا رہا پھر میرے پیچھے دوڑا۔

''کیا ہوا مارٹینز'' کیپٹن ارتکال نے دوڑتے ہوئے پوچھا۔

''پامیلا۔۔۔ پامیلا کی جان خطرے میں ہے'' میں نے بھاگتے ہوئے جواب دیا تو کیپٹن ارتکال بھی تیز دوڑنے لگا۔ ہم دونوں بھاگتے ہوئے پامیلا کے کیبن کے سامنے پہنچے میں نے کیبن کے سامنے پہنچ کر دروازے کو دھکیلا مگر دروازہ اندر سے بند تھا میں نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا مگر دروازہ نہیں کھلا۔

''یہ دروازہ توڑنا پڑے گا'' میں پیچھے ہٹتے ہوئے بولا تو کیپٹن ارتکال دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا میں دروازے سے کچھ دور کھڑا ہونے کے بعد دوڑتے ہوئے دروازے کے قریب آیا اور اپنے کندھے کی زوردار ٹکر دروازے کو ماری تو دروازے کی کنڈی اکھڑ گئی اور دروازہ چوپٹ کھل گیا دروازہ کھلتے ہی میں اور کیپٹن ارتکال کیبن میں داخل ہوئے۔۔۔

تو دھک سے رہ گئے۔ کیونکہ کیبن کے اندر بستر پر پامیلا کی اکڑی ہوئی لاش پڑی تھی۔ دور ہی سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ پامیلا کی سانس کی ڈوری ٹوٹ چکی ہے اس کی بے نور آنکھوں میں سے خوف جھلک رہا تھا اس کا منہ نیم دائرے کی صورت میں کھلا ہوا تھا اس کا دایاں ہاتھ بستر سے نیچے لٹک رہا تھا۔

''پامیلا مر چکی ہے'' میں نے پامیلا کے بستر سے لٹکے ہوئے ہاتھ کی نبض دیکھنے کے بعد کیپٹن ارتکال سے کہا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر پامیلا کی خوف سے کھلی ہوئی آنکھوں کو بند کر دیا۔

''دروازہ۔۔۔ دروازہ تو اندر سے بند تھا۔۔۔ پھر قاتل کہاں سے آیا اور کہاں سے گیا؟'' کیپٹن ارتکال کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

''مجھے ایک نظر شینے گارشیا کی لاش دکھاؤ'' میں

نے کچھ سوچتے ہوئے کیپٹن ارتکال سے کہا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

''کیوں''

''کیونکہ ہو سکتا ہے جسے تم لاش کہہ رہے ہو۔۔وہ کوئی زندہ شخص ہو اور مردہ بن کر تابوت میں لیٹا ہو۔۔۔اور موقع ملتے ہی وہ تابوت سے نکل کر یہ سب قتل کر رہا ہو'' میرے اندر پولیس والے کی روح جاگ اٹھی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔اس جانب تو میرا خیال ہی نہیں گیا'' کیپٹن ارتکال بولا پھر میں اور کیپٹن ارتکال کیبن سے باہر نکلے باہر نکل کر پہلے کیپٹن ارتکال نے جہاز کے ڈاکٹر اور دیگر عملے کو پامیلا کے کیبن میں بھیجا اور پھر مجھے ساتھ لیکر جہاز کے نچلے حصے کی جانب چلا جہاں پر دیگر سامان کے ساتھ شینے گارشیا کا تابوت بھی رکھا تھا۔

جہاز کے نچلے حصے کی جانب جاتے ہوئے میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا حالانکہ پولیس کی نوکری کے دوران نہ جانے کتنی مرتبہ میرے ساتھ ایسی سچوئشن پیش آئی اور میں نے بڑے بڑے قاتلوں اور سائکو کلرز کا سامنا کیا۔مگر مجھے پولیس کی نوکری سے ریٹائر ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا لہٰذا اب میں پہلے کی طرح مضبوط نہیں رہا تھا۔

جہاز کے نچلے حصے میں پہنچنے کے بعد کیپٹن ارتکال مجھے ساتھ لیکر ایک کونے کی جانب بڑھا دیگر سامان سے الگ تھلگ ایک منقش تابوت رکھا تھا۔ کیپٹن ارتکال انتہائی محتاط انداز میں چلتا ہوا تابوت تک پہنچا اور تابوت کا ڈھکن اوپر اٹھانے لگا میں پوری طرح تیار تھا کہ اگر تابوت میں لیٹے ہوئے شینے گارشیا نے حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں اس کا مقابلہ کر سکوں میں نے جیب سے ایک چھوٹا چاقو نکالیا تھا اور اسے کھول کر ہاتھ میں اس طرح چھپا لیا تھا کہ پہلی نظر میں وہ کسی کو دکھائی نہ دے۔

کیپٹن ارتکال نے تابوت کا ڈھکن اوپر اٹھایا تو میں نے آگے بڑھ کر تابوت میں جھانکا تابوت میں سفید پٹیوں میں لپٹا ہوا شینے گارشیا لیٹا ہوا تھا تابوت کھلتے ہی کافور اور دیگر مسالا جات جو لاش کو محفوظ کرنے کے لگائے جاتے ہیں ان کی بو پورے ماحول پر چھا گئی۔

میں تابوت کے قریب پہنچا اور تابوت کے ساتھ بیٹھ گیا پھر میں نے شینے گارشیا کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کے دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی۔مگر شینے گارشیا کا دل نہیں دھڑک رہا تھا۔میں نے اس کے ناک کے پاس اپنی انگلی لے جا کر یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ کیا وہ سانس لے رہا ہے۔مگر شینے گارشیا کی سانس بھی نہیں آ رہی تھی میڈیکل سائنس کے حساب سے وہ مر چکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' کیپٹن ارتکال نے مجھ سے پوچھا۔

''یہ تو مرا ہوا ہے'' میں نے جواب دیا پھر میں نے اپنا سیدھا ہاتھ شینے گارشیا کے پیٹ پر رکھا اور اپنے ہاتھ کو ذرا سا دبایا کیپٹن ارتکال کو میں یہ دکھا رہا تھا کہ میں خالی ہاتھ سے شینے گارشیا کا پیٹ دبا کر دیکھ رہا ہوں جبکہ درحقیقت میرے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے نیچے میرا چھوٹا چاقو چھپا ہوا تھا جسے میں نے بہانے سے تھوڑا سا شینے گارشیا کے پیٹ میں اتار دیا میرا مقصد یہ تھا کہ اگر شینے گارشیا زندہ ہے اور کسی طرح وہ سانس روک کر مردہ بنا ہوا ہے تو چاقو کی تکلیف سے اٹھ جائے۔

چاقو کی نوک شینے گارشیا کے پیٹ میں اتر گئی مگر شینے گارشیا کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔میں اپنے ہاتھ پر اور تھوڑا سا دباؤ ڈالا تو چاقو شینے گارشیا کے پیٹ میں مزید اندر اتر گیا مگر شینے گارشیا کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی یہ دیکھ کر میں نے اپنے ہاتھ پر مزید دباؤ ڈالا پورا چاقو شینے گارشیا کے پیٹ میں اتر گیا مگر شینے گارشیا کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی یہ دیکھ کر مجھے ماننا پڑا کہ شینے گارشیا مر چکا ہے۔۔۔۔۔مگر پھر عرشے پر میں نے کسے دیکھا تھا کس سے باتیں کی تھیں اور۔۔۔پامیلا نے کسے دیکھا۔یہ اسرار میری سمجھ سے باہر تھا۔

میں تابوت کے پاس سے اٹھ گیا تو کیپٹن ارتکال نے تابوت کا ڈھکن بند کردیا۔

''اب تمہارا کیا خیال ہے؟'' باہر عرشے پر آکر کیپٹن ارتکال نے مجھ سے پوچھا۔

''یہ اسرار میری سمجھ سے باہر ہے۔۔صوفی کے قتل والی رات میں نے خود شینے گارشیا کو اس عرشے پر دیکھا تھا اور اس سے باتیں کی تھیں'' میں نے جواب دیا۔

''یہ کس طرح ممکن ہے شینے گارشیا اس جہاز پر سوار ہونے سے پہلے مر چکا تھا'' کیپٹن ارتکال نے کہا تو میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

کچھ دیر بعد ہی جب ڈاکٹر نے پامیلا کی موت کی تصدیق کر دی تو کیپٹن ارتکال نے چند لوگوں کی موجودگی میں پامیلا کی آخری رسومات ادا کی۔ پامیلا کی آخری رسومات میں، میں کیپٹن ارتکال اور عملے کے چند افراد ہی شامل تھے کیپٹن ارتکال نے جہاز کے مسافروں کو پامیلا کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کیونکہ صوفی اور فیبر کن کی موت کی وجہ سے جہاز پر پہلے ہی خوف کی فضا چھائی ہوئی تھی۔

پامیلا کی آخری رسومات ادا کرنے کے بعد اس کی لاش کو لکڑی کے تختے پر رکھا گیا اور تختے کو رسیوں کی مدد سے سمندر میں اتارا جانے لگا، میں اور کیپٹن ارتکال جہاز کے عرشے کی ریلنگ کو تھامے سمندر کی جانب دیکھ رہے تھے جہاں پر جہاز کے عملے کے دو افراد رسیوں کی مدد سے اس تختے کو سمندر میں اتار رہے تھے جس پر پامیلا کی لاش رکھی ہوئی تھی۔

اسی وقت کیپٹن ارتکال نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ سے میرا ہاتھ دبایا۔

''کیا ہوا؟'' میں نے کیپٹن ارتکال کی جانب دیکھا جس کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا۔

''وہ۔۔وہ دیکھو'' کیپٹن ارتکال نے ایک جانب اشارہ کیا تو میں نے اس جانب دیکھا۔۔تو میں بھی خوف سے لرز گیا کیونکہ تھوڑے فاصلے پر شینے گارشیا

عرشے کی ریلنگ کے پاس کھڑا تھا میں اور کیپٹن ار
خوف زدہ انداز میں شینے گارشیا کو دیکھنے لگے ہمیں
جانب دیکھتا ہوا پاکر شینے گارشیا دھیرے سے مسک
میں خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، میں دیکھ ر
کہ جو چاقو میں نے شینے گارشیا کے پیٹ میں اتارا
ابھی تک اس کے پیٹ میں گھسا ہوا تھا چاقو کا دست
کے پیٹ کے باہر صاف نظر آرہا تھا۔

شینے گارشیا نے ہمیں دیکھ کر ایک بار پھر مسک
اور پھر عرشے کی ریلنگ پر چڑھ کر نیچے سمندر
چھلانگ لگادی۔

نیچے سمندر میں پامیلا کا جسم سمندر کی لہر
میں ابھر رہا تھا ڈوب رہا تھا شینے گارشیا پامیلا
قریب پہنچا اور اس نے اپنے بانہوں میں پامیلا کو
طرح لیا جیسے کوئی محبوب اپنی محبوبہ کو اپنی بانہوں
سمیٹتا ہے پھر وہ دونوں سمندر کی تہہ میں ڈوبتے
گئے شینے گارشیا زندگی میں تو پامیلا کو اپنی بانہوں
نہیں لے سکا۔۔۔۔

مگر مرنے کے بعد اس کی حسرت پوری ہ
۔یہ منظر دیکھ کر میں اور کیپٹن ارتکال حیرت کے سا
خوفزدہ ہو گئے تھے۔

اگلے دن جہاز فرانس پہنچ گیا اور سارے مس
جہاز سے اتر کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے میں
جہاز سے اتر کر اپنے گھر آگیا۔ بحری جہاز کے اس س
بہت عرصہ گزر گیا یہ سفر میرا آخری بحری سفر ثابت ہوا
کبھی میں نے سمندر کا سفر نہیں کیا شائد میرے لاشع
میں خوف بیٹھ گیا تھا۔

مگر میری یہ سمجھ میں آج تک نہیں آسکا کہ مر
کے بعد شینے گارشیا نے کس طرح قتل کئے اور کیا کو
محبوب اپنی محبوبہ کے انکار پر اس طرح کی درندگی
مظاہرہ کرسکتا ہے جیسا کہ شینے گاریشا نے کیا اور
دوسری دنیا میں شینے گارشیا کو پامیلا کا ساتھ ملا یا نہیں؟

آفت

ساجدہ راجہ- ہندواں سرگودھا

وہ بے ہوش تھا یا مرچکا تھا، نوجوان کو تب معلوم ہوا جب صبح کے وقت وہ اٹھا اور باپ کو مردہ پا کر رونا شروع کردیا اور پھر روتے ہوئے باپ کی لاش کندھے پر رکھی اور.....

کہنہ مشق رائٹر کی لکھی ہوئی اچھوتی انوکھی خوفناک دہشت ناک حیرت انگیز کہانی

گرمیوں کا موسم ہو، اور بادل گرجے بنا چلے جائیں ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ اس روز بھی کالی گھٹا چھائی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا سر شام ہی آدھی رات کا سماں ہوگیا۔

بجلی کی کڑک نے دل سہادیئے تھے، بادل گرجے جیسے آسمان پھٹ گیا ہو شدید آندھی جیسے مکان کی چھت اڑا کر لے جائے دھول مٹی نے سانس لینا محال کردیا تھا۔

وہ کمرے میں چارپائی پہ چت لیٹا چھت کو تکے جارہا تھا۔ دروازہ بند تھا لیکن تیز ہوا کی وجہ سے مسلسل ہل رہا تھا۔ کمرے کی اکلوتی کھڑکی سے تیز ہوا جو زور سے ٹکرائی تو کھڑکی کھل گئی اور ساتھ ہی تیز ہوا بارش کی بوچھاڑ بھی اندر لائی۔ کمرے کا ماحول اچانک خوش گوار ہوگیا۔

میں جو چھت کو گھورنے میں مصروف تھا چونک گیا۔ لیکن اس نے کھڑکی بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ٹھنڈی ہوا بارش میں بھیگی ہوئی بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

پرانے سرکاری اسکول کے ساتھ ہی اسے یہ گھر ملا تھا رہنے کو، بطور ٹیچر اس گاؤں میں اس کا تبادلہ ہوا تھا۔ سرکاری نوکری تھی اور حکم بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ بادل نخواستہ وہ اس گاؤں میں آ گیا تھا اور رہائش کا مسئلہ بھی جلد ہی حل ہو گیا تھا۔

اسکول سے ملحقہ اس گھر میں کوئی بھی رہائش پذیر نہیں تھا اور نہ ہی کسی نے اسے اس گھر میں رہنے سے روکا تھا سوائے ایک آدھ شخص کے جو اس گھر کے آسیب زدہ ہونے کا کہہ رہا تھا لیکن فہد کو اس گھر میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آ رہی تھی جو اس کے آسیب زدہ ہونے کا پتہ دیتی۔

بہرحال سارا سامان اس نے اس گھر میں منتقل کیا اور شام تک ایک کمرہ اس نے رہنے کے قابل بنالیا تھا اور شام کو ہی آندھی اور بارش جو شروع ہوئی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی کھانے کا موڈ بھی نہیں تھا اور نہ ہی اس کے پاس فی الحال کھانا بنانے کا کوئی انتظام تھا گاؤں اسکول سے کافی فاصلے پر واقع تھا اس لئے وہ گاؤں والوں سے کوئی مدد بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

اچانک صحن میں دھپ کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک گیا اور ٹارچ اٹھا کر دروازہ کھولنے آگے بڑھا۔ دروازہ کھولتے ہی تیز بارش کی بوچھاڑ اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ اس نے ہاتھ آنکھوں کے سامنے رکھ لیا ٹارچ جلانے کے بعد اس نے روشنی کا رخ صحن کی جانب کر دیا اور وہاں سے ایک بلی کی لاش نظر آئی۔ خون میں لت پت، پھٹی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فہد حیران نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا کیونکہ وہ چھت سے نیچے مری ہوئی آئی تھی جیسے کسی نے نہایت بے دردی سے اسے مار کے نیچے پھینک دیا ہو۔

بارش تیز ہونے کے باعث وہ آگے نہیں جا سکا۔ لیکن اس کا دل ہزاروں وسوسوں کی آماجگاہ بن گیا۔

دوسرے دن بارش نہیں تھی لیکن بادل بدستور موجود تھے۔ اس نے سارے گھر کی مکمل صفائی کی قریبی شہر سے ضرورت کا سارا سامان لے کر آیا اور جیسے ہی وہ گھر کے اندر داخل ہوا اس کی آنکھوں نے عجیب منظر دیکھا صحن میں کچھ مردہ پرندے پڑے تھے خون میں لت پت ویسے ہی جیسے رات کو بلی پڑی تھی۔ وہ ہلکا سا خوفزدہ ہوا اور چھت کی طرف نظر دوڑائی وہاں کچھ بھی غیر معمولی دکھائی نہیں دیا وہ اندر آیا سارا سامان رکھنے کے بعد اس نے صحن میں پڑے وہ پرندوں کو ٹھکانے لگایا اور آرام کی غرض سے لیٹ گیا۔

پھر تو یہ معمول بن گیا دن کو پرندے اور رات کو بلی مری ہوئی ملتا لیکن یہ تین چار دن بعد ہوتا تھا۔ فہد اس بات کا عادی ہو چکا تھا۔ لیکن وہ حیران ضرور تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اس کا ذکر اس نے گاؤں والوں سے بھی نہیں کیا۔ اسکول میں بہت تھوڑے بچے آتے تھے لیکن وہ بہت محنت سے انہیں پڑھاتا تھا شروع کے چند دن بہت مصروف گزرے اس لئے وہ چھت پر جا نہیں پایا۔

لیکن اس دن جب جلدی چھٹی کی وجہ سے وہ گھر آ گیا تو اس نے چھت پر جانے کا سوچا۔ آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔ بارش کسی بھی وقت شروع ہو سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ بس جلدی چھت سے واپس آ جائے گا لیکن ایسا نہیں ہو پایا.....!!

اس نے کمرے کا دروازہ جیسے ہی کھولا بجلی زور سے کڑکی۔ فہد کا دل زور سے دھڑکا لیکن پھر ہمت کر کے اس نے اندر قدم رکھ دیا لیکن پھر اس کی آنکھوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا وہ چھت کے کمرے کا اندرونی منظر تو بالکل نہیں تھا۔

وہ تو ایک سرسبز وادی تھی حد نگاہ پہاڑ تھے جو سرسبز و شاداب تھے دور پہاڑ سے ایک چشمہ یوں نظر آ رہا تھا جیسے ایک خوبصورت پینٹنگ ہو۔ ٹھنڈی ہوا میں خوشگواریت تھی، شادمانی تھی، پرندے درختوں پر چہچہاتے اڑتے پھرتے تھے دور کہیں جانوروں کے

بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

وہ آنکھیں پھاڑے دور تک نظر آتے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس وادی کو دیکھ رہا تھا۔ کہاں وہ چھت کے کمرے میں آیا تھا اور کہاں اس وادی میں پہنچ گیا تھا۔

اس نے جلدی سے پیچھے مڑ کے دیکھا اس دروازے کا نام ونشان بھی نہیں تھا جس سے وہ اندر آیا تھا۔ وہ گھبرا گیا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ وہ وہاں کب تک کھڑا رہتا آخر اسے قدم بڑھانے ہی پڑے وہ کچھ دور ہی چلا ہوگا کہ اسے ایک بستی نظر آئی۔

مارے تجسس کے اس کے قدم اس بستی کی طرف اُٹھ گئے۔ پتھروں سے تعمیر کی گئی وہ سادہ سی لیکن بہت خوبصورت بستی تھی۔

سب لوگ مشینی انداز میں اپنے کام میں مصروف تھے۔ سب لوگ نہایت صحت مند گورے چٹے تھے۔ وہ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ فہد چونک گیا اور گردن موڑ کے پیچھے دیکھا۔ وہ ایک نوجوان تھا نہایت خوبصورت اس کی گوری رنگت دمکتی ہوئی تھی۔ پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کی طرح وہ نہایت طاقتور لگ رہا تھا.....!

اس کے ہونٹوں کی طرح اس کی آنکھیں بھی مسکراتی ہوئی تھیں۔

آؤ میرے ساتھ.....! اس نے فہد کو مخاطب کیا۔

تم کون ہو؟ جواباً وہ کچھ نہیں بولا اور فہد کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ فہد خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ دیر میں شاید اس کا گھر آ گیا تھا وہ اندر داخل ہوا اور فہد کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچ کر اس نے فہد کو بیٹھنے کا کہا اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

فہد کے اندر بہت سے سوالات اٹھنے لگے لیکن اس سے پہلے کہ فہد اس سے کچھ پوچھتا وہ خود ہی بول پڑا۔

میں جانتا ہوں تمہارے اندر بہت سے سوالات سر اٹھا رہے ہیں، میں اس میں سے کچھ کے جوابات تو دوں گا لیکن کچھ کے جوابات تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔

ایک بات جو فہد نے نوٹ کی کہ اس نوجوان میں زندگی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے بولنے کا چلنے کا انداز بالکل مشینی تھا ایسے جیسے وہ باہر بستی والوں کو دیکھ کر آرہا تھا۔

تم ضرور حیران ہوگے کہ میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں لیکن میں تمہیں وہ سب دکھانا چاہتا ہوں جو ہمارے ساتھ ہوا.....!

ہماری یہ بستی جو تم نے دیکھی خاموش خاموش سی، پر شروع سے ایسی نہیں تھی ہم سب بہت سکون سے زندگی گزار رہے تھے زندہ رہنے کے لئے اور پیٹ بھرنے کے لئے یہاں بہت محنت کی ضرورت تھی جو ہم بخوشی کرتے تھے میں اپنے والدین کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد تھا لیکن پھر کچھ ایسا ہوا کہ سب کچھ بدل گیا.....!

رات کا سماں تھا اور فہد اسی بستی میں موجود تھا اور ایسے موجود تھا جیسے سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہا ہو لیکن ہونٹوں پر خاموشی جیسے ہونٹ کسی نے گوند سے چپکا دیئے ہوں نہ حرکت کرسکتا تھا اپنی مرضی سے اور نہ کوئی لفظ ہی بول سکتا.....!

بشام اپنے گھر اپنے والدین کے ساتھ موجود تھا۔ چولہے میں جلتی آگ کے پاس وہ تینوں موجود تھے بشام کی ماں کھانا بنا رہی تھی اور وہ باپ بیٹا پاس بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ فہد دور کھڑا جیسے کوئی فلم دیکھ رہا تھا اور وہ تینوں اس کی موجودگی سے لاعلم تھے۔ پردہ اسکرین پر جیسے کوئی فلم چل رہی تھی۔

لو بشام بیٹا کھانا کھالو۔ اس کی ماں نے کھانے کی چنگیر اس کے سامنے کی، گرم روٹی اور سالن سے اٹھتی مہک نے بھوک کو مزید بڑھا دیا تھا۔ بشام نے جلدی سے چنگیر پکڑلی اور بڑی رغبت سے کھانے لگا وہ ان

لڑکوں میں سے نہیں تھا جو ہر کھانے میں کیڑے نکالتے ہیں وہ ہر چیز بڑی رغبت سے کھاتا تھا شاید چیزوں کی فراوانی انسان کو نخریلا بنا دیتی ہے۔

حیرت انگیز طور پر بشام کو نہ ہی بھوک محسوس ہو رہی تھی اور نہ ہی نیند تک کا احساس ہو رہا تھا وہ لوگ کھانے کے بعد سو گئے۔ دوسرے دن وہی معمول کے کام شروع ہو گئے۔ بشام اپنے والدین کے ساتھ حسب معمول لکڑیاں کاٹنے چلا گیا۔ جنگل بہت گھنا نہیں تھا لیکن اچھا خاصا تھا ہرا بھرا تھا لیکن کچھ درخت خزاں رسیدہ بھی تھے اور وہی درخت اس وادی میں رہنے والوں کے کام بھی آتے تھے۔

وہ لکڑیاں کاٹنے میں مصروف تھے جب اچانک ہی اندھیرا سا چھانے لگا۔ کالی گھٹا تھی جو اچانک ہی گھر آئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا گیا۔ جنگل کے اندر ہونے کی وجہ سے اندھیرا بھی زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔

اچانک بادل بہت زور سے گرجنے لگے اور بجلی کی کڑک بھی لرزا دے رہی تھی۔

بشام کا دل زور سے دھڑکنے لگا اسے بجلی کی کڑک سے خوف محسوس ہوتا تھا لیکن اس وقت وہ اپنے والد کے ساتھ ہونے کی وجہ سے کچھ ہمت میں تھا۔

بارش بہت تیزی سے شروع ہو گئی اور کچھ ہی دیر میں ہر طرف جل تھل ایک ہو گیا۔ پہاڑی علاقوں میں بارش ویسے ہی بہت تیز ہوتی ہے لیکن اس دن تو کچھ زیادہ ہی ہونے لگی اتنی کہ تھوڑے سے فاصلے سے کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ کتنے گھنٹے بیت گئے لیکن بارش تھی کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی جن راستوں سے وہ آئے تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ بارش کے دوران ان پر سفر کیا جا سکتا۔ شام قریب تھی اور انہیں رات گزارنے کے لئے کسی ٹھکانے کی تلاش بھی کرنا تھی۔

فہد دور کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور تیز برستی بارش اس کا کچھ نہیں بگاڑ پا رہی تھی۔ اس نے کئی بار بشام کو آواز دینا چاہی لیکن آواز اس کے حلق سے نکل ہی نہ پائی.....!

اب واپسی تو مشکل ہے بیٹا اس لئے ہمیں رات کے لئے کوئی ٹھکانہ ڈھونڈنا ہوگا۔

بشام کے والد نے اسے مخاطب کیا.....! بشام جو بارش دیکھنے میں محو تھا ایک دم چونک پڑا۔ وہ ایک خاصے گھنے پیڑ کے نیچے تھے اس لئے براہ راست وہ بارش سے بچے ہوئے تھے۔ ہاں کہیں کہیں سے بارش کا پانی ٹپک رہا تھا۔ گرمیوں کا موسم تو تھا لیکن وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ تیز بارش کی وجہ سے کافی ٹھنڈ لگنا شروع ہو گئی تھی اور اوپر سے تیز ہوا نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

لیکن ابو اتنی بارش میں کہیں جانا بہت مشکل ہے ہم رات کہاں گزاریں گے؟

بشام جو ایک 20 سالہ نوجوان تھا اس وقت کسی ڈرے ہوئے بچے کی مانند لگ رہا تھا۔

بس کچھ بارش تھمے دو پھر ہم آگے بڑھیں گے جہاں سے پہاڑ شروع ہوتے ہیں وہاں کچھ غاریں بھی ہیں ہمیں رہنے کو ضرور جگہ مل جائے گی تم پریشان مت ہو۔ بشام کے والد نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا بشام باپ کے کندھے پہ سر رکھے محویت اور پریشانی سے بارش کو تک رہا تھا۔ اس کی زندگی میں آج تک ایسا کوئی دن نہیں آیا تھا جب اسے گھر سے باہر جنگل میں رات گزارنی پڑی ہو۔

کافی وقت بعد بارش کچھ تھمی تو وہ دونوں جنگل میں آگے کی طرف بڑھنے لگے اور احتیاط سے چلنے کے باوجود وہ مشکل میں تھے کہیں راستہ ٹھیک تھا اور کہیں بارش کا پانی کھڑا ہونے کی وجہ سے وہ رینگ رینگ کر چل رہے تھے جب پھسلتے تو اک دوسرے کو تھام لیتے اور کبھی تھامنے کے باوجود گر جاتے۔ وہ کافی بھیگ چکے تھے اور سردی میں بھی اضافہ ہونے لگا تھا۔

بہت سارا چلنے کے بعد کہیں جا کر انہیں پہاڑوں کے آثار نظر آئے تھے۔ کافی مشکل سے وہ ان غاروں تک پہنچے، ہوا اتنی تیز ہو چکی تھی کہ ان کے لئے

اٹھانا مشکل ہو گیا تھا ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے وہ آگے بڑھنے لگے اور کسی نہ کسی طرح اس غار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے......!

جیسے ہی وہ غار میں داخل ہوئے انہیں لگا جیسے شدید شور کے بعد وہ یکدم سکوت میں آ گئے ہوں اور یہ ماحول بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

باہر کی نسبت اندر سردی میں کمی تھی لیکن گیلے کپڑوں کے باعث انہیں محسوس ہو رہی تھی۔ آگ جلانے کی ضرورت تھی وہ پہاڑی لوگ تھے انہیں معلوم تھا کہ آگ کیسے جلائی ہے غار میں بہت خشک لکڑیاں بکھری ہوئی تھیں کچھ خاص پتھروں کو آپس میں رگڑنے سے وہ ان خشک لکڑیوں کو جلانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کپڑے خشک کرنے کے بعد وہ آگ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔

نظریں باہر کی طرف تھیں، جہاں کبھی تو بارش مکمل رک جاتی اور کبھی پھر سے برسنے لگتی۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے شام ہو گئی ہر طرف گھپ اندھیرے نے سر اٹھا لیا بادلوں کے باعث اندھیرا کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہا تھا۔ بشام کی والدہ نے گھر سے نکلتے وقت کھانا ساتھ باندھ کے دے دیا تھا دن کو تو کھانے کا ٹائم نہیں ملا تھا یا شاید بھوک نہیں تھی اب جو ٹھکانہ نصیب ہوا تو بھوک نے سر اٹھا لیا کچھ بھی دیر کئے بغیر انہوں نے کھانا شروع کر دیا......!

اور فہد بھی اس غار میں ان کے ساتھ موجود تھا لیکن جیسے نہ ہونے کے برابر...... وہ دونوں تو اس کی موجودگی سے لاعلم تھے بلکہ نہیں...... یہ سب تو اس وقت ہوا تھا جب فہد یہاں نہیں تھا یا شاید پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

وہ تو اس وقت گزرے وقت کو کسی خواب کی مانند یا پردہ اسکرین پر چلتی کسی فلم کی مانند دیکھ رہا تھا......!

بشام کا والد تو بہت جلد سو گیا لیکن بشام کی آنکھوں میں نیند کا دور دور تک نام و نشان تک نہیں تھا۔

رات بیت چکی تھی کچھ معلوم نہیں تھا بشام کی آنکھ

ادھر ادھر سے

☆دلیپ کمار وہ افسانوی کردار ہے جس نے تقریباً سات صدی سے اپنی شہرت کو کسی نہ کسی انداز میں برقرار رکھا ہوا ہے۔ (ایک طنز)

☆ڈبل وژن فلموں کا رجحان زہرِ قاتل ہے۔ (اداکار کمال)

☆معین اختر اور بشریٰ انصاری۔ دوسرے جنم کی یادگاریں ہیں۔ (ہندی خیال)

☆میں چاہوں تو گلوکاری بھی بہت اچھی کر سکتی ہوں مگر فرصت نہیں۔ (نیلی)

☆میں چاہتی ہوں کامیڈی کردار ادا کر کے سنجیدگی کی چھاپ مٹا دوں۔ (مرحومہ رانی)

(چوہدری اللہ دتہ۔ساہیوال)

بادلوں کی شدید گرج سے کھلی۔ یوں جیسے کسی نے بہت اونچائی سے کوئی ڈرم لڑھکا دیا ہو۔ بجلی کی شدید چمک غار کے دہانے سے اندر آ کر آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا......!

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تیز ہوا جب درختوں سے ٹکرائی تو شدت کا شور پیدا ہوتا گھر سے اتنی دور پہاڑی علاقہ جنگل کے قریب ایک غار میں، آدھی رات کا وقت، طوفانی موسم، بادلوں اور ہوا کی شدت یہ سب چیزیں مل کر بشام کے دل میں خوف پیدا کر رہی تھیں۔ نہ جانے وہ اتنا خوف زدہ کیوں ہو گیا تھا؟

پھر اس شور میں بارش کا شور بھی شامل ہو گیا تو جیسے نہلے پہ دہلا ہو گیا......!

تیز ہوا غار کے دہانے سے ٹکراتی تو ساتھ بارش کی بوچھاڑ بھی لاتی جو بشام کے جسم میں جھرجھری سی

دوڑا دیتی.....! وہ غار کوئی اتنا لمبا چوڑا نہیں تھا بس دہانے سے کچھ آگے جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ آگ کب کی بجھ چکی تھی۔ اب ہر طرف گھپ اندھیرا تھا جس میں بجلی کے چمکنے سے روشنی پھیل جاتی اور پھر وہی گھپ اندھیرا ہر طرف چھا جاتا! بشام غار کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ باپ کو ایک نظر دیکھا وہ سکون سے سویا ہوا تھا۔ ادھر سے نظر ہٹا کر اس نے پھر باہر کی طرف نظریں جمادیں۔ باہر بجلی کی چمک کچھ دیر کے لئے سارا ماحول روشن کرتی اور پھر منظر اندھیرے میں غائب ہو جاتا۔

جب منظر اندھیرے میں ڈوبا تو بشام کو غار کے دہانے پر کچھ چمکتا ہوا دکھائی دیا۔

وہ دو روشن آنکھیں تھیں جو گھپ اندھیرے میں چمکیلی تھیں کسی چھوٹے جانور کی۔

بشام چونک گیا کسی خطرناک جانور کی موجودگی کا خوف اسے سہمائے دے رہا تھا۔

وہ کھسک کر باپ کے قریب ہوا۔ بجلی چمکی تو اسے منظر صاف نظر آیا۔ وہ اک بلی تھی عام بلیوں کی جسامت سے کچھ بڑی۔ خوفناک چمکتی آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔ اس کے تیور خاصے خطرناک تھے ایسے جیسے ابھی حملہ کر دے گی۔

بشام جو کسی خطرناک جانور کی جگہ بلی کو دیکھ کر کچھ ریلیکس ہوا تھا۔ اس کے خطرناک تیور دیکھ کر کچھ ڈر سا گیا۔

وہ بلی غرانے لگی جیسے ابھی حملہ کر دے گی بشام اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا بلی نے اس پر حملہ کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ بلی اسے کاٹتی بشام کے والد کا ہاتھ تیزی سے حملہ کرتی بلی کی طرف بڑھا۔ بشام نے دیکھا اس کے باپ کے ہاتھ میں ایک تیز دھار والا خنجر تھا جو اس نے پورے طاقت سے بلی کی گردن پر چلا دیا۔

خون کا فوارہ بلی کی گردن سے نکا اور اسے بھگو گیا۔ کچھ دیر میں بلی مر گئی۔ لیکن بشام نے دیکھا کہ اس کا والد اپنا وہی ہاتھ پکڑے بیٹھا ہے جس سے خنجر پکڑے اس نے بلی پر حملہ کیا تھا.....!

کیا ہوا ابو.....! بشام جو ابھی اس واقعہ سے سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ اس نے یہ دیکھا۔

کچھ نہیں بیٹا.....!

شاید بلی نے کاٹ لیا ہے.....!

لیکن زخم اتنا گہرا نہیں تم فکر مت کرو۔ یہ کہہ کر اس کے باپ نے اپنی چادر سے تھوڑا سا کپڑا پھاڑ کر ہاتھ پہ باندھ لیا.....!

آپ کو دوبارہ تکلیف تو نہیں ہو رہی۔ بشام کے لہجے میں فکر تھی۔

نہیں بیٹا۔ معمولی سا زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا بس صبح ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے بس یہ موسم ایسے ہی خراب نہ ہوا تو.....!

بشام کے والد نے پریشان نظروں سے باہر کی طرف دیکھا جہاں موسم اپنی تمام تر شدت سے اپنا اصلی روپ سب کو دکھا رہا تھا.....!

بیٹا تم سو جاؤ۔ ابھی رات بہت باقی ہے میں جاگ رہا ہوں بشام کے باپ نے بیٹے کی طرف دیکھ کر پیار سے کہا۔

نہیں ابو مجھے نیند نہیں آ رہی۔ بشام خوفزدہ تھا سونے سے لیکن باپ کے مجبور کرنے پر لیٹ گیا اور پھر نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے پتہ ہی نہ چلا۔

بشام کا باپ بہت اذیت میں تھا وہ ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے دبائے ہوئے تھا۔

اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی۔ ہلکے ہلکے دانے تمام جسم پر نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے جس جگہ پر بلی نے کاٹا تھا وہ جگہ بہت زیادہ سوج چکی تھی۔ وہ تکلیف کی شدت سے کراہنا چاہتا تھا لیکن بشام کے جاگنے کی وجہ سے وہ آواز کو بھینچے ہوئے تھا۔

اسے تکلیف سے دہرا ہوتے دیکھ کر فہد سے برداشت نہ ہوا اس نے بشام کو آواز دی لیکن اس کی آواز اس کے منہ سے نکل ہی نہ پائی۔

اور پھر بہت سی تکلیف جھیلنے کے بعد اچانک ہی بشام کے باپ نے حرکت کرنا چھوڑ دی۔ فہد

بھاگ کے قریب پہنچنا چاہتا تھا لیکن ایسے کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

وہ بے ہوش تھا یا مر چکا تھا اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے تب معلوم ہوا جب صبح بشام اٹھا اور اس نے باپ کو مردہ پا کر رونا شروع کر دیا تھا۔ صبح موسم صاف ہو چکا تھا اس نے روتے ہوئے باپ کی لاش کو کندھے پر اٹھایا اور جنگل سے ہوتا ہوا گھر کی جانب بڑھنے لگا۔ ڈھلوانی راستے سے گزرتے ہوئے کوؤں کے ایک غول نے اس پر حملہ کر دیا تھا باپ کی لاش کندھے سے گر کر کھائی سے لڑھکتی ہوئی غائب ہوگئی۔

بشام پھٹی آنکھوں سے باپ کی غائب ہوتی لاش کو دیکھنے لگا۔ لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بے جان قدموں سے گھر کی طرف روانہ ہوگیا اور جیسے ہی وہ وادی میں داخل ہوا وہاں کا منظر ہی بدلا ہوا تھا۔ وادی سے رونے، کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لوگ چھپتے پھر رہے تھے۔

ہر طرح کے پرندے ہزاروں کے حساب سے وہاں موجود تھے۔ بلیاں درجنوں کے حساب سے گلیوں میں پھر رہی تھیں غراتی ہوئی، پرندے شور مچا رہے تھے۔

انسانوں پر حملہ کر رہے تھے اور جن لوگوں کو انہوں نے کاٹا تھا وہ تکلیف کی شدت سے دہرے ہوئے جا رہے تھے بہت سے لوگوں کو اس نے مردہ دیکھا ان سب کے جسم سرخ دانوں سے دیکھا بھرا ہوا جیسے اس کے باپ کے جسم پہ تھے یہ کیا ہوا تھا اچانک ان پرندوں اور بلیوں کو کیا ہوگیا تھا جو وہ انسان کو کاٹ رہے تھے اور لوگ شدید تکالیف کے بعد مر رہے تھے وہ بچتے بچاتے گھر کی طرف بڑھا اور گھر کے اندر داخل ہوا۔

اس کی ماں دوڑتی ہوئی اس کی طرف بڑھی اور بشام تک پہنچنے سے پہلے ہی ایک پرندہ اس کی طرف جھپٹا اور اپنے پنجوں اور چونچ سے اس کے چہرے کو چھیل ساڈالا۔

بشام پاگلوں کی طرح بھاگا اور ماں کو تھام لیا جو پرندے کے اچانک حملے سے گرنے لگی تھی۔

ماں۔ ماں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

بشام پاگلوں کی طرح چلایا۔ اس کی ماں تکلیف میں تھی اور تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

تمہارے جانے کے بعد ہم سب اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ اچانک پرندوں کا غول کہیں سے نمودار ہوا اور باہر کام کرتے لوگوں پر حملہ آور ہوگیا۔

بلیاں بھی گھروں کے اندر داخل ہوگئیں اور اندر بیٹھے لوگوں پر حملہ کر دیا ایسے جیسے یہ پرندے اور بلیاں پاگل ہوگئی ہوں۔

کسی اندیکھی طاقت کے زیر اثر جو انسانوں کے سخت دشمن ہوں۔ لوگ اس اچانک حملے کی توقع کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے بہت سے لوگ ان کے حملے کا شکار ہوکے مارے گئے۔ اور جو بچ گئے ہیں وہ بھی شاید مارے جائیں...... تت...... تت...... تمہارا باپ کدھر ہے بیٹا۔ درد سے کراہتی ماں نے بشام سے لڑکھڑاتے لہجے میں پوچھا......؟

ابو...... بشام کا بھیگا لہجہ گواہی دیتا تھا کہ کچھ ہوا ہے۔ ابو پر رات کو کسی بلی نے حملہ کیا تھا اماں...... اور وہ بچ نہیں پائے۔

افسوس کہ میں ابو کی میت بھی ساتھ نہیں لا پایا

ابھی بشام کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کی ماں کا سر ایک طرف ڈھلک گیا!

بشام ایک چیخ مار کر ماں سے لپٹ گیا اور اسی اثنا میں ایک بلی غراتی ہوئی آئی اور ماں سے لپٹے بشام پر حملہ آور ہوگئی۔

بشام اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہ کر پایا۔ جان لیوا درد اور پورے جسم پر ابھرے دانے اس بات کے گواہ تھے کہ اب بشام کے پاس کچھ ہی وقت بچا ہے اور پھر سکتے میں کھڑے فہد نے بشام کی گردن کو ایک طرف ڈھلکتے دیکھا اور اس کے مفلوج زدہ زبان سے ایک چیخ نکلی اور پھر منظر بدلا......

فہد نے بشام کو اپنے ساتھ کھڑے دیکھا اسے معلوم تھا کہ بشام زندہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ

ڈرا ہوا نہیں تھا۔

فہد نے تاحد نگاہ اس اجڑی بستی کو دیکھا جسے دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ جگہ کبھی آباد بھی تھی۔ جگہ جگہ مرے ہوئے پرندوں اور بلیوں کے ڈھیر تھے، بدبو اتنی کہ کھڑا بھی نہ ہوا پا رہا تھا۔

تم نے دیکھا کہ ان جانوروں کی وجہ سے ہم ہنستے بستے لوگ کیسے اچانک موت کے منہ میں چلے گئے۔ یہ مرے ہوئے پرندے اور بلیاں ہم نے ماری ہیں اور مرے ہوئے لوگ بے سکون ہیں یہ طبعی موت نہیں تھی ورنہ ہم سکون میں ہوتے۔

ہماری روحیں جب تک اس دنیا میں ہیں ان جانوروں سے انتقام لیتی رہیں گی۔

تم جس گھر میں رہتے ہو۔ بشام نے رخ پھیر کے فہد کی طرف دیکھا۔ میں اسی گھر کی چھت پر رہتا ہوں، جبھی جو پرندہ یا بلی اس چھت پر آتی ہے میں اسے مار دیتا ہوں۔ میری بستی کے سب لوگوں کی روحیں ہر جگہ بھٹک رہی ہیں۔ وہ ان جانوروں کو چن چن کے مار رہی ہیں جو ہماری موت کے ذمہ دار تھے یا ان کی نسل سے تھے یا ان جیسے تھے۔ تم دیکھنا ہم عنقریب ان جانوروں کا خاتمہ کر دیں گے۔ پھر کسی انسان کو ان کی وجہ سے مرنا نہیں پڑے گا۔

بشام کی مردہ آنکھوں میں نفرت ہی نفرت تھی تم نے دیکھا نا کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا.....؟ بہت برا ہوا ہم بہت خوش تھے اپنی دنیا میں مگن تھے لیکن ہم ایسے مرے کہ ہمیں کفن تک نصیب نہیں ہوا۔

فہد کو اس کا دکھ اپنے اندر تک محسوس ہوا۔ لیکن بشام ان جانوروں کو ختم کرنے سے کیا تم لوگ دوبارہ زندہ ہو جاؤ گے.....؟

تم ان جانوروں کو دنیا سے ختم کر دو گے لیکن کیا یہ خلاف فطرت نہیں ہوگا تم لوگ مسلمان تھے اور مسلمانوں کو کسی کو بے گناہ مارنا جائز نہیں..... فہد نے بشام کو پیار بھرے لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔

تم خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ تم نے ان سب پرندوں اور جانوروں کو مار دیا تھا جنہوں نے تم پر حملہ کر کے تم سب کو اذیت سے دوچار کر کے مار دیا تھا۔

لیکن کبھی تم نے سوچا کہ ان پرندوں اور بلیوں کی یہ حالت کیوں ہوئی تھی.....؟

ہوسکتا ہے وہ خود کسی آفت یا بیماری میں مبتلا ہوں جیسے ایک باؤلا کتا ہر اس چیز کو کاٹتا ہے جو اس کے سامنے آتی ہے تو ہوسکتا ہے جن جانوروں نے تمہاری بستی پر حملہ کیا ہو وہ خود کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوں۔

بشام تم جانتے ہو یہ پرندے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے اور بلیاں بھی عام طور پر پرسکون رہتی ہیں۔

تم انہیں مارنا چھوڑ دو..... تاکہ لوگوں کی روحیں بھی پرسکون ہو جائیں.....؟

بشام چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ تم ٹھیک کہتے ہو.....!

ہمیں واقعی ان کو نہیں مارنا چاہیے، آئندہ کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔

تم جانتے ہو ہم مسلمان ہیں لیکن ہماری نماز جنازہ نہیں ادا کی گئی۔ دفنانے کی بات اس لئے نہیں کرتا کیونکہ اب تو ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ کر بوسیدہ ہو گئی ہوں گی تم بس گاؤں والوں کو کہہ دو ہماری غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کر دیں اور ہماری مغفرت کی دعا کریں تاکہ ہم اپنے اصلی مقام یعنی عالم بالا میں چلے جائیں.....!

بشام نے منت بھری آنکھوں سے فہد کو دیکھا۔

ہم ضرور ایسا ہی کریں گے بشام۔ فہد بولا۔ تم جاؤ اپنے اصلی مقام کی طرف اور خدا تمہیں سکون نصیب کرے اور تم سب کی مغفرت فرمائے۔ (آمین) فہد کی بات مکمل ہوتے ہی بشام کی روح غائب ہو گئی۔ فہد نے گاؤں والوں کو ساری بات بتائی اور غائبانہ نماز جنازہ اور دعا کی گئی۔

اس کے بعد فہد کے گھر میں کبھی کوئی بلی یا پرندہ مرا ہوا نہیں پایا گیا.....!

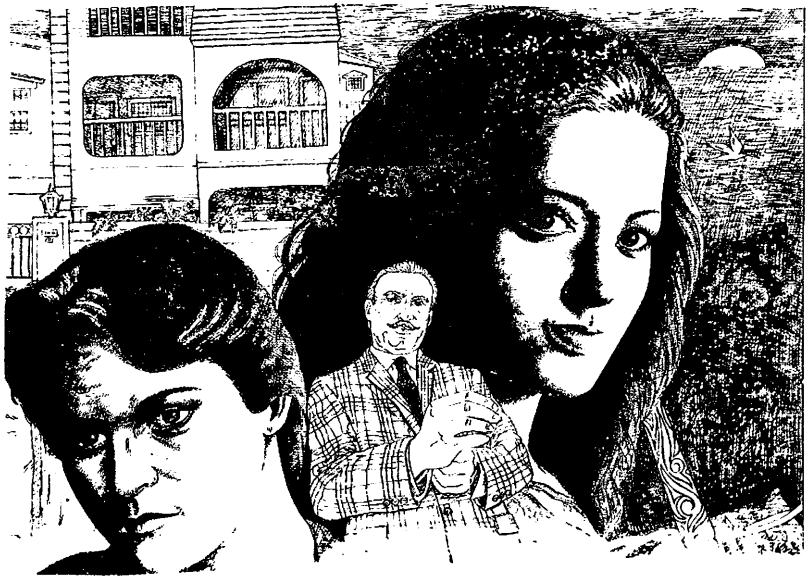

حویلی کا جن

سید محسن حسنین کاظمی-موچھ میانوالی

اچانک کمرے میں سفید روشنی کی کرنیں پھوٹ پڑیں تو نوجوان نے دیکھا کہ بڑھیا کی جگہ ایک خوبرو دوشیزہ تھی اور پھر اس دوشیزہ نے ایک خونی ہیکل جن کی شکل اختیار کرلی تو.....

نافرمانی کی سزا اکثر بھگتنی پڑتی ہے، حقیقت کہانی میں پنہاں ہے پڑھ کر دیکھیں

اسلم خان کریم نواز، سلطان محمود اور لالہ درویش، چاروں بہت گہرے دوست تھے۔ چاروں مالی طور پر بہت آسودہ اور ناز و نعم میں پلے بڑھے تھے۔ اسلم خان ایک چودھری کا بیٹا تھا جو کہ رحم دلی اور کسی کی مدد پر بالکل یقین نہیں رکھتا تھا۔ کریم نواز بہت بڑے سرمایہ دار کا بیٹا تھا اور دنیا کو مکر و فریب گردانتا تھا وہ بھی اسلم خان سے چنداں مختلف نہ تھا۔ سلطان محمود کے والد بہت بڑے آفیسر تھے اور وہ کام کے عوض کسی سے پیسے لینے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ لالہ درویش کا والد بہت بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا مالک تھا لیکن درویش ہر وقت کسی نہ کسی انداز میں نیکی اور کسی کے کام آنے کی تگ و دو میں رہتا تھا۔

چاروں دوستوں کو پکنک منانے کا بہت شوق تھا۔ انتہائی لاڈلے ہونے کی وجہ سے ان کے والدین

ان کی ضد کے آگے مجبور تھے۔ وہ اکثر کسی نہ کسی صحت افزاء مقام کی طرف نکل جاتے تھے اور کئی دفعہ تو دو، دو دن تک گھر واپس ہی نہیں آتے تھے۔ چاروں کی رہائش نواحی علاقوں کی تھی۔

آج نومبر کی چمک دار صبح تھی۔ انہوں نے 170 کلومیٹر دور علاقے میں پکنک منانے کا فیصلہ کیا جو دشوار گزار علاقہ تھا۔ اور اس بیابان علاقہ میں دن کو بھی لوگ جانے سے اکثر کتراتے تھے۔

اسلم خان کی ٹوڈی کار پکنک کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ انہوں نے مناسب سامان کار کی ڈگی میں ڈالا اور ٹینکی فل کرا کے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے شہر سے باہر نکلتے ہی ٹوٹے پھوٹے روڈ شروع ہو گئے۔ مطلوبہ جگہ کے لئے ان کا سفر جاری تھا۔ راستے میں انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ چائے پی اور سفر پر روانہ ہو گئے۔

روانگی سے قبل ایک اپاہج عورت غربت کی تصویر بنی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک معصوم سی بچی بھی تھی۔ درویش لالہ کے دوستوں نے اس عورت کو گالیاں دینا شروع کر دیں لیکن درویش لالہ نے نہ صرف دوستوں کی بے عزتی کی بلکہ اس اپاہج عورت کی دادرسی کی۔ اس کو کھانا بھی کھلایا اور نقد رقم سے بھی مدد کی۔

سفر دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔ عصر کا وقت تھا۔ سفر آدھے سے زیادہ کٹ چکا تھا۔ اگر راستہ ہموار ہوتا تو کب کے وہ قدیم گاؤں روپ نگر پہنچ گئے ہوتے اب بادلوں نے سورج کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ اونچے نیچے راستوں نے کار کا انجر پنجر ہلا کے رکھ دیا تھا۔ غالباً مذکورہ گاؤں سے بیس کلومیٹر کا فاصلہ باقی تھا۔ کہ رات کے 9 بج چکے تھے۔ اب ہلکی ہلکی بارش اور بادلوں کی گھن گرج با آسانی سنائی دے رہی تھی۔

جلد ہی تیز بارش شروع ہو گئی، کار کے وائپر کام چھوڑ چکے تھے۔ ٹوٹی پھوٹی سڑک پر گاڑی چلانا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک بجلی کڑکی اور ان کو مشرق کی طرف ایک پختہ راستہ دکھائی دیا۔ اور ایک عظیم الشان حویلی اس انداز سے موجود تھی جو کہ ان کو دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ انہوں نے کار کا رخ اس حویلی کی طرف موڑا ہی تھا کہ کار کا انجن بند ہو گیا۔

چاروں نے ضروری سامان کے بیگز لیئے اور کار کو لاک کر کے پیدل سفر شروع کر دیا۔

راستے میں ایک بزرگ نے ان سے التجا کی۔ کہ دو دنوں سے میرے یتیم پوتے، پوتیاں بھوکے ہیں، ان کو کھانا کھلا دو۔

حسب عادت درویش لالہ کے تینوں دوستوں نے اس بزرگ کو کھری کھری سنانا شروع کر دیں۔ لیکن درویش لالا نے ان کے رویے کی بزرگ سے معافی بھی مانگی اور کچھ رقم اس بزرگ کے حوالے کر دی۔ بزرگ لمبی عمر کی دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا۔

حویلی کا مین گیٹ آ چکا تھا۔ ہاتھ لگاتے ہی چر چراہٹ کی پراسرار آواز کے ساتھ گیٹ کھل گیا۔ چاروں دوست اندر داخل ہو گئے۔ حویلی بالکل خالی پڑی تھی۔ انہوں نے بہت آوازیں دیں لیکن کوئی بھی باہر نہ آیا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ بھوک سے چاروں کا برا حال تھا۔ انہوں نے تیار شدہ کھانوں کے پیکٹ نکالے۔ جوس کا استعمال کیا۔ پھر حویلی کا جائزہ لینا شروع کیا۔ حویلی میں بجلی کا نظام تو ٹھیک تھا لیکن بجلی موجود نہیں تھی۔ کل دس کمرے تھے۔ اور کمروں کے اندر کمرے تھے۔ پانی کا انتظام تھا۔

چاروں دوستوں نے ٹارچ کی مدد سے باتھ روم کا استعمال کیا۔ درویش لالہ نے انہیں تجویز دی کہ کمروں میں علیحدہ علیحدہ رہنے کی بجائے اکٹھے ہی ایک کمرے یا برآمدے میں رات گزاری جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس نے خود بھی وضو کیا۔ نماز پڑھی اور اپنے دوستوں کو بھی زبردستی وضو کرا کے نماز پڑھائی۔

رات کے بارہ بج چکے تھے دن کی تھکان اور کھانا کھانے کے بعد وہ مطمئن ہو کر ایک ہی کمرے میں سو گئے۔

رات کا ایک بج چکا تھا۔ اسلم خان، کریم نواز اور سلطان محمود بولڈ ہونے کے ساتھ ساتھ انٹرٹینمنٹ اور

ہلہ گلہ کے بھی شوقین تھے۔ سہانے سپنے لئے وہ سوچکے تھے۔ درویش لالہ بھی کلام الٰہی کا ورد کرتے کرتے نیند کی وادیوں میں جاچکا تھا۔

کمرے میں موجود گھڑیال نے مترنم آواز میں تین بجنے کا اعلان کیا۔

کمرے میں جلتی بجھتی روشنیوں نے ایک دوشیزہ کا روپ دھارا اور اس نے اسلم خان کو آرام سے ہلایا تو اسلم خان ہڑبڑا کر اٹھا۔ اب حویلی میں بجلی آچکی تھی۔ ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اسلم خان نے خوبصورت لڑکی سے پوچھا۔

’’تو کون ہے اور اس حویلی میں کیا کررہی ہے۔‘‘

لڑکی نے اپنی شرارتی آنکھوں سے مسحور کن لہجے میں کہا۔

’’میں حویلی کے چوکیدار کی بیٹی ہوں تم سے اکیلے میں کچھ بات کرنی ہے۔‘‘ دوشیزہ کے پیچھے اسلم خان لٹو ہوچکا تھا۔ وہ ایک اندھیرے کمرے کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ دوشیزہ نے کہا تم اندر چلو میں کب سے تمہارے انتظار میں ہوں۔‘‘

اسلم خان نے کہا۔ ’’تمہاری میری جان پہچان نہیں تم مجھ سے زیادہ جاذب نظر ہو پھر مجھ پر کیوں فریفتہ ہو۔‘‘

تو دوشیزہ نے کہا۔ ’’میرا نام پرنیم گل ہے۔ یہی حویلی میرا نشیمن ہے۔ تم آنکھیں بند کرو تو میں ایک سرپرائز دوں گی اور ہم ہمیشہ کے لئے ایک ہوجائیں گے۔‘‘

اچانک کمرے میں روشنی ابھری اور ایک دہشت ناک مردانہ آواز سنائی دی۔ ’’اسلم خان آنکھیں کھولو۔‘‘

اسلم خان نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ دوشیزہ کی جگہ ایک قوی ہیکل مخلوق اس کے سامنے تھی۔ اسلم خان کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔

اسلم خان نے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے سوال کیا۔

’’تم کون ہو اور مجھے کیوں باندھا ہے؟ اور وہ دوشیزہ پرنیم گل کہاں ہے؟‘‘

کمرہ خوفناک قہقہوں سے گونج اٹھا۔

’’او بے وقوف میں اس حویلی کا جن ہوں۔

مشہور و معروف رائٹروں کی

تحریر کردہ 40 سے زائد کہانیاں

خوفناک کہانیاں

حاسدہ، نادیدہ مخلوق، خونی انتقام، پراسرار مندر، موت کا سودا، روح کی بے چینی، قلبی اذیت، موت کا سامنا، پراسرار سایہ، دہقان نو، پراسرار سانپ، سپر شپ، موت کی وادی، حویلی کا راز، انوکھا ہمسفر، موت کا قلعہ، خواب پریشان، اندھیری رات، اندھا قتل، قسمت کا چکر، جنات سے دوستی، تباہی بربادی، خواہش ناتمام، غیبی محافظ، خونی حویلی، دلہن کی روح، موت کا بدلہ، ناگ منکا، ناشکرا، دوسری مخلوقات، خبیث روح، اماوس کی رات، ظالم آتما، روح کی مدد، روحوں کا ملن، بے بس روح، موت کا بدلہ، پراسرار دنیا، غلط فہمی، ڈھائی بجے، ادھورا انتقام

صفحات 400 قیمت -/300 روپے

گھر بیٹھے کتاب منگوائیں

ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا

ڈر پبلی کیشنز

نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی

آفس ٹائم: صبح 10 سے شام 6 تک

رابطہ نمبر: 0324-7232580

پانچ سو سالوں سے یہ حویلی میرے زیر تسلط ہے۔ تم نے میرے آرام کو برباد کیا ہے۔ میں نے تمہیں آزمایا ہے۔ تم فیل ہو گئے اب تمہیں سخت سزا دوں گا۔ لیکن پہلے تم چاروں کا امتحان لوں گا۔ نتیجہ اکٹھا ہی دیکھ لینا۔

اسلم خان نے ہمت کر کے پوچھا کہ ''تمہارا نام کیا ہے اور تم کن شرائط پر ہمیں معافی دے سکتے ہو۔''

تو اس جن نے انگارے اگلتی ترچھی آنکھوں سے لرزا دینے والے انداز میں اسلم خان کو دیکھا پھر گویا ہوا۔

''اگر تم نے مجھے متاثر کر دیا اور نمود و نمائش کے بجائے حقیقی انداز میں مجھے قائل کر دیا۔ اور نفسانی خواہشات کی نفی کر گئے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ اور یہ وعدہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور بصورت دیگر تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنا دوں گا۔''

بجلی کے چمکنے اور قہقہوں کی اذیت نے اسلم خان کو بے ہوش کر دیا تھا۔

اب کریم نواز کے سرہانے ایک شخص کھڑا تھا۔ وہ اس کو بلا رہا تھا۔ کریم نواز ہڑبڑا کر اٹھا اور دیکھا کہ ایک اجنبی شخص اس کو اشارے سے باہر آنے کا کہہ رہا ہے۔ بجلی کی آمد اور نارنجی قمقموں نے ماحول کو رومانوی بنا رکھا تھا۔ باہر آتے ہی کریم نواز نے اجنبی شخص سے پوچھا کہ تم کون ہو اور رات کے اس پہر کیا کر رہے ہو؟''

تو اس شخص نے بتایا کہ میں اس حویلی کا چوکیدار ہوں۔ ساتھ کے کمرے میں ایک بھاری پینٹنگ ہے۔ اگر تم اس کو توڑ دو تو تمہیں بے انتہا خزانہ دوں گا۔

اس پینٹنگ میں ایک ماں اپنے بچے کو گرنے سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کریم نواز نے لالچ میں آ کر جونہی پینٹنگ کو زمین پر پٹخا تو کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ اور فضا قہقہوں سے گونجنے لگی۔

دوبارہ روشنی ہوئی تو کریم نواز بھی اسلم خان کے ساتھ والی کرسی پر زنجیروں سے جکڑا پڑا تھا۔

سامنے ڈراؤنی شکل کا جن قوی ہیکل جسم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اسلم خان نے دوبارہ پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم ہم مسافروں کو کس لئے سزا دینا چاہتے ہو۔''

تو وہ جن گویا ہوا۔ ''میرا نام زیجام ہے۔ میں مسلمان جن ہوں۔ میری عبادت کا تم نے بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ آزمائش میں کامیاب ہونے تک تمہاری گلو خلاصی ناممکن ہے۔''

اچانک قہقہوں کی دردناک آوازیں آئیں اور وہ دونوں دوست بے ہوش ہو گئے۔

ایک بوڑھا سلطان محمود کے سرہانے کھڑا اس کو جگا رہا تھا۔

سلطان محمود خلاف معمول ماحول سے ڈر کر جاگ گیا۔ بوڑھے نے اشارے سے اس کو باہر بلایا اور کہا کہ میں اس حویلی کا چوکیدار ہوں۔ میرے مالک کا خزانہ سامنے کمرے میں ہے۔ وہ مجھے تنخواہ بھی نہیں دیتا۔ اگر تم وہ خزانہ لا کر دے دو تو آدھا تمہیں دے دوں گا۔ وہ تمام خزانہ ایک صندوقچے میں ہے۔

سلطان محمود جھٹ سے تیار ہو گیا۔ سبز روشنی نے پوری حویلی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ باہر بارش کی تڑ تڑاہٹ نے ماحول کو عجیب رنگ دے دیا تھا۔ سلطان محمود ایک کمرے کے دروازے پر موجود تھا۔ وہ کمرے میں گیا۔ صندوقچے کو اٹھا کر باہر لانے لگا۔ تو اچانک بجلی چلی گئی اور کمرہ قہقہوں سے گونجنے لگا۔ جب بجلی دوبارہ چمکی تو سلطان محمود بھی اسلم خان اور کریم نواز کے ساتھ ایک کرسی پر زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔

سامنے زیجام جن قوی ہیکل جسم کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے کہا ''مجھے عبادت و ریاضت کے وظائف سے روک کر تم چاروں نے اچھا نہیں کیا اب میں تمہارے آخری دوست کو آزماؤں گا۔ اگر وہ بھی تمہاری طرح دنیا دار نکلا تو چاروں کا عبرت ناک انجام ہوگا۔ اور تمہاری یہ رات شاید زندگی کی آخری رات ہو۔'' قہقہوں کی پراسرار آوازوں اور جلتی بجھتی بجلیوں کی وجہ سے تینوں دوست بے ہوش ہو چکے تھے۔

رات کے چار بج رہے تھے۔ درویش لالہ تہجد گزار تھا۔ لیکن آج تھکاوٹ کی وجہ سے وہ سو رہا تھا۔

اچانک اس کو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی اس کو جگا رہا

ہو۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو ایک بڑھیا بڑے پیار سے اس کو جگا رہی تھی۔ اس نے پوچھا ''کون ہیں۔''

وہ بولی۔ ''میں اس حویلی کے چوکیدار کی بیوی ہوں۔ نحیف اور بوڑھی ہوں۔ اس حویلی کے ایک کمرے میں قیمتی چیزیں ہیں تم اگر وہ لادو تو تمہیں آدھا حصہ دوں گی اور تم بہت امیر ہو جاؤ گے۔''

درویش لالہ نے کہا۔ ''پہلے مجھے وضو بنانے دو پھر میں کچھ بات کروں گا۔'' پھر اس نے وضو کیا۔

وہ بڑھیا اس کا کمرے میں انتظار کر رہی تھی۔ کہ درویش لالہ کو اپنے پیچھے آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ راستے میں ملنے والی غریب اپاہج عورت اور حویلی کے راستے والا غریب شخص حویلی کے دروازے کے باہر اس کو بلا رہے تھے۔ وہ فوراً ان کے پاس گیا تو انہوں نے سرگوشی میں کہا۔

''تم نیک دل انسان ہو۔ بڑھیا تمہیں جو بھی لالچ دے تم نے صرف اور صرف اپنا ایمان بچانا ہے۔ تمہارے دوست خطرے میں ہیں۔ حویلی کا جن زیجام بہت طاقتور ہے لیکن مسلمان اور با اصول ہے۔ تم نے دیانتداری دکھائی اور اس کو متاثر کر دیا۔ تو وہ تم چاروں کو معاف کر دے گا۔''

درویش لالہ جلدی سے کمرے میں واپس آ گیا اور تہجد کی نوافل ادا کیئے۔ پھر بڑھیا سے بولا۔

''اماں جی آپ کو دیکھ کر مجھے میری والدہ یاد آ رہی ہیں وہ بھی وفات سے پہلے بہت کمزور ہو گئی تھیں۔

یہ سن کر بڑھیا کا چہرہ خوشی سے لبریز ہو گیا۔ حویلی میں دو دھیا روشنی موجود تھی۔ بڑھیا نے درویش لالہ سے کہا۔

''وہ کمرے میں جا کر نوادرات اٹھا لائے۔'' تو درویش اندر گیا اور کلام الٰہی کی تلاوت کرنی شروع کر دی۔ ہر طرف سونے چاندی، ہیرے، جواہرات کے ڈھیر موجود تھے۔ لیکن درویش لالہ خالی ہاتھ واپس لوٹ آیا۔

بڑھیا کے استفسار پر بتایا ''اماں جی میں کسی کا مال چوری تو نہیں کر سکتا۔ ہاں میری حلال کی کمائی کے جتنے پیسے میرے پاس موجود ہیں وہ میں تمہیں دے سکتا ہوں لیکن قرآن مجید میں کسی کو نہیں دے سکتا۔''

بڑھیا نے پوچھا۔ ''بیٹا اگر جنات سے پیار و محبت رکھنا ہو تو کونسی سورتیں تلاوت کرتے ہیں۔'' تو درویش لالہ نے بتایا کہ۔

''سورۃ جن اور سورۃ مزمل پڑھنے سے معزز قبائل مسلمان جنات سے تعلقات استوار ہوتے ہیں۔''

تو اچانک کمرے میں سفید روشنی کی کرنیں پھوٹ پڑیں۔ بڑھیا کی جگہ انتہائی خوبصورت قوی ہیکل جن زیجام کھڑا تھا۔ اس نے درویش لالہ کو کمرے میں آنے کو کہا۔ جہاں درویش لالہ کے تینوں دوست زنجیروں میں جکڑے پڑے تھے۔ زیجام نے درویش لالہ کو بتایا کہ ''تمہاری دیانتداری اور حسن سلوک کی وجہ سے ان تینوں کو بھی معاف کر رہا ہوں۔ تم نے راستے میں میرے قبیلے کے لوگوں کی مدد نہ کی ہوتی تو آج شاید تمہارا انجام بھی ان دوستوں کے ساتھ ہوتا۔

دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے ہی تینوں دوست آزاد ہو چکے تھے۔

زیجام نے بتایا کہ میرا دعائیہ انداز ہر حالت میں کارآمد ہے۔ ہم بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پیار کرتے ہیں۔ جو انسان ہم سے محبت کرتے ہیں ہم بھی ان کا دم بھرتے ہیں۔''

گاؤں کی مسجد سے اذان فجر کی آواز آ رہی تھی زیجام نے چاروں کو خوشی خوشی جانے کی اجازت دی۔

صبح کی نماز درویش لالہ کی سربراہی میں ادا کی گئی۔ بارش تھم چکی تھی۔ چاروں دوستوں نے سامان اٹھایا۔ گاڑی اسٹارٹ کی تو پہلی کوشش میں گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔

واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ اب چاروں دوست مل کر غریبوں، لاچاروں، یتیموں کی مدد کرتے ہیں۔ حویلی کے جن کو یاد کرتے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آسیب

ایم اے راحت

دوسری قسط

ہر دل عزیز اور کہنہ مشق رائٹر کے قلم سے لکھی گئی اپنی نوعیت کی بے مثال کہانی، اس کہانی کو پڑھنے والے عش عش کر اٹھیں گے اور برسوں اس کہانی کو نہ بھلائے بھولیں گے، پڑھ کر تو دیکھیں۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ..... جادو ٹونا سر چڑھ کر بولتا ہے، اپنی نوعیت کی شاہکار کہانی

یہ جگہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، یہ احساس تو مجھے ہمیشہ سے رہتا تھا کہ یہ بے رونق علاقہ ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آسمانی نحوستوں نے یہاں بسیرا کر رکھا ہے۔

ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس کے کنارے لمبی، لمبی، گھاس اگی ہوئی تھی۔ کئی درخت تالاب کے آس پاس موجود تھے۔ عام حالات میں ایک خوشنما علاقہ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس پر نحوست نازل تھی اور دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا ایک عجیب ویران سا میدان پھیلا ہوا تھا اور اس میدان میں یہ تالاب بھی مصنوعی سا ہی محسوس ہوتا تھا، لیکن ایک بات اور بھی میں نے محسوس کی تھی، وہ یہ کہ تالاب کے پانی سے ہلکی ہلکی ناگوار بدبو اٹھ رہی تھی۔ جیسے پانی سڑا ہوا ہو۔ حالانکہ نہ اس پر کائی تھی اور نہ ہی وہ دور سے یا قریب سے گندہ نظر آتا تھا۔ شاید ایک قدرتی گندگی ہی اس میں موجود تھی۔ درخت بھی اچھے خاصے پھیلے ہوئے تھے لیکن کچھ عجیب سے رنگ کے..... ان میں وہ سبز رنگ تھا ہی نہیں جو درختوں کا رنگ ہوتا ہے۔ بس یہ میرے محسوسات تھے جنہیں میں نے محسوس کیا۔ بوڑھے نے مجھے ایک جگہ بتائی اور کہا۔

''یہ وہ جگہ ہے جہاں بیٹھ کر تجھے جاپ کرنا ہے۔''

''یہ جگہ ایک درخت کے تنے کے پاس تھی اور وہ درخت کا پورا سایہ اس جگہ پھیلا ہوا تھا۔ بوڑھے نے کہا۔

''جب تو جاپ کر رہا ہو تو تیرے من میں کوئی اور خیال نہیں ہونا چاہئے۔ اور سن بات کچھ بھی ہو جائے، جاپ کے دوران اس درخت کے سائے سے نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ نقصان اٹھائے گا۔''

''جی گرو مہاراج.....''

''اس کے علاوہ ایک بات تجھے اور بھی بتا دوں، وہ یہ کہ یہاں جو کچھ بھی ہو، تجھے اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، چاہے کیسے ہی تیرا من تڑپے مگر تجھے اپنی جگہ سے ہلنا نہیں ہے۔ جب تک کہ جاپ پورا نہ کر لے۔ سمجھ رہا ہے نا؟''

''مجھے یہ الفاظ کتنی دفعہ دہرانے ہوں گے؟''

''دو سو اکتہر دفعہ۔''

''یہ تو اہم بات تھی جو میں نے آپ سے پوچھی ہی نہیں گرو مہاراج!''

''نہ پوچھتا تو میں تجھے خود بتاتا۔''

''دو سو اکتہر دفعہ دہرانے کے بعد مجھے یہاں سے اٹھ جانا ہوگا!''

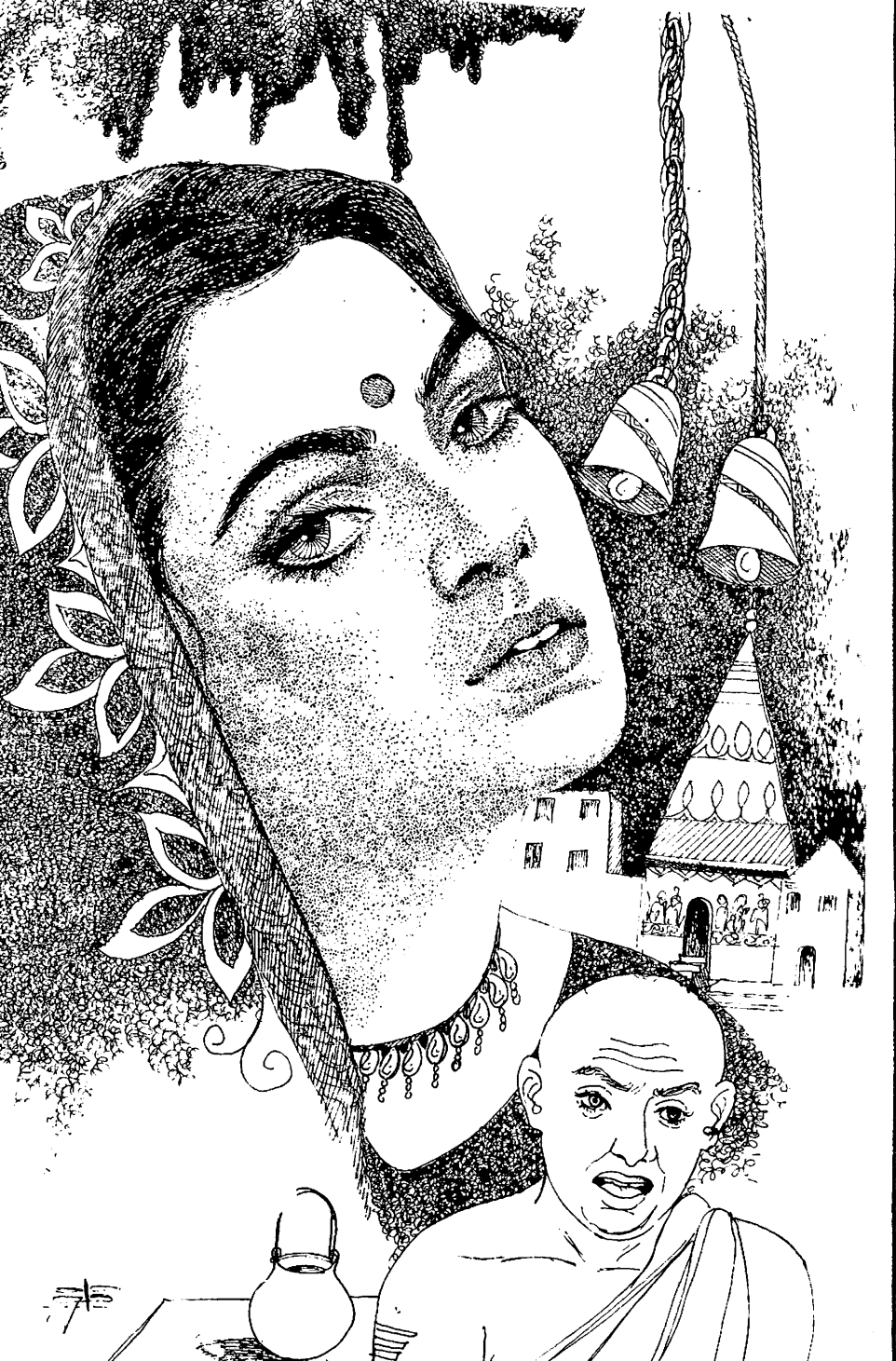

''ہاں جب تو اپنا یہ جاپ پورا کرلے تو آرام سے اٹھ جانا پھر تیری مرضی ہے مگر سن اس کے بعد بھی یہاں جو کچھ ہوتا ہے اس میں دخل مت دینا..... ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تیرا من تڑپے گا تو چاہے گا کہ کوئی کام کرے لیکن یہاں کچھ مت کرنا، یہ سمجھ لینا اچھی طرح اور گرو جب کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی پابندی کرنا ہوتی ہے۔''

''میں جانتا ہوں گرو مہاراج۔''

''تو پھر اب میں چلتا ہوں۔''

''آج ہی سے یہ جاپ شروع کردوں؟''

''ہاں بس آج ہی سے۔''

''ٹھیک ہے جیسا آپ کا حکم۔''

''بس تو یہاں بیٹھ جا اور اپنا کام کرلے۔''

''لیکن ابھی تو وقت ہے گرو مہاراج۔''

''ہاں وقت تو ہے۔ یہ بات میں بھول گیا تھا۔ چل ٹھیک ہے تھوڑی دیر کے بعد آجانا۔ لیکن اب تو یہاں گھوم پھر۔ میں تیرا ساتھ نہیں دوں گا۔'' بوڑھے نے کہا اور وہ واپس اپنی رہائش گاہ کی جانب چلا گیا۔ میں نے اس کا تعاقب نہیں کیا تھا بلکہ میری نگاہیں دور دور تک بھٹکنے لگی تھیں۔ تاحد نظر انسان کا پتہ نہیں تھا، ویسے بھی اس ویرانے میں کسی کا آنا بے مقصد ہی ہوسکتا تھا..... بہت دیر تک میں وہاں گھومتا پھرتا رہا۔ اور اس کے بعد پھر واپس اپنے اس تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ یہاں آنے کے بعد پہلی بار باہر نکلا تھا..... بدن کو ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا..... بہرطور اب جو کچھ شروع کردیا تھا۔ اس سے دور ہٹنا تو مناسب نہیں تھا، حالانکہ کبھی کبھی اندر سے دل یہ کہتا تھا کہ بھاگ جاؤں یہاں سے، لعنت بھیجوں چچی جان اور ریاض خان پر..... دنیا بہت وسیع ہے۔ دیکھوں گا اس دنیا میں کیا ہے، لیکن خود ہی بہت سے احساسات دل میں آجاتے تھے کیا دیکھوں گا اس دنیا میں، سوائے اس کے کہ محنت مزدوری کرکے دو وقت کی روٹی حاصل کرلی، یہ کوئی زندگی ہوگی۔ میں اب بہت بدل چکا تھا، زمانہ دیکھ لیا تھا میں نے..... الیاس بھائی کا پتہ نہیں کیا ہوگا، کیا کر رہے ہوں گے۔ جو کیا اس کا پھل پایا..... دنیا کے ساتھ فریب کرتے رہتے تھے۔ فریب کی زندگی کب تک گزاری جاسکتی ہے۔

پھر مقررہ وقت پر اس جگہ پہنچ گیا جہاں مجھے وہ جاپ کرنا تھا، جو کچھ رادھن لال نے مجھے بتایا تھا وہ مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ چنانچہ جب سورج چھپا تو میں اس درخت کے نیچے جا بیٹھا، دوسو اکتہر دفعہ وہ الفاظ پڑھنا تھے، میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں تیز رفتاری کا مظاہرہ کروں تو زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹے میں یہ کر لوں گا۔ لیکن رادھن لال نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تک چاند نہ نکلے میں یہاں سے نہ اٹھوں۔ اس لئے جو کچھ بھی کرنا تھا آہستہ آہستہ اس وقفے کے دوران کرنا تھا، لیکن یہ وقفہ بھی خاصا طویل تھا۔

پھر جب چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تو میں نے اس جاپ کو پہلی دفعہ دوہرایا۔ میں آنکھیں کھولے بیٹھا ہوا تھا اور وہ الفاظ آہستہ آہستہ میرے منہ سے نکل رہے تھے جن کا مجھے مفہوم نہیں معلوم تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ ایک بار پھر میرے اندر گرمی سی پیدا ہوگئی ہے۔ میرا دل سینے میں پھڑ پھڑا رہا ہے۔ لیکن میں نے اپنی ہر کیفیت کو نظر انداز کردیا، سات مرتبہ یہ جاپ پڑھنے کے بعد ایک بار پھر میں مطمئن ہوگیا تھا، اور اس کے بعد زیادہ اہتمام سے میں نے اس کا آغاز کردیا..... میری نگاہیں اب بھی چاروں طرف بھٹک رہی تھیں ہر چند کہ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ لیکن بہرحال میری آنکھیں تاریکی میں بھی دیکھ سکتی تھیں۔

سامنے والے درخت پر چڑیا کا ایک گھونسلا نظر آرہا تھا بہت ہی خوب صورت چڑیا تھی اور اپنے گھونسلے میں جا بیٹھی تھی، میں ان پرندوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا آزاد زندگی گزارتے ہیں، فضاؤں میں بسیرا کرتے ہیں۔ جب دل چاہا اپنی جگہ سے پرواز کی اور جہاں دل چاہا پہنچ گئے۔ لیکن انسانی زندگی پر کتنے بوجھ ہیں اسے اپنی کوششوں، اپنی کاوشوں سے گھر بنانے پڑتے ہیں۔ اور اس کے بعد نہ جانے زندگی کے کیسے

کیسے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بڑا فرق ہے ان پرندوں اور انسانوں کی زندگی میں..... تب ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا.....

پرندوں کی زندگی تو بہت ہی مختصر ہوتی ہے، تیز ہوا چلتی ہے تو ان کے گھونسلے اڑ جاتے ہیں..... اور وہ درختوں سے ٹکرا کر مر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹے پرندے کو بڑا پرندہ شکار کر لیتا ہے۔

انہی خیالات میں وقت گزر رہا تھا اور زبان سے جاپ کے الفاظ نکل رہے تھے پھر پہلے دن کا جاپ پورا کر کے جب چاند نے آسمان پر سر ابھارا تو میں وہاں سے اٹھ کر اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا..... میں رہائش گاہ کی سیڑھیاں طے کر ہی رہا تھا کہ اچانک ہی کہیں سے ایک نسوانی چیخ میرے کانوں میں ابھری۔ کوئی عورت دلدوز انداز میں چیخ رہی تھی۔

میرے دل میں ایک دم تجسس بیدار ہو گیا۔ لیکن پھر گرو رادھن لال کے الفاظ کا خیال آیا۔ کہ یہاں جو کچھ بھی ہو اس کی طرف سے آنکھیں اور کان بند ہی رکھنا ہیں۔

ایک بار پھر دل نے اندر سے بغاوت کی کہ کم از کم دیکھوں تو سہی کہ کون مصیبت میں ہے۔ لیکن دو ہی باتیں تھیں یا تو اپنے دل کی بات مان لیتا یا رادھن لال کی بات مان لیتا..... چنانچہ میں نے خاموشی سے اپنی رہائش گاہ کی جانب رخ کیا اور تہہ خانے میں پہنچ گیا..... لیکن یہ احساس میرے دل میں بہت دیر تک تڑپتا رہا تھا کہ چیخنے والی عورت کون تھی اور اس پر کیا بیت رہی ہے؟

لیکن دوسرے دن جب سورج نکل آیا اور میں اپنے معمولات سے فارغ ہو گیا تو میں نے رادھن لال کو تلاش کیا، اس نے ویسے بھی مجھ پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی اور کہہ دیا تھا کہ میں جہاں چاہوں گھوم پھر سکتا ہوں حالانکہ اس دوران میں نے اپنی اس رہائش گاہ میں ہی وقت گزارتا تھا اور جان بوجھ کر باہر نہیں نکلا تھا بس اپنے سحر میں گرفتار تھا اور اسی کشمکش کا شکار کہ جو کچھ بھی کر رہا ہوں وہ مناسب ہے یا نہیں، لیکن اب جب میں نے ایک دن کا جاپ کر لیا تو پھر یہ میرا آخری فیصلہ ہو گیا تھا کہ اب مناسب اور نامناسب کا تصور ذہن سے نکال دیا جائے، اور صرف وہ کیا جائے جو میں شروع کر چکا ہوں۔ رادھن لال مجھے ایک ایسی جگہ ملا جو ایک کھلا ہوا علاقہ تھا اور میں نے یہاں ایک اور منظر دیکھا اس وقت یہاں آٹھ نو افراد موجود تھے اور بڑے آدب سے بیٹھے ہوئے تھے، رادھن لال ایک چوکی پر بیٹھا انہیں کچھ بتا اور سمجھا رہا تھا میں نے اسے مصروف دیکھ کر باہر قدم نہیں نکالے اور پیچھے ہی رہ گیا وہ لوگ بڑی عقیدت سے رادھن لال کی باتیں سن رہے تھے، پھر خاصی دیر تک میں رادھن لال کا جائزہ لیتا رہا اور اس کے عقیدت مندوں کو بھی دیکھتا رہا، ایک ایک کر کے وہ لوگ اٹھنا شروع ہو گئے اور پھر انہوں نے جیب سے چیزیں نکال کر رکھنا شروع کر دیں، یہ نوٹ ہے کھانے پینے کی اشیاء تھیں اور ایسی ہی دوسری چیزیں جو وہ رادھن لال کی نذر کرنا چاہتے تھے، رادھن لال نے الٹا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اسے سیدھا کر کے ان لوگوں کو جانے کی اجازت دی تب وہ لوگ باہر نکل گئے اور رادھن لال اپنی جگہ سے اٹھ گیا پھر اسی وقت میں عقب سے نکل کر رادھن لال کے سامنے پہنچ گیا اور رادھن لال نے چونک کر مجھے دیکھا پھر مسکرا دیا۔

''تو پہلے دن کا جاپ کر چکا ہے!'' اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔

''ہاں گرو مہاراج.....''

''اچھا چل یہ چیزیں اٹھا، پھل وغیرہ الگ کر لے، نوٹ سمیٹ لے انہیں ایک جگہ کر کے میرے حوالے کر دے۔ اصل میں میں نے تجھے بتا دیا تھا کہ میں نے کوئی چیلہ نہیں بنایا، بہت سے لوگوں نے یہ کوشش کی لیکن تو جانتا ہے کہ ایرے غیرے کو کوئی علم نہیں دیا جاتا یہ تو تیری خوش قسمتی ہے کہ تو نے مجھ سے وہ حاصل کر لیا جو اچھے اچھے نہ حاصل کر سکے، یہ چیزیں اٹھا لے.....'' میں نے رادھن لال کی ہدایت پر عمل کیا پھل وغیرہ

سمیٹ کر ایک جگہ کر دیئے، رادھن لال بولا۔

''لے اب اس میں سے جو کچھ بھی تیری پسند ہو اٹھالے، لیکن اپنی رہائش گاہ میں جا کر ہی ان کو کھانا پینا، آج سے یہ بھی کیا کرتو، یہ لوگ روزانہ نہیں آتے، تین دن کے بعد آتے ہیں۔ چنانچہ آج سے تیسرے دن تو پھر اسی وقت یہاں آجانا تاکہ یہ تمام چیزیں سمیٹ لے۔''

''جی گرو مہاراج.....'' میں نے جواب دیا پھر میں نے کہا۔ ''ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں آپ سے گرو مہاراج!''

''رات کو جب میں جاپ کر کے واپسی لوٹا تھا تو مجھے کسی عورت کے چیخنے کی آوازیں سنائی دی تھیں.....''

رادھن لال نے چونک کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

''ہاں.....تو پھر؟''

''میرا مطلب ہے کون تھی وہ جبکہ یہاں تو دور دور تک آبادی نہیں ہے؟'' رادھن لال چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

''کچھ سے گزار لے اس کی بعد تجھے یہ سب کچھ بھی معلوم ہو جائے گا تجھے ہر کام میں شریک ہونا ہوگا۔ تو اس کی بالکل چنتا نہ کر۔''

''وہ کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں تھی؟''

''دیکھ ابھی بہت کم وقت گزرا ہے تجھے یہاں کوئی ایسی ویسی بات نظر آئے تو اس پر دھیان مت دھرنا اور اگر ایسی چیزیں تجھے دوبارہ بھی سنائی دیں تو اس کی فکر نہ کرنا۔''

''جی گرو مہاراج.....'' میں نے جواب دیا لیکن میرے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو گئی تھی رادھن لال نے حتمی طور پر یہ بات کہہ دی تھی کہ میں ایسی باتوں پر نظر نہ رکھا کروں، مجھے اس کی ہدایت پر عمل کرنا تھا کیونکہ بہر طور اس سے کچھ سیکھ رہا تھا لیکن اندر کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ کبھی کبھی انسان کے بس سے باہر ہو جاتی ہے نہ جانے وہ کیسی چیزیں تھیں۔

بہر حال جو پھل وہاں سے اٹھا کر لایا تھا انہیں کھایا اور اس کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا، پھر دوسری رات بھی میں نے جاپ شروع کیا پھر تیسری رات ایک عجیب واقعہ ہوا۔ سامنے والے درخت پر جو رنگین چڑیاں تھیں اور جنہیں میں نے اب دن میں بھی آ کر دیکھا تھا وہ بے حد خوبصورت تھیں اسی وقت جب میں جاپ کر رہا تھا میں نے دیکھا کہ درخت کی اوپری شاخ سے ایک سانپ نیچے اتر رہا ہے، میں جاپ کر رہا تھا لیکن کالے ناگ کو دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل کو خوف کا ایک احساس ہوا اگر یہ اتر کر میرے پاس آیا تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں نے دل میں سوچا اور اس کے بعد اس احساس کے ساتھ خاموش ہو گیا کہ گرو رادھن لال نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی ایسی بات ہو تو اپنی جگہ نہ چھوڑنا ہو سکتا ہے یہ سانپ مجھ تک نہ پہنچے لیکن میری نگاہیں سانپ پر جمی رہیں۔

سانپ آہستہ آہستہ نیچے اترا اور اٹھ کر تھوڑی دیر بعد اس گھونسلے کے قریب رک گیا پھر میں نے سانپ کو اپنا پھن گھونسلے میں داخل کرتے دیکھا اور چند لمحوں کے بعد جو منظر میری نگاہوں کے سامنے آیا اس نے میرا دل تڑپا دیا۔ وہ رنگین اور حسین چڑیا سانپ کے منہ میں دبی ہوئی پھر پھڑ پھڑا رہی تھی اور سانپ اسے منہ میں دبائے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ چڑیا پھڑ پھڑاتی رہی میرا دل سینے سے نکلا پڑ رہا تھا اور میری خواہش تھی کہ کسی طرح اس سانپ کو ہلاک کر کے اس چڑیا کو آزاد کرا دوں لیکن، رادھن لال کے الفاظ بھی میرے ذہن میں تھے، دیکھتے ہی دیکھتے سانپ چڑیا کو چٹ کر گیا پھر اس نے دوبارہ پھن اندر ڈالا اور دوسری چڑیا نکال لی، اسے بھی ہلاک کرنے کے بعد سانپ نے اپنی منزل کی جانب رخ کیا اور درختوں کی شاخوں میں گم ہو گیا۔

حسین چڑیوں کا گھونسلہ خالی ہو گیا تھا، اور نہ جانے کیوں میرے دل کو ایک دکھ کا سا احساس تھا کتنی سکون کی زندگی گزار رہی تھیں وہ لیکن اب ان کا وجود مٹ گیا، ایک دشمن انہیں کھا گیا تھا۔ سانپ اپنی جگہ سے غائب ہونے کے بعد پھر نظر نہیں آیا اور میں اطمینان سے اپنا جاپ پورا کرتا رہا، یہاں تک کہ چاند نے سر ابھارا اور میں نے جاپ ختم کر کے اپنی جگہ کی راہ

لی آج مجھے کوئی چیخ نہیں سنائی دی تھی پھر اسی طرح یہ جاپ کرتے ہوئے مجھے پانچواں دن آ گیا اس دوران عجیب وغریب حالات پیش آئے تھے، ویسے جاپ کرنے کے وقت کے لئے میں نے ایک ڈنڈا اپنے ساتھ لے لیا تھا اگر سانپ میری طرف آئے تو اس سے کم از کم اس درخت کی چھاؤں کے نیچے ہی نمٹ سکوں موذی کا کیا بھروسہ کب کس طرح نکل آئے۔

خیر جناب یہ واقعات گزرتے رہے تو میں پانچویں دن کا تذکرہ کر رہا تھا یہ میرے جاپ کا پانچواں دن تھا۔ دو دن اور باقی رہ گئے تھے، میں بیٹھا ہوا جاپ کر رہا تھا موسم خوشگوار تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور آج یہ خطرہ تھا کہ شاید چاند نظر نہ آئے لیکن بہر حال ایک تعین ہو گیا تھا چاند اگر بادلوں کی وجہ سے نظر نہ بھی آیا تو کیا ہو سکتا ہے لیکن پھر آہستہ آہستہ جوں جوں رات گزرتی گئی بادل چھٹتے چلے گئے اور چاند پوری آب وتاب کے ساتھ نکل آیا، فضا میں چاروں طرف روشنی پھیل گئی، میں اپنے جاپ کے آخری مراحل سے گزر رہا تھا کہ کہیں سے ایک بلی میرے سامنے میاؤں میاؤں کرتی ہوئی آ گئی۔ وہ درخت کے چھاؤں کے اس طرف میری جانب رخ کر کے بیٹھ گئی میں چند لمحوں کے لئے رک گیا اور اس بلی کو دیکھنے لگا جو نہ جانے مجھ سے کیا چاہتی تھی وہ تین بار منہ سے میاؤں میاؤں کی آوازیں نکال چکی تھی، بہت خوبصورت بلی تھی، میں اسے دیکھ کر مسکرا تا رہا نہ جانے کیا سمائی ہے اس کے دل میں؟ لیکن پھر وہ خوفناک لمحہ آ گیا جس نے میری روح تک کو لرزا دیا، اسی سامنے والے درخت سے جس پر میں چڑیوں کا وہ گھونسلہ دیکھتا تھا اور اب وہ گھونسلہ ویران دیکھ کر میرے دل کو دکھ ہوتا تھا۔

اچانک ہی ایک قد آور بلے نے چھلانگ لگائی، کالے رنگ کا یہ بلا بڑی لمبی زقند بھر کر بلی پر آ کودا تھا، بلی اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگی تو بلا غراتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا، میں نے حیرت سے دیکھا وہ بلا عام جسامت سے کہیں زیادہ تھا اور بہت تندرست وتوانا معلوم ہوتا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بلی پر جھپٹا مارا اور اس کی گردن اپنے دانتوں میں دبوچ لی، میرے ہاتھوں میں لرزش پیدا ہو گئی میں نے ڈنڈے کو مٹھی میں پکڑ لیا اور ایک لمحے کے لئے میرا دل چاہا کہ اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں اور اس خوبصورت بلی کو بچاؤں جو اب بلے کے جبڑوں میں دبی ہوئی تڑپ رہی تھی، زمین پر اچھا خاصہ ہنگامہ ہو رہا تھا بلا اس بلی کو جھنجھوڑ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے بلی خون میں نہا گئی بلے نے اس کی ٹانگیں چبا ڈالیں اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کے پورے بدن کو چٹ کر گیا، بلی کو اس نے توڑ مروڑ کر رکھ دیا تھا اور اب زمین پر خون کے چھینٹوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، کالے بلے کا منہ خون سے رنگین ہو گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ محسوس کیا کہ اس کی جسامت پہلے سے بھی کچھ بڑھ گئی ہے، بلی کو ہضم کرنے کے بعد وہ لمبی زبان نکال کر اپنے منہ پر لگا خون چاٹنے لگا، تبھی اس کی گول گول خوفناک آنکھیں میری جانب اٹھ گئیں اور وہ اس طرح ٹھٹھک کر رک گیا۔ جیسے پہلی بار اس نے مجھے دیکھا ہو، نہ جانے کیوں میرے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں، بلے کی آنکھوں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے شکار کو تاک رہا ہو۔ پھر وہ دبے قدموں میری جانب بڑھنے لگا اور میرے اوسان خطا ہو گئے یہ کمبخت بلا آخر کیا چاہتا ہے، میں نے سوچا۔ بلا آہستہ آہستہ میری جانب بڑھ رہا تھا در میں ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اٹھتا جا رہا تھا، اگر اس نے مجھے پر حملہ کیا تو ظاہر ہے مجھے اس سے جنگ کرنی ہے، پھر بلا درخت کی چھاؤں کے اس حصار کے قریب آ گیا جس سے باہر نکلنے کی مجھے ممانعت تھی اور اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اس سے مقابلہ کروں لیکن اس وقت بھی میں نے اپنے ہوش وحواس نہیں کھوئے تھے اور یہ سوچ رہا تھا کہ بلا اگر اندر آ گیا تو اس حصار کے اندر ہی اندر میں اس سے جنگ کروں گا لیکن بلا اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ وہ اس طرح مجھے تکتا رہا جیسے موقع ملتے ہی مجھے بھی بلی کی طرح چیر پھاڑ کر چٹ کر جائے گا، بلی کو اس

نے جس وحشیانہ انداز میں چباڈالا تھا وہ اب بھی میرے ذہن پر نقش تھا اور میرا بدن اسے دیکھ کر ہلکے ہلکے کانپ رہا تھا، بلاتقریباً دو یا تین منٹ تک وہاں کھڑا رہا پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ چاند نکل آیا ہے اور مجھے اپنا جاپ ختم کر لینا چاہئے، ویسے بھی صرف چند بار کی بات رہ گئی تھی چنانچہ میں اپنی جگہ بیٹھ گیا لیکن ڈنڈا اب بھی میں نے اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا، یہاں تک کہ میں نے اپنا جاپ پورا کیا اور جیسے ہی میرے جاپ کی آخری لائن ختم ہوئی میں ڈنڈا لے کر اس بلے کے پیچھے دوڑا اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور بھاگ کر درخت پر چڑھ گیا۔

میں تقریباً دو یا تین منٹ تک درخت کے نیچے کھڑا رہا تھا اور اس کے تنے کو ڈنڈے سے بجاتا رہا تھا کہ آ کمبخت نیچے تو آ میں تجھے دیکھ لوں، اب میرے دل سے نہ جانے کیوں خوف نکل گیا تھا، بلکہ میرا غصہ بہت شدید ہو گیا تھا یہ درخت ہے ہی نحوست کی جڑ اس کمبخت پر ساری خونخوار بلائیں ہی رہتی ہیں، وہ سانپ اور وہ بلا، لیکن اب مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بلا درختوں کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا ہو۔

بہرحال دیر تک میں درخت پر ڈنڈے برساتا رہا لیکن بلے نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی، وہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا نہ ہی اس کی آنکھیں کہیں چمک رہی تھیں جبکہ میں ان کی تلاش میں تھا ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ درخت پر چڑھ کر اسے تلاش کروں لیکن پھر اپنی اس دلیری کو خود ہی اپنے سینے میں دبا لیا کہ کیا فائدہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤں وہاں سانپ بھی ہے۔ اور اس کے بعد میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ میں نے سوچا کہ دوبارہ جب بھی وہ نظر آیا میں اس پر ڈنڈا پھینک کر ماروں گا لیکن یہ بھی ایک غلط طریقہ کار تھا میرے ہاتھ سے اگر ڈنڈا نکل گیا تو شاید صرف ہاتھوں سے میں اس کا صحیح طور پر مقابلہ نہ کر پاؤں ورنہ وہ مجھے زخمی کر دے گا، میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

دفعتاً مجھے اپنے عقب میں سرسراہٹیں محسوس ہوئیں اور میں نے پلٹ کر دیکھا، ایک بار پھر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، انسان اپنی وحشت اپنے خوف پر بڑی مشکل ہی سے قابو پا سکتا ہے بلا آہستہ آہستہ میرے پیچھے چلا آ رہا تھا اور مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، میں نے حلق سے ایک دھاڑ نکالی اور پلٹ کر بلے کی جانب دوڑا لیکن وہ میرے پلٹتے ہی پھر بھاگ گیا تھا۔ میں نے کچھ دور تک اس کا تعاقب کیا لیکن وہ کمبخت بھاگ کر پھر درخت پر چڑھ گیا تھا، میں نے سوچا کہ لعنت ہے اس پر، اب مجھے اپنی رہائش گاہ میں پہنچ جانا چاہئے۔

چنانچہ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس پلٹا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو گیا لیکن آج پھر میرا دل لرز گیا تھا وہ نسوانی چیخیں آج پھر سنائی دے رہی تھیں لیکن آواز بدلی ہوئی تھی وہ آواز نہیں تھی جو میں نے پہلے سنی تھی، کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

”نہیں، تمہیں بھگوان کا واسطہ نہیں۔ نہیں ایسا نہ کرو۔ ایسا نہ کرو..... دیکھو مان لو میری بات، دیکھو..... دیکھو.....!“

اور پھر یوں لگا جیسے کسی نے اس کا منہ بند کر دیا ہو۔

میرے دل و دماغ معطل ہو کر رہ گئے، کیا کروں کیا نہ کروں، یہ آوازیں بڑی دلدوز تھیں کوئی کسی کو مدد کے لئے پکار رہا تھا لیکن میں اس کی مدد کو نہیں جا سکتا تھا جبکہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں ایسا کروں۔ .....

بہرحال دل مسوس کر واپس پلٹا اور اپنی قیام گاہ میں آ گیا لیکن اس رات مجھے نیند نہیں آئی تھی دوسری صبح بھی میں دیر تک کسلمندی سے پڑا رہا، رادھن لال سے کچھ پوچھنا بے کار ہی تھا اس نے کہہ دیا تھا کہ یہاں ہونے والی کسی بات پر میں توجہ نہ دوں پھر جاپ کے بقیہ دو دن بھی گزر گئے، ساتویں دن میں نے جاپ مکمل کر لیا تھا اور آٹھویں دن کی صبح رادھن لال میرے پاس آیا وہ مکسراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

”آ باہر آ میرے ساتھ.....“ میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا تو اس نے کہا۔

”تیری داڑھی کتنی بڑھ گئی ہے کبھی آئینے میں

اپنی شکل دیکھی ہے؟''

''وہ..... آئینہ ہے ہی نہیں میرے پاس۔''

''ہاں میں جانتا ہوں لیکن میں نے تیرے لیے بندوبست کردیا ہے۔ جاپ پورا ہوگیا؟''

''ہاں گرو جی، جو کچھ آپ نے بتایا تھا وہ میں نے پورا کرلیا ہے۔''

''آئینے میں اپنے آپ کو دیکھے تو تجھے احساس ہوگا کہ اس جاپ کا نتیجہ کیا ہوا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''خیر چھوڑ ان باتوں کو کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں گرو مہاراج!''

''تو بس یہ سمجھ لے کہ تو اپنے گیان کے پہلے مرحلے کو پورا کرچکا ہے اور اس کے بعد تجھے کیا ملے گا یہ تو دیکھے گا.....''

''کیا ملے گا گرو مہاراج؟''

''نہیں رے ابھی نہیں، ابھی تو تجھے بہت کچھ کرنا ہے، گرو دکشنا دینی ہے تجھے۔''

''گرو دکشنا؟''

''ہاں..... کیا نہیں دے گا؟''

''میرے پاس کیا ہے گرو جی؟''

''آج یہ کہہ رہا ہے پاگل کل دیکھنا تیرے پاس کیا کیا ہوگا۔''

''جی گرو مہاراج!''

''مگر تجھے ہمارے لئے بھی کچھ کام کرنا ہوگا اور وہی تیری گرو دکشنا ہوگی۔''

''بھلا میں آپ کو منع کرسکتا ہوں؟''

''ابھی تک تو بہت ہی اچھا لڑکا ثابت ہوا ہے اور میرا من چاہتا ہے کہ تجھے اتنا کچھ سکھادوں کہ سنسار تیرے قدموں میں جھک جائے۔''

''آپ کی مہربانی ہوگی گرو مہاراج اس سے زیادہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں؟''

''اچھا اب آ..... نئے جاپ کے لئے تجھے کافی عرصے کام کرنا ہوگا، لیکن یہ نیا جاپ تین دن کا ہوگا، اس کے بعد تجھے پھر سات دن کا جاپ کرنا ہوگا۔''

''کیا وہی جو آپ نے مجھے بتایا ہے، وہی مجھے کہنا ہوگا؟''

''نہیں کچھ اور.....'' رادھن لال نے کہا۔

''ٹھیک ہے.....''

''مگر اس میں سمے بہت لگ جائے گا۔''

''اب کیا کرنا ہے مجھے، صرف آپ کے قدموں میں ہی رہنا ہے۔''

''ہمارے چرنوں میں رہے گا تو سکھ پائے گا پگلے، آ اپنا حلیہ درست کرلے تیرے لئے نئے کپڑے منگوالئے ہیں ہم نے.....'' وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا، یہاں آئینہ بھی تھا شیو کا سامان بھی تھا، غسل کرنے کے لئے غسل خانہ بھی تھا اس پورے کارخانے کو میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا بس جتنی جگہ مجھے دکھادی گئی تھی میں نے اس پر اکتفا کی تھی یہ نئی جگہ جہاں وہ مجھے لے گیا تھا بڑی پرسکون اور آرام دہ تھی، میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا اور نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوا کہ میرے چہرے میں ایک عجیب سی کشش پیدا ہوگئی ہے، میری آنکھوں میں ہلکے سے گلابی ڈورے تیر رہے ہیں اور ان آنکھوں میں ایک پراسراری چمک پیدا ہوگئی ہے، یہ تمام احساسات مجھے خود اپنے بارے میں ہورہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کیوں یہ تبدیلی ہو گئی ہے پھر میں نے اپنے ہاتھ پیروں پر بھی غور کیا شاید یہ اتنے دن کے عیش و آرام کی زندگی کا نتیجہ تھا کہ میرے بدن کا گوشت بھر گیا تھا میرے سینے پر لمبے لمبے بال اگ آئے تھے۔ حالانکہ میں نے اس سے پہلے کبھی ان پر توجہ نہیں دی تھی، ہاتھوں کی سفید کلائیوں پر بھی سیاہ بال بہت گھنے معلوم ہوتے تھے غسل کرکے میں نے شیو کیا اور ایک بار پھر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتا رہ گیا، میرے بالوں کا انداز پہلے ہی بڑا خوبصورت تھا اور کئی بار مختلف لوگوں نے ان کی تعریف کی تھی، لیکن کبھی میں نے اس پر توجہ نہیں دی تھی، جس ماحول سے اٹھ کر آیا تھا

اس میں ان ساری چیزوں کی اس قدر اہمیت نہیں ہوتی۔

لیکن آج میں نے اپنے سراپے کو غور سے دیکھا تھا، بھرا بھرا بدن لمبا قد اور ان سے کہیں زیادہ میری شخصیت میں نکھار پیدا ہو گیا تھا، بہر حال پھر میں نے وہ لباس پہنا، سفید رنگ کا کرتا اور ایک دھوتی تھی، مجھے دھوتی باندھنا صحیح طور پر نہیں آتی تھی کیونکہ میں نے ہندوؤں کے انداز میں کبھی دھوتی نہیں باندھی تھی لیکن جب میں نے اسے اپنے جسم پر لپیٹا تو مجھے سب کچھ خود بخود آ گیا، کرتا اور دھوتی پہن کر جب میں باہر نکلا تو گرو رادھن لال موجود تھا اس نے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بھگوان کی سوگند تو تو ویسے ہی ساحر ہے تو تو ویسے ہی جادوگر ہے، تجھے کسی جادو کو سیکھنے کی کیا ضرورت ہے، کیسا لگا تو اپنے آپ کو؟''

''سب آپ کی مہربانی ہے گرو جی۔''

''تو پھر دکشنا دینے کے لئے تیار ہو جا، ابھی دکشنا دے گا یا دوسرے جاپ کے بعد؟''

''جیسا آپ کا حکم ہو، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''ہاں دیکھ جو دکشنا تجھے دینی ہے اس میں تجھے زیادہ دن لگ جائیں گے، ہمارا خیال ہے تین دن کا جاپ تو اور کر لے اور پھر تیرا آخری جاپ رہ جائے گا اور اس کے بعد اس کے بعد تو بہت کچھ پا لے گا بہت کچھ۔''

''جیسا آپ کا حکم.....'' میں نے کہا اس کے بعد میں سکون کا وقت گزارنے لگا۔ تقریباً چھ دن کے بعد گرو رادھن لال نے مجھے پھر دوسرا جاپ اسی طرح یاد کرایا جیسا پہلے یاد کرایا تھا لیکن اس جاپ کے لئے انہوں نے کہا کہ یہ مجھے اپنی رہائش گاہ میں ہی پڑھنا پڑے گا اور اس میں کوئی خاص دقت نہیں ہوگی، چنانچہ میں نے تین دن کا وہ جاپ بھی مکمل کر لیا، اب میں آزادی سے باہر آتا جاتا تھا اور گرو رادھن لال مجھے بہت سی باتیں بتایا کرتا تھا اس کے بعد اس نے ایک صبح مجھ سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب تجھے وہ کام کرنا ہے جس کے لئے ہم نے تجھ سے کہا تھا۔''

''کیا رادھن لال مہاراج؟''

''جو کچھ بتا رہا ہوں اسے غور سے سننا، تجھے اب بستی میں جانا ہوگا، بستی میں گنگولی رام نامی ایک بنیا ہے اس بنئے کے پاس جانا اور بتانا کہ کرن پور سے آیا ہے اور تیرا نام سرن لال ہے.....''

''جی.....'' میں نے کہا۔

''گنگولی رام تجھے ہاتھوں ہاتھ لے گا اور اپنے گھر لے جائے گا چونکہ سرن لال اس کے ایک مرحوم دوست کا بیٹا تھا اور یہ مرحوم دوست لندن میں مر چکا ہے۔''

''اس کے دوست کا نام کیا تھا؟''

مدن لال۔''

''یہ میں نے اس لئے پوچھ لیا ہے تاکہ مجھے یاد رہے۔''

''ہاں..... میں خود تجھے بتاتا، پھر وہ تجھے اپنے گھر لے کر جائے گا وراب میں تجھے وہ سب سے اہم بات بتاؤں، گنگولی رام کی ایک بیٹی ہے جس کا نام پشپا وتی ہے، بڑی سندر ہے، دیکھے گا تو من للچائے گا تیرا، مگر سمجھ لینا کہ وہ تیرے لئے نہیں ہے البتہ اگر وہ تجھ سے پریم کرنے لگے تو تو اس کا مان رکھنا اور خود بھی اس سے اظہار کرنا کہ تو اس سے پریم کرنے لگا ہے..... اس کام میں کچھ روز لگ جائیں گے بس تو یہ سمجھ لے کہ تجھے اس سے پریم کرنا ہے، بے فکر رہنا تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا بس جو کام ہم نے کہا ہے وہ تجھے کرنا ہے۔''

''لیکن اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''نہیں رے نہیں، وقت سے پہلے کوئی بات پوچھنا مناسب نہیں ہوتا۔''

''ٹھیک ہے گرو مہاراج مگر آپ مجھے یہ تو بتا دیں کہ.....کہ.....؟''

''ہاں بول!''

''کہ بس مجھے اتنا ہی کرنا ہے؟''

''اس کے بعد تجھے جو کچھ کرنا ہوگا وہ ہم تجھے بتا دیں گے۔'' اس نے کہا۔

''مجھے کب روانہ ہونا ہے؟''

بس وہ جو کہتے ہیں کل کرے سو آج کر اور آج کرے سو اب، تو تیار ہو جا، دیکھ وہ سوٹ کیس رکھا ہوا ہے اس میں کپڑے بھی ہیں اور تیرا ٹکٹ بھی رکھا ہوا ہے، جس کے بارے میں اگر کوئی پوچھے تو تو بتائے گا کہ تو ریل سے یہاں آیا ہے۔''

''ٹھیک ہے، جیسا آپ کا حکم.....'' اور پھر بہت دن کے بعد میں نے آبادیوں کا رخ کیا اتنے عرصے ویرانوں میں گزارنے کے بعد آبادی میں آنا بہت عجیب سا لگا تھا، چچی جان کا گھر بھی وہیں موجود تھا لیکن میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک اپنا کام مکمل نہیں کرلوں گا کسی سے نہیں ملوں گا چنانچہ میں رادھن لال کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا بڑی سی دکان تھی جس میں لاکھوں روپے کا مال بھرا ہوا تھا دنیا کی ہر چیز موجود تھی جو ضروریات زندگی میں استعمال ہوتی ہے، وہ موٹے سے بدن کا آدمی یقینی طور پر گنگولی رام ہی ہوسکتا تھا، میں اس کے پاس پہنچ گیا اور وہ میری جانب دیکھنے لگا۔''

''میرا نام سرن لال ہے اور میں کرن پور سے آیا ہوں۔''

''ہیں.....'' موٹا آدمی حیرت سے چونک کر بولا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے گلے آ لگا۔

''ارے میرا پوت، میرا بیٹا..... آ گیا تو مجھے تیرے آنے کے اطلاع ملی تھی۔''

''جی گنگولی رام مہاراج!''

''کیا کہہ رہا ہے، تایا جی نہیں کہے گا مجھے؟''

''جی تایا جی.....''

''بس رے تیرے آنے سے من خوش ہو گیا ہے۔ بھگوان کتنا سندر ہے تو ارے کاکا اوکاکا.....''

گنگولی نے آواز دی اور ایک بوڑھا آدمی قریب آ گیا۔

''لو دکان سنبھالو کاکا جی میرے مہمان آئے ہیں، میں انہیں لے کر جا رہا ہوں.....'' تھوڑی دیر کے بعد گنگولی رام مجھے لئے ہوئے ایک خوبصورت مکان میں داخل ہو گیا جو دوکان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، مکان میں بہت سے لوگ مجھے نظر آئے لیکن گنگولی رام مجھے ساتھ لیتے ہوئے اندر کمرے میں پہنچ گیا اور یہاں میں نے اس حسین لڑکی کو دیکھا جو ایک کھلے ہوئے پھول کی مانند تھی، اتنا شگفتہ چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، مسکراتے ہوئے ہونٹ اس کی ساتھ ہی ایک اور عورت بھی موجود تھی جو سفید ساڑھی باندھے ہوئے تھی لیکن اس کے خدوخال سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پشپا وتی کی ماں ہے دونوں کے چہرے کے نقوش بھی ملتے تھے، گنگولی رام نے کہا۔

پسندیدگی کے آثار میں نے صاف محسوس کئے تھے تب لتا نے پوچھا۔

''کون ہے یہ؟''

''نہیں ہم نے بتایا تو پھر بات ہی کیا رہی..... تو خود پہچان کر دکھا تب مانیں تجھے۔''

''لو مجھے کیا معلوم۔''

''کیوں پشپا کون ہوسکتا ہے یہ۔''

''اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ مدن چاچا کے بیٹے ہیں۔''

''لے لتا تجھ سے زیادہ سمجھ دار تو تیری بیٹی نکلی..... ہاں یہ سرن لال ہے، مدن کا بیٹا۔''

''جیتے رہو بیٹا بڑے ہو گئے، بہت چھوٹا سا دیکھا تھا ہم نے تمہیں، ارے کب آئے تم؟''

''بس ابھی ابھی پہنچا ہے میری دوکان پر..... اور جانتی ہے کیا کہہ رہا تھا مجھے؟''

''کیا.....؟''

''گنگولی رام جی.....'' گنگولی رام نے کہا اور ہنس پڑا۔

''اب تمہارے دوست نے بتایا ہی نہیں ہوگا کہ تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے.....'' بیوی نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں نہیں مدن کو برا نہ کہو..... بس یہ نئی

نسل کے بچے ہیں جو کچھ ان کے من میں آتا ہے کرتے ہیں، چلو اب تم یوں کرو اس کے آرام کا بندوبست کرو اور میں دوکان پر جارہا ہوں۔'' پھر وہ میری طرف رخ کرکے بولا۔

''بیٹا سرن دیکھو یہ تمہارے تایا جی کا گھر ہے یہاں کوئی پریشانی مت اٹھانا مجھے دکھ ہوگا۔''

میرے لئے ایک مخصوص کمرے کا بندوبست کیا گیا جو خوب سجا ہوا تھا، بہرحال اس کمرے میں مقیم ہوکر پھر وہی کیفیت میرے دل پر طاری ہونے لگی تھی میں کچھ لوگوں کو دھوکہ دینے آیا تھا اور ایک غلط نام سے انہیں دھوکہ دے رہا تھا۔

شام کو پشپا میرے کمرے میں آئی، اس کی آنکھوں میں مسرتوں کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

''آپ کمرے سے باہر نہیں نکلے سرن جی؟'' اس نے حسین آواز میں کہا۔

''نہیں۔''

''تو پھر آیئے نا آپ کو سیر کرائیں۔''

''کہاں؟''

''بس ایسے ہی.....'' اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا، پشپا مجھے لئے ہوئے مکان کے پچھلے حصے تک پہنچ گئی جہاں ایک چھوٹا سا باغ لگا ہوا نظر آرہا تھا۔

''کیا یہ آپ کا باغ ہے پشپا جی؟''

''نہیں میرا اتنا بڑا باغ کہاں سے آیا بس ایسے ہی سرکاری باغ ہے مگر اندر بہت اچھا ہے، بیٹھنے کی بھی بڑی اچھی اچھی جگہیں ہیں.....'' موسم بھی خوشگوار تھا اس باغ میں پشپا کے ساتھ سیر کرتے ہوئے نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ پشپا مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی پھر ایک دو جگہ وہ ایک سفید بینچ پر بیٹھ گئی سامنے حوض تھا جس میں رنگین مچھلیاں تیر رہی تھیں میں نے کہا۔

''بہت خوبصورت جگہ ہے۔''

''آپ تو انگلینڈ سے آئے ہیں وہاں تو آپ نے بڑی بڑی حسین چیزیں دیکھی ہوں گی۔''

''ہاں بس.....'' میں نے آہستہ سے کہا میرے فرشتوں کو بھی انگلینڈ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا بس نام سنا تھا میں نے، پشپا کہنے لگی۔

''ایک بات پوچھوں سرن جی!''

''جی پشپا جی!''

''انگلینڈ میں آپ کی بہت سی دوستیاں ہوگئی ہوں گی؟''

''کس سے؟'' میں نے سوال کیا۔

''بس دیکھا تو نہیں ہے پر عقل بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''وہاں کی پریاں بڑی سندری ہوتی ہے سفید رنگ کی مالک۔''

''پتہ نہیں آپ یقین کریں میں نے آج تک کوئی پری نہیں دیکھی۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی۔

''میں وہاں رہنے والی لڑکیوں کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔''

''میری لڑکیوں سے دوستی رہی نہیں۔''

''ایسا تو نہیں ہوسکتا۔'' وہ شرارت بھرے انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا۔''

''بہت بڑی بات ہے یہ تو ورنہ ولایت سے آنے والے تو پتہ نہیں کیسے ہوتے ہیں ویسے آپ کے اندر یہ بات لگتی بھی نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''پتہ نہیں۔'' شاید میں اپنی بات صحیح طور پر کہہ نہیں پارہی۔''

''نہیں پشپا جی کوئی ایسی بات نہیں ہے، بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے اپنی زندگی سادہ سی گزاری ہے۔''

''خیر میں یہ بات مانتی ہوں، انسان خود کو جتنا چاہے برائیوں میں ڈال لے، بچنا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔'' پشپا سے میری اچھی خاصی گفتگو ہوتی

رہی اور مجھے بھی وہ لڑکی بہت پسند آئی تھی، بہت سادہ مزاج اور ہنس مکھ لڑکی تھی۔

تین چار دن کے اندر اندر ہمارے درمیان خاصے گہرے رابطے ہوگئے، بعد میں مجھے اس بات کا علم ہوا کہ مدن لال کے بیٹے سرن لال سے پشپا کی سگائی ہو چکی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے منسوب ہیں اور گنگولی رام یہ طے کر چکا ہے کہ اب بہت جلد ان دونوں کی شادی کر دی جائے گی، یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد بھی مجھے بہت دکھ ہوا تھا، یہ سوچ کر کہ نہ جانے رادھن لال نے مجھے یہاں اس حیثیت سے کیوں بھیجا ہے، دوسرے بہت سے معاملات بھی مجھے معلوم نہیں تھے کہ یہ لوگ سرن لال کو پہچانتے کیوں نہیں ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہوگی کہ سرن لال لندن میں زیر تعلیم رہا ہے اور مدن لال بھی وہیں رہا ہے، بہت عرصے کے بعد سرن لال کا یہاں آنا ہوا ہے، لیکن نہ جانے رادھن لال نے یہ سب کیسے کیا تھا۔

پھر اس رات میں اپنے کمرے میں لیٹا ہوا اپنی سوچوں میں گم تھا، خاصی رات ہو چکی تھی گھر کے لوگ سو چکے تھے کہ میرے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں چونک پڑا یہ کون ہو سکتا ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا اور پھر میں اٹھ کر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ دروازہ کھولا تو رادھن لال کو دیکھ کر میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''گرو مہاراج آپ؟''

''ہاں کیسی بیت رہی ہے۔ اندر چل۔'' رادھن لال نے اتنے اطمینان سے کہا۔ جیسے اپنے ہی گھر میں آیا ہو۔ جبکہ میں تھوڑا سا خوفزدہ ہو گیا تھا۔ بہر حال میں پیچھے ہٹا تو رادھن لال نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''میں نے تجھ سے پوچھا تھا یہاں کیسی بیت رہی ہے؟''

''بہت اچھی یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے مجھے بڑی عزت دی ہے۔''

''کیوں نہ دیتے آخر ہم نے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔''

''آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں گرو مہاراج!''

''پوچھو۔''

''یہاں مجھے معلوم ہوا کہ پشپا سے میری سگائی ہو چکی ہے اور وہ لوگ بے چارے مجھے سرن لال ہی سمجھ رہے ہیں۔''

''تو سمجھنے دے، تیرا کیا جاتا ہے؟''

''مگر اب اس کے بعد کیا ہوگا؟''

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے یہ لوگ جس انداز میں سوچ رہے ہیں۔'' جواب میں رادھن لال ہنس پڑا پھر بولا۔

''ارے باؤلے کوئی تیری سگائی تھوڑی ہونے جا رہی ہے، میرا مطلب ہے کون سا تجھے اس سے شادی کرنی ہے۔''

''لیکن وہ لڑکی یہی سمجھتی ہے۔''

''یہی تو اچھی بات ہے، مگر یہاں کہاں گھر میں گھستا رہتا ہے، اسے لیکر باہر نکل گھوم پھر کبھی ہمارے گھر بھی آ، اسے ہمیں بھی دکھا دے، میرا مطلب ہے کہ یونہی ٹہلتا ہوا ادھر چلا آ۔''

''وہ مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہے کہ باہر گھومنے چلیں گے۔''

''ہاں ہاں تو گھما اسے باہر..... بلکہ ایسا کرنا کہ کل شام پانچ بجے اسے ساتھ لے کر ہمارے چرن چھونے آ جانا۔''

''جی!'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''بس اور کچھ نہیں تیری خیریت پوچھنے آئے تھے تو پھر یاد رہے گا نا، کل پانچ بجے ہم تیرا انتظار کریں گے۔''

''جی!'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''چلتے ہیں ہم اور تو کوئی چنتا نہیں ہے تجھے؟''

''نہیں۔'' میں بولا..... اور رادھن لال اپنی

جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر وہ اسی پراسرار انداز میں چلتا ہوا، دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے لپکا تھا اس خیال کے تحت کہ کہیں کوئی اور اسے نہ دیکھ لے۔ یہاں کا ماحول تو بے حد اچھا تھا اور یہ لوگ مجھے بہت نفیس لوگ نظر آئے تھے۔ پتہ نہیں ان بے چاروں کے ساتھ کیا ہونے جارہا تھا۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا تھا۔

باہر نکلا تو رادھن لال کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ پراسرار طور پر غائب ہوگیا تھا۔

میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا..... پھر بہت سی سوچیں دامن گیر ہوگئیں۔ یہ خیال دل میں بار بار آرہا تھا کہ رادھن لال نے نہ جانے کیوں مجھے یہاں بھیجا ہے۔ ویسے تو کوئی بات نہیں تھی اگر وہ کسی جگہ بھیجتا تو میں جانے سے انکار تو نہ کرتا کیونکہ وہ مجھے علم سکھا رہا تھا اور اگر مجھے کچھ آ جائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے..... یہی سوچ کر میں خاموش ہوگیا اور پھر رات کے نہ جانے کون سے حصے میں مجھے نیند آ گئی۔

☆.....☆.....☆

دوسرا دن معمول کے مطابق تھا، کوئی خاص بات نہیں ہوئی دوپہر کو کچھ مہمان یہاں آ گئے۔ ان مہمانوں سے میرا تعارف کرایا گیا۔ مہمانوں میں دو تین نوجوان لڑکیاں بھی تھیں جن کے چہروں پر شرارتیں رقصاں تھیں۔ پشپا کو دیکھ دیکھ کر وہ اشارے کرتی رہیں اور اس کے بعد مجھ سے کہا۔

''سرن جی آپ دن بھر کیا کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تو آپ کا من اداس ہوجاتا ہوگا۔'' جس لڑکی نے یہ الفاظ کہے تھے اس کا نام سروج تھا۔ مجھ سے تعارف کراتے وقت مجھے اس کا نام بتایا گیا تھا۔

''نہیں سروج جی..... بس وقت اچھا ہی گزر جاتا ہے۔''

''آیئے نا باہر چلیں..... چاچا جی نے پیچھے کا باغ بہت اچھا بنوایا ہوا ہے، آؤ پشپا چلیں۔ یہاں بیٹھے بیٹھے من بوجھل ہورہا ہے۔'' چنانچہ ہم پچھلے باغ میں آ گئے۔ یہاں آ کر لڑکیاں کھل گئیں۔

''اور سنایئے جاجی لندن کیسا لگا آپ کو؟''

''جی جی..... جیجا.....!''

''ارے ارے اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔'' ایک لڑکی شرارت بھرے لہجے میں بولی۔

''سادھنا تم باز نہیں آؤ گی؟''

''تم باز آتیں تو ہم باز آجاتے..... ایک اتنے سندر جیجا پر قبضہ جمارکھا ہے تم نے سب کا من للچاتا ہے مگر کیا کریں، تم بھی تو ہماری دوست ہو۔''

''اے بک بک مت کر۔ تھپڑ ماروں گی منہ پر۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے، من کی بات کہہ دی تو برا کیوں مان گئیں؟'' وہ شرارتیں کرتی رہیں۔

''تم لوگ یوں کرو نا کہ تایا جی سے کہہ کر یہیں رک جاؤ!''

''ارے نہیں۔ پہلے کبھی ایسا ہوا ہے؟'' سادھنا نے کہا۔

''پھر کسی دن آئیں گے بلکہ ایسا کرو تم جیجا کو لے کر خود ہمارے ہاں آؤ نا۔'' سروج کہنے لگی۔

''دیکھو سروج فضول باتوں سے مجھے غصہ آتا ہے۔'' پشپا شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

''سن لیا آپ نے جیجا جی، یہ آپ کو فضول سمجھتی ہیں!''

خیر پھر تین ساڑھے تین بجے کے قریب وہ چلی گئیں۔ پشپا اور میں پچھلے باغ ہی میں تھے۔ پشپا نے کہا۔

''آج موسم کتنا اچھا ہے۔''

''ہاں پشپا جی!''

''کہیں باہر چلیں؟''

''جیسی آپ کی مرضی۔''

''کیا واقعی؟''

''چاچا جی اس پر اعتراض تو نہیں کریں گے؟'' میں نے سوال کیا۔

''لو انہوں نے تو خود مجھ سے کئی بار کہا ہے کہ

سرن کو کہیں گھمانے پھرانے لے جاؤ۔''

''تو ٹھیک ہے چلیں گے۔''

''چار ساڑھے چار بجے تک ٹھیک رہے گا۔'' پشپا بولی۔

''ہاں!'' میں نے عجیب سے لہجے میں کہا..... یہی وقت میں نے رادھن لال کو دیا تھا پھر مقررہ وقت پر پشپا تیار ہوگئی۔ اس نے کہا۔

''گاڑی نکال لیتے ہیں، میں گاڑی چلاؤں گی۔''

''ڈرائیونگ آتی ہے؟''

''ہاں میں نے سیکھی ہے۔''

کار پرانی ضرور تھی لیکن اس کا انجن وغیرہ بالکل ٹھیک تھا۔ پشپا ڈرائیو کر رہی تھی اور میں اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا، وقت آہستہ آہستہ اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں نے خاصی دیر تک پشپا کے ساتھ سیر کرنے کے بعد کہا۔

''پشپا یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ ہے، نام تو میں اس کا نہیں جانتا لیکن وہاں ایک بار میں نے ایک سادھو مہاراج کو دیکھا تھا۔''

''تو پھر!''

''آؤ اسی طرف چلتے ہیں۔''

''مجھے راستہ بتاتے جاؤ۔'' وہ بولی اور میں پشپا کو راستہ بتانے لگا، ہم آبادی سے نکل کر اس علاقے میں آ گئے جہاں رادھن لال کا ٹھکانہ تھا۔ پشپا کہنے لگی۔

''ہاں میں نے رادھن لال مہاراج کے بارے میں سنا ہے بڑے گیانی دھیانی ہیں لیکن سنسار کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔''

''تم جانتی ہو انہیں؟''

''آؤ پھر ذرا ان کی طرف چلیں۔'' اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں رادھن لال نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔

کار ایک طرف کھڑی کر کے پشپا نیچے اتر آئی اور میں اس کے ساتھ رادھن لال کی جانب بڑھنے لگا۔ میری نگاہیں سامنے کی طرف جمی ہوئی تھیں اور میں یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ رادھن لال اس وقت کیا کر رہا ہے، پشپا میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

پھر سامنے سے رادھن لال مجھے نظر آیا اور میں نے اسے دیکھ کر گردن ہلائی..... رادھن لال میرے قریب آ گیا وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا..... پھر اس نے کہا۔

''کہاں ہے وہ؟''

''یہ پشپا.....'' میں نے پشپا کی طرف رخ کر کے کہا لیکن دوسرے لمحے حیران رہ گیا۔ پشپا میرے قریب موجود نہیں تھی۔

میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں اور پھر بہت دور تک دیکھا اور میرا دل دھک سے رہ گیا، پشپا میرے ساتھ نہیں تھی، حالانکہ ہم قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے لیکن کچھ لمحوں کے لئے میری توجہ رادھن لال کی جانب مبذول ہوگئی تھی پشپا نہ جانے کدھر رہ گئی تھی۔

''ابھی تو یہاں تھی وہ.....!''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' رادھن لال نے حیرت سے کہا۔

''آپ یقین کریں۔ میں اسے یہاں لے کر آیا تھا۔''

''تو پھر کہاں گئی وہ؟''

''پتہ..... پتہ نہیں میرے ساتھ ہی آگے بڑھی تھی۔''

''ہو سکتا ہے کسی کام سے پیچھے رہ گئی ہو، کیسے آئے ہو تم.....!''

''کار سے۔''

''کہاں ہے کار؟''

''وہ ادھر کھڑی ہوئی ہے۔'' میں نے کار کی جانب دیکھا۔ لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کار بھی موجود نہیں تھی۔

''ارے.....'' میں نے حیرت سے ادھر ادھر نگاہیں گھمائیں۔

''کیا ہوا..... کچھ مجھے بتاؤ گے یا نہیں.....'' رادھن لال نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"آپ یقین کریں گرو مہاراج۔ وہ میرے ساتھ یہاں تک آئی تھی، ہم کار سے اترے تھے، اس کار کا واپس جانا میری سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"عجیب ہو تم۔ ایک اتنا سا کام نہیں کر سکے۔ خیر ہمیں کیا لینا دینا تھا۔ تمہارے ساتھ آتی تو ملاقات کر لیتے اس سے۔"

"آپ یقین کریں گرو مہاراج، میں آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا وہ میرے ساتھ ہی آئی تھی۔ ہم ابھی ابھی ساتھ چل رہے تھے باتیں بھی کر رہے تھے وہ تو بس میں آپ کو دیکھ کر رک گیا تھا اور وہ غائب ہوگئی۔"

"رادھن لال کے چہرے پر عجیب تاثرات پھیل گئے۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سنو بڑی سے بڑی کوئی غلطی ہو جائے مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"مگر سچ کہہ رہے ہو تو وہ کہاں ہے، تم کہہ رہے ہو وہ تمہارے ساتھ آئی تھی کار میں آئی تھی۔ کہاں ہے وہ؟"

"آپ یقین کریں گرو مہاراج...... مم...... میں ...... کچھ نہیں جانتا۔"

"ہوں......" رادھن لال نے کسی قدر ناراضگی سے کہا پھر بولا۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

میں اب بھی پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ جگہ بھی ایسی نہیں تھی کہ کوئی اس طرح نگاہوں سے اوجھل ہو جائے، پشپا آخر واپس کیوں چلی گئی۔ میں نے تو کار اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی نہیں سنی تھی جب کہ کار سے اتر کر وہ میرے ساتھ قدم بقدم آگے بڑھی تھی۔ رادھن لال نے پھر کہا۔

"کیا اونٹ کی طرح گردن اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر دیکھ رہے ہو، میں کہہ رہا ہوں میرے ساتھ آؤ۔"

اور میں خاموشی سے رادھن لال کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

"بیٹھو" اس نے کہا اور میں بیٹھ گیا۔

"اب سچ سچ بتادو قصہ کیا تھا؟"

"گرو مہاراج میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں، لیکن تھوڑی سی اپنی عزت بھی کرتا ہوں۔ جب میں آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ وہ میرے ساتھ آئی تھی، ہم لوگ یہاں رکے تھے وہ میرے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی، میں نے اسے آپ کے بارے میں بتا بھی دیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ میں اس کو آپ سے ملاؤں گا تو پھر بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی...... اور ایک بات آپ پورے اعتماد سے سنئے کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ لڑکی بہت چالاک تھی۔"

"کیا مطلب!" میں نے حیرت سے کہا۔

"اسے کچھ شبہ ہوگیا شاید۔"

"کیا شبہ......!"

"یہی کہ تم اسے اچھی نیت سے یہاں نہیں لائے ہو۔"

"کک کیا مطلب؟"

"ارے پاگل کیوں بے وقوفی کی باتیں کر رہا ہے، جوان لڑکی تھی، اس نے سوچا کہ بہلا پھسلا کر تو کہیں اسے اس جگہ نہ لے آئے، اور اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کر ڈالے یہ محسوس کر کے وہ خاموشی سے پیچھے ہٹی اور کار اسٹارٹ کر کے بھاگ گئی۔"

"مگر کار اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی تو نہیں سنائی دی تھی۔"

"بابا کیوں میرا مغز کھا رہا ہے جا اسے تلاش کر لے۔"

"رادھن لال مہاراج میں تو بڑا حیران ہوں۔"

"تو جوتا اٹھا اور دس مار دے میرے...... کیا کروں میں تیری حیرانی کا؟" رادھن لال نے بولا۔

"نن...... نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے پتہ نہیں کیا ہوگیا......!"

''بھاڑ میں جانے دے اب جو کچھ بھی ہوگیا..... نہیں آئی وہ جہنم میں جائے، ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔''

''تو پھر اب میں کیا کروں.....!''

''کیا کرنا چاہتا ہے.....؟''

''جو آپ کا حکم ہو.....!''

''جا بیٹھ، جا بیٹھ۔ بس آج سے اپنے جاپ کا آخری حصہ شروع کردے۔''

''جی مہاراج!'' میں نے آہستہ سے کہا۔ میرا دل بری طرح پریشان تھا۔ پشپا نے ایسا کیوں کیا آخر، کیا واقعی رادھن لال کا کہنا درست ہے اسے میری نیت پر کوئی شبہ ہوگیا تھا۔ حالانکہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں اس کے لئے کوئی برا خیال نہیں تھا۔

لیکن یہ تو میرے سوچنے کی بات تھی، ہوسکتا ہے اس کا ذہن بھٹک گیا ہو۔ ہوسکتا ہے اس نے یہ سوچا ہو کہ شاید میں یہاں اسے کسی بدنیتی سے لایا ہوں۔ اگر پشپا نے ایسا سوچا تو بہت برا کیا۔ اس نے میری توہین کی ہے لیکن پھر میں خود ہی دل ہی دل میں ہنسنے لگا، اپنے آپ پر۔ اس نے میری کیا توہین کی ہے حقیقت تو یہی ہے کہ میں جھوٹا ہوں، جس حیثیت سے میں ان کے گھر میں داخل ہوا تھا وہ غلط تھا اور کسی نہ کسی وقت یہ راز ضرور کھل جاتا..... نہ جانے کیوں میرا دل چاہنے لگا کہ اب میں وہاں نہ جاؤں۔

کوئی سات بجے کے قریب رادھن لال میرے پاس آیا۔ اس نے کہا۔

''کیا سوچ رہا ہے رے.....؟''

''مہاراج میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا اب مجھے دوبارہ وہاں واپس جانا ہوگا۔!''

''کیا کرے گا جا کر..... جب اس نے ہی تیرا مان نہ رکھا تو اب تو کیوں وہاں جھک مارنے جارہا ہے؟''

''لیکن مہاراج آپ نے مجھے وہاں بھیجا تھا.....!''

''کسی مقصد سے بھیجا تھا۔ مگر وہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے رابطہ بڑھایا جائے۔''

''جی..... پتہ نہیں پشپا گھر پہنچی بھی یا نہیں.....''

''جہنم میں گئی پشپا اب تجھے اس سے کیا لینا دینا۔ اپنے طور پر اتنا مت سوچا کر۔ میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے۔''

''جی مہاراج.....!'' میں نے مضمحل لہجے میں کہا۔

''جاپ نہیں پوچھے گا مجھ سے!''

''کیوں نہیں پوچھوں گا۔'' میں نے کہا اور رادھن لال مجھے آخری حصے کے بول بتانے لگا۔ اس نے معمول کے مطابق مجھے یہ بول ذہن نشین کرائے اور میں نے ذہن نشین بھی کر لئے۔ لیکن اس کے جانے کے بعد میں یہ سوچتا رہا کہ کیا آج میں خاص طور سے یہ بول پورے کرسکوں گا۔ کیا جاپ کا یہ آخری حصہ مکمل کرلوں گا۔ ذہن تو الجھا ہوا تھا پشپا میں..... نہ جانے بے چاری کے ساتھ کیا ہوا..... کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ میں غلط سوچ رہا ہوں۔ کوئی اور واقعہ کوئی اور حادثہ ہوا ہو اس کے ساتھ اور بے چارہ گنگولی رام میرا انتظار کررہا ہو۔ میں رادھن لال کی مرضی کے خلاف بھی کوئی کام نہیں کرسکتا تھا۔

چنانچہ دل مسوس کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب میں نے جاپ شروع کرنے کا آغاز کردیا۔ یہ جاپ بھی مجھے سات دن کرنا تھا اور بقول رادھن لال کے اس جاپ کو مکمل کرنے کے بعد میرے گیان کا پہلا مرحلہ مکمل ہوجائے گا۔ ذہن کو یکسو کرکے میں نے جاپ کے بول دوہرانے شروع کر دیئے۔ اب مجھے اچھی خاصی مشق ہوگئی تھی اور جاپ کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی تھی، آخری مرحلے کا پہلا دن تھا، اس لئے کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور میں اپنے معمول کے مطابق جاپ کرتا رہا، چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا، سناٹا پھیلا ہوا تھا، پھر چاند نکل آیا، میرا جاپ پورا ہوگیا تھا۔

چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور واپس اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا، آج پھر وہی ہوا۔ جیسے

ہی میں اندر داخل ہوا مجھے چیخیں سنائی دیں، عورت ہی کی چیخیں تھیں ان چیخوں نے میرا سکون برباد کر رکھا تھا، لاکھ بار دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی کہ ان چیخوں کا راز معلوم کروں، لیکن آج تک کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا، ویسے بھی یہاں کا ماحول بے حد پراسرار تھا میں ان چیخوں کو نظر انداز کر کے اپنی آرام گاہ کی جانب بڑھنے لگا، لیکن دفعتاً ہی مجھے ایک زوردار چیخ سنائی دی۔

''بچاؤ بچاؤ بھگوان کے لئے بچاؤ، سرن سرن کہاں ہو تم سرن مجھے بچاؤ، سرن ہائے سرن مجھے بچاؤ'' اور یہ آواز سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پشپا سے کئی دن کا ساتھ اس کی آواز میں اچھی طرح پہچان چکا تھا اور اس وقت یہ آواز پشپا ہی کی تھی اور اس نے مجھے آواز دی تھی، جس حیثیت سے بھی سہی لیکن اس نے مجھے سرن سرن کہہ کر پکارا تھا، یہاں میں بے اختیار ہو گیا۔ تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر میں اس جانب دوڑا جدھر سے یہ آوازیں آ رہی تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے اچھی خاصی اٹھا پٹخ کی آوازیں سنائی دیں، میں نے اندازہ لگایا کہ یہ آوازیں اس جگہ سے آ رہی ہیں جہاں رادھن لال رہتا ہے، میں دیوانہ وار اس جگہ دوڑا، ایک بار پھر میرے کانوں میں وہی دل دوز آواز ابھری۔

''سرن، سرن مجھے بچالو، سرن مجھے بچالو، ہائے سرن مجھے بچالو۔'' میں پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا اس دروازے تک پہنچ گیا اور نہ جانے پھر میرے اندر کہاں سے ایک عجیب قوت ابھر آئی، دروازہ بند تھا، میں نے زور سے شانے سے دروازے کو دھکا دیا اور دروازے کے پٹ کھل گئے۔ تڑاخ کی آواز ہوئی تھی اور میں دوڑتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔ بہت بڑی سی جگہ تھی اور یہاں رادھن لال نے اپنی آرام گاہ بنا رکھی تھی گو وہ مجھے اس آرام گاہ تک کبھی نہیں لایا تھا لیکن میں یہ بات جانتا تھا کہ وہ رات کو یہیں رہتا ہے، میں نے آرام گاہ میں تیز روشنی دیکھی اور اس تیز روشنی میں مجھے جو کچھ نظر آیا وہ میرے لیے ناقابل یقین تھا، بابا سفیدے اور رادھن لال دونوں ہی وہاں موجود تھے اور ان کے چہروں پر شیطانیت بھکری ہوئی تھی۔ سامنے بڑا سا بیڈ بچھا ہوا تھا جس پر سفید چادر تھی لیکن اس وقت یہ سفید چادر بیڈ سے ہٹی ہوئی تھی اور اس پر پشپا موجود تھی۔ پشپا نے یہ چادر اپنے بدن پر لپیٹ رکھی تھی اور اس کی آنکھوں میں شدید خوف و ہراس تھا وہ سخت دہشت زدہ نظر آتی تھی، مجھے دیکھ کر اس کی دل دوز آواز پھر ابھری۔

''مجھے بچاؤ سرن، مجھے بچاؤ، تمہیں بھگوان کا واسطہ۔'' بابا سفیدے کو یہاں دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس سے پہلے میں نے اسے رادھن لال کے پاس کبھی نہیں دیکھا تھا، دونوں نے مجھے دیکھا اور پھر رادھن لال کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

''تو یہاں کیوں مرنے آیا ہے؟'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''گرو مہاراج یہ..... یہ..... پشپا ہے۔''

''ہاں یہ پشپا ہے۔ تیری ماں تو نہیں ہے۔'' رادھن لال نے شدید غصے میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا، ایک میز پر شراب کے برتن پڑے ہوئے تھے اور شراب کی ایک خالی بوتل نیچے رکھی ہوئی تھی، دوسری شاید خالی ہو رہی تھی حالات میری سمجھ سے میں آنے لگے، میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''گرو مہاراج!''

''گرو مہاراج کے بچے، یہاں سے دفع ہوتا ہے کہ نہیں.....''

''مم مگر مہاراج.....''

''ارے کیا اگر مگر لگا رکھی ہے تو جانتا نہیں کہ گرو کا درجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ حکم کا درجہ رکھتا ہے اور تو اپنے گرو کا حکم نہیں مان رہا۔'' اس بار بابا سفیدے نے کہا، دونوں کی شخصیتیں میرے لئے

محترم تھیں، بڑا احترام تھا ان کا لیکن اس وقت جو کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر فیصلہ کرنا میرے لئے مشکل نہیں تھا، مجھے وہ چیخیں بھی یاد آرہی تھیں جو اس سے پہلے میں سنتا رہا تھا کیا ان چیخوں کا راز بھی یہی تھا میں واپس نہ پلٹا تو ان دونوں کو مزید غصہ آ گیا۔

''کیسا ڈھیٹ ہے یہ، ارے میں کہہ رہا ہوں تو جاتا ہے کہ نہیں یہاں سے؟'' رادھن لال نے کہا۔

''جاتا ہوں گرو مہاراج، مگر یہ پشپا.....''

''نہیں سرن نہیں بھگوان کے لئے یہ لوگ میری عزت لوٹنا چاہتے ہیں، سرن انہوں نے مجھے اغوا کر لیا ہے میں تمہارے ساتھ آ رہی تھی سرن۔''

''بک بک بند کر کتیا نہیں تو تیرے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔''

رادھن لال نے غرا کر کہا اور اس کی جانب بڑھا۔ پشپا بدن سے چادر لپیٹے لپیٹے مسہری سے نیچے کود گئی بابا سفید سے مجھ سے بولا۔

''تو جا یہاں سے تیرا کام نہیں ہے، نادر جا چلا جا یہاں سے، کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑا ہوا ہے، تجھے وہ مل رہا ہے جو تو خوابوں میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا، پھر بڑے آدمیوں کے بیچ میں کیوں آ رہا ہے؟''

''سنو بابا سفید سے، میری بات سنو گرو مہاراج میرے گرو ہیں۔ دل سے عزت کرتا ہوں ان کی لیکن میں ایک مسلمان کا بیٹا ہوں، میرا باپ بے شک مر چکا تھا، لیکن جب میں پیدا ہوا تھا تو میرے کان میں اذان کی آواز کہی گئی تھی اور اس کے بعد میں نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ ایک مسلمان کسی ایسی لڑکی کی عزت لٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، جو مظلوم اور بے کس ہو، اس لڑکی سے میرا کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو لیکن بہر حال یہ ایک عزت دار لڑکی ہے، میں اس کے گھرانے کو بھی جانتا ہوں، ہر چند کہ میں وہاں دھوکے سے داخل ہوا تھا، ایک غلط نام کے ساتھ لیکن یہ مجھ پر بھروسہ کر کے یہاں تک آئی تھی، اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ میری وجہ سے ہوا ہے۔ میری وجہ سے نہ بھی ہوتا تب بھی شاید اس طرح میں یہاں آ جاتا تو اس کو بے سہارا نہ چھوڑتا.....''

''ارے مسلمان کے بچے میں کہتا ہوں کہ تو یہاں سے غرق ہوتا ہے کہ نہیں رادھن لال نے میز پر رکھی بوتل اٹھالی، جس سے شاید وہ مجھے مارنا چاہتا تھا۔

''آپ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو گرو جی، گردن نہیں اٹھاؤں گا آپ کے سامنے مگر اس لڑکی کو جانے دو۔''

''بابا سفید سے دیکھ رہا ہے تو؟''

''ہاں دیکھ رہا ہوں۔''

''گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ کہاں بھاگتا ہے؟''

''شہر کی طرف.....''

''اس پاپی کو سنبھالو، میں نے بہت کچھ کیا ہے اس کے ساتھ، بہت کچھ سوچا ہے اس کے لئے پر یہ کیا بے کار باتیں کر رہا ہے.....؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، لیکن کیا یہ گناہ نہیں ہے.....؟''

''بے وقوف کے بچے گناہ اور ثواب کے چکر میں کیوں پڑا ہے، بات تیری سمجھ میں نہیں آ رہی اب کیا تیرے ساتھ سختی کرنا پڑے گی۔''

''نہیں بابا سفید سے، میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''سنا تم نے سفید سے اس کی زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''اب یہ خود اپنے ہاتھوں سے موت کو بلا رہا ہے۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

''دیکھو اب تم دونوں سن لو، رادھن لال مجھے وہ قوت نہیں چاہئے جو اس طرح مجھے حاصل ہو۔ یہ لڑکی ہندو ہے لیکن انسان ہے ایک آبرو مند لڑکی ہے اس کی عزت میں نہیں لٹنے دوں گا، خدا کا شکر ہے میں صحیح وقت پر یہاں پہنچا، اب تم دونوں اپنی عزت خود میری نگاہوں میں کھوتے جا رہے ہو، میں ایک بار پُرم سے کہہ رہا

ہوں کہ اس لڑکی کو چھوڑ دو، میرے ساتھ جانے دو، میں اسے اس کے گھر پہنچا دوں، اس کے بعد اگر تم چاہو تو میرے ساتھ جو سلوک چاہو کر لینا میں گردن نہیں اٹھاؤں گا، لیکن اسے اس کے گھر تک پہنچانے کے بعد ہی سب کچھ ہوگا۔''

''میں تجھے بتاتا ہوں۔'' رادھن لال نے کہا اور ہاتھ میں پکڑی بوتل میرے سر کا نشانہ لے کر پھینک کر پوری قوت سے ماری، لیکن میں بیٹھ گیا اور بوتل دیوار سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہوگئی تھی، بابا سفید نے رادھن لال کو دیکھا اور اس کے بعد دونوں میرے جانب لپکے لیکن اس وقت میرے دل میں ان دونوں کی عزت نہیں تھی۔ وہ لمحات ختم ہو گئے تھے جب میں ان لوگوں کی عزت کرتا تھا، انہوں نے خود اپنی عزت گنوا دی تھی، جب کسی کی عزت دل میں نہ رہے اور دل میں ایک عزم پیدا ہو جائے تو پھر انسان بہت مضبوط ہو جاتا ہے، ان دونوں نے مجھ پر حملہ کیا، لیکن میں نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور پھر دونوں کی گردنیں اپنے ہاتھوں کے شکنجے میں کس لیں، پھر میں نے کہا۔

''پشپا تم اپنا لباس پہن لو، کہاں ہے تمہارا لباس.....؟''

''ان پاپیوں نے، ان پاپیوں نے۔'' پشپا کی سسکیوں بھری آواز ابھری۔

''تمہیں معلوم ہے وہ کہاں ہے.....؟''

''ہاں اس الماری میں بند کر دیا ہے انہوں نے۔''

''جاؤ اپنا لباس نکالو۔'' میں نے کہا ان دونوں کو ایک دم اندازہ ہو گیا تھا کہ میری جسمانی قوت ان سے کہیں زیادہ ہے، ظاہر ہے وہ عمر رسیدہ تھے، بدکار تھے، جسموں میں جان نہیں تھی اب یہ الگ بات تھی کہ ان کی جادوئی قوتیں الگ حیثیت رکھتی ہوں لیکن نہ جانے کیوں اس وقت وہ اپنی جادوئی قوتیں مجھ پر نہیں آزما رہے تھے، وہ میرے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میں نے ان کی گردنیں اس طرح بھینچ

رکھی تھی کہ وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو رہے ہ
دوڑ کر گئی اس نے الماری سے اپنا لباس نکالا پھ
کے عالم میں اس نے ہمارے سامنے ہی زیب
جب اس نے اپنا لباس پہن لیا تو میں نے اس
''اب جاؤ دروازے سے باہر نکل جاؤ۔
''خبردار اگر اس نے دروازے سے
رکھا تو.....'' رادھن لال نے کہا اور اس کے بعد
پوری قوت لگا کر اپنے آپ کو مجھ سے چھڑا لیا
نے میری کمر پر زوردار گھونسے لگائے اور ان
سے مجھے اچھی خاصی تکلیف ہوئی تو بابا سفید
میری گرفت سے نکل گیا، اچانک ہی میں
دونوں کو دیوار کی جانب دوڑتے ہوئے دیکھا
پر ڈیکوریشن کے طور پر لمبی لمبی کلہاڑیاں سجی ہوئی
جو تھیں تو صرف ڈیکوریشن کی چیزیں لیکن بہر
کے پھل خاصے تیز اور چمکدار تھے۔
دونوں ان کی جانب لپکے، میں ایک
صورت حال کو سمجھ گیا، میری چھلانگ ان سے ز
رفتار تھی اور اس سے پہلے کہ وہ وہاں تک پہنچتے
کلہاڑیوں تک پہنچ گیا اور پھر میں نے ان میں
کلہاڑی اتار ہی لی، کلہاڑی جیسے ہی میرے ہا
آئی وہ دونوں رک گئے، اب وہ خشک ہونٹوں
پھیر رہے تھے، بابا سفید نے اچانک ہی ز
لوٹ لگائی اور میری ٹانگوں کو اپنی گرفت میں پ
کی کوشش کی، لیکن میں نے کلہاڑی کا وار کیا
سفید کی ایک ٹانگ ران کے پاس سے کٹ
ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا اور رادھن لا
اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میری بغلوں میں ہاتھ
کمر پر قینچی لگا دی، لیکن میرا ہاتھ آزاد تھا، میں
احتیاط کے ساتھ کلہاڑی اٹھا کر اس کی پشت میں
اور اس کی پشت زخمی ہو گئی، وہ پیچھے ہٹا تو میں
کلہاڑی پوری قوت سے گھمائی اور میرے ذہن م
کوئی خیال نہیں تھا کہ میں ایسا عمل کروں اور ک
سیدھی اس کی گردن کی جانب لپکی اور پھر وہ م

...ں رہا تھا، جس میں میں نے رادھن لال کی گردن ...ٹ کر دور گرتے ہوئے دیکھی تھی، اس کی گردن سے ...ن کا فوارہ بلند ہوگیا تھا اور اس کا بے گردن دھڑ نیچے ...ین پر تڑپ رہا تھا۔

اسی دوران بابا سفیدے نے ایک بار پھر کوشش کی اور اپنی کٹی ہوئی ٹانگ پر اٹھا، اس نے کلہاڑی پر ہاتھ ڈالا اور کلہاڑی دیوار سے اتار لی۔ یہ دوسری کلہاڑی تھی، پھر اس نے کلہاڑی گھمائی لیکن میں بھی ہوشیار ہوگیا تھا، میں نے اس کے وار کو اپنی کلہاڑی کے ...نے سے روکا اور اسے پوری قوت سے دبا کر نیچے کر دیا پھر میں نے اس پر پاؤں رکھا اور دوسرے لمحے میری کلہاڑی فضا میں بلند ہوئی، اب مجھ پر بھی خون سوار ہوگیا تھا، بابا سفیدے کی کھوپڑی دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی تھی اور اس کے بعد کھیل ختم ہوگیا تھا، ان دونوں کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں اور پشپا دیوار سے لگی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی اس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے اور اس کا چہرہ خوف و دہشت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ میں نے حقارت سے ان دونوں کی لاشوں کو دیکھا پھر اپنے آپ کو... خون کے چھینٹے میرے لباس پر پڑ گئے تھے۔ لیکن مجھے ان کی پرواہ نہیں تھی۔ میں بالکل ٹھیک ٹھاک تھا، میں نے کلہاڑی ایک جانب پھینکی اور پھر پشپا کی طرف دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔

’’پشپا تم محفوظ ہو اپنے آپ کو سنبھالو۔‘‘

پشپا نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ بدستور دیوار سے لگی تھر تھر کانپتی رہی، یہاں میرے اور لباس بھی موجود تھے۔ باہر نکلنے سے پہلے تبدیل کرنا ضروری تھا۔ میں نے پشپا سے کہا۔

’’سنو پشپا! یہ دونوں شیطان اب جہنم رسید ہو چکے ہیں اور یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہاں اس وقت ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ ویسے بھی۔ یہاں بہت کم لوگ آتے ہیں اور صرف وقت پر آتے ہیں، اس لئے اب تمہیں کسی اور سے تو کوئی خطرہ نہیں ہے، میرے یہ کپڑے خون آلود ہو گئے ہیں۔ انہیں تبدیل کرنا ضروری ہے اگر تم اس کمرے میں ان لاشوں کے پاس نہ رک سکو تو میرے ساتھ آؤ، آؤ پشپا! ہمت کرو، میں تمہیں اتنی تفصیل ضرور بتا دوں گا کہ تمہارے ذہن کی الجھن دور ہو جائے، خدا کا شکر ہے کہ میرے بروقت پہنچ جانے سے تمہاری عزت بچ گئی۔‘‘

پشپا نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

’’پشپا......‘‘ میں نے اسے آواز دی۔

’’ہاں۔ہاں‘‘ اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری اور پھر وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی، اس نے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا تھا اور زار و قطار رونے لگی تھی۔ نہ جانے کیوں میرا ہاتھ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ میں نے کہا۔

’’نہیں پشپا...... بہر حال مجھے اس تمام کارروائی کا افسوس ہے، لیکن...... لیکن آؤ میرے ساتھ آؤ......‘‘

میں نے کہا اور اسے سنبھال کر بازو کا سہارا دے کر اپنے ساتھ باہر لے آیا، پھر میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچا۔ پشپا تمام چیزیں حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کے حواس بحال ہوتے جا رہے تھے، میں نے لباس نکال کر اسے تبدیل کیا، پشپا وہیں رخ بدلے بیٹھی رہی پھر اس کے بعد مجھے کچھ خیال آیا...... ظاہر ہے میں اب اس قدر احمق بھی نہیں رہا تھا خاصی دنیا داری آ گئی تھی اور میں اس سنگین صورت حال سے اچھی طرح واقف تھا جو اب مجھے پیش آ سکتی تھی۔ چنانچہ کوئی حماقت کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا، لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے اپنا بھرپور جائزہ لیا اور پھر پشپا کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر نکل آیا۔ اسے ایک جگہ کھڑا کر کے میں پھر رادھن لال کے اس کمرے میں داخل ہوا جہاں اب بھی دونوں کی بھیانک لاشیں پڑی ہوئی تھیں، رادھن لال کا سر اس کے دھڑ سے کافی فاصلے پر پڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں دہشت زدہ انداز میں پھٹی ہوئی تھیں۔

’’کتے کہیں کے، بڑے گیانی بنے پھرتے ہیں۔ شیطان کا دوسرا روپ، مگر غلطی میری بھی ہے میں ان

تمام باتوں کو سوچے سمجھے بغیر اس کی عقیدت میں اس قدر گرفتار ہوگیا کہ دنیا کی ہر اچھائی اور برائی بھول گیا۔ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنا انسانی وقار کھو بیٹھوں.....''

بہر حال رادھن لال کے اس کمرے کی تلاشی لینے کے بعد مجھے ایک جگہ سے خاصی کرنسی دستیاب ہو گئی، خاصی دولت تھی، یہاں زیورات سونا، چاندی، لیکن میں چور نہیں تھا، مجھے ان میں سے ساری چیزیں نہیں چاہئے تھیں میں نے صرف اتنی رقم وہاں سے حاصل کی جو میری ابتدائی ضروریات پوری کردے اور کچھ عرصے تک مجھے مشکلات سے دور رکھے۔ چنانچہ یہ رقم اپنی جیبوں میں بھرنے کے بعد میں وہاں سے باہر نکلا اور پھر پشپا کے ساتھ اس منحوس جگہ سے باہر نکل آیا..... پھر خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں اس جگہ پہنچ جہاں پشپا کی کار کھڑی ہوئی تھی اور یہ دیکھ کر میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں کہ کار بدستور وہاں موجود تھی..... میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پشپا کو دیکھا تو پشپا بولی۔

''کک..... کیا ہوا..... کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں پشپا کچھ نہیں، تم کار چلا سکو گی.....؟''

''ہاں اب میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا۔

''بہر حال پشپا کیسا تھ بیٹھ کر میں چل پڑا۔

''کار کی رفتار بالکل سست رکھو، تمہارے اعصاب قابو میں نہیں ہیں۔''

''یہ کیا ہوا تھا۔ یہ سب کیا ہوا تھا سرن اور تم تم.....؟''

''پشپا بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں بتانے کو دل چاہتا ہے لیکن بتائی نہیں جاسکتیں۔''

''کیا مطلب؟ کیا مطلب، کون تھے یہ پاپی بھگوان ان کا ناس کرے کون تھے.....؟''

''پشپا جب ہم تم ساتھ آرہے تھے اس طرف تو تم غائب کہاں ہوگئی تھیں.....؟''

بھگوان کی سوگند مجھے نہیں معلوم اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے اوپر کوئی غلاف سا آپڑا ہو، بس دم گھٹنے لگا تھا میرا ایسا لگا تھا جیسے کسی نے مجھ پر کمبل ڈال دیا ہو، پھر میرے شریر کو اٹھا کر کسی طرف لے جایا گیا اور کمبل میں لپٹی لپٹی دم گھٹنے کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو اسی جگہ ہوش میں پایا تھا، جہاں میں بند تھی، اس سے وہاں کوئی نہیں تھا، میں اکیلی وہاں پڑی ہوئی تھی، میں نے بہت دروازہ پیٹا لوگوں کو پکارا، لیکن کسی کی کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی، پھر سارا سے میں نے اس کمرے میں گزارا اور پھر یہ دونوں پاپی کمرے میں داخل ہوئے، دروازہ بند کیا اور..... بھگوان ان کا ناس کرے۔'' پشپا کی آنکھیں پھر دھندلا گئیں۔

''نہیں پشپا خود کو سنبھالو۔''

''مگر ایک بات بتادو سرن.....؟''

''کیا.....؟''

''تمہارے یہ کپڑے وہاں کیسے موجود تھے.....؟''

''ایں.....!'' میں نے چونک کر کہا۔

''ایسا لگتا ہے جیسے تم یہیں رہتے ہو۔'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے کہا۔

''پشپا! بعض اوقات انسان گناہ کرتا ہے، لیکن وہ خود گنہگار نہیں ہوتا، ویسے تو ہر شخص اپنے آپ کو معصوم ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن حقیقتاً معصوم نہیں ہوتا۔''

''میں کچھ نہیں سمجھی.....''

''کاش میں تمہیں صحیح طور پر سمجھا سکتا۔''

''مگر مجھے بتاؤ تو سہی.....؟''

''بتادوں گا پشپا، بتادوں گا ابھی مجھے کچھ اور کام بھی کرنے ہیں..... پشپا تمہیں تکلیف تو ہوگی، ایسا کرو میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچائے دیتا ہوں۔ یہ بات طے ہے کہ تمہارے اس طرح گم ہو جانے سے تمہارا سارا گھر پریشان ہوگا، تم جو دل چاہے ان لوگوں سے کہہ دینا میں ذرا کچھ کام کر کے واپس پہنچوں گا۔''

''مطلب.....؟''

''دیکھو تمہیں حفاظت کے ساتھ تمہارے گھر کے دروازے تک پہنچا دینا میرا فرض ہے، لیکن اپنی جان بچانا بھی میرا فرض ہے، کیوں میں غلط کہہ رہا ہوں.....؟''

''میں سمجھی نہیں.....؟''

''دیکھو میرے ہاتھوں دو انسان قتل ہو گئے ہیں۔ اب قتل کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن یہ بات تو تم بھی جانتی ہو کہ مجھے قاتل کی حیثیت سے گرفتار کر لیا جائے گا، میں پہلے ان دونوں لاشوں کو ایسی جگہ ٹھکانے لگا دیتا ہوں جہاں سے ان کا پتہ نہ چلنے پائے۔ اس طرح میں بچ سکوں گا۔ پشپا، یہ بات تو صرف تم جانتی ہو کہ یہ قتل میں نے مجبوری کی حالت میں کئے تھے، لیکن قانون یہ بات نہیں مانے گا.....''

''ہاں یہ تو ہے.....''

''تم ایسا کرو مجھے اپنے گھر سے تھوڑے فاصلے پر اتار دینا اور اس کے بعد تم چلی جانا، اپنے طور پر تم گھر والوں کو جو دل چاہے بتا دو، چاہو تو حقیقت بتا دینا، لیکن ابھی میرا ان کے سامنے جانا مناسب نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' پشپا نے گردن ہلائی پھر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ پشپا کے پورے گھر میں روشنی ہو رہی تھی۔ بہت سے لوگ گیٹ کے باہر ہی کھڑے ہوئے تھے، ہماری کار ابھی خاصی دور تھی اور ان لوگوں نے یقینی طور پر اسے نہیں دیکھا تھا پشپا نے گاڑی روکی اور بولی۔

''دیکھو سارے کے سارے جمع ہیں۔''

''وہ تو ہونا ہی چاہئے ظاہر ہے۔ کسی گھر کی بیٹی غائب ہو گئی ہے، اچھا پشپا تو پھر ٹھیک ہے؟''

''ایک بات اور بتا دو سرن.....؟''

''ہاں پوچھو.....؟''

''یہ تم اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہہ رہے تھے.....؟''

''ساری باتیں بعد میں بتاؤں گا پشپا، بہت لمبی کہانی ہے، پلیز محسوس نہ کرنا۔''

''نہیں ٹھیک ہے، کب آؤ گے پھر.....؟''

''اپنے کام سے نمٹنے کے بعد۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں کار سے اتر گیا اور اس کے بعد تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ کر ایسے راستوں کا انتخاب کرنے لگا جہاں سے مجھے دیکھا نہ جا سکے۔ پشپا نے کار آگے بڑھا دی تھی۔ میں تیز رفتاری سے چلتا رہا اور بہت دور نکل آیا..... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں، بہر حال مجھے یہ خیال ضرور تھا کہ ایک قاتل کی حیثیت سے مجھے شناخت کر لیا جائے گا اور بالآخر پولیس میرے پیچھے پڑ جائے گی، لیکن اب جو کچھ بھی ہو اپنی زندگی بچانا ضروری ہے۔

الیاس بھائی کا کوئی پتہ نہیں تھا، ایک بار جمیل گئے تھے تو اس کے بعد سے آج تک مجھے نہیں مل سکے تھے، لیکن اس کے بعد میں نے جو دنیا دیکھی تھی وہ بالکل مختلف تھی، یہاں میرا ایک اور ٹھکانہ بھی تھا..... میں چاہتا تو وہاں جا سکتا تھا۔ چچی جان کا گھر تھا یعنی ریاض کا گھر لیکن میں جانتا تھا کہ جہاں جہاں سے میرا رابطہ ہو گا وہاں مجھے تلاش کیا جائے گا، اس لئے جس قدر جلد ہو سکے مجھے یہ شہر ہی چھوڑ دینا چاہئے اور اس کے لئے بہتر طریقہ یہ تھا کہ میں ریلوے اسٹیشن چلوں، چنانچہ میرے قدم اس جانب اٹھ گئے..... پھر کچھ دیر کے بعد میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا تھا رات اچھی خاصی گزر چکی تھی۔ ریلوے اسٹیشن تقریباً خالی ہی پڑا ہوا تھا، اکا دکا افراد ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے جو دکانیں ریلوے اسٹیشن پر سجی ہوا کرتی تھیں ان میں سے چند دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر چائے کی ایک دوکان پر پہنچ گیا اور میں نے اس سے چائے طلب کی۔

''چائے بن رہی ہے بابو جی تھوڑا سا انتظار کر لیں۔'' چائے والے نے کہا میں کھڑا ہو گیا تو وہ بولا۔

''آپ کو اسی آخری گاڑی سے جانا ہے.....؟''

''آخری گاڑی.....؟''

''ہاں جی بس یہی ایک آخری گاڑی اس

وقت یہاں رکتی ہے باقی گاڑیاں گزر جاتی ہیں، چھوٹا سا اسٹیشن ہے نا، مگر آپ کیا یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں.....؟''

''نہیں میں یہاں کا رہنے والا ہوں اور اسی آخری گاڑی سے مجھے جانا ہے، وہ کس وقت یہاں پہنچے گی.....؟''

''بس جی بیس پچیس منٹ میں پہنچنی ہی والی ہو گی، اس آخری گاڑی کے بعد ہی ہم بھی دوکان بند کر دیتے ہیں۔''

''اچھا اچھا.....'' میں نے کہا لیکن میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ یہ آخری گاڑی کہاں جائے گی، بہر حال تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھے چائے بنا کر دے دی اور میں چائے پینے لگا، چائے کے پیسے ادا کر کے میں فارغ ہوا ہی تھا کہ اسٹیشن پر تھوڑی سی ہنگامہ آرائی نظر آئی۔ اس کا مطلب تھا وہ ٹرین آ رہی ہے، یہ بھی اچھا ہی ہوا، مجھے اسی وقت نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔ ٹرین کہاں جا رہی ہے اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، میں انتظار کرتا رہا تھوڑی دیر کے بعد ٹرین آ کر رک گئی، تقریباً تمام ہی مسافر سوار ہے تھے، دو تین افراد یہاں اترے اور اپنے سامان سمیت بڑے پھاٹک کی جانب بڑھ گئے، میں ایک ڈبہ منتخب کر کے اس میں سوار ہو گیا، ڈبہ خالی تھا اور اس میں صرف چند خاندان نظر آ رہے تھے، جو سو رہے تھے۔

ویسے یہ ڈبہ ائیر کنڈیشنڈ تھا اور اس لئے بھی اس میں زیادہ رش نہیں تھا، جب کہ دوسرے کئی ڈبوں میں رش دیکھ چکا تھا۔ گو ان میں بھی لوگ سو رہے تھے لیکن کھڑکیوں سے نظر آتے تھے جبکہ اس کے باہر شیشے لگے ہوئے تھے۔ بہر حال میں ایک آرام دہ نشست پر بیٹھ گیا۔ جیب میں نوٹ تو کافی مقدار میں موجود تھے مجھے اس کی فکر نہیں تھی کہ ٹکٹ کا کیا ہو گا ٹرین یہاں صرف پانچ منٹ رکی اور اس کے بعد آگے بڑھ گئی جب اس نے رفتار پکڑ لی تو میں نے

سکون کی ٹھنڈی سانس لی، زندگی میں ایک نئے آغاز ہو گیا لیکن جس انداز میں ہوا تھا وہ بے خراب تھا، میں نے جو کچھ حاصل کرنے کی کوشش تھی اس کے حصول میں ناکام رہا تھا اور اب یہ رہا تھا کہ زندگی کی اس نئی ڈگر پر کس طرح سفر جائے، یہ احساس بھی تھا کہ جب ان دو افراد لاشیں پولیس کو دستیاب ہوں گی تو اس کے بعد یہ کی جائے گی کہ ان کا قاتل کون ہے، پتہ نہیں کہ سے میرے بارے میں علم ہو گا۔ ہو سکتا ہے گنگولی ہی یہ بات بتا دے کہ سرن یہاں آیا تھا بعد میں پتہ چل جائے کہ سرن در حقیقت میں نہیں تھا سرن بھی تو کہیں نہ کہیں ہو گا، پھر ہو سکتا ہے فیض کے مکان سے معلومات حاصل کی جائیں۔

بہر حال کبھی اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہ کوئی تمہاری جانب سے غافل ہو جائے گا، مستعدی ہوشیاری ہر لمحے قائم رکھنی چاہئے یہی زندگی کی ضم بنتی ہے۔ ورنہ انسان بے موت مارا جاتا ہے۔ موت سے دلچسپی نہیں تھی اور میں زندہ انسانوں کی جینا چاہتا تھا اب دیکھنا یہ تھا کہ تقدیر مجھے اس کا فراہم کرتی ہے یا نہیں، پھر رفتہ رفتہ ٹرین رفتار پکڑتی گئی اور میری سوچوں کے دائرے اسی طرح سکڑنے لگے، اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب ہے، درحقیقت بابا سفیدے ہی غلط آدمی تھا اور چچی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فیض خان کا خاندان برائیو میں پڑ چکا تھا، حقیقت مجھے معلوم تھی بات فیض خا نے بگاڑی تھی وہ بھی ریلوے ملازم تھا لیکن دولت بننے کے خواب دیکھتا تھا، سونا بنانے کے چکر میں وہ اپنی زندگی گنوا بیٹھا، ریاض خان ایک بگڑا ہوا نوج اور چچی جان خود بھی الٹے سیدھے وظیفے سے نہ جا بننا چاہتی تھیں، بابا سفیدے جیسا عیاش اور اوباش نوجوان خیر چچی جن کی جانب متوجہ تو نہیں ہو سکتا تھ پتہ نہیں اس نے کیوں مجھے یہ مقام دے دیا تھا ا وجہ بعد میں ان ہی لوگوں نے بتا دی تھی کہ میری ش

صورت میرا جسم ان لوگوں کے لئے قابل توجہ تھا اور وہ میرے ذریعے نوجوان لڑکیوں کا شکار کر کے عیاشی کرنا چاہتے تھے، لعنت زدہ انسان حالانکہ عمر کی اس منزل میں تھے جہاں انسان اپنی برائیوں سے خود بخود دور ہو جاتا ہے لیکن وہ اب بھی اس قدر ذلیل تھے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ رادھن لال جو کالی طاقتوں کا مالک تھا اتنی آسانی سے میرے ہاتھوں کیسے مارا گیا۔ غالباً دھوکہ ہو گیا۔ اسے یہ امید نہیں ہوگی کہ میں کسی دن اس کے ساتھ یہ سلوک بھی کر ڈالوں گا۔ ان کم بختوں نے مجھے سرن لال بنا کر اس لئے وہاں بھیجا تھا کہ میں معصوم پشپا کو بہکا کر وہاں تک لے آؤں.....

آہ بہت اچھا ہوا پشپا بچ گئی، میرے ساتھ تو آئندہ جو کچھ ہوگا میں دیکھ لوں گا لیکن وہ لڑکی بیچاری، معصوم صورت، ایک شریف نفس لڑکی، خدانخواستہ اگر وہ ان لوگوں کے ظلم کا شکار ہو جاتی تو کیا میں اپنے آپ کو کبھی معاف کر سکتا تھا، ممکن نہیں تھا، یہ بالکل ممکن نہیں تھا ہو سکتا ہے مجھے خودکشی ہی کر لینا پڑتی۔ میں نے جذباتی انداز میں سوچا پھر آنکھوں میں غنودگی سی طاری ہونے لگی، غالباً ہلکے ہلکے ہچکولے اور ایک مدہم سی بے سری آواز میرے ذہن کے پردوں سے ٹکرا کر مجھے نیند مہیا کر رہی تھی پھر اس وقت آنکھ کھلی جب ڈائننگ کار کے ویٹر ناشتہ ناشتہ چلاتے پھر رہے تھے۔

ٹرین کا سفر بدستور جاری تھا میں نے محسوس کیا کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے چند افراد ان سے ناشتہ لے کر کھانے پینے میں مصروف تھے، میں نے خود بھی ناشتہ طلب کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے ناشتہ فراہم کر دیا گیا۔ ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے میں نے آئندہ کے بارے میں سوچا، اپنے مستقبل کے لئے اب اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر کچھ کرنا پڑے گا، یہ سب احمقانہ اقدامات ہیں جو میں اب تک کرتا رہا ہوں، انسان کی زندگی کا انداز یہی ہے کہ دنیا میں آ کر محنت مزدوری کرے اپنے لئے گنجائش نکالیا ور پھر اپنے جیسوں کی طرح زندگی بسر کرنا شروع کر دے، ماں اور سوتیلے بہن بھائیوں سے دور ہوئے طویل عرصہ گزر چکا تھا لیکن ماضی کچھ ایسی رکھتا تھا کہ جب بھی اس کے بارے میں سوچتا منہ میں کڑواہٹ گھل جاتی۔

میرے دل میں ایک بار بھی یہ آرزو نہیں ابھری تھی کہ میں واپس اپنی بستی جاؤں، ماں کو دیکھوں بستی کو دیکھوں، باقی تو میرا تھا ہی کیا، سچی بات یہ ہے کہ بہن بھائیوں نے کبھی مجھ سے کوئی رغبت نہیں رکھی تھی اور یہ بھی فضل خان ہی کی کوششیں تھیں میرا ایک مقام بنا دیا گیا تھا ایک ملازم، یا ایک گھر کی سب سے معمولی شخصیت کا مقام جس کا کام صرف پٹنا اور گھر کے کام کاج کرنا تھا۔

پھر چائے ختم ہوگئی، ویٹر کو پیسے وغیرہ دے کر میں فارغ ہوا ہی تھا کہ چند آفیسر کمپارٹمنٹ میں آ گئے، مجھ سے ٹکٹ مانگا تو میں نے ان سے نہایت صاف گوئی سے کہا کہ میں نے ٹکٹ نہیں بنوایا ہے وہ میرا ٹکٹ بنا دیں۔ انہوں نے کوئی تعارض نہیں کیا تھا، میں نے ٹکٹ کی رقم انہیں ادا کی اور وہ مجھے ایک پرچی دے کر آگے بڑھ گئے، اب بھی میں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے۔ اس ایئر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں جو لوگ سفر کر رہے تھے وہ رکھ رکھاؤ والے تھے ان کے درمیان میں ہی سب سے ہلکا نظر آ رہا تھا، ان کے ساتھ ان کے خاندان بھی تھے اس لئے کوئی میری جانب رجوع نہیں ہوا پھر ٹرین کا یہ سفر تقریباً بارہ گھنٹے کے بعد ختم ہوا اور ٹرین رک گئی میں بھی نیچے اتر آیا تھا تب میں نے اس ریلوے اسٹیشن کا نام دیکھا، یہ میرے ملک کا ایک بہت بڑا شہر تھا، بہت بڑا اور صنعتی شہر، جس کے بارے میں میں نے تفصیلات سنی تھیں کبھی یہاں تک پہنچا نہیں تھا لیکن تقدیر نے مجھے یہاں پہنچا دیا تھا، کیا شہر تھا انسانوں کی بھرمار وہ دن بھی مجھے یاد آ گیا جب الیاس بھائی کے ساتھ پہلی بار میں نے ریل میں سفر کیا تھا ایک عجیب وغریب انداز میں اس کے بعد ایک اسٹیشن پر اترا، دنیا دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس کے بعد میں نے بہت کچھ دیکھا تھا لیکن اتنا بڑا شہر اس

سے پہلے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا، بلند و بالا عمارتیں، سڑکوں پر بہتا ہوا کاروں بسوں اور رکشاؤں کا طوفان، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے لوگ کسی شدید ہنگامی کیفیت کا شکار ہیں، اور بھاگے جارہے ہیں شاید اپنی جان بچانے کے لئے۔ اب اس ہنگامی شہر میں مجھے کیا مقام حاصل ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھنا تھا..... حالانکہ اس ہنگامہ خیزی سے دل ہول رہا تھا لیکن ایک بات یہ بھی دل میں تھی کہ جو کچھ بھی ہے بہر حال مجھے ہمت کے ساتھ اپنی زندگی بچانے کے لئے کوششیں کرنی ہیں، ہر خوف کو دل سے نکال کر اپنے لئے ایک جگہ تلاش کرنی ہے پتہ نہیں اس بھرے شہر میں میرے لئے وہ جگہ کون سی ہوگی۔ نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا، کئی جگہ بسوں میں بھی بیٹھا اور جہاں بس ختم ہوئی وہاں اٹھ گیا، اس بار بھی میں بس ہی میں بیٹھا تھا، شام کے تقریباً پانچ بج رہے تھے، بس نے مجھے جس جگہ اتارا اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا کیا ہی حسین جگہ تھی، بہت سے لوگ وہاں نظر آرہے تھی جگہ جگہ دوکانیں سجی ہوئی تھیں لوگ ادھر سے ادھر آجا رہے تھے، داہنے ہاتھ پر پتھروں کی ایک بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ سامنے ہی بڑا خوبصورت سا منظر تھا۔ لیکن انداز کچھ عجیب سا تھا، میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر وہاں پہنچ گیا تب میری نگاہوں نے ایک اور منظر دیکھا بہت دور کافی دور فاصلے پر سمندر لہریں لے رہا تھا۔

یہ سمندر کا علاقہ تھا پانی کی بے کراں چادر پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ سرمائی پانی دور سے بہت خوبصورت نظر آرہا تھا میرا دل چاہا کہ میں بھی اس طرف جاؤں، چنانچہ میں اس طرف بڑھ گیا خاصہ فاصلہ طے کرنا پڑا تھا یہ ایک ساحلی تفریح گاہ تھی میں اپنی معلومات میں خود بخود اضافہ کرتا جارہا تھا پھر میں پانی کی لہروں کے قریب پہنچ گیا مجھے عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا تھا اگر یہ پانی انسانوں کی جانب دوڑ پڑے تو انسان کہاں جائیں گے، میرا خیال ہے آن کی آن میں یہ اتنا بڑا شہر زیر سمندر چلا جائے گا۔ کیسی خوفناک بات تھی، لوگ پانی کے اندر نہا رہے تھے ایک دوسرے پر پانی اچھال رہے تھے، تفریحات کر رہے تھے، تاحد نظر ریت ہی ریت تھی میں اس ٹھنڈی ریت پر آگے بڑھ گیا اور پھر اپنی فطرت کو تسکین دینے کے لئے میں انسانوں سے اتنی دور چلا گیا کہ لوگ وہاں نہیں آتے تھے، کافی فاصلے پر بائیں سمت بہت مکان اور فلیٹ بنے ہوئے تھے، لوگ سمندر کے کنارے بھی آباد تھے اور زندگی گزار رہے تھے، کیا ہی خوبصورت نظارہ ملتا ہوگا انہیں، اب میں جس جگہ موجود تھا وہاں ریت کے سوا اور کچھ نہیں تھا، نرم ریت جس پر پانی کی لہریں بھگو کر اور نرم کر جاتی تھیں، میں نے قدم آگے بڑھائے لیکن اچانک ہی مجھے ایک عجیب منظر کا سامنا کرنا پڑا، میرے قدموں کے نشانات ریت پر پیچھے چھوٹتے جارہے تھے لیکن مجھ سے آگے کچھ اور نشانات بھی نظر آرہے تھے بالکل اسی سیدھ میں جس میں میں جارہا تھا، یہ نشانات اگر دور تک چلے جاتے تو کوئی بات نہیں تھی، لیکن میں نے جو خاص بات محسوس کی وہ یہ تھی کہ جب میں چند قدم آگے بڑھتا ہوں تو مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر یہ نشانات بنتے چلے جارہے ہیں۔ جب میں نے ان پر غور کیا تو میں شدت حیرت سے چونک پڑا اور کھڑا ہو گیا۔ نشانات بھی رک گئے تھے یہ کیا اسرار ہے.....؟

کوئی ہے تو نہیں میرے آس پاس، پھر یہ قدموں کے نشانات کیسے ہیں..... میں نے دل میں سوچا ہوسکتا ہے یہ میرا وہم ہو، آگے سے کوئی شخص گزرا ہوا ہو اور اس کے نشانات آگے چل کر معدوم ہوگئے ہوں۔

میں نے پھر چند قدم آگے بڑھائے اور اس وقت میری حیرت اپنی آخری حدوں کو چھونے لگی جب میں نے پھر اپنے قدموں کے نشانات بنتے ہوئے دیکھے، نہ جانے کیوں میرے دل میں خوف کا ایک احساس جاگ اٹھا اور میں نے ڈری ڈری آواز میں کہا.....

"کون ہے.....؟ کون ہے یہاں.....؟ کون ہے؟" یہ آواز فضا میں گونجی ہی تھی کہ میرے کانوں نے سنا۔

(جاری ہے)

عاشق روحیں

ماریہ مسعود-بانٹھ

رات کا اندھیرا ہر سو مسلط تھا جواں سال لڑکی گہری نیند میں تھی جبکہ کمرے کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا تو دونوں روحیں کمرے میں داخل ہوئیں اور .....

رات کے خوفناک اندھیرے میں جنم لینے والی دلوں پر دہشت طاری کرتی ڈراؤنی کہانی

موسم بہت ہی خوبصورت ہو رہا تھا کہ اچانک بارش شروع ہوگئی، گرمی کا زور ٹوٹ چکا تھا جولائی کا مہینہ تھا۔ مہر اپنی کھڑکی سے باہر برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ نیچے لاؤنج میں آ گئی تب ہی دروازے پر دستک ہوئی پہلے تو مہر کو اپنا وہم لگا لیکن دوبارہ دستک ہوئی اس بار دستک کی آواز واضح تھی۔ ایسے موسم میں کون ہو سکتا ہے اس نے سوچتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے ایک اجنبی نوجوان تھا۔ وہ بارش کی وجہ سے مکمل بھیگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ مہر کچھ بولتی وہ بولا۔

''میری گاڑی خراب ہوگئی ہے، یہاں میں کسی کو جانتا نہیں آس پاس کوئی ایسی جگہ بھی نہیں ہے جہاں میں بارش سے بچ سکوں، کیا میں یہاں کچھ وقت کے لیے رک سکتا ہوں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''کون ہے مہر؟'' اچانک مہر کی امی کی آواز سنائی دی۔ اور وہ قریب آ گئیں۔ اس سے پہلے کہ مہر کچھ بولتی وہ نوجوان بولا۔

''السلام علیکم آنٹی دراصل میری گاڑی خراب ہوگئی ہے اور یہاں میں کسی کو جانتا نہیں اور نہ ہی ایسی کوئی جگہ ہے بارش سے بچنے کے لیے اگر آپ اجازت دیں تو میں یہاں کچھ وقت کے لیے رک سکتا ہوں۔''

''ہاں کیوں نہیں اندر آ جاؤ'' ندا بیگم نے اسے بارش میں مکمل طور پر بھیگا ہوا دیکھا تو نرمی سے بولیں۔

اجنبی نوجوان انہیں شریف لگا تھا۔ اس لیے اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' ندا بیگم نے اس نوجوان سے پوچھا۔

''جی میرا نام سمیر ہے۔'' نوجوان نے اپنا نام بتایا۔

مہر نے نوجوان کو دیکھا جو اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر میں بارش رک چکی تھی۔ پر بادل ابھی بھی گہرے تھے موسم بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔

مہر لاؤنج میں اپنی بنائی ہوئی پینٹنگ لے آئی وہ مصورہ بھی تھی۔ سمیر کی پینٹنگ پر نظر پڑی تو بولا۔

''کیا یہ پینٹنگ آپ نے بنائی ہے؟''

''ہاں۔'' مہر مخصوص انداز میں بولی۔

''کیا یہ پینٹنگ میں لے سکتا ہوں میرا مطلب ہے خرید سکتا ہوں مجھے پینٹنگ بہت پسند ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہوں جب یہ مکمل ہو جائے تو آپ شوق سے لے سکتے ہیں پلیز آپ اپنا فون نمبر دے دیں۔''

جب یہ پینٹنگ مکمل ہو جائے گی تو بتا دینا'' سمیر نے کہا پھر اس نے اپنا فون نمبر اسے دیا اور مہر کا نمبر لے لیا اور شکریہ کہہ کر چلا گیا۔ کیوں کے اب بارش رک چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

مہر کی فیملی میں اس کی امی ابو اور اس کا ایک چھوٹا بھائی احسن بھی تھا۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا مہر کو سمیر سے ملتے ہوئے وہ ہر وقت سمیر کے بارے میں سوچتی رہی تھی کہ ایک روز اچانک سمیر کی کال آئی تو مہر نے کال ریسو کی۔

''کیسی ہو مہر؟'' مخصوص لہجے میں وہ گویا ہوا۔

''میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟'' مہر نے پوچھا۔

''جی ہاں ٹھیک ہوں کیا پینٹنگ مکمل ہو گئی۔'' سمیر نے پوچھا تو مہر نے ہاں میں جواب دیا۔

سمیر سے مہر بات کر رہی تھی کہ اسے اپنے پاس تپش کا احساس ہوا، کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جہاں سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ خیر سمیر نے دو تین دن بعد آنے کا کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

مہر حیران تھی کہ تپش کہاں سے آ رہی تھی کیوں کہ زیادہ گرمی بھی نہیں تھی اسے یوں محسوس ہوا تھا کہ جیسے اس کے پاس آگ جل رہی ہو، اب سب کچھ ٹھیک تھا اس کو لگا یہ اس کا وہم ہے کیونکہ اب اسے تپش کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

دو دن بعد سمیر آیا تو گھر میں مہر اور احسن تھے۔ مہر نے سمیر کو اپنی بنائی پینٹنگ دکھائی تو سمیر کو بہت اچھی لگی۔

سمیر نے جب مہر کو پہلی بار دیکھا تو اسے مہر سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ اسے اپنا بنانا چاہتا تھا۔ اور سمیر نے مہر سے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔

''مہر میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

مہر مکمل طور پر سمیر کی طرف متوجہ تھی اس سے پہلے کے وہ کچھ بولتا اسے چکر آنے لگے اور پورا کمرہ گول گول گھومتا دکھائی دینے لگا، اسے اپنے دونوں کندھوں پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا پھر اس نے بے اختیار اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

مہر نے اس کی بدلتی کیفیت دیکھی تو تشویش سے گویا ہوئی۔

''کیا ہوا مہر، یو آر او کے؟'' مہر کے استفسار پر اس نے اسے دیکھا وہ بھی اسے گول گول گھومتی نظر آئی۔

''میرا سر چکرا رہا ہے۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوا۔

یہ سن کر مہر عجلت میں اٹھ کر کچن سے ٹھنڈے پانی کا گلاس لا کر اسے دیا۔ ''تھوڑا پانی پی لو۔'' متفکر لہجے میں کہا مہر بہت گھبرا گئی تھی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔

''میرا سانس رک رہا ہے، بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے جیسے کوئی میرا دل مسل رہا ہے۔'' اور یہ کہتے ہوئے سمیر اٹھ کر داخلی دروازے سے باہر نکل گیا۔

مہر بھی پریشانی کے عالم میں پانی کا گلاس ٹیبل پر رکھ کر سمیر کے پیچھے ہی آئی تھی پھر ایسا ہوا کہ باہر آتے ہی سمیر کو بہتر محسوس ہونے لگا۔ اسے اب سانس لینے میں بھی مشکل نہیں آ رہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں وہ نارمل ہو گیا تھا۔

تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلے جاؤ، ہاسپٹل یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔'' مہر کی متفکر آواز نے اسے اس کی طرف متوجہ کیا، سمیر خود بھی اپنی اچانک بگڑتی ہوئی کیفیت پر حیران تھا۔ میں اب ٹھیک ہوں۔ پر تم ٹھیک کہہ رہی ہو کہ ایک بار ڈاکٹر کو دیکھا دینا چاہیے، خیر میں ابھی چلتا ہوں پھر بات ہوگی۔'' سمیر نے کہا پھر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا جو کچھ فاصلے پر موجود تھی۔

''مجھے کال ضرور کرنا۔'' مہر نے کہا تو سمیر نے دروازہ کھولا اور اپنا سر ہلاتے ہوئے عجلت میں گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

سمیر کی پریشانی کی کیفیت کی پیش نظر مہر بھی بہت پریشان ہو گئی تھی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

☆.....☆.....☆

''سمیر تم ڈاکٹر کے پاس گئے تھے۔ کیا کہا ڈاکٹر نے۔'' مہر نے پریشان کن لہجے میں پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کوئی بیماری نہیں ہے کل جو ہوا اس پہ میں خود بھی حیران ہوں۔'' سمیر نے جواب دیا۔

شام کا وقت تھا۔ مہر لان میں تنہا تھی ابھی وہ سمیر سے بات کر رہی تھی کہ کسی نے اسے پیچھے سے دھکا دیا تو اس نے سامنے ایک درخت کو تھام کر اپنے آپ کو گرنے سے بچایا۔ ورنہ وہ دیوار کے پاس رکھے گملوں پر گر جاتی ایسے میں اسے چوٹ بھی لگ سکتی تھی۔

''کیا ہوا؟'' دوسری طرف سے سمیر کی تشویش بھری آواز آئی۔

''کچھ نہیں بے دھیانی میں میرا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرا گیا تھا۔'' پھر تھوڑی سی بات کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ پر مہر خود حیران تھی کہ اسے دھکا کس نے دیا اسے اپنے علاوہ وہاں اور کوئی نظر نہیں آیا تھا، اسے لگا یہ سب اس کا وہم ہے یہ سوچتے ہوئے وہ اندر چلی گئی پر وہ نہیں جانتی تھی اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

مہر واش روم میں کپڑے دھو رہی تھی کہ اچانک پانی کی جگہ نلکے سے خون آنے لگا یہ سب دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گئی اور باہر بھاگ گئی پر دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا، تو اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی پر دروازہ کھل نہیں رہا تھا جیسے سالوں سے بند ہو، وہ مزید گھبرا گئی اور گھر والوں کو آوازیں دینے لگی اس کی آواز سن کر بھی کوئی وہاں نہیں آیا تھا۔

چند پل بعد نلکے سے خون آنا بند ہو گیا اور دروازہ بھی کھل گیا تو مہر تیزی سے باہر آئی وہ خوفزدہ تھی کہ کہیں دروازہ پھر سے بند نہ ہو جائے۔ باہر آ کر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھی چند منٹوں میں وہ کچھ نارمل ہوئی کہ احسن نظر آیا جو اسی طرف آ رہا تھا تو اس نے اسے مخاطب کیا۔

''احسن میں نے تمہیں کتنی آوازیں دیں پر تم آئے کیوں نہیں، واش روم کا دروازہ بند ہو گیا تھا، میں بہت پریشان ہو گئی تھی۔'' وہ تیزی سے گویا ہوئی وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

''پر مجھے تو کوئی آواز نہیں آئی آپی۔''

احسن حیرت سے بولا۔ تو مہر حیران ہو کر احسن کو

دیکھنے لگی وہ اتنا چیخی تھی پھر اسے آواز کیسے نہیں آئی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' اس کے بعد وہ پھر سے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کام سے فارغ ہو کر لاؤنج میں رکھے صوفے پر نم دراز ہوئی پھر احسن کو ایک گلاس پانی لانے کو کہا تو احسن نے اس کو پانی کا گلاس دیا وہ پانی پینے لگی تو اچانک پانی کی جگہ گلاس میں خون بھر گیا۔ یہ دیکھتے ہوئے خوف سے گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور گلاس چکنا چور ہو گیا اور کرچیاں ہر طرف بکھر گئیں۔

''کیا ہوا آپی آپ چیخیں کیوں؟''

''وہ پانی کی جگہ گلاس میں خو، خون ہے۔'' خوف سے اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔ ''پر یہاں تو کوئی خون نہیں ہے۔'' احسن حیرت سے مہر کو دیکھ رہا تھا، احسن کے کہنے پہ مہر نے چونک کر نیچے دیکھا تو وہاں پانی تھا ابھی تو گلاس میں خون تھا۔

''احسن کو یقین نہ آیا۔'' آپی آپ ہارر فلمیں بہت دیکھتی ہیں اس لیے آپ کو وہم ہو گیا ہے۔'' احسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر اسے یقین کرنا پڑا کہ جو ہوا وہ اس کا وہم تھا۔

چند دن بعد وہ گزرے ہوئے واقعے کو بھلا چکی تھی، کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس کی والدہ نے چائے بنانے کا کہا پھر وہ سارے لوازمات ٹرے میں رکھے جیسے ہی باہر جانے کو پلٹی اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر ایک سیاہ سانپ پر پڑی سانپ دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ خوف اور ڈر کے مارے ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، اس کی چیخ سن کر ندا بیگم عجلت میں آئیں۔

''کیا ہوا مہر تم چیخی کیوں؟'' وہ تشویش سے بولیں۔

''امی وہاں ایک سانپ ہے۔'' مہر نے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

''پر وہاں پر کوئی سانپ نہیں ہے۔'' ندا بیگم اچھی طرح تسلی کرنے کے بعد گویا ہوئیں۔

''نہیں امی میرا یقین کریں وہاں سانپ تھا۔ اس نے یقین دلایا۔ یہ سب تمہارا وہم ہے یہاں سانپ کیسے آ سکتا ہے۔ یہ شہر ہے گاؤں نہیں جلدی سے دوبارہ چائے بناؤ مہمان کیا سوچیں گے۔'' پھر وہ باہر چلی گئیں۔

تین چار دنوں سے اس کے ساتھ عجیب وغریب واقعات ہو رہے تھے۔ شام کو اس نے سمیر کو کال کی۔ ''سمیر پلیز میرا یقین کرو کچن میں سانپ تھا۔'' اس نے سمیر کو بتایا۔

''جب آنٹی نے کہا کہ کچن میں کوئی سانپ نہیں ہے تو تم یقین کیوں نہیں کرتی، چلو اگر تمہاری بات سچ تھی۔ تو صبح سے شام ہوگئی ہے سانپ کہیں تو نظر آتا۔'' سمیر نے نرمی سے کہا خیر جو ہوا وہ تمہاری نظروں کا دھوکا ہوگا ان سب کے بارے میں مت سوچو'' سمیر نے اسے سمجھایا تو اسے لگا شاید وہ اس کا وہم تھا۔

☆.....☆.....☆

مہر کے خیالوں میں سمیر گم تھا جبکہ کچھ فاصلے پر کھڑی نمرہ کی روح بہت غصے میں تھی۔ وہ ایک سال سے سمیر پر عاشق تھی۔ وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ سمیر کسی اور کے بارے میں سوچے، غصے میں وہ واپس قلعہ میں آ گئی اس قلعہ میں اس کا قیام تھا، قلعہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا پر اس کے کچھ کمرے اب بھی بہتر حالت میں تھے۔ قلعہ کے میدان میں بڑی بڑی گھاس اگی ہوئی تھی۔ یہ قلعہ آبادی سے دور سنسان جگہ پر واقعہ تھا۔ تاریخی عمارت دیکھنے کے شوقین لوگ یہاں آتے رہتے تھے۔ ان کی آمدنی زیادہ نہیں تھی۔

نمرہ اپنے بھائی کے ساتھ رہتی تھی۔

''مل آئی اپنے عاشق سے ہارون اسے دیکھتے ہی بولا۔

''کیا بات ہے تم اتنے غصے میں کیوں ہو، میں اس لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' نمرہ سفاک لہجے میں بولی۔

''کون سی لڑکی؟'' اس نے پوچھا۔

''وہی لڑکی جس کے گھر سمیر گیا تھا۔ سمیر مہر سے

محبت کرنے لگا ہے اور مہر بھی اسے پسند کرتی ہے میں مہر کو جان سے ماردوں گی جو بھی ہمارے درمیان آئے گا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ غضبناک لہجے میں بولی۔

''میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ لڑکی ہے کون؟'' ہارون کچھ سوچ کر بولا۔

''ٹھیک ہے آؤ میرے ساتھ۔'' نمرہ نے کہا اب کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

رات کا وقت تھا مہر گہری نیند سو رہی تھی جب کمرے کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا ہارون اور نمرہ کمرے میں آئے ہارون کی نظر جیسے ہی مہر پر پڑی تو وہ پہلی نظر میں ہی مہر پر عاشق ہو گیا۔

یہ ہے وہ لڑکی۔ نمرہ نے مہر کی طرف اشارہ کیا۔

تم مہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی اب یہ میری محبت ہے۔ ہارون نمرہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

پہلے تو نمرہ چونکی اس انکشاف پر پھر اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی، وہ مسکرائی پھر گویا ہوئی۔ ''تو تمہیں مہر اچھی لگی ہے۔''

''ہاں...... ہاں۔'' ہارون نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو ٹھیک ہے ہم چلتے ہیں۔'' اس لمحہ نمرہ بہت خوش تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب سمیر صرف اس کا تھا۔ ایک لمحے میں وہ وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد مہر کی آنکھ کھل گئی اسے یوں لگا کہ جیسے کمرے میں کوئی ہے اسے کسی کی باتیں کرنے کی آواز محسوس ہوئی تھی۔ مہر نے ادھر ادھر دیکھا کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ دروازہ بھی بند تھا اسے لگا سب اس کا وہم ہے وہ دوبارہ سو گئی۔

☆......☆......☆

مہر کے بارے میں سمیر سوچ رہا تھا نمرہ بھی وہی پہنچی وہ سمیر کو دیکھنے آئی تھی۔ سمیر مہر کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے وہ کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ پہلے وہ نہیں بتا سکا تھا اپنے دل کی بات، نمرہ نے جب سمیر کے دل کی بات جانی تو غصے میں آ گئی اور خود سے بولی میں مہر کو زندہ نہیں چھوڑوں گی جب مہر زندہ ہی نہیں

ڈائجسٹوں کی خوفناک مشہور کہانیاں
عیار ناگن
تحریر: خلیل جبار قیمت-/300 روپے

ڈائجسٹوں کی مشہور کہانیاں
بہروپیا عامل
تحریر: خلیل جبار قیمت-/300 روپے

ڈائجسٹوں کی مشہور و معروف کہانیاں
سچی محبت
تحریر: خلیل جبار قیمت-/300 روپے

ڈائجسٹوں کی مشہور و معروف کہانیاں
جنون عشق
تحریر: خلیل جبار قیمت-/300 روپے

گھر بیٹھے کتاب منگوائیں، واٹس ایپ پر آرڈر دیں
موبائل نمبر: 0324-7232580

ڈریپلی کیشنز
نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی

رہے گی تو سمیر تم کس سے اقرار محبت کرو گے وہ حقارت سے بولی پھر وہاں سے غائب ہوگئی۔ وہ وہاں سے مہر کی طرف آ گئی مہر آئینہ کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی کہ اچانک کسی نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پر گرا دیا، مہر جو اس آفت سے بے خبر تھی۔ اچانک ایسا ہونے پر خوف سے وہ لرز گئی پھر ارد گرد دیکھا پر اس کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی اس سے پہلے کہ وہ دروازے تک پہنچتی کسی نے اسے پھر سے دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا، خوف پوری طرح اس پہ طاری ہوگیا تھا۔ ڈر کے مارے اس کی چیخ نکل گئی اگلا منظر جو اس نے دیکھا تو خوف کے مارے وہ اپنی جگہ جم گئی، اس نے دیکھا آئینہ کے سامنے گلدان اپنے آپ ہوا میں معلق ہو کر اس کی طرف بڑھنے لگا، یوں لگ رہا تھا کہ گلدان کسی نے اٹھایا ہوا تھا، اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں کچھ پل یوں ہی گزر گئے اسے کچھ نہیں ہوا تو اس نے آنکھیں کھولیں تو گلدان اپنی جگہ پر موجود تھا، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کچھ دیر پہلے بھی سب نارمل تھا وہ بھاگ کر باہر آ گئی، وہ پوری طرح پسینے میں بھیگ چکی تھی، اس کا سانس بہت تیز چل رہا تھا، مہر کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ سب کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ اور کیوں، اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

مہر کو نمرہ مارنے والی تھی کہ ہارون وہاں آ گیا اور اسے وہاں سے دور لے گیا۔ ''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم مہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی پھر تم نے اس طرح کیوں کیا؟'' وہ سخت لہجے میں بولا۔

''سمیر جلد ہی مہر سے اظہار محبت کرنے والا ہے میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔'' نمرہ بھی غصے میں آ گئی تھی۔

''میں نے پہلے بھی سمیر کو روکا تھا وہ مہر کو اپنے دل کی بات نہ بتائے، مہر کو بھی اتنا ڈرایا کے وہ سوچنے پر مجبور ہو جائے یہ سب سمیر کے آنے کی وجہ سے ہوا ہے تاکہ وہ اسے چھوڑ دے۔''

''پر تم بھول رہی ہو کہ مہر اب میری محبت ہے۔'' ہارون بھی سخت لہجے میں بولا تو نمرہ نے کچھ نہ کہا اور غصے میں قلعہ سے باہر چلی گئی۔ اگر ہارون بیچ میں نہ آتا تو وہ کب کی مہر کی جان لے چکی ہوتی۔

☆.....☆.....☆

''مہر میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں آئی لو یو۔'' سمیر محبت بھرے لہجے میں بولا تو مہر کو لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو کیوں کہ وہ بھی سمیر سے محبت کرتی تھی، مہر میں جانتا ہوں کہ تم بھی مجھے چاہتی ہو۔'' مہر کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ کر سمیر نے کہا۔

سمیر کے کہے پر مہر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا مہر کے اقرار سے سمیر کو لگا کہ وہ جیسے ہواؤں میں اُڑ رہا ہو، دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے، جب کہ کچھ فاصلے پر کھڑی نمرہ بہت غصے میں تھی وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر پائی تھی سمیر اور مہر جہاں کھڑے تھے۔ وہاں پیچھے ایک فریم میں لفظ ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ اس لیے نمرہ آگے نہیں بڑھ پا رہی تھی مہر اس وقت گھر پر اکیلی تھی۔ اور یہ اچھا موقع دیکھ کر سمیر نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

اتنے میں مہر بولی۔ ''میں اپنا سیل فون کمرے میں رکھ آئی ہوں کہیں امی کال نہ کریں میں ابھی سیل فون لے کر آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اوپر والی منزل پر چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ واپسی پر سیڑھیوں کی طرف آئی اس نے پہلا قدم ابھی اٹھایا ہی تھا کہ نمرہ جو اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس نے نفرت سے مہر کو دھکا دے دیا، مہر جو اس آفت کے لیے تیار نہیں تھی نہ ہی اسے سنبھلنے کا موقع ملا وہ لڑکھڑاتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے گرتی چلی گئی اور اس کی چیخوں نے سمیر کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ سمیر جتنی دیر میں مہر کے پاس آیا مہر سیڑھیوں کے پاس سر کے بل گری ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی پر چوٹ لگی تھی۔ جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ مہر کی آنکھیں بند تھیں

''مہر، مہر آنکھیں کھولو۔'' مہر کو سمیر ہلانے لگا۔ مہر کی یہ حالت دیکھ کر سمیر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

''مہر'' اس نے تشویش سے پھر پکارا، اس کی پکار

پر مہر نے آنکھیں کھولیں۔ پیشانی پہ لگی چوٹ کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی تھی، سمیر کی پکار پر وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تو اس لمحے اس کا پورا وجود جسے دھکتا ہوا پھوڑا بن گیا تھا۔

''مہر چلو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں۔'' سمیر نے اسے تھام کر کھڑا کیا۔

''نہیں سمیر اس کی ضرورت نہیں زخم اتنا گہرا نہیں ہے میں ٹھیک ہوں تم اس جگہ میری پٹی کر دو میں تمہارے ساتھ ڈاکٹر کے پاس نہیں جا سکتی کسی نے دیکھ لیا تو میں کیا جواب دوں گی۔'' وہ نقاہت سے بولی۔

''فرسٹ ایڈ بکس سامنے والے کمرے میں ٹیبل پر رکھا ہے۔ تم وہ لے آؤ۔'' اس نے کمرے کی طرف اشارہ کیا، کچھ ہی دیر میں سمیر نے سہولت سے اس کی ڈریسنگ کر دی تھی۔ پین کلر لینے کے بعد اب وہ پہلے سے کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔

اچانک تمہارا پاؤں کیسے پھسل گیا۔'' سیر نے پوچھا کہ پھر مہر کو یاد آیا کسی نے اس کی پشت پر سرد ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا تھا جس کا مطلب صاف تھا کہ اسے کسی نے دھکا دیا تھا۔

''سمیر میں تم سے کہنے والی ہوں شاید اس بار بھی تم میرا وہم یقین نہ کرو پر جو بھی میرے ساتھ ہو رہا ہے وہ میرا وہم نہیں ہے پہلے جو بھی ہوا ہے وہ میں نے تمہیں بتایا آج بھی میں آئینے کے سامنے کھڑی برش کر رہی تھی تو میں نے ایک سائے کو اپنے سامنے سے تیزی سے گزرتے دیکھا تھا میرا پاؤں نہیں پھسلا تھا بلکہ کسی نے مجھے دھکا دیا تھا کوئی چاہتا ہے کہ مجھے چوٹ لگے، دو دن پہلے والا واقعہ بھی بتایا جب وہ کمرے میں تھی میں نے کسی کے سرد ہاتھوں کا لمس محسوس کیا تھا اس واقعے کے بعد میں سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کوئی نہیں چاہتا کہ ہم دونوں ایک ہو جائیں جب سے تم میری زندگی میں آئے ہو تب سے یہ سب میرے ساتھ ہو رہا ہے اور کسی کے ساتھ نہیں یہ میرا وہم نہیں ہے۔'' سمیر کو تفصیل سے سب کچھ بتاتی چلی گئی تھی اس لمحے وہ کافی پریشان ہو گئی تھی۔

سمیر خاموشی سے اس کی باتوں پر غور کرتا رہا تھا پھر گویا ہوا۔ آئی ایم سوری مہر میں نے پہلے تمہاری باتوں کا یقین نہ کیا مگر اب میں یقین کر چکا ہوں کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو کوئی تو ہے جسے کے بارے میں ہم نہیں جانتے میں بھی اکثر کسی کی موجودگی اپنے پاس محسوس کرتا ہوں پہلے مجھے بھی اپنا وہم لگتا تھا۔ پھر کچھ کچھ یقین آنے لگا، اس دن میری اچانک طبیعت کا خراب ہو جانا اور اب تمہارا یہ حال، میرا دوست ایک عامل بابا کو جانتا ہے میں اس سے بات کر کے عامل بابا سے ملوں گا ہو سکتا ہے ہمارے مسئلے کا حل نکل آئے۔''

سمیر ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ ڈور بیل بجی تو سمیر نے ہی دروازہ کھولا، مہر کی امی، ابو آ گئے تھے۔

اس سے پہلے کہ ندا بیگم سمیر کی اپنے گھر میں موجودگی کا پوچھتی مہر پر نگاہ گئی تو گھبرائے ہوئے انداز میں مہر کے نزدیک آئیں۔ ''مہر کیا ہوا یہ چوٹ کیسے لگی۔'' وہ متفکرانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''امی میرا پاؤں سیڑھیوں سے پھسل گیا تھا اسی وجہ سے یہ چوٹ لگی یہ تو اتفاق ہوا کہ اچانک سمیر آ گیا اس نے جو پینٹنگ مجھے بنانے کو کہا تھا اس کا پوچھنے آیا تھا میری یہ حالت دیکھی تو میرے کہنے پر ڈریسنگ کر دی۔'' تو ندا بیگم نے سمیر کا شکریہ ادا کیا۔ خیر تھوڑی دیر رکنے کے بعد سمیر چلا گیا۔ اور ویسے سمیر کے بارے میں مہر حقیقت سے کسی کو آشنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

''میں نے تمہیں منع کیا تھا نمرہ کہ مہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی، پھر تم نے مہر کو سیڑھیوں سے کیوں گرایا۔'' ہارون کو جب مہر کے بارے میں پتا چلا تو نمرہ سے پوچھا اس وقت اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''سمیر میرا ہے اور میں اسے کسی اور کا ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی، اس لیے میں نے مہر کو سیڑھیوں سے دھکا دیا تھا۔'' وہ حقارت سے بولی۔

''پر ایک بات تم یاد رکھنا نمرہ اگر مہر کو تم نے کوئی

نقصان پہنچایا تو میں سمیر کو نہیں چھوڑوں گا۔'' ہارون نے اٹل لہجے میں کہا اور اس کا کوئی جواب سنے بغیر ہی غائب ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

سمیر صبح دس بجے اپنے دوست کے ہمراہ عامل بابا کے پاس پہنچا اور عامل کو اپنے اور مہر کے ساتھ ہونے والے واقعات بتائے، ساری باتیں سننے کے بعد عامل بابا نے تھوڑی دیر آنکھیں بند کیں پھر سمیر کو بتانا شروع کیا۔

''دو روحیں تم دونوں پر عاشق ہیں۔ ان دونوں کے نام نمرہ اور ہارون ہیں نمرہ پچھلے ایک سال سے تم پر عاشق ہے، میں تین دن کا چلہ کروں گا پھر ان روحوں کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔'' سمیر یہ سن کر حیران رہ گیا کہ دو روحیں ان پر عاشق ہیں۔

مہر صبح سے سمیر کی کال کا انتظار کر رہی تھی کہ سمیر کی کال آ گئی۔

''ہیلو سمیر تم عامل بابا کے پاس گئے تھے۔'' اس کے لہجے میں بے چینی نمایاں تھی۔ ''کیا کہا بابا نے؟'' اس نے پوچھا۔

تو سمیر بولا۔ ''مہر میں تمہارے گھر کے پاس والے پارک میں ہوں تم وہاں آ جاؤ وہیں بات کریں گے تسلی سے۔'' سمیر نے کہا۔ تو چند منٹ بعد مہر پارک میں پہنچ گئی۔ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد سمیر اسے ایک بنچ پر براجمان نظر آیا تو مہر بنچ پر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ''مہر تم ٹھیک تو ہو ناں۔'' سمیر نے پوچھا۔

''ہاں سمیر میں ٹھیک ہوں اور تم کیسے ہو؟'' مہر نے پوچھا تو سمیر مسکرایا اور بولا ''ہاں میں بھی ٹھیک ہوں۔''

''کیا کہا عامل بابا نے؟'' وہ بے چینی سے بولی تو سمیر نے سب کچھ بتا دیا جسے سن کر مہر ڈر گئی اردگرد یوں دیکھا جیسے وہ روحیں اس کے پاس ہی ہوں۔

''اب کیا ہو گا سمیر اگر ان روحوں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیا تو؟'' وہ خوف زدہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا مہر صرف تین دن کی بات ہے پھر دونوں روحیں ختم ہو جائیں گی۔'' عامل بابا نے تسلی دی ہے وہ اپنی دنیا میں چلی جائیں گی۔ تم دعا کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سمیر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

''کل سمیر کو ہمارے بارے میں سب کچھ پتا چل گیا ہے۔'' نمرہ پریشانی سے بولی اسے سمیر کا ایک عامل کے پاس جانے کا علم ہو گیا تھا اور عامل بابا کے آگے ان کی طاقتیں کمزور تھیں اس لیے نمرہ پریشان تھی پھر ہارون کو دیکھا جو کچھ سوچ رہا تھا۔

''میں آج ہی مہر کو یہاں لے آتا ہوں اور میں کل ہر صورت میں مہر کو اپنی دنیا میں لے کر چلا جاؤں گا۔ خودی ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔'' ہارون اٹل لہجے میں بولا۔ جسے سن کر نمرہ خوش ہو گئی تھی۔ اور ہارون وہاں سے ہوا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

سمیر مہر سے ملنے آیا تھا دونوں لان میں تھے تاکہ سکون سے بات کر سکیں پر انہیں پتا نہیں تھا، احسن بھی ان کے پیچھے آ گیا تھا اسے شک تھا کہ مہر سمیر کو پسند کرنے لگی ہے وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا تاکہ مہر اسے نہ دیکھ سکے۔ ''سمیر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ وہ دونوں روحیں تمہیں اور مجھے نقصان نہ پہنچا دیں۔'' وہ متفکر لہجے میں گویا ہوئی۔

''مہر آج کا دن ہے کل بابا ضرور کوئی حل نکالیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

احسن نے جب روحوں کے بارے میں سنا تو ڈر گیا اور گھر کے اندر بھاگ گیا۔

''یہ مسئلہ حل ہو جائے گا پھر میں اپنے پیرنٹس کو رشتہ کے لئے بھیج دوں گا۔'' نمرہ کا خوف کم کرنے کے لیے سمیر نے کہا۔

ابھی وہ دونوں یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک طرف گاڑھا گاڑھا دھواں پھیلنے لگا پھر اس میں سے ایک وجود ظاہر ہوا پہلے تو دونوں حیرت سے دھوئیں کو دیکھتے رہے جو نہ جانے کہاں سے آیا تھا پھر اس میں

سے جو وجود باہر نکلا اسے دیکھ کر مہر کی چیخ نکل گئی، وہ ہارون تھا۔ اس نے سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں انگارہ تھیں، چہرہ کچھ زیادہ ہی سفید تھا۔ وہ مہر کی طرف بڑھا تو اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر مہر نے سمیر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا پھر خوف سے وہ سوکھے پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔ ہارون نزدیک آیا تو سمیر چونکا وہ ہارون کو دیکھ کر چند پل کے لیے اردگرد سے بے خبر ہوگیا تھا۔ اس نے پہلی بار کسی روح کو اپنے سامنے دیکھا تھا۔ مہر کے آگے سمیر کھڑا ہوگیا۔ ہارون کا ان کے سامنے یوں آنا اسے خطرے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

''تم مجھے روکو گے۔'' ہارون طنزیہ انداز میں بولا۔

اور اگلے ہی لمحے ہارون نے مہر کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچا، مہر اس جھٹکے کے لیے تیار نہیں تھی، بے اختیار ہی لڑکھڑائی تو اس کا دوسرا ہاتھ سمیر کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ سمیر کچھ کرتا دونوں روحیں وہاں سے غائب ہوگئیں کہ اچانک سمیر کی فلک شگاف چیخ نکلی، ''مہر''

اگلے ہی لمحے مہر کے والدین لان میں پہنچے ان کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔ احسن بھی ساتھ تھا، ''مہر کہاں ہے۔'' ندا بیگم نے استفسار کیا تو سمیر انہیں سب کچھ بتا دیا۔ یہ سب سن کر ندا بیگم کے تو آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے، وہ سمیر سے التجا کر رہی تھیں کہ وہ مہر کو لے آئے۔

سمیر نے انہیں تسلی دی اور مہر کو واپس لانے کا وعدہ کر کے وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

مہر کو ہوش آیا تو خود کو قالین پر لیٹے ہوئے پایا، آہستہ آہستہ اسے سب کچھ یاد آ گیا تھا، ہارون نے جیسے ہی اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں تھا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی وہ ایک کمرے میں تھی کمرے کی دیوار پر دو روشن دان تھے جہاں سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ ایک طرف لکڑی کا بوسیدہ دروازہ تھا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا پر دروازہ بند تھا۔ روشن دان زیادہ اونچے نہیں تھے۔ وہ ایک روشن دان کے پاس آئی تو اسے باہر کا کچھ حصہ نظر آیا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ ایک قلعہ میں ہے۔ اسے قلعہ کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں نظر آئیں تھیں۔ تب ہی اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی ہارون اس سے کچھ فاصلے پر موجود تھا اسے دیکھ کر وہ مسکرایا اور بولا۔

''کل میں تمہاری روح کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ اپنی دنیا میں لے جاؤں گا۔'' اس کے لبوں پہ شیطانی مسکراہٹ تھی۔ ''یہ نہیں ہوسکتا'' یہ سن کر مہر لہرا کر زمین بوس ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

سمیر عامل بابا کے پاس بیٹھا تھا وہ بہت پریشان تھا اسے مہر کی فکر تھی۔ عامل بابا نے اسے بتانا شروع کیا۔

''نمرہ اور ہارون کی موت دو سال پہلے ہوئی تھی۔ وہ دونوں کہیں گھومنے گئے تھے۔ وہاں کچھ ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ لیا تھا اور دونوں کو مار دیا، دونوں کی روحیں اپنا انتقام لینے کے لیے بے چین رہنے لگیں پھر ڈاکوؤں سے اپنا انتقام لے لیا اس کے بعد دونوں ایک قلعہ میں رہنے لگے جہاں تم ایک سال پہلے اپنے دوستوں کے ساتھ گئے تھے۔ وہیں نمرہ نے تمہیں دیکھا اور تم پر عاشق ہوگئی۔

پھر تمہاری زندگی میں مہر آ گئی نمرہ یہ سب برداشت نہیں کر پائی اسی لیے وہ مہر کو پریشان کرنے لگی، اسی دوران نمرہ ہارون کو وہاں لائی تو ہارون کو مہر پسند آ گئی۔ اور نمرہ نے اس لیے مہر کو چھوڑ دیا کہ وہ اب تم دونوں کے درمیان نہیں آ سکتی تھی۔ اب ہارون مہر کی روح کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے جائے گا اور یہی نمرہ تمہارے ساتھ بھی کرے گی۔

تمہیں اپنے آپ کو اور مہر کو بچانے کے لئے جلد از جلد جانا ہوگا اس سے پہلے کہ ہارون پر اپنا قبضہ جما لے، انہیں ختم کرنے کے لے یہ دم کیا ہوا پانی ہے یہ ان پر چھڑک دینا وہ ہمیشہ کے لیے تم دونوں کی زندگی سے نکل جائیں گی اور ان کا خاتمہ ہو جائے گا۔'' ایک بوتل

دیتے ہوئے سمیر سے کہا۔ بوتل میں دم کیا ہوا پانی تھا پھر وہاں سے سمیر قلعہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

مہر کا رو رو کر برا حال تھا کہ اس وقت ہارون وہاں آ گیا اسے دیکھ کر وہ کھڑی ہوئی ہارون اس کے نزدیک آیا اور اس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اگلے لمحے اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

منظر بدل چکا تھا اب وہ کمرے کے بجائے ایک بڑے ہال میں تھی۔ ہال میں ایک طرف دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں سامنے لکڑی کا بڑا سا دروازہ تھا جو بارش کے پانی پڑنے سے سیاہ ہو چکا تھا۔ ایک طرف نمرہ آنکھیں بند کیے کھڑی تھی وہ بھی سفید لباس میں ملبوس تھی۔ اسے دیکھتے ہی مہر سمجھ گئی کہ وہ نمرہ ہے۔

''سمیر آرہا ہے۔'' وہ ہارون کی طرف مڑ کر بولی۔

سمیر کی آمد کا سن کر مہر کے چہرے پر رونق سی آ گئی۔ اسے امید تھی کہ سمیر ضرور آئے گا۔

''جلدی کرو وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتا ہے تم جلد از جلد اس کی روح کو اپنی دنیا میں لے جاؤ پھر سمیر کچھ بھی نہیں کر پائے گا میں بھی جلدی آجاؤں گی۔'' نمرہ عجلت میں گویا ہوئی۔

اس انکشاف پر مہر جو سمیر کی آمد سے خوش ہوئی تھی۔ خوف ایک بار پھر اس پہ طاری ہوگیا۔ ہارون نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے کرسی پر بیٹھایا اور اس کے ہاتھ کرسی کے ساتھ باندھ دیے پھر خود بھی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مہر رونے لگی اور اللہ سے دعا کرنے لگی کہ سمیر جلدی سے پہنچ جائے۔

اگلے ہی لمحے وہاں ایک اور وجود ظاہر ہوا وہ بھی سفید لباس میں ملبوس تھا وہ ایک بڑی عمر کا شخص تھا۔ اچانک ہی ہال کا دروازہ کھلا اور اسی لمحے سمیر اندر آیا تو سمیر کے آتے ہی وہ شخص وہاں سے غائب ہوگیا۔

نمرہ چونکی اسے امید نہیں تھی کہ سمیر اتنی جلدی پہنچ جائے گا۔

نمرہ کو سمیر نظر انداز کرتے ہوئے مہر کی طرف بڑھا جو آنکھوں میں آنسو لیے اسے امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ مہر تک سمیر پہنچتا ہارون اس کے سامنے آ گیا کہ سمیر نے اسے کوئی موقع دیے بغیر دم کیا ہوا پانی ہارون پر ڈال دیا۔ پانی کے گرتے ہی ہارون کے لبوں سے چیخ نکلی اور اگلے ہی لمحے ہارون کا وجود دھواں بن کر غائب ہوگیا۔ یہ سب اس قدر اچانک ہوا تھا کہ نمرہ کچھ نہیں کر پائی تھی۔

اس اقدام پر وہ غصے میں آگ بگولا بن گئی اور تیزی سے سمیر کو اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ پھر وہ مہر کی طرف بڑھ چلی اور اس کا گلا دبانے لگی۔ دیوار کے ساتھ ٹکراتے ہی سمیر زمین بوس ہوگیا اس کے پورے وجود میں درد کی ٹیسیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر مہر پر پڑی تو وہ تیزی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا، نمرہ مہر کا گلا دبا رہی تھی کہ مہر آناً فاناً آگے بڑھا اور بوتل میں بچا ہوا پانی نمرہ پر چھڑک دیا، پانی کا نمرہ پر گرنا تھا کہ اس کا وجود بھی دھواں بن کر غائب ہوگیا۔

مہر آنکھیں کھولو سمیر نے مہر کو پکارا جو بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے ہاتھوں کو رسی سے آزاد کیا پھر اسے اپنے مضبوط ہاتھوں میں اٹھا کر باہر میدان میں لا کر مہر کو گھاس پر لیٹا کر گاڑی سے پانی کی بوتل لایا اور پانی کے چھینٹے مہر کے چہرے پر مارا تو مہر کو ہوش آ گیا۔

ہوش میں آتے ہی وہ سمیر کے گلے لگ کر رونے لگی پھر اسے نمرہ کا خیال آیا تو نمرہ کا پوچھا۔ تو سمیر نے بتایا کہ ان دونوں کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ یعنی بابا کا دم کیا ہوا پانی نے انہیں واصل جہنم کر دیا ہے۔ اب وہ ہمیں کبھی بھی تنگ نہیں کریں گے۔''

چلو گھر چلیں سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ سمیر نے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو مہر نے سمیر کا ہاتھ تھام لیا اور دونوں گاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔

زرد گلاب

نثار فاطمہ۔ بہلول پور

رات اپنے عروج پر تھی ہر سو اندھیرے کا راج تھا، دونوں میاں بیوی بستر پر خوش گپیوں میں مصروف تھے اور مستقبل کے تانے بانے بن رہے تھے کہ اچانک ایک فلک شگاف چیخ سنائی دی تو.....

شاہکار کہانیاں پڑھنے والوں کے لئے خونچکاں بھونچکاں..... دل شکستہ..... کہانی

انجلینا اور مارک شادی کے بعد ہنی مون کے لئے اپنے آبائی گاؤں آئے ہوئے تھے وہ دونوں ایک ہی گاؤں سے تھے انجلینا اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی والدین کی وفات کے بعد وہ گاؤں سے چلی گئی اور اپنا گھر کسی لڑکے کو رہنے کے لئے دے گئی جو اس وقت رہائش کا خواہش مند تھا مارک اور انجلینا بچپن سے ایک دوسرے سے محبت کرتے آئے تھے اور ایک دوسرے کے ہمسائے بھی تھے گاؤں سے باہر جا کر انہوں نے اپنی پڑھائی مکمل کرنے کے بعد شادی کی اور اب پورے پانچ سال بعد شادی کے ایک ہفتے بعد اپنے گاؤں آئے تھے۔

انجلینا نے اپنے گھر میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا، مارک کے گھر بھی کوئی نہیں تھا اس کا بھائی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ شہر چلا گیا تھا اور ماں باپ کب کے اس دنیا

سے چلے گئے تھے۔

انجلینا جب اپنے گھر پہنچی مارک کے ساتھ تو وہاں پر وہ لڑکا موجود نہیں تھا لیکن گھر بالکل صاف ستھرا تھا گھر کے چھوٹے سے باغیچے میں زرد گلاب لگے ہوئے تھے۔

زرد گلابوں کو دیکھ کر انجلینا کو بہت خوشی ہوئی کیونکہ انجلینا کو زرد رنگ اور زرد گلاب انتہا کی حد تک پسند تھے۔ اکثر وہ کپڑے بھی زرد رنگ کے پہنا کرتی اب بھی وہ زرد رنگ کی فراک میں ملبوس تھی گھر میں بھی زرد رنگ کا پینٹ ہوا تھا۔ بیڈ روم جو انجلینا کا تھا وہ بھی زرد اور وائٹ رنگ سے تیار کیا ہوا تھا۔

گلابوں کو دیکھتے ہوئے انجلینا مارک سے مخاطب ہوئی، مارک دیکھو یہ زرد گلاب بالکل ویسے ہی ہیں جیسے میں نے اور بابا نے لگائے تھے اور بالکل تازہ ہیں جیسے ابھی کھلے ہوں ان کی حفاظت کون کرتا ہوگا اور گھر بھی دیکھو کس قدر صاف ستھرا ہے میرا کمرہ موم ڈیڈ کا کمرہ ویسے ہی سب آراستہ ہے۔ جیسے موم نے گھر کو سجایا ہوا تھا ایک چیز بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوئی واقعی میں یہ سب حیران کن ہے۔''

مارک نے انجلینا سے کہا۔ ''خیر چھوڑو میں بہت تھک گیا ہوں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد بات ہوگی۔''

''ٹھیک ہے مارک میں بھی آرام کر لیتی ہوں بہت تھک گئی ہوں۔''

انجلینا نے کہا اور پھر وہ دونوں اپنے روم کی طرف چلے گئے۔

مارک جب اٹھا تو اس وقت دن کے پانچ بج رہے تھے اس نے دیکھا کہ انجلینا وہاں پر موجود نہیں ہے وہ کمرے سے باہر آیا انجلینا کو آوازیں لگائیں لیکن وہ گھر میں موجود نہیں تھی وہ ڈائننگ روم میں آ گیا وہاں آ کر اس نے دیکھا تو میز پر قسم قسم کے کھانے لگے ہوئے تھے مارک کو ویسے بھی بھوک لگی ہوئی تھی تو وہ یہ کہتے ہوئے کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کہ ''انجلینا میرے لئے کھانا لگا کر خود پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہے۔'' کھانے سے فارغ ہو کر وہ جیسے لان میں آیا تو انجلینا گھر میں داخل ہوتی ہوئی اسے نظر آ گئی۔

''انجلینا تم کہاں چلی گئی تھی۔'' مارک نے انجلینا سے پوچھا۔

''کچھ نہیں مارک تم سوئے ہوئے تھے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو میں اٹھ کر باہر آ گئی پھر گاؤں گھومنے کی غرض سے باہر نکلی تو ایک پھول بیچنے والا ملا تو میں نے اس سے یہ زرد گلاب لے لئے اب میں اسے گلدان میں لگاؤں گی بالکل تازہ ہیں۔''

''اچھا تو میرے لئے کھانا تم بنا کر گئی تھی بہت مزے کا کھانا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو مارک میں نے تو کوئی کھانا نہیں بنایا مجھے تو خود اتنی بھوک لگی ہے میں نے سوچا گھر جا کر تمہیں اٹھاتی ہوں اور پھر کچھ آرڈر کرتے ہیں۔'' انجلینا نے مارک سے کہا۔

''کیا مزاق کر رہی ہو میں نے ابھی ڈائننگ ہال میں کھانا کھایا پورا میز مزے مزے کے کھانوں سے بھرا ہوا تھا اور تم کہہ رہی ہو تم نے نہیں بنایا اچھا میرے ساتھ ڈائننگ ہال میں چلو۔''

مارک انجلینا کو لے کر ڈائننگ ہال میں گیا تو وہاں میز پر کوئی کھانا یا برتن موجود نہیں تھے یہ دیکھ کر مارک سٹپٹا کر رہ گیا۔

''بتاؤ مارک کہاں ہے کھانا ادھر تو کچھ بھی نہیں ہے اور کوئی برتن بھی نہیں ہیں۔''

''انجلینا میں نے کھانا کھایا پیٹ بھر کر، یہاں تھا کہاں گیا؟''

میں سچ کہہ رہا ہوں۔

''مارک مجھے لگتا ہے تمہاری تھکاوٹ ابھی تک نہیں اتری تمہیں وہم ہو گا میری جان تم ریلیکس کرو میں تمہارے لئے کافی بنا کر لاتی ہوں۔''

''لیکن انجلینا یہ میرا وہم نہیں ہے یہ سب سچ ہے۔''

''اچھا مارک میں مان لیتی ہوں ابھی تم آرام

کرو میں کافی لاتی ہوں۔'' مارک نے بھی اس بات کو وہم سمجھ کر چھوڑ دیا اور ٹی وی دیکھنے لگا۔

ٹی وی موسم کے بارے میں پیشگوئی کی جارہی تھی کہ آنے والے چار دنوں میں موسم خراب رہے گا آندھی، طوفان کے ساتھ گرج چمک اور پھر زور دار بارش ہوگی مارک کے ہنوز سننے کے دوران ہی انجلینا کافی لے کر آ گئی کیا بتا رہے ہیں نیوز والے انجلینا نے مارک سے پوچھا۔

موسم کے بارے میں کہ اگلے چار دنوں میں موسم انتہائی خراب ہوگا بارش ہوگی۔

''کیا؟'' انجلینا نے پرجوش ہوکر کہا۔

''ہاں بالکل اور موسم کتنا رومانٹک ہوگا نا اور ہمارا ہنی مون بیسٹ ہوگا ایسا موسم تو ہمیں پسند ہے انجلینا نے مارک کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

''ہاں بالکل جب ہم گاؤں میں ہوتے تھے تو ایسے موسم میں کھیتوں اور پہاڑوں کی سیر کو نکل جاتے تھے کتنا اچھا ہوتا تھا وہ سب'' مارک نے انجلینا کو اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا تبھی آسمان پر کالے بادل چھا گئے جو کبھی ادھر اور کبھی ادھر چل رہے تھے مارک اور انجلینا بھی موسم کو انجوائے کرنے کے لئے باہر لان میں لگے جھولے میں بیٹھ گئے۔ ابھی انہیں بیٹھے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ بارش شروع ہوگئی وہ دونوں واپس ہال میں آ گئے اور بارش انجوائے کرنے لگے انجلینا ہال میں لگی کھڑکی کے پاس بیٹھ کر اپنا ہاتھ باہر کر کے بارش کے قطرے اپنے ہاتھوں پر گرتے دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔ لیکن مارک یک ٹک باہر زرد گلابوں کو دیکھے جا رہا تھا جہاں پر اسے ایک مرد اور عورت کا سایہ نظر آ رہا تھا بارش کی وجہ سے وہ انہیں پہچان نہیں پا رہا تھا لیکن وہ زرد گلابوں پر جھکے ہوئے تھے۔

مارک نے انجلینا کو اس کے خیالوں کی دنیا سے واپس بلاتے ہوئے کہا۔

''انجلینا وہ..... وہ باہر لان میں دیکھو وہ مرد اور عورت کون ہیں جبکہ باہر والا دروازہ اندر سے بند ہے یہ دونوں اندر کیسے آئے۔''

''کون مارک کہاں ہیں کون مرد اور عورت انجلینا اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی تو مارک اس کا بازو پکڑ کر اسے لان میں لے آیا۔ ارے وہ دونوں کہاں گئے ادھر ہی میں نے انہیں دیکھا کھڑکی سے۔

''کیا ہو گیا مارک یہاں کوئی نہیں ہے مجھے کوئی نظر نہیں آیا جبکہ میں بھی باہر دیکھ رہی تھی اور اگر کوئی ہوتا تو اتنی جلدی یہاں سے باہر نہیں جا سکتا تھا تمہارا وہم ہے مائی ڈیئر کیا ہو گیا یہاں ہمارے سوا کوئی اور نہیں ہے میں اور تم اور ہماری محبت اس کے علاوہ یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔''

یہ کہتے ہوئے انجلینا مارک کے گلے لگ گئی۔

''لیکن انجلینا کم آن۔''

''مارک اب ایسی کوئی حرکت نہ کرنا ہم یہاں ہنی مون کی لئے آئے ہیں اور تم کبھی کچھ اور کبھی کچھ بتاتے ہو جیسے ہم ڈاکیومینٹری کرنے آئے ہیں۔'' انجلینا کو اپ سیٹ دیکھ کر مارک نے انجلینا کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور پیار سے کہا۔ ''اب میں ایسا کچھ نہیں کہوں گا سچ میں میرا وہم ہی ہوگا۔'' انجلینا مسکراتے ہوئے مارک کے گلے میں جھول گئی اور پھر وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے۔

رات کو انجلینا نے مارک کا پسندیدہ کھانا بنایا تو دونوں نے مزے سے کھایا اور بارش کے موسم میں ٹی وی پر رومانٹک مووی لگا کر دیکھنے لگے پتہ نہیں کب مووی دیکھتے، دیکھتے دونوں کی آنکھ لگ گئی۔

صبح انجلینا کی آنکھ مارک کی آواز پر کھلی۔ ''اٹھو انجلینا میں صبح کی سیر سے بھی واپس آ گیا اور تم ابھی بھی سو رہی ہو اٹھو یار ایک اچھی سی کافی بنا دو میں باہر لان میں جا رہا ہوں۔'' مارک انجلینا کو اٹھا کر باہر لان میں چلا گیا تھوڑی دیر بعد انجلینا بھی کافی لئے لان میں آئی۔

''مارک میں یہ سوچ رہی تھی کہ ہمیں یہاں آئے دو دن ہو گئے ہم گھر سے باہر نہیں نکلے آج گاؤں گھومنے کے لئے چلتے ہیں۔''

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو آج پھر سے ان کھیتوں

اور پہاڑوں پر چلتے ہیں جہاں ہم شادی سے پہلے ملا کرتے تھے۔'' مارک یہ کہتے ہوئے پیچھے ہوا دو قدم تو اس کا پاؤں زرد گلابوں کی کیاریوں میں آ گیا اور سارا کیچڑ سے بھر گیا۔

''یہ کیا انجلینا تم نے ان کو اتنا پانی دے دیا صبح صبح، دیکھو میرا سارا پاؤں خراب ہو گیا۔'' مارک کہتے ہوئے نل کی طرف بڑھا تو انجلینا نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔'' کیا ہوا مارک یہ مٹی جو تمہارے پاؤں پر لگی ہے دیکھو اس میں خون نظر آ رہا ہے۔''

''خون۔'' مارک نے بھی مٹی کو دیکھا تو اس میں خون تھا جیسے گلابوں کو پانی نہیں خون دیا گیا ہو۔'' یہ خون یہاں کیسے وہی میں سوچ رہا تھا کہ تم ابھی اٹھی ہو پھر ان کو پانی دیا میں بھی تو باہر ہی تھا۔'' مارک کو زیادہ سنجیدہ ہوتے دیکھ کر انجلینا نے بات کو ختم کرنا چاہا۔

'' اچھا چلو چھوڑو مارک ہوگا کوئی کیڑا مکوڑا وغیرہ مر گیا۔''

'' انجلینا میں پہلے بھی تمہیں دو بار بتا چکا ہوں یہاں کچھ تو عجیب ہے یعنی .....'' اور انجلینا نے بات کاٹ دی اور بولی۔

'' مارک چلو باہر چلتے ہیں میں ریڈی ہونے جا رہی ہوں تم بھی تیار ہو جاؤ۔''

انجلینا نے وائٹ پینٹ کے ساتھ زرد رنگ کی شرٹ پہنی جس کے بزونیٹ کے بنے ہوئے تھے۔

وہ زرد رنگ میں بہت پیاری لگ رہی تھی ایسے جیسے پرستان کی شہزادی ہو۔'' چلو مارمیں ریڈی ہوں۔

''ہاں چلو ہم سارا دن گاؤں گھومتے رہیں گے اور گاؤں والوں سے بھی میل ملاقات کرتے رہیں گے.....'' سارا دن ڈھل گیا۔ وہ دونوں رات 8 بجے گھر آئے انجلینا نے پیزا آرڈر کیا جسے کھا کر وہ دونوں سو گئے کیونکہ بہت زیادہ تھک چکے تھے۔

رات کا نجانے کون سا پہر ہوگا جب مارک کی آنکھ انجلینا کی چیخ سے کھلی تو مارک جھٹ سے اٹھ بیٹھا اور دیکھا تو وہاں انجلینا نہیں تھی۔'' انجلینا کہاں ہو تم مارک انجلینا کو پکارتے ہوئے کہا تو وہاں انجلینا بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔

مارک نے اسے اٹھایا اور روم میں لے کر آیا اور ہوش میں لایا انجلینا بہت ڈری ہوئی تھی۔'' کیا ہوا انجلینا تم بے ہوش کیسے ہو گئیں۔''

''مارک مجھے پیاس محسوس ہو رہی تھی تو دیکھا پاس پڑا ہوا پانی کا جگ خالی تھا میں کچن میں گئی تو میری نظر باہر لان کی طرف اٹھی تو دیکھا کہ کوئی زرد گلابوں کو پانی نہیں بلکہ خون دے رہا تھا وہ ایک لڑکا اور ایک بوڑھی عورت اور ایک مرد تھا ان کے چہرے بہت ڈراؤنے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے گلاب کے پھول فوراً ایسے کھل گئے جیسے صبح ہم انہیں دیکھتے ہیں وہ سارے مرجھائے ہوئے تھے لیکن خون دیتے ہی وہ تازہ ہو گئے میں سوچ رہی تھی کہ میں نے ان کو تین دن سے بالکل بھی پانی نہیں دیا پھر بھی یہ تازہ ہیں اور کیاری بھی ایسے گیلی تھی کہ ابھی ابھی پانی دیا گیا ہو۔''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ میں نے ایک بوڑھی عورت اور مرد کو دیکھا ہے اور وہ کھانا اور سب کچھ جو ہوا لیکن تم میرا وہم بتاتی رہی مجھے معاف کر دو۔''

''مارک میں نے تمہارا یقین نہیں کیا۔'' اس کے ساتھ ہی انجلینا رونے لگ گئی تو مارک نے اسے تسلی دی اور گلے سے لگا لیا۔ وہ رات دونوں کے لئے بہت بھیانک تھی۔ لائٹیں خود بخود آن آف ہونا شروع ہو جاتیں اور کبھی دروازہ کھلتا کبھی بند ہو جاتا۔ دونوں نے جیسے تیسے رات گزاری۔

صبح ہوتے ہی مارک نے انجلینا سے کہا کہ۔'' اب ہم یہاں نہیں رہ سکتے چلو یہاں سے۔''

''نہیں مارک ہم یہاں سے نہیں جائیں گے یہ میرا گھر ہے میں کسی اور کا قبضہ نہیں ہونے دوں گی میں پتہ چلاؤں گی کہ وہ کون ہیں اور کون میرے گلابوں کو خون دے رہے ہیں اور کیوں؟''

''تم ضد کر رہی ہو سب خطرناک ہے۔'' مارک بولا۔ لیکن انجلینا نہیں مانی اور پھر مجبوراً مارک کو انجلینا کے

ساتھ رکنا پڑا۔

دو دن تک کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ دوسرے دن انجلینا پڑوس میں گئی ہوئی تھی دن کے بارہ بجے ہوں گے کہ انجلینا کے موم ڈیڈ کے روم سے باتوں کی آواز آنے لگی مارک نے سمجھا کوئی چور نہ گھس آیا ہو اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو جو کچھ اس کے سامنے تھا اسے وہ دیکھ کر پاگل سا ہو گیا۔

انجلینا کے ڈیڈ صوفے پر بیٹھے تھے اور اس کی موم سامنے کھڑی تھی اور پھر چلتی ہوئی الماری کی طرف گئی اور بول رہی تھی کہ ہماری بیٹی واپس آ گئی ہے وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ کتنا انتظار ہم نے اس کا کیا ہے اس کے زرد گلابوں کو ہم نے زندہ رکھا ہے وہ ہمیں غلط سمجھ رہی ہے ہمیں اسے بھی اپنے پاس لانا ہے اپنی بیٹی کو میں اسے گلے لگانے کے لئے تڑپ رہی ہوں اور یہ ہمیں آج رات کو ہی کرنا ہے۔''

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو پھر اپنے گلابوں کی حفاظت ہم مل کر کریں گے۔''

مارک یہ سب دیکھنے میں مگن تھا کہ انجلینا نے مارک کو پیچھے سے آ کر پکڑ لیا تو مارک ایک دم چونکا۔

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو'' تو مارک نے انجلینا کا ہاتھ پکڑا اور گھر سے باہر لے آیا۔

گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا پارک بھی تھا جہاں بچے اور بوڑھے لوگ اپنا وقت گزارنے آتے تھے اسے لے کر وہاں آ گیا۔

''کیا ہوا مارک تم اتنے پریشان کیوں ہو؟'' انجلینا نے مجھ سے پوچھا۔

''بتاتا ہوں سب۔'' مارک نے انجلینا کو سب کچھ بتا دیا لیکن وہ تو مر چکے ہیں پھر گھر میں کیسے'' انجلینا روتے ہوئے بولی۔

انجلینا یہ ان کی روحیں ہیں ہمیں ان کو اس دنیا سے بھیجنا ہوگا۔ ورنہ ایسے ہی معصوم لوگوں کو مار کر ان کے خون سے ان زرد گلابوں کو تمہارے لئے پالتے رہیں گے۔''

''لیکن کس طرح موم ڈیڈ کو اس دنیا سے بھیجیں گے ہمیں کچھ پتہ نہیں۔''

''اس بارے میں پتہ میں بتاؤں گا۔'' مارک بولا۔

پھر دونوں نے کسی کی آواز سنی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک خوبصورت خوبرو نوجوان کھڑا تھا۔

''تم انجلینا اس لڑکے کی طرف دیکھ کر بولی۔

''تم جانتی ہو اسے۔'' مارک نے انجلینا سے پوچھا۔

شاندار مستقبل

ایک گدھے کا مالک اپنے گدھے پر بہت ظلم کرتا تھا۔ گدھا بے چارہ مار پیٹ سے فرصت پا کر محلے کے دوسرے گدھوں کے پاس جا کر روتا اور مالک کی شکایت کرتا تھا۔

اس کے دوست گدھے کہتے۔ ''جب تمہارا مالک اتنا ظالم ہے تو تم وہاں سے بھاگ کیوں نہیں جاتے؟''

''کیسے بھاگوں؟'' گدھے نے کہا۔ ''اس گھر میں میرا مستقبل بہت شاندار ہے۔''

گدھے کے دوست بار بار ''مستقبل بہت شاندار ہے'' سن سن کر تنگ آ چکے تھے۔ انہوں نے بگڑ کر کہا۔

''آخر ہم بھی سنیں۔ ایسا کون سا شاندار مستقبل ہے جس نے تمہارے پیروں میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں۔''

گدھا زیر لب مسکرایا اور کہنے لگا۔ ''میرے مالک کی ایک بیٹی ہے جس کا کوئی رشتہ نہیں آتا۔ مالک جب بھی اسے دیکھتا ہے، غصے میں اس کی ماں کو کہتا ہے۔ ''اگر شریفن کا رشتہ جلدی نہ آیا تو میں اسے کسی گدھے کے ساتھ بیاہ دوں گا'' اور مجھے امید ہے کہ وہ دن جلد ہی آئے گا۔

(ارمان ملک۔ ٹنڈو آدم)

''ہاں یہ وہی لڑکا مائیکل ہے جسے میں نے شہر جانے سے پہلے اپنا گھر دیا تھا کہاں چلے گئے تم میرا گھر چھوڑ کر کیا تمہیں بھی اس گھر میں انجانا سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔''

''جی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ یہ گھر آسیبی ہے آپ لوگ تو خوش قسمت ہیں جو ابھی تک زندہ ہیں مجھے تو موقع ہی نہیں ملا اپنی جان بچانے کا۔''

''کیا مطلب؟'' مارک نے اس لڑکے سے پوچھا۔

''میں جو آپ لوگوں کے سامنے کھڑا ہوں زندہ نہیں ہوں بلکہ مر چکا ہوں، انجلینا جب یہ گھر دے کر گئیں تو میں بہت خوش ہوا رہائش گاہ مل جانے پر جو میرے پاس تھوڑا بہت سامان تھا لے کر چلا آیا اور سکون سے سویا۔

اس رات تقریباً 12 بجے مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میں اپنے بستر پر نہیں بلکہ زمین پر لیٹا ہوں پھر میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے اوپر تمہاری موم اور ڈیڈ کو جھکے ہوئے دیکھا اس سے پہلے کہ میں چیخ سکتا انہوں نے میرے گلے پر چاقو چلا کر مجھے ہمیشہ کے لئے سلا دیا اور پھر میرے خون سے ان زرد گلابوں کو زندہ رکھا اس کے بعد تو یہ تماشا بن گیا وہ ہر روز ایک انسان کو لاتے اور پھر اس سے زرد گلابوں کو تازہ کرتے۔''

''لیکن میرے موم ڈیڈ یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔''

''کیونکہ ان کا قتل ہوا تھا اور اس کے بعد ان کو ان زرد گلابوں کے نیچے دفنا دیا گیا تھا اور پھر خود کو تر و تازہ رکھنے کے لئے اپنے جسم کو خون دیتے ہیں اور بہت جلد اپنا جسم بھی حاصل کر لیں گے اور پھر سب تباہ کر دیں گے اس سب کو روکنے کے لئے گلاب کے پودوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا ہوگا اور پھر اپنے موم ڈیڈ کی لاش کو آگ لگانی ہوگی کیونکہ وہ شیطان بن چکے ہیں۔''

''لیکن میرے موم ڈیڈ کو قتل کس نے کیا۔''

''انکل نے جب آپ اپنی آنٹی کے گھر گئی ہوئی تھیں تو آپ کے انکل نشے کی حالت میں گھر آئے اور آپ کے ڈیڈ سے پیسے مانگنے لگے تو آپ کے ڈیڈ نے آپ کے انکل جیم کو مزید نشہ کرنے کے لئے پیسے دینے سے انکار کر دیا۔ آپ کے انکل نے اپنے پاس رکھے چاقو سے تمہارے ڈیڈ اور موم کو قتل کر دیا اور زرد گلابوں میں دفن کر دیا۔

مارتھا گلابوں کی کیاری صاف کر رہی تھیں اور پھر جب آپ آئیں تو آپ کے انکل نے آپ کو کہانی سنا دی اس کے بعد آپ یہ مکان دے کر چلی گئیں۔

مسٹر جیم تو اپنی سزا بھگت چکے ہیں ان کا بھی وہی حال ہوا جو میرا اب آپ دونوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ آپ ان کو ختم کر دیں۔

ٹھیک ہے میں ابھی گھر جا کر پہلے یہی کروں گی۔''

''ٹھیک ہے میں بھی آپ کو وہیں ملتا ہوں۔''

مارک اور انجلینا جلدی سے گھر پہنچے تو جیم پہلے ہی کھڑا تھا۔ ''جلدی کریں یہ گلاب کے پودے اکھاڑ دیں۔''

پھر جیسے ہی انجلینا گلابوں کی طرف بڑھی اسے اس کی موم کی آواز آئی، ''بری بات بیٹا میں نے آپ کو اور تمہارے ڈیڈ نے تم کو پودوں سے پیار کرنا سکھایا ہے اور آپ ان کو اکھاڑ رہی ہو جو آپ کو جان سے پیارے ہیں زرد گلاب۔''

''موم ڈیڈ بس کر دیں بہت ہو گیا کتنے معصوموں کی جانیں لیں آپ نے چلے جائیں یہاں سے یہ آپ کی دنیا نہیں ہے۔'' انجلینا نے چلاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی گلاب کے پودے جڑ سے اکھاڑ دیئے۔

مارتھا اور ڈیوڈ کو پودے اکھاڑتے ہی آگ لگ گئی اور وہ اس آگ میں بھسم ہونے کے بعد راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔

مائیکل بھی ان کا شکریہ ادا کر کے چلا گیا اس کے بعد مارک اور انجلینا واپس شہر آ گئے اور پھر کبھی واپس گاؤں نہیں گئے انجلینا نے زرد رنگ پہننا چھوڑ دیا اور زرد رنگ کے گلابوں سے نفرت کرنے لگی۔

خوفناک سفر

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

جب انھوں نے اندھیرے میں سفر کا آغاز کیا تو آسمان پر تاروں کی دھند کو روشنی میں سڑک کے دونوں طرف پھیلے ہوئے ٹیلے اور گھنا جنگل دیو کی طرح نظر آرہا تھا لیکن جب.....

وہ دونوں ہر لمحہ کسی خوفناک حادثے کے منتظر تھے لیکن جب حقیقت سامنے آئی تو.....

''کیا یہاں سے بیچ بچ تیس چالیس میل کا فاصلہ ہے؟'' کاشان نے پریشانی اور حیرت کے عالم میں اسٹیشن ماسٹر سے پوچھا۔ وہ ابھی ابھی ریل گاڑی سے اترا تھا اور اسٹیشن پر اترنے والا واحد مسافر تھا۔

''جی جناب تقریباً اسی قدر فاصلہ ہے۔ آپ بیٹھ تو جایئے۔'' اسٹیشن ماسٹر نے اپنی میز پر کھلے ہوئے رجسٹر کو بند کردیا جس میں اس نے ریل کے آنے اور جانے کے اوقات تحریر کیے تھے۔ ''غالباً اس مضافاتی علاقے میں آپ پہلی دفعہ آئے ہیں؟''

''بات کچھ ایسی ہی ہے بعض تجارتی معاملات ہیں۔ میرا خیال تھا کہ یہاں سے کوئی نہ کوئی سواری ضرور مل جائے گی، ورنہ میں کوئی انتظام کرکے آتا یا بالکل نہ آتا۔'' کاشان پر عجیب سی جھنجھلاہٹ طاری ہوگئی، عجیب و غریب علاقہ تھا۔ سنسان اسٹیشن، چند

مکانات جو ریلوے کے ملازمین کے تھے اور آس پاس ساٹھ گھر جو مقامی کسانوں کے تھے۔

''بات یہ ہے۔'' اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔ ''جس گاؤں میں آپ کو جانا ہے وہاں جانے کے لئے یہ لائن آپ نے غلط منتخب کی۔ اگر آپ مغربی لائن کی ٹرین پکڑتے تو وہ چند میل کے فاصلے پر آپ کو چھوڑتی۔''

''مگر اب تو میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ کیا کوئی ایسا شخص نہیں مل جائے گا جو ذرا زیادہ معاوضہ لے کر مجھے کسی طور وہاں پہنچا دے؟''

''اس کا امکان کم ہے۔'' اسٹیشن ماسٹر نے قلم سے اپنا کان کریدا، اور پھر باہر نگاہ ڈالی جہاں دن ڈھلنے کے آخری مراحل میں داخل ہو چکا تھا اور ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ ''بات یہ ہے جناب کہ راستہ سنسان ہے۔ دونوں طرف گھنا جنگل ہے۔ لوگ توہم پرست نہیں ہیں البتہ راستے میں لوٹ مار کا خوف رہتا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے، شاید دن میں کوئی آپ کو لے جانے کے لئے تیار ہو جائے۔''

کاشان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اسے بہر صورت رات ہی میں اپنے گھر پہنچ جانا چاہئے تھا۔ اگر فاصلہ کم ہوتا تو وہ پیدل ہی چل پڑتا۔ اس کے پاس تھا ہی کیا! بس ایک چھوٹا سا بریف کیس جس میں ادائیگی کے لئے نوٹوں کی شکل میں رقم تھی۔ ادائیگی اسے اسی دن کرنی تھی ورنہ دوسری صورت میں اسے بہت زیادہ مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا۔

''یہ جو آس پاس کسان رہتے ہیں کیا ان میں سے کوئی تیار نہیں ہو سکتا؟'' کاشان نے پوچھا۔

''میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ آپ وہ مکان دیکھ رہے ہیں نا؟'' اسٹیشن ماسٹر نے کھڑکی سے ایک لال کھپریل والا مکان دکھلایا۔

''ہاں ہاں۔'' کاشان کو قدرے امید افزا صورت نظر آئی۔ ''وہ مکان دیکھیں جس کی کھڑکی سے ہلکی ہلکی روشنی جھلک رہی ہے۔'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''وہاں چلے جائیے۔ وہاں ایک کسان کی رہائش ہے۔ بھلا سا نام ہے اُس کا۔'' اسٹیشن ماسٹر نے اس کا نام یاد کرنے کی کوشش میں دو تین بار اپنے ماتھے پر مارے۔ ''ہاں یاد آ گیا، اس کا نام ہے فرحان، وہ شاید آپ کی مدد کر دے۔ میرا نام لے دیجئے گا۔''

کاشان بجلی کی طرح اٹھا۔ وہ اس موقع سے جلد از جلد فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اسے اپنی بداخلاقی پر افسوس ہوا کہ وہ اسٹیشن ماسٹر کا شکریہ ادا کئے بغیر ہی اٹھ گیا تھا۔ وہ رکا اور پلٹ کر اسٹیشن ماسٹر کا شکریہ ادا کرنا چاہا لیکن عین اسی وقت اس کی چھٹی حس نے اسے شک میں ڈال دیا۔ اسٹیشن ماسٹر کی نگاہ اُس کے بریف کیس پر جمی ہوئی تھی۔ اس نے بریف کیس کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ، آپ نے مجھے بڑی مشکل سے بچا لیا۔''

''کوئی بات نہیں۔ ذرا راستہ سنسان اور ویران ہے۔''

''آپ اس کی پروا نہ کریں۔'' کاشان نے کہا۔ ''میرے اس بریف کیس میں بھرے ہوئے پستول موجود ہیں، اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔''

کاشان دل ہی دل میں اپنی بروقت چالاکی پر محظوظ ہوا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ ایسے سنسان مقامات پر لوٹ مار کے واقعات ملی بھگت سے ہوتے ہیں، اس نے اپنی ذہانت سے اسٹیشن ماسٹر کو تو خوف زدہ کر ہی دیا تھا۔

کاشان اسٹیشن سے نکل کر پختہ سڑک سے ہو کر اسٹیشن ماسٹر کے بتائے ہوئے مکان کی طرف چل پڑا۔ وہ وہاں اجنبی تھا اس لئے چکراتا اور بھٹکتا ہوا وہاں پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اسٹیشن ماسٹر اسی مکان سے باہر نکل رہا ہے جس کا راستہ وہ اتنی دیر سے ڈھونڈ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد جب وہ دونوں آمنے سامنے ہوئے تو اسٹیشن ماسٹر ٹھٹک کر رہ گیا۔ ''ارے آپ ادھر سے گھوم کر آئے۔'' اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔ ''معاف کیجئے گا مجھے کچھ

خیال نہیں رہا تھا۔ ورنہ قریب کا راستہ وہ ہے جدھر سے میں آیا ہوں۔''

''ہاں میرے لئے تو اجنبی راستہ تھا۔'' کاشان نے غور سے اسٹیشن ماسٹر کو دیکھا اور اس کے دل میں شک کا معمولی سا پودا مزید بڑا ہوگیا۔

''نہیں، آپ کا شکریہ۔'' کاشان نے کہا اور اسٹیشن ماسٹر خدا حافظ کہہ کر اگلے موڑ پر غائب ہوگیا۔ مگر کاشان کے ذہن نے پوری کہانی بن لی تھی۔ ایک خیال اسے آیا کہ جان بوجھ کر خطرے میں پڑنا غیر مناسب ہے۔ مگر دوسرے لمحے اس نے خود کو ہمت اور شرم دلائی۔ ''اگر شہر والے دیہاتیوں کو بیوقوف نہ بنا سکے تو بات ہی کیا ہوئی۔ دیکھوں گا کہ اس چالاک اسٹیشن ماسٹر اور گنوار کسان نے کون سی سازش کی ہے۔'' اس خیال کے ساتھ ہی اس کی گرفت اپنے بریف کیس پر اور مضبوط ہوگئی۔ اس نے بڑھ کر مکان کے دروازے پر دستک دی۔

کسان فرحان دوسری دستک پر باہر نکل آیا۔ وہ موٹا تازہ مضبوط اور ہٹا کٹا تھا۔ قد میں کاشان سے دو انچ نکلتا ہوا اور جسامت میں دگنا تھا۔ اس کے جوتے پھٹے ہوئے تھے اور وہ ایک خاکی رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ وہ معمولی سے معاوضے پر راضی ہوگیا اور چند منٹ کے بعد گاڑی تیار کر کے لے آیا۔

''یہ کیسی گاڑی تم نے رکھ چھوڑی ہے جس کے بارے میں اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کا اگلا حصہ کون سا ہے اور پچھلا حصہ کون سا!'' کاشان نے قدرے جھنجلا کر کہا۔

''اندازہ نہیں ہوتا؟'' فرحان نے حیرت سے دہرایا۔ ''جدھر گھوڑا بندھا ہوا ہے وہ اگلا حصہ ہے اور جہاں آپ بیٹھے ہیں وہ پچھلا حصہ ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مگر اس نے اپنی نشست اتنی ترچھی ضرور رکھی کہ اس کی نگاہ بیک وقت کاشان اور سڑک دونوں پر رہ سکے۔

گھوڑا کمزور اور لاغر تھا۔ جب کوچوان نے اس کو ہلکی سی چابک لگائی تو تھوڑے نے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کے بجائے ایک جھرجھری لی اور خاموشی سے اپنی جگہ کھڑا رہا۔ دوسری چابک پر گھوڑا کسمسایا اور گاڑی ہلنے سے مختلف قسم کی چوں چوں اور کھڑ کھڑاہٹ کی آوازیں پیدا ہوئیں۔ جیسے گاڑی کے کل پرزے اس بے وقت سفر پر بڑبڑا رہے ہوں۔ تیسرے چابک پر گاڑی ذرا آگے بڑھی اور چوتھے چابک پر آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔

''اگر یہی رفتار رہی تو وہاں پہنچتے پہنچتے ہمیں صبح ہوجائے گی۔ مجھے تو جلد از جلد وہاں پہنچنا ہے۔'' کاشان بے حد کوفت میں مبتلا ہوگیا تھا۔

''نہیں جناب۔'' کوچوان نے ایک چابک سڑاک سے گھوڑے پر لگایا۔ ''گھوڑا ذرا کمزور ہے اور سفر بے وقت ہے۔ اس کو ذرا رفتار پکڑنے دیجئے پھر ہوا ہوجائے گا۔ اور آپ یوں اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔'' لفظ یوں، پر کوچوان نے چٹکی بجائی۔ اس کا انداز تضحیک آمیز قسم کا تھا اور منزل، پر اس نے عجیب طرح ہونٹ دبائے تھے۔ کاشان نے کوچوان کی طرز نشست اور طرز گفتگو دونوں کا نوٹس لیا اور ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ کوچوان اگلی سیٹ پر ذرا ترچھا بیٹھا ہوا تھا اور کن انکھیوں سے کبھی کبھی کاشان کو دیکھ لیتا تھا۔

انہوں نے اندھیرے میں سفر کا آغاز کیا تھا۔ آسمان پر تاروں کی دھندلی روشنی میں سڑک کے دونوں طرف پھیلے ہوئے ٹیلے اور گھنا جنگل دیوار کی طرح نظر آرہا تھا۔ سامنے بھی دور تک کوئی چیز نظر آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اندھیرے میں کاشان کی نگاہیں چند گز تک ہی دیکھ سکتی تھیں، البتہ گھوڑا اپنے جانے پہچانے راستے پر جارہا تھا۔

''بہت ویران علاقہ ہے۔'' کاشان نے اپنے کوٹ کے کالروں سے اپنے کان چھپالئے۔ ''دور دور تک کوئی آبادی نہیں ہے۔ کیا؟''

''جناب یہ سارا علاقہ بالکل ویران ہے۔ اس سڑک پر بھی کبھی کبھی کوئی سرکاری اہلکار یا ہم لوگ سفر کرتے ہیں۔ سڑک بھی سنسان رہتی ہے۔ اب تو رات کا وقت ہے۔ دن میں بھی یہی عالم رہتا ہے۔''

''واقعی بے حد ہولناک ویرانی ہے۔'' کاشان نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''دور دور تک آدم نہ آدم زاد، ایسے میں اگر کوئی ڈاکو، رہزن یا چور لوٹنا چاہے تو بیچارہ شکار

لٹ جانے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے۔'' یہ سوچ کر اس نے کوچوان پر نگاہ ڈالی جو چہرے مہرے کی درشتی اور بدن کی بناوٹ سے کسان سے زیادہ رہزن معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے اسٹیشن ماسٹر کا چہرہ بھی یاد آ گیا۔ عجیب سا چہرہ تھا، ریلوے کے ملازمین سے زیادہ کسی جرائم پیشہ گروہ کے رکن جیسی مونچھیں اور چوڑی سی ٹھوری۔

''دوست تم کیا سوچ رہے ہو؟'' کاشان نے کوچوان کو مخاطب کیا۔ ''ذرا یہ تو بتاؤ، یہ علاقہ خطرناک تو نہیں ہے۔ کبھی کوئی لوٹ مار ڈاکا وغیرہ تو ادھر نہیں پڑا؟''

''ٹھیک ہے، میں نے یونہی پوچھ لیا۔ ویسے میرے پاس تین بھرے ہوئے پستول موجود ہیں، بالکل تیار۔'' کاشان نے رک کر اپنی غلط بیانی اور جھوٹ کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مزید کہا۔ ''ایک پستول دس ڈاکو پر بھاری ہوتا ہے اور میرا نشانہ اتنا اچھا ہے کہ آواز پر نشانہ لگا سکتا ہوں۔''

یکا یک گاڑیوں کے پہیوں میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی اور وہ ایک طرف کو مڑ گئی۔ سڑک سیدھی بھی جا رہی تھی مگر گاڑی جس طرف مڑی وہ بھی سڑک ہی تھی۔ ''آخر یہ بدمعاش مجھے ادھر کہاں لے جا رہا ہے۔'' کاشان نے دل میں سوچا۔ ''یکا یک گاڑی کو بائیں جانب موڑنے سے اس کا کیا مقصد ہے! کسی جھاڑی واڑی میں لے جا رہا ہے کیا!''

پھر کاشان نے ذرا خود پر قابو پا کر کہا۔ ''تم تو کہتے ہو کہ اس علاقے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مجھے تو ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ اگرچہ میں دبلا پتلا ہوں مگر طاقت میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ ایک بار میں نے تین ڈاکوؤں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔''

کوچوان نے گھوم کر کاشان کو غور سے دیکھا، کاشان اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا۔ ''مجھے خود نہیں معلوم کہ مجھ میں مقابلے کے وقت طاقت کہاں سے آ جاتی ہے۔ تمہارے جیسے ہاتھ پاؤں والے کو تو میں ایک ہی ٹکر میں گرا دیتا ہوں۔''

کوچوان نے ایک بار پھر مڑ کر کاشان کا جائزہ لیا اور زور سے ایک چابک گھوڑے کو لگائی جیسے اس نے کاشان کی تمام لاف زنی کو جھٹک دیا ہو۔

''ہاں میرے دوست تو میں کہہ رہا تھا۔'' کاشان نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''کہ آج تک کوئی بھی رہزن جو میرے مقابلے میں آیا ہے، ہڈی پسلی تڑوائے بغیر نہیں گیا۔ پھر عدالت میں بھی میرے وکیل ایسا مضبوط مقدمہ بناتے ہیں کہ رہزن کو موت کی سزا ملتی ہے۔ خود میں سرکاری افسر ہوں، اس لئے حکومت میری حفاظت کے خصوصی انتظامات رکھتی ہے اور دورانِ سفر خاص طور سے میری حفاظت کا اہتمام ہوتا ہے تاکہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔'' اس کے بعد کاشان نے دور جھاڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں کیا خبر کہ محکمہ پولیس کے کتنے افسران جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہیں جو میری حفاظت پر مامور ہیں۔ ارے..... ٹھہرو!''

''آپ دیکھ نہیں رہے۔ راستہ ہی یہ ہے۔'' کوچوان نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا، اچھا ٹھیک ہے۔'' پھر کاشان نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ ناحق ہی خوف زدہ ہو گیا تھا۔ ''میرے اس طرح چلانے سے اس پر یہ بات ظاہر ہو گئی ہو گی کہ میں خوف زدہ ہوں۔ جب ہی تو یہ مجھے سارے راستے مڑ مڑ کر دیکھتا رہا ہے تاکہ میرے دل کے خوف کو میرے چہرے سے پڑھ سکے اور کسی خاص موقع پر کام دکھائے۔ اس کا گھوڑا جو پہلے دو قدم نہیں چل رہا تھا، اب کیسے دوڑ رہا ہے۔''

''ارے بھائی تم اپنے گھوڑے کی رفتار تو کم کرو اسے اتنا تیز کیوں دوڑا رہے ہو۔'' اس نے بہ آواز بلند کوچوان سے کہا۔

''جناب میں نہیں دوڑا رہا۔ یہ خود دوڑ رہا ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ جب یہ چل پڑے گا تو ہوا سے باتیں کرنے لگے گا۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' کاشان زور سے بولا۔ ''اس کی لگام کھینچو اور رفتار کم کر دو۔''

''کیوں جناب آپ کو تو جلدی پہنچنا تھا اور اب آپ.....'' کوچوان کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر کاشان نے اس

کی بات کاٹ دی۔'' میرے چار دوست اسٹیشن سے میرے پیچھے پیچھے اپنی سواری میں آرہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ شامل ہوجائیں۔ اس طرح سفر آسانی سے کٹے گا۔ وہ چاروں بہت مضبوط ڈیل ڈول کے ہیں اور ان کے پاس بھی ایک ایک پستول ہے..... اور ہاں یہ تم بار بار مڑ مڑ کر مجھے کیوں دیکھتے ہو۔ اس بریف کیس میں پستول ہیں اور پستول میری جیب میں بھی ہے۔ دکھاؤں؟'' یہ کہہ کر کاشان نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی جیب میں چابیوں کے ایک گچھے کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا وہ محض کوچوان کو مزید رعب میں لانا چاہتا تھا۔

مگر عین اسی لمحہ ایک عجیب وغریب واقعہ ظہور پذیر ہوا جس کی توقع کاشان کو ذرا بھی نہ تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا ہوجائے گا۔

کوچوان اچانک چلتی گاڑی سے کود گیا۔ اس کے کودنے سے گاڑی کا توازن بگڑا مگر گھوڑے نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔ کاشان حیرت زدہ رہ گیا۔ کوچوان ''مدد۔ مدد'' چیختا ہوا قریبی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ کاشان کی سمجھ میں صورت حال نہیں آئی۔ تھوڑی دیر تک تو کوچوان کے قدموں کی آواز آئی۔ پھر سناٹا چھا گیا۔ کاشان نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ کر گاڑی روک لی۔

''تو وہ مجھ سے خوف زدہ ہوگیا۔ بیوقوف کہیں کا۔'' کاشان نے دل میں سوچا۔ ''مجھے تو راستہ بھی نہیں معلوم اور جنگل میں تو میں رات بھر راستہ ڈھونڈتا ہی رہوں گا۔'' یہ سوچ کر اس نے آواز دی۔ ''فرحان میرے دوست!'' مگر اس کی آواز ہی پلٹ کر آ گئی۔

''تو کیا میں اس اندھیرے جنگل میں جنگلی جانوروں کے درمیان جاگ کر رات گزاروں گا۔'' یہ سوچ کر اس کا دل لرز گیا اور پھر اس نے آواز دی۔ ''فرحان! تم کہاں ہو؟ واپس آجاؤ یار!''

اس بار بھی اس کی آوازیں لوٹ آئیں۔ فرحان کا کہیں اتا پتا نہیں تھا البتہ اس کے آواز دینے پر جنگل کا شور چند لمحے کے لئے رکا اور اس کے بعد جنگل ایک بار پھر مخصوص آوازوں سے آباد ہوگیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جھاڑیوں میں آہٹ ہوئی۔ ''فرحان کیا یہ تم ہو؟'' کاشان نے ڈرتے ڈرتے زور سے کہا۔

کوچوان کی آواز آئی۔ ''تم میری گاڑی لے جاؤ مگر مجھے مت مارو، مجھے پستول سے مت مارو۔'' جھاڑیوں سے فرحان کی لرزتی ہوئی آواز آئی۔

''نہیں فرحان!'' فرحان کی آواز سن کر کاشان کی جان میں جان آئی۔ ''میں تو صرف مذاق کررہا تھا۔ میری بات پر یقین کرو میں ایک شریف آدمی ہوں، کوئی ڈاکو یا رہزن نہیں ہوں۔ میرے پاس پستول کہاں ہیں۔ میں تو تم سے خوف زدہ تھا۔ اس لئے خواہ مخواہ تم پر رعب ڈال رہا تھا۔''

''مجھے یقین نہیں آتا۔ تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو۔'' فرحان کی آواز کسی جھاڑی کے پیچھے سے آئی۔ وہ خوف کی وجہ سے سامنے نہیں آرہا تھا۔

''بالکل یقین کرو۔ میرے پاس پستول نام کی کوئی چیز نہیں، مجھے تو پستول چلانا بھی نہیں آتا۔ آجاؤ ہم چلیں۔ میں تو سردی سے ٹھٹھرا جارہا ہوں۔'' کاشان کے لہجے میں اس قدر نرمی اور خلوص تھا کہ کوچوان کے دل سے خوف کم ہوا اور وہ نکل کے گاڑی کے قریب آ گیا۔

''احمق کہیں کے۔ میں مذاق کررہا تھا۔ تم سچ مچ ڈر گئے۔'' کاشان نے کہا۔

''جناب مجھے تو آپ نے سارے راستے خوف زدہ کئے رکھا۔ میں تو اسی ڈر میں رہا کہ بھرا ہوا پستول معلوم نہیں کب چل جائے۔''

کاشان ہنسا۔ کوچوان نے گھوڑے کو ایک چابک لگائی۔ حسب سابق تین چابکوں کے بعد چوتھی چابک پر گھوڑا چلا اور آہستہ آہستہ اس نے دوبارہ رفتار پکڑلی۔

اب گاڑی کے دونوں مسافر ایک دوسرے سے خوف زدہ نہیں تھے اور سنسان سڑک پر گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز مسلسل آرہی تھی۔

جہنمی دروازہ

راشد نذیر طاہر

قسط نمبر:6

قدم قدم پر حیرت و خوف کے لمحات میں لپٹی ہوئی پراسرار داستان اس دروازے کی کہانی جو کہ عرصہ دراز سے بند تھا کیونکہ اگر وہ کھل جاتا تو..... دروازہ کیوں نہیں کھلتا تھا جس کا راز کہانی میں پنہاں ہے

رات کے اندھیرے میں جنم لینے والی داستان جو کہ پڑھنے والوں پر لرزہ طاری کردے گی

اسی وقت کرن کمرے میں داخل ہوئی وہ چائے بنا کر لائی تھی۔

اُسے جب صورت حال کے بارے میں معلوم ہوا، تو اس نے رونا دھونا شروع کر دیا۔

کمال پاشا کا رنگ فق ہو گیا تھا، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس نئی مصیبت کے لئے قطعی تیار نہ ہو۔

نادر کافی غور سے اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا..... اسی وقت کرن بولی۔

''میرے شوہر تو مہینہ بھر سے بیمار پڑے ہیں..... انہوں نے تو اتنے دنوں سے گلی میں بھی قدم نہیں رکھا۔ تو دعوت میں کیسے شریک ہوں گے.....!''

''میں یہ سب کچھ نہیں جانتا..... انسپکٹر تنویر کا لہجہ خشک تھا۔ اپنی صفائیاں اب عدالت میں پیش کرنا..... میں تمہیں اسی وقت گرفتار کر رہا ہوں..... چلو میرے ساتھ.....!''

☆.....☆.....☆

نہ جانے کیوں نادر کو اس وقت کافی بے چینی محسوس ہوئی تھی..... اندر ہی اندر کوئی جیسے چیخ کر کہہ رہا تھا کہ کمال پاشا بے چارہ مظلوم ہے۔ بے قصور ہے..... اس نے قتل نہیں کیا۔

لیکن اس وقت نادر خاموش ہی رہا..... انسپکٹر تنویر نے اسی وقت گاڑی بلوائی اور کمال پاشا کو اپنے ماتحتوں کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔

اس کا اور اس کی بیوی کا بیان ہے کہ یہ شخص بیمار ہے..... خیر اس کا فیصلہ تو تھانے میں جا کر ہی ہوگا..... فی الحال تم لوگ اسے آرام سے لے جاؤ..... میں آ کر خود دیکھ لوں گا۔

اور پھر یہی ہوا کرن کا ابھی تک رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ نادر سے دیکھا نہ گیا..... اس نے کہا۔

''آپ مت روئیں..... اگر آپ کے شوہر بے قصور ثابت ہوئے تو جلد ہی ان کی واپسی ہو جائے گی۔

''دخل اندازی کی معذرت، انسپکٹر تنویر بول اٹھا۔ اب تو ایک فی صد بھی اس بات کا امکان نہیں ہے کہ کمال صاحب بچ سکیں۔ ظاہر ہے کہ جو کیا ہے۔ اسے بھگتنا تو پڑے گا۔

نادر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

☆.....☆.....☆

پولیس کی گاڑی میں مختصر سے لوگ تھے ان میں اگلے حصے میں ڈرائیور تھا۔ جبکہ پچھلے حصے میں جہاں کامل پاشا کو بیٹھایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ پولیس کے

2 اہلکار موجود تھے۔

قصبے کا پولیس اسٹیشن آخری سرے پر تھا۔ گاڑی اب ایسی جگہ سے گزر رہی تھی جہاں آبادی نہیں تھی اور دونوں اطراف میں گھنے درختوں کی قطاریں بکھری ہوئی تھیں......

اچانک ہی بوڑھے کمال پاشا نے انگلی اٹھا کر ایک اشارہ کیا۔

اس وقت ایک کانسٹیبل اس کی طرف متوجہ تھا۔ جبکہ دوسرے نے اپنا سر پشت سے لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اسی کانسٹیبل نے کمال پاشا کو گھورا۔

''کیا ہوا......؟''

''بتایا تو ہے......!!''

''تھانہ تھوڑی دور ہی رہ گیا ہے......'' کانسٹیبل نے منہ بنایا۔ ''وہیں کر لینا......صبر کرو......!!''

''صبر تو کافی دیر سے کر رہا ہوں...... پر اب نہیں ہوسکتا...... کسی لمحہ بھی......!!'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔

''اسے تو گھر سے کر کے آتے نا...... !'' کانسٹیبل جھلا گیا۔

''تم لوگوں نے مہلت دی؟'' کمال پاشا نے اسے گھورا۔ ''چپل ہی بڑی مشکل سے پہنی تھی۔''

''اچھا......رکو......!''

اس نے یہ کہہ کر اونگھنے والے کو ہلا دیا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

''کیا ہوا......؟ کیا ہوا......؟''

''یار اسے پیشاب کرنا ہے۔''

''تو مجھے کیوں اٹھایا......!!'' وہ چلا کر بولا۔ ''رات بھر جاگا ہوں میری ڈیوٹی صاحب کے گھر پر لگی تھی۔''

''اچھا تم سو جاؤ......'' پہلے والا بولا۔ میں لے جاتا ہوں۔

''ٹھہرو اب...... میں تو اٹھ ہی گیا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کمال پاشا کی طرف گھوما۔ تمہیں پہلے بھی خوب سوجھی اور اب بھی۔

کمال پاشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اب ا
مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ فوراً ہی گاڑی رکوائی گئی۔

دونوں اس کے ساتھ ہی اترے تھے...... پ
پہلے والا کانسٹیبل بولا۔ ''کرو جلدی سے......!!''

''تمہارے سامنے......؟ کمال پاشا نے
حیرت ظاہر کی۔

''کیوں......کیا ہوا......؟''

''ارے بھئی میں درخت کی آڑ میں جا
ہوں......تم دونوں ادھر ہی رکو۔''

یہ کہہ کر وہ جلدی سے درخت کی طرف جھپٹا......
ایک کانسٹیبل ہنس کر بولا۔

''ابھے یہ تو شوگر کا مریض لگتا ہے......!''

''ہاں پتہ نہیں سالے بڈھے کو قتل کرنے کی ک
پڑی تھی۔''

''اس نے اپنی عمر کا بھی خیال نہیں کیا۔''

''پاگل پن ہے بس......!''

''ہاں......لیکن مہارت تو دیکھو......''

''ارے وہ کہاں گیا......!! دوسرا بڑبڑایا۔ ''ک
لمبا پیشاب کرنے لگا......بہت دیر ہوگئی......!''

''میں دیکھتا ہوں......'' وہ آگے بڑھا۔

واقعی کافی دیر ہوگئی تھی۔ ڈرائیور بھی باہر نکل آ
تھا۔ اس نے دونوں کو اشارہ کیا۔

''ہاں......میں جاتا ہوں......لگتا ہے کہ بوڑ
سو گیا ہے......!'' یہ کہہ کر وہ درخت کی طرف بڑھا او
حیرت زدہ رہ گیا...... وہ جگہ خالی تھی۔ کمال پاشا وہا
نہیں تھا۔

☆......☆......☆

ان کی واپسی حویلی میں ہوئی تھی جہاں سے حتم
رپورٹ دینے کے بعد ماہرین شہر روانہ ہوگئے تھے۔

چائے کا دور ایک بار پھر چلا تھا۔ اس دورا
نادر نے پوچھا۔

''انسپکٹر صاحب......!! کیا حویلی میں رو

ہونے والے واقعات کا علم ہے آپ کو.....؟''

''جی ہاں..... بالکل.....!''

''کیا عالی بابا اس میں پیش پیش تھے.....؟''

''سنا تو یہی ہے..... البتہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی صاحب تھے۔ دراصل ان ہی کی بدولت اس بد روح کو قابو کیا گیا تھا۔''

''بدروح.....؟''

''ہاں.....!'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''یہاں تک سنا گیا ہے کہ اس کا نام خالوش تھا.....!''

''اوہ.....! اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ تہہ خانے کے بارے میں بھی جانتے ہوں گے.....؟'' اس نے پوچھا۔

''خالوش وہیں قید ہے.....!''

''یہ سب کچھ محض بکواس ہے۔'' نواب انور بول اٹھے۔ میں ان جھوٹی اور من گھڑت کہانیوں پر یقین نہیں رکھتا.....''

''اوہ.....! انسپکٹر تنویر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''تو پھر آپ کا کیا خیال ہے؟ جھوٹی کہانیاں پھیلا کر کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے.....؟''

''ابھی کچھ مسائل درپیش ہیں، وہ آہستہ سے بولے۔ ''ذرا ان کا حل نکل آئے تو پھر میں اپنے خیالات کا اظہار کروں گا..... فی الحال تو.....'' وہ بولتے بولتے رک گئے۔ کیونکہ اسی قوت کرم دین اندر داخل ہوا تھا۔

''سرکار.....! دو پولیس والے آئے ہیں.....!''

''انہیں بھیجو.....'' نواب انور بولے۔

''کچھ بھی ہو.....! نادر کی آواز ابھری لیکن میں یہ بات کسی طرح بھی ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ عالی بابا کو قتل کرنے والا بوڑھا کمال پاشا تھا۔''

انسپکٹر تنویر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گاڑی والے دونوں کانسٹیبل کمرے میں داخل ہوئے۔

ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''کیا ہوا.....؟ کیا کہیں بم پھٹ گیا ہے.....؟'' انسپکٹر تنویر نے بے ساختہ پوچھا۔

''اس سے بھی بڑا دھماکہ ہوا ہے سر جی۔''

''اب منہ سے پھوٹو بھی..... کیا ہوا.....؟''

''وہ بوڑھا ہمیں چکمہ دے کر نکل بھاگا.....!'' ایک کانسٹیبل بولا۔

اس خبر نے سب ہی کو حیرت زدہ کر دیا تھا، پھر انسپکٹر تنویر بولا۔

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو.....؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں جناب..... پیشاب کے بہانے سے اس نے گاڑی رکوائی اور درخت کی آڑ لینے کے بعد وہاں سے..... غائب ہو گیا۔''

یہ سن کر نادر بھی چونک اٹھا تھا..... وہ تو کمال پاشا کو بوڑھا اور ناتواں سمجھ کر اسے قاتل سمجھنے کو تیار نہیں تھا..... تو اب یہ فرار اور..... کس ضمرے میں رکھا جائے گا.....؟

''چلو میں دیکھتا ہوں.....! انسپکٹر تنویر نے اچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ پھر وہ اپنے ماتحتوں پر برس پڑا۔

''ارے گدھوں.....! اس عیار کو چھوڑنے کی ضرورت کیا تھی.....؟''

''وہ جی..... وہ..... تو..... ایک کانسٹیبل ہکلا کر رہ گیا۔

''کرنے دیتے سالے کو کپڑے خراب..... چلو..... اب جلدی سے گاڑی کے ٹرانس میٹر پر میری تھانے میں بات کراؤ..... جلدی کرو.....!''

☆.....☆.....☆

تا حال..... بوڑھے کمال پاشا کے بارے میں کوئی اطلاع نہ مل سکی..... اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا..... یہ کوئی انکشتِ بدنداں تھا..... خاص طور پر کرن کی حیرت کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا.....

نقاہت کے مارے بستر سے بمشکل اٹھنے والا، پولیس والوں کی آنکھوں میں بھی دھول جھونک کر نکل بھاگا تھا..... تو کیا..... وہ..... اتنے دنوں سے اپنی شریک حیات کو بھی دھوکا دے رہا تھا.....؟ اف خدا.....

یہ کیا معاملہ تھا.....؟ جس میں سوچ کی حد بھی ختم ہوئی جا رہی تھی.....!

☆.....☆.....☆

نادر اس وقت بوڑھے مالی کو پکڑے ہوئے تھا۔ جو اسے حویلی کی روایتی اور تاریخی داستان کے کئی پہلوؤں سے آگاہ کر رہا تھا۔

باتوں باتوں میں اس نے کمال پاشا کا ذکر چھیڑ دیا۔ بوڑھا مالی تو اپنی ہی دنیا میں مگن رہتا تھا..... اس بے چارے کو بھلا اس حادثے کے متعلق کیا معلوم ہوتا.....

چنانچہ وہ روانی میں بولنے لگا۔

''ارے بیٹا نادر.....! کیا پوچھتے ہو..... کمال پاشا اس وقت اگر جوان نہیں تھا، تو بوڑھا بھی نہیں تھا..... اگر میں یہ کہوں کہ اس خوفناک عفریت کے قید کیے جانے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہے تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔''

''کیا مطلب.....؟'' نادر چونکا۔

یہ بات واقعی بالکل نئی ثابت ہوئی تھی۔

''ہاں بیٹا.....! اس حویلی میں جبکہ تمام حویلی کے مکین ہی اس بلا کے لپیٹے میں آئے ہوئے تھے۔ اس وقت کمال پاشا نے کریم دین اور دلاور سے بھی آگے بڑھ کر اس تہہ خانے کے دروازے پر تالے لگائے تھے..... جبکہ اس وقت وہ بلا اس جہنمی دروازے سے باہر آنے کے لئے پوری طرح اپنا زور صرف کر رہی تھی۔''

''اوہ.....!''

''ہاں بیٹا..... اس نے ہمت باندھی تھی۔ ورنہ اس وقت تو کریم دین اور دلاور نے ابھی ہمت ہار دی تھی.....''

''اچھا.....!''

''لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو.....؟''

''وہ کہانی..... نادر کی آنکھیں سوچ میں گم تھیں! شاید دوبارہ خود کو مکمل کرنے کی تیاری میں مصروف ہے..... میں اسی لئے سب کچھ معلوم کر لینا چاہتا ہوں.....!''

''میں سمجھا نہیں.....!''

''ابھی تو بابا جی میں خود بھی کچھ سمجھ نہیں سکا.....!'' نادر نے ایک طویل سانس لی! ''البتہ میں ضرور مصروف ہوں.....''

''خدایا۔ رحم فرما..... بوڑھے مالی کے منہ سے

نادر کچھ دیر مزید بیٹھ کر وہاں سے اٹھا، تو اس ماتھے پر لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک بار پھر رات کے سناٹے کو نواب انو قدموں نے چیرا اور وہ باغیچے کی طرف چل پڑے۔ ممکن تھا کہ آج بھی سارہ سے ملاقا جاتی..... نہ جانے کیوں سارہ سے ہر ملاقات میں گمان ہوتا تھا، جیسے بہت کچھ ادھورا رہ گیا ہو..... عجیب سی تشنگی تھی، جو ہر دم باقی رہتی تھی۔

سارہ نے اب تک خود کو بہت لئے دئے تھا..... جذبات کی رو میں بہک کر کبھی کبھی ان کا دل تھا کہ اسے اپنی بانہوں میں بھر لیں..... اس کے اور نرم سینے کے زیر و بم کو وہ اپنی سانسوں میں محسو سکیں..... لیکن جب بھی وہ اس سے نزدیک ہو کوشش کرتے تھے۔ وہ ہڑبڑا کر ان سے دور ہ تھی۔ اور وہ اپنا دل مسوس کر رہ جاتے تھے..... نہ کتنے ارمان اور کتنی خواہشیں تختہ دار پر چڑھ جاتی تھیں

وہ انہیں باغیچے میں ایک گھنے درخت کے بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔ حسب معمول اس نے ڈھ لمبا ٹائپ کا لباس پہنا ہوا تھا..... عموماً وہ ان ہی میں سامنے آتی تھی۔ یہ ایسا لباس تھا کہ جس کی جسم کے نشیب و فراز کا اندازہ لگانا مشکل تھا.....

انور نے اندازہ لگایا تھا کہ سارہ فطرتاً ایک شریف النفس لڑکی تھی..... اب تو نواب صاحب نہ جانے کتنی منزلیں طے کر چکے ہوتے.....

سارہ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور اپنی گردن کو خم کر دیا۔

نواب انور اس کے قریب آ گئے۔

''آ گئے آپ.....؟'' اس کی سریلی آواز گویا رات کے ویرانے میں گھنٹیاں سی بجا دیں۔

''ہاں.....!''

''میں تو کب سے آپ کی منتظر تھی.....!''

''واقعی.....؟''

''جی ہاں.....'' اس نے نواب انور کی طرف دیکھا۔ ''کیوں.....؟ کیا میں انتظار نہیں کرسکتی؟''

''میں نہیں جانتا.....'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ابھی تو میں اس بات کی بھی نا واقف ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ ہے۔''

''ایسی باتیں تو مت کریں۔'' وہ تڑپ گئی! ''آپ نے ہی تو مجھے سہارا دیا ہے۔ ورنہ اب میرا اس دنیا میں کون ہے.....!''

''لیکن یہ دوریاں تو کہہ رہی ہیں کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں.....'' نواب انور کا لہجہ شکایت بھرا تھا۔

اس نے ایک طویل سانس بھری اور بولی۔

''یہ دوریاں بہت جلد ختم ہو جائیں گی اور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کی ہو جاؤں گی.....!''

''میں انتظار کروں گا.....!''

''آپ سے زیادہ انتظار کی شدت مجھ میں ہے.....!'' وہ بولی۔ ''وقت اور حالات کہہ رہے ہیں کہ میں جلد ہی آپ کی ہو جاؤں گی.....!''

''عالی بابا جیسے شخص کا قتل اس بات کی گواہی دے رہا ہے.....'' لیکن عقل حیران ہے کہ بوڑھے اور ناتواں کمال پاشا نے انہیں کس بناء پر قتل کیا۔''

''وجہ وہی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟ کون سی وجہ.....؟''

''جو میرے ساتھ ہوا تھا، وہی ان کے ساتھ ہوا.....!''

''تم صاف صاف بتاؤ..... کیا کہنا چاہتی ہو.....'' نواب انور کی بے تابی عروج پر پہنچ گئی۔

سارہ فوری طور پر کچھ نہ بولی۔ پھر کافی دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

''کیا آپ کو علم ہے کہ اس بوڑھے شخص نے چند سال پہلے دوسری شادی کی تھی؟

''اوہ..... تمہیں یہ بھی معلوم ہے۔'' نواب انور نے حیرت سے کہا۔ ''ہاں میں جانتا ہوں..... اور یہ بات بھی مجھے اسی کی زبانی پتا چلی تھی۔''

''یہ بات بالکل درست ہے..... دراصل کمال پاشا کی بھی ایک بیٹی تھی جو ان دونوں کے ہتھے چڑھ کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ چنانچہ کمال پاشا نے عالی بابا کو آخر کار موت کی نیند سلا دیا..... اب میرا راستہ خود بہ خود صاف ہو رہا ہے۔''

''راستہ.....''

''میں تہہ خانے میں داخل ہونا چاہتی ہوں.....'' وہ بولی۔

پھر اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور بولی۔

''اوہ..... پھر کوئی اس طرف آ رہا ہے..... میں جاتی ہوں..... اگر موقع ملا تو کل ملاقات ہوگی.....''

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ ہلایا اور درخت کی اوٹ میں چلی گئی۔ عین اسی وقت کوئی سامنے آ کھڑا ہوا۔ نواب انور نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے نادر کھڑا ہوا غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر تک تو دونوں ہی خاموش رہے پھر نواب انور بولے۔

''تم پھر کمرے سے باہر نکل آئے..... میں نے تو منع کیا تھا۔''

''حالات کی سنگینی کو آپ بھی تو سمجھیں.....'' وہ بولا۔ ''آپ کیوں اس طرح بیٹھے ہیں.....!''

''تم فکر مت کرو..... مجھے کچھ نہیں ہوگا.....''

''ایک بات پوچھوں ابو جان.....''

''ہاں..... پوچھو.....''

نادر نے ٹٹولنے والی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر بولا۔

''آپ ابھی کسی سے باتیں کر رہے تھے؟''

نواب انور چونکے پھر فوراً ہی سنبھل کر بولے۔

''بھلا میں کس سے باتیں کروں گا.....''

''کاش..... میں بتا سکتا..... یہ تو آپ ہی

جانتے ہوں گے۔'' نادر کا لہجہ پرسکون تھا۔

''تمہیں شاید نیند آرہی ہے۔'' نواب انور کا لہجہ چبھتا ہوا سا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم سو جاؤ جا کر۔''

''نیند میرے لئے بھی اتنی ضروری ہے جتنی آپ کے لئے.....'' نادر کا جواب تھا۔ ''میں تو دوسری طرف چہل قدمی کر رہا تھا کہ مجھے ہوا کے دوش پر آوازیں سنائی دیں..... میں نے صاف طور پر محسوس کیا تھا کہ آپ کسی سے باتوں میں مصروف ہیں۔''

دفعتاً نواب انور ہنس پڑے۔ پھر کافی خوش گوار انداز میں اس سے مخاطب ہوئے۔

''تم خود سوچو بیٹا..... میں اس تنہائی میں کس سے باتیں کروں گا؟ یہاں تمہیں کون دکھائی دے رہا ہے؟''

نادر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

''یعنی مجھے خود کو جھٹلانا پڑے گا ابو جان..... ٹھیک ہے..... آپ کی مرضی۔''

نواب انور کو ایک دم ہی غصہ آ گیا۔

''تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے..... کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔''

''میں یہ جرأت نہیں کر سکتا ابو جان.....'' نادر کا لہجہ دھیما تھا۔ ''اس لئے میں خود کو جھٹلا رہا ہوں..... اب چلیں.....؟ رات کافی گزر چکی ہے.....؟''

نواب انور نے ہونٹ بھینچ لئے پھر وہ دونوں باغیچے میں نکل آئے عین اسی وقت ایک لرزہ خیز چیخ گونجی۔ جس نے سناٹے کو چیر کر رکھ دیا۔

یہ کسی کی بے حد دردناک کراہ تھی۔ دونوں بری طرح اچھل پڑے۔

نواب انور نے نادر کی طرف دیکھا۔

''یہ کیسی آواز تھی.....؟''

''سرونٹ کوارٹر سے آتی ہوئی محسوس ہوئی ہے۔ نادر کے لہجے میں تشویش تھی۔ یقیناً کوئی مشکل میں گرفتار ہے..... ہمیں..... ہمیں جلدی وہاں پہنچنا ہوگا.....!''

یہ کہہ کر نادر سامنے والے حصے میں دوڑ لگا دی۔ جہاں دلاور وغیرہ کی رہائش تھی۔

سب سے پہلے اس نے دلاور کے کمرے کا دروازہ بجایا..... اتنی دیر میں نواب انور بھی وہاں آ پہنچے۔

تھوڑی دیر بعد دلاور کی شکل دکھائی دی، وہ گہری نیند سے جاگا تھا۔ جواب اپنے مالکوں کو سامنے دیکھ کر رفو چکر ہو چکی تھی۔

''جی..... سرکار.....!''

''تم..... ٹھیک تو ہو.....؟''

''جی..... جی ہاں.....! اس کے منہ سے نکلا۔

وہ سٹ پٹا گیا تھا۔

''دراصل ہم نے ایک زوردار چیخ کی آواز سنی تھی۔

''اوہ..... لیکن میں تو سو رہا تھا۔''

''ہوں.....'' نادر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''اب دوسری جگہوں پر دیکھنا ہوگا.....! اچھا کرم دین کا کونسا کمرہ ہے؟''

''جی..... وہ تیسرا..... ! اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''پہلے اسے دیکھ لیں..... پھر باقی جگہ دیکھیں گے..... آؤ.....!''

پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ یہاں قطار کی صورت میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ دلاور ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔

''یہ ہے کرم دین کا کمرہ.....!''

''ہوں..... بچاؤ دروازہ.....!'' نواب انور بولے۔

''دلاور نے دستک دی۔ دوسری طرف خاموشی رہی۔ دوسری بار دلاور نے ذرا طاقت کا مظاہرہ کیا دروازہ کھلتا چلا گیا۔

''شاید کرم دین گہری نیند میں ہے۔'' دلاور بڑبڑایا۔

''اندر چل کر دیکھتے ہیں.....!''

''یہ کہہ کر نادر کمرے میں گھس گیا..... یہاں روشنی تھی اور اس روشنی میں سامنے بچھے ہوئے بستر پر جو کچھ دکھائی دیا دیکھ کر خود نادر کے حلق سے بھی چیخ برآمد ہوگئی۔

عقب میں آنے والوں کا بھی کچھ اچھا حال نہیں تھا..... کیونکہ ان کے سامنے کرم دین کی لاش پڑی تھی۔

وہی تاریخی خنجر اس کے دل کے مقام پر پیوست تھا اور بستر خون سے لت پت ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ دوسرا قتل تھا۔ اسی خنجر سے..... انسپکٹر تنویر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا..... بوڑھے کمال پاشا کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

یہ بھی یقیناً اسی بڈھے کی کارروائی تھی..... اور ایک بار پھر بڑی صفائی سے غائب ہو چکا تھا۔

یہ تو ممکن نہیں تھا کہ پورے قصبے کا محاصرہ کر کے گھر گھر تلاشی کے بعد کمال پاشا کو برآمد کیا جاتا..... البتہ اس کی تصویر کی کاپیاں جگہ جگہ دیواروں پر چسپاں کر دی گئی تھیں۔

تاکہ اگر کسی نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہو، تو وہ فوراً ہی ملحقہ تھانے میں اس کی اطلاع دے۔

بہر حال کمال پاشا اب ان مجرموں کی لسٹ میں آ چکا تھا، جو کہ پولیس کو مطلوب ہوتے ہیں۔

پے در پے یہ حویلی میں دوسرا قتل تھا۔ جو کہ بہت خوفناک علامت تھی..... کیا یہ ممکن تھا کہ اب کسی اور کی باری ہو.....

انسپکٹر تنویر نے نواب انور کو حویلی چھوڑنے کا مشورہ بھی دیا تھا جواب میں نواب انور بولے۔

''کیا قاتل کہیں اور اپنا وار نہیں کر سکتا.....؟''

''وہ لاجواب ہو کر رہ گیا تھا..... بہر حال اب کمال پاشا کی گرفتاری کے سلسلے میں اس کا محکمہ کافی الرٹ دکھائی دے رہا تھا..... اور وہ کافی دوڑ دھوپ میں مصروف تھے۔

☆.....☆.....☆

نادر کافی شش و پنج میں مبتلا تھا۔ کیونکہ وہ دو مرتبہ یقینی طور پر نواب انور کو کسی سے باتیں کرتے ہوئے محسوس کر چکا تھا۔ نادر میں ایک قدرتی امر تھا کہ اس کی قوت سماعت کافی تیز تھی اور وہ آوازوں کو کافی دور سے بھی محسوس کر لیتا تھا۔

اس نے ہوا کے دوش پر نواب انور کی آوازیں سنی تھیں۔ البتہ یہ ضرور الجھن کی بات تھی کہ ان کے علاوہ اب تک کوئی دور کی آواز وہ سن نہیں سکا تھا..... یہ بھی ممکن تھا کہ سامنے والا خاموش ہی رہتا ہو..... لیکن وہ اچانک ہی کہاں چلا جاتا تھا.....؟

دفعتاً اسے ان درویش بابا کا خیال آیا جو اسے تاریخی قلعے کے احاطے میں ٹکرائے تھے اور انہوں نے اسے گلے میں پہننے کے لئے تعویز ٹائپ کی کوئی چیز بھی دی تھی.....

کیوں نا ان کے پاس جایا جائے..... نادر کو ان سب باتوں سے کوئی خاص دلچسپی کبھی نہیں رہی تھی..... لیکن موجودہ حالات کے باعث اب اسے کسی مخصوص سہارے کی ضرورت تھی.....

چنانچہ اس نے شام کے وقت قلعے کا رخ کیا تھا..... اور یہ بھی اس کی قسمت تھی کہ وہ درویش بابا اسے دکھائی دے گئے۔

وہ آج بھی اسی ستون کی آڑ میں موجود تھے جہاں پچھلی دفعہ نادر سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے کچھ پڑھنے میں مصروف تھے، ان کی آنکھیں بند تھیں اور گردن آہستہ آہستہ ہلکورے لے رہی تھی۔

نادر ان کے سامنے چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔ لیکن کافی دیر بعد بھی درویش بابا میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

نہ جانے کیوں نادر میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ انہیں مخاطب کر سکے۔ نہ جانے وہ کونسا وظیفہ پڑھ رہے ہوں اور نادر خواہ مخواہ ان کے عمل میں خلل ڈال دے۔

نہ جانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا..... لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی..... کافی لوگ اسے گھورتے

ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

نادر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ یکا یک درویش بابا کی آواز گونجی۔

''کہاں جاتا ہے؟''

''جی.....'' وہ چونکا۔

لیکن درویش بابا کی آنکھیں تو اب بھی بند تھیں۔اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔'' آپ کو معروف دیکھ کر میں.....واپس جارہا تھا.....''

''ہوں..... درویش بابا نے سر ہلایا۔تو ہمارا نہیں بلکہ اپنا خیال کر بچہ..... آنے والا وقت بہت پریشان کن ہے.....''

''آنے والا وقت..... میں سمجھا نہیں.....'' نادر کے منہ سے نکلا۔

نادر ہر ایک سے بڑے اعتماد سے بات کرتا تھا.....لیکن آج نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے درویش بابا کے سامنے وہ طفیل مکتب ہو.....سارا اعتماد، ہر قسم کی توانائی اور چرب زبانی ہوا ہوگئی تھی۔

''وقت خود ہی سمجھا دے گا.....'' جواب ملا.....

''بول.....کیوں آیا ہے؟''

'' بابا..... میں کافی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں.....'' نادر نے دل کی بات کہہ دی۔''لیکن میرے لئے سب سے اہم معاملہ میرے باپ کا ہے کیوں..... کیا ہوا.....؟''''

وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر کسی سے باتیں کرتے ہیں.....''

'' اچھا.....!'' درویش بابا نے اپنی آنکھیں کھول دیں.....اف.....! کس قدر انگارہ ہورہی تھیں آنکھیں..... ان میں گہرے گلابی ڈورے تیرتے ہوئے دیکھائی دے رہے تھے۔

''جی ہاں.....!''

''تو کرنے دے..... باتیں کرنے سے تو دل بہلتا ہے.....''

''لیکن جس سے وہ باتیں کرتے ہیں..... وہ دکھائی تو دے.....!''

'' تیرا باپ جسے دیکھتا ہے و اسے دیکھ کر کرے گا.....اسے چھوڑ.....اور شکار پہ جا.....!''

''شکار پر.....؟'' نادر نے حیرت سے دہرایا۔ حویلی میں پے در پے قتل ہورہے تھے۔عجیب غریب واقعات کی ریل پیل تھی اور درویش بابا کو شکار سوجھ رہا تھا۔

''ہاں..... ھاسنی جھیل کی مچھلیاں تم لوگوں کا انتظار کررہی ہیں۔ جاؤ..... پہلے شکار کھیلو..... پھر سوچتے ہیں.....جاؤ.....''

یہ کہہ کر درویش بابا دوبارہ اپنی دھن میں مگن ہوگئے.....نادر ان کی شکل ہی دیکھتا رہ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور قلعے کے صدر دروازے کی طرف چل پڑا۔ درویش بابا اب اس سے بالکل غافل ہوچکے تھے۔

☆.....☆.....☆

کمال پاشا ہنوز غائب تھا.....اب تو اس کے گھر کے سامنے بھی پولیس کے 2 اہلکار چوبیس گھنٹے ڈیوٹی دے رہے تھے.....لیکن وہ اسی طرح غائب تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ.....وہ تو اب اس گلی میں بھی داخل ہونے سے گریزاں تھا۔

دوسری طرف انسپکٹر تنویر نے حویلی کے گرد چند کانسٹیبل حالات کے پیش نظر تعینات کردئے۔ ویسے وہ اسی بات پہ زور دے رہا تھا کہ حویلی کو خالی کر جائے۔''

''چنانچہ اسی تجویز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نادر مچھلی کے شکار کی پیش کش کردی۔ وہ دراصل درویش کی کہی ہوئی بات کو پورا کرنا چاہتا تھا.....وہ دیکھنا تھا کہ آخر انہوں نے شکار کی بات کیوں کی ہے..... انہیں کس طرح معلوم ہوا کہ نواب انور اس سے شکار ذکر کرچکے ہیں.....

اس نے نواب انور کے سامنے شکار کی رکھ دی۔

''ان حالات میں؟'' وہ حیرت سے بولے۔

''ان ہی حالات میں جانا بہتر ہے۔'' نادر آہستہ سے بولا۔ ''آپ نے بتایا تھا کہ وہاں رہائش کا بھی انتظام ہے۔''

''ہاں.....''

''بس .....تو پھر وہاں دو چار دن گزارتے ہیں.....'' نادر بولا۔

''ہوسکتا ہے اس دوران قاتل بھی ہاتھ لگ جائے۔''

''تم کمال پاشا کی بات کررہے ہو؟''

''مجھے نہیں لگتا کہ وہ قاتل ہوگا۔''

نواب انور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

تو کیا تمہیں یقین نہیں ہے؟

''نہیں.....''

''لیکن کیوں.....؟''

''میں وجہ نہیں جانتا۔'' نادر بولا۔ ''لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ دونوں قتل کے کیسوں میں وہ بے قصور ہے۔''

''اگر ایسا ہی تھا۔ تو پھر وہ فرار کیوں ہوا.....''

نواب انور کے لہجے میں طنز چھپا ہوا تھا۔ ''اگر وہ بے گناہ ہوتا۔ تو اپنی صفائی پیش کرتا۔''

''شاید وہ ڈر سے کہیں چھپ گیا ہو۔'' نادر نے خیال ظاہر کیا۔ ''کبھی کبھی خوف بھی انسان کو مجرم بنا دیتا ہے۔''

''ایک ڈرپوک انسان پے در پے قتل نہیں کرسکتا۔'' نواب انور بولے۔ ''یہ صرف انسان کی اپنی قوت ارادی یا پھر انتقام کی بدولت ہوتا ہے۔''

''کیسا انتقام؟'' نادر چونکا۔

''ہوسکتا ہے کہ کمال پاشا کی ان لوگوں سے کوئی ذاتی دشمنی ہو.....''

''لیکن آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ حویلی کے سابقہ گزرے ہوئے پراسرار واقعات میں ان ہی لوگوں کے عمل بروئے کار تھے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ ہوسکتا ہے کہ تہہ خانے والی عفریت یہ کام کررہی ہو.....''

یہ سن کر نواب انور کے چہرے پر طنز پھیل گیا۔ پھر وہ آہستہ سے بولے۔

''حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہے بیٹا..... یہ صرف کہانی ہے.....''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' نادر نے ان کی طرف بغور دیکھا۔

''اس کی ایک خاص وجہ ہے۔''

''وہ کیا.....؟''

''میں ایک ایسی ہستی سے واقف ہوں۔ جو ان واقعات کی چشم دید گواہ ہے۔''

''اوہ.....کون ہے وہ.....؟''

''میں جلد بتاؤں گا.....!'' نواب انور طویل سانس لے کر بولے۔

نادر خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ نواب انور اب دوسری طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

☆.....☆.....☆

شکار کے پروگرام کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں..... حالانکہ ان حالات میں یہ پروگرام کچھ عجیب ہی لگ رہا تھا..... لیکن نادر کی ضد کے آگے سارے ہی مجبور تھے۔

کچھ سوچ کر نواب انور نے انسپکٹر تنویر کو بھی دعوت دے ڈالی تھی۔ جس پر وہ فوراً ہی راضی ہوگیا تھا۔ اس نے کہا۔

''یہ بہتر ہے..... میں اپنے ساتھ ایک آدھ بندہ اور لیے چلوں گا۔ یوں آپ لوگوں کی حفاظت کا بھی انتظام ہوجائے گا۔''

''ہاں.....ٹھیک ہے.....!''

''ایک بات اور بھی ہے۔'' انسپکٹر تنویر مسکرایا۔

''وہ کیا.....؟'' نواب انور نے اسے دیکھا۔

''ھانسی جھیل سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک

عجائب گھر بھی بنا ہوا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔ ''اگر وقت ملا تو ہم لوگ ذرا عجائب گھر کی سیر بھی کرلیں گے۔''

دراصل مصروفیت اتنی رہتی ہے کہ ان چیزوں کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا..... اس بہانے سے یہ کام بھی ہوجائے گا۔

''خوب.....'' نواب انور نے سر ہلایا۔ ''تم بھی شوقین مزاج لگتے ہو۔''

''جی ہاں.....'' وہ ہنسا..... ''اگر میں انسپکٹر نہ ہوتا تو ایک سیاح ہوتا۔''

''ٹھیک ہے..... ہم لوگ عجائب گھر بھی چلیں گے۔''

☆.....☆.....☆

اسی رات میں نواب انور اور سارہ اپنی مخصوص جگہ بیٹھے ہوئے باتوں میں مصروف تھے۔

نواب انور کہہ رہے تھے۔

''میرے بیٹے کو شک ہوگیا ہے۔''

''کس بات پہ.....؟'' وہ چونکی۔

''میں راتوں کو اٹھ کر کسی سے ملتا ہوں۔''

وہ زور سے ہنسی اور بولی۔

''اس میں شک تو کوئی نہیں ہے۔''

نواب انور بھی مسکرادیے پھر بولے۔

''ہاں..... لیکن میں کسی کو ابھی تمہارے بارے میں بتانے سے گریز کررہا ہوں۔''

''کیوں.....؟'' سارہ کا لہجہ شرارت آمیز تھا۔

''عمر کے لحاظ سے یہ سب قبل اس وقت ہوگا۔''

''ہوں.....'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''ویسے تو کوئی آہٹ سنتے ہی میں چلی جاتی ہوں.....''

''اچھا ایک بات بتاؤ.....''

''جی.....!''

''ہم لوگ شکار پر روانہ ہورہے ہیں..... تم چلو گی؟''

''کون سا شکار.....؟''

''ھانسی جھیل میں مچھلی کا شکار۔''

''اوہ..... میں سمجھی تھی کہ جنگل میں ہرن وغیرہ کی بات کررہے ہیں آپ..... ہاں..... میں چلوں گی.....!''

''تم میری بہو کے ساتھ ہی نشست جمالینا.....'' انہوں نے مشورہ دیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم خود کو ظاہر کردو۔''

''ابھی نہیں.....'' وہ جلدی سے بولی۔ ''ابھی ذرا انتظار کریں.....''

''کتنا.....؟''

''تہہ خانے کا دروازہ کھلنے تک.....!''

''میں شکار سے اوپس آتے ہی اسے کھول ڈالوں گا.....!''

''سچ.....!'' وہ مسکرائی۔

''ہاں.....!''

''بس..... وہی دن ہوگا کہ جب میں آپ کی بانہوں میں بسیرا کررہی ہوؤں گی..... یہ میرا وعدہ ہے.....'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ہوں..... اس کا مطلب یہ ہے کہ تم شکار پر نہیں جاؤ گی۔''

''میں نے کب منع کیا۔'' اس کا جواب تھا۔ البتہ جس طرح میں حویلی میں خود کو لئے دئے رکھتی ہوں..... وہاں بھی اسی طرح رہوں گی۔''

''میں دلاور سے کہہ دوں گا کہ تمہارا خاص خیال رکھے۔''

''ارے بابا..... میں خود اپنا خیال رکھ لیتی ہوں.....!'' وہ بولی۔ ''آپ ہمیشہ بھول جاتے ہیں کہ ہم سب ملازم ہیں اور آپ ہمارے مالک..... برائے مہربانی ان چھوٹی موٹی باتوں پر توجہ دے کر اپنے وقار کو داؤ پہ مت لگائیں.....!

''ایسے تو میں تم سے شادی کرکے بھی اپنا وقار داؤ پر لگادوں گا۔'' انہوں نے اعتراض کیا۔

''نہیں..... وہ الگ بات ہے..... جب آپ مجھ سے شادی کریں گے تو میں ملازم نہیں بلکہ آپ کی

بیوی بن جاؤں گی۔''

''ہاں..... یہ تو ہے.....!''

''بس..... اب یہی باتیں یاد رکھیں..... اس نے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ''ویسے مجھے اب آئندہ قاتل کا نشانہ دلاور لگتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' وہ چونکے۔

''ہاں.....'' وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ کیونکہ وہ حویلی کا تیسرا فرد ہے..... جو ان گھناؤنی کارروائیوں میں شامل تھا۔ شاید بوڑھا کمال پاشا اس بار اسے نشانہ بناڈالے۔ خیر اب میں چلتی ہوں..... اب شکارگاہ میں ہی ملاقات ہوگی۔''

☆.....☆.....☆

تین بڑی گاڑیاں تھیں، جن میں حویلی کے ملازمین کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی وافر مقدار میں موجود تھا۔

سب سے آگے والی گاڑی میں نواب انور کی فیملی کے علاوہ انسپکٹر تنویر اور اس کے دو اہلکار بیٹھے ہوئے تھے۔

ان حالات کے باوجود یہ سفر ایک تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہو رہا تھا..... کیونکہ یکسانیت سے بھی نجات مل گئی تھی۔

سیما اور نادر پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے باتوں میں مصروف تھے۔ جبکہ نواب انور اور انسپکٹر تنویر نے ایک جگہ محفل جما رکھی تھی۔

انسپکٹر تنویر کہہ رہا تھا۔

''حیرت اس خنجر پہ ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''دونوں مرتبہ وہی خنجر استعمال ہوا۔ جو کہ آپ کی حویلی میں موجود تھا۔'' اس نے بتایا۔

''لیکن وہ تو آپ لوگوں کی کسٹڈی میں چلا گیا تھا۔''

''جی ہاں.....'' انسپکٹر تنویر نے سر کھجایا۔

''اسی بات پر تو حیرت ہے کہ وہ وہاں سے کس طرح غائب ہوا۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ کمال پاشا کوئی معمولی قسم کا مجرم نہیں ہے۔'' نواب انور نے خیال ظاہر کیا۔

''میں نے اس کا ریکارڈ بھی نکلوایا ہے..... جلد ہی اس کی رپورٹ آجائے گی۔''

''یہی ثابت ہوگا کہ وہ پیشہ ور سفاک قاتل ہے.....'' نواب انور بولے۔ ''اور اگر یہ نہ ہوا تو پھر اس کا کوئی اور پس منظر بھی ہوسکتا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں.....''

''انتقام.....''

''کیسا انتقام.....؟'' انسپکٹر تنویر نے حیرت سے دہرایا۔

''ممکن ہے کمال پاشا کی گرفتاری کے عمل میں آنے کے بعد کچھ اور ہی کہانی سامنے آئے۔''

''یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔

''مجھے لگتا ہے کہ حویلی میں پراسرار واقعات کے حوالے سے جو کچھ ظاہر کیا جارہا ہے۔ وہ جھوٹ ہے۔

''لیکن..... آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے؟''

میں ابھی اس کی وجہ نہیں بتا سکتا..... لیکن جلد ہی میں شاید واضح کرسکوں کہ مجھے ایسا کیوں لگتا ہے۔''

''کیا آپ کو جن اور بھوتوں پر یقین نہیں ہے.....؟''

''کبھی واسطہ نہیں پڑا۔'' وہ بولے۔

''اگر آپ.....!'' انسپکٹر تنویر کی بات ادھوری رہ گئی۔

عین اسی وقت ڈرائیور نے اعلان کیا۔

''ھانسی جھیل کی حدود شروع ہوچکی ہے۔''

بہت ہی دلکش اور دلفریب منظر تھا وہ بھی..... یہ جھیل کا کنارہ آتی جاتی لہروں کے شور میں گم تھا..... اس کنارے کے دوسری جانب گھنے درختوں اور جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ اس کے درمیان میں ایک صاف ستھری اور کھلی جگہ موجود تھی۔ جہاں پھولداریاں لگا کر آرام سے شکار کا لطف اٹھایا جاسکتا تھا۔

اس جگہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک قدیم سی عمارت بھی موجود تھی..... اسی میں رہائش کا انتظام کیا گیا

اور شکار کے لئے سارے ملازم پھولداریاں نصب کرنے میں مصروف ہوگئے۔

ہاں..... اس جھیل کے بارے میں مشہور تھا کہ آدھی رات گزرنے کے بعد جھیل کے کناروں پر مچھلیوں کے غول جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وافر مقدار میں شکار لگتا ہے۔

انسپکٹر تنویر کہہ رہا تھا۔

''کافی عرصہ پہلے یہ حسین جگہ میرے جنون میں شامل تھی۔ اف میں اپنے دوستوں کے ساتھ جب یہاں آتا تھا تو لمحہ لمحہ یادگار بن جاتا تھا۔ اب تو حالات اور حادثات کی رو میں بہہ کر سب کچھ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے ثابت ہوا کہ خوب صورتی مناظر میں نہیں بلکہ آنکھ میں ہوتی ہے۔'' نواب انور مسکرائے۔

''بالکل یہی بات ہے۔''

''اس وقت بھی ہم لوگ عجیب وغریب حالات کا شکار ہیں.....'' نواب انور سنجیدہ ہوگئے۔

پھر وہ دلاور کی طرف متوجہ ہوئے۔

''تم اب احتیاط کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا..... اور تنہائی سے گریز کرنا..... بہتر ہے کہ ہمارے ساتھ ہی رہو۔

''جی سرکار.....'' دلاور نے سر ہلایا۔

وہ کسی سوچ میں گم ہوگیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اور پھر واقعی آدھی رات کے بعد شکار کا آغاز ہوا ، جو پو پھٹنے تک جاری رہا۔

انسپکٹر تنویر کی کہی ہوئی بات سچ ثابت ہوئی تھی، وافر مقدار میں شکار موجود تھا۔

اس وقت روشنی اچھی طرح پھیل چکی تھی، جب وہ مال غنیمت اچھا خاصا جمع کر چکے تھے۔

اب ملازموں کی باری تھی کہ وہ ان مچھلیوں کو صاف کرتے اور انہیں بھوننے کا کام کرتے۔ چنانچہ انسپکٹر تنویر نے کہا۔

''کیا خیال ہے نواب صاحب..... عجائب گھر کا چکر لگا لیتے ہیں۔ جب تک کھانا تیار ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے.....!'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہاں سے کتنا دور ہے؟'' نادر نے پوچھا۔

''آدھے گھنٹے کی مسافت ہوگی۔ وہ بھی بہ مشکل۔''

''پھر تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔'' نادر بولا۔

''واپسی میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ ورنہ بھوک کی شدت اختیار کر لے گی۔''

''جی جناب..... کوشش ہوگی کہ جلد واپسی ہو جائے۔''

''چلیں پھر.....!'' یہ کہہ کر نادر سیما کی طرف گھوما۔ ''کیا تم ادھر ہی ٹھہرو گی؟''

''جی ہاں.....'' سیما بولی۔ ''آپ لوگ ہو کر آجائیں..... میں ان لوگوں سے کھانا تیار کروا رہی ہوں..... آپ لوگ واپس آئیں گے تو کھانا تیار ملے گا..... پراٹھے میں خود بناؤں گی۔''

''زبردست.....'' نادر مسکرایا۔

اور پھر ایک گاڑی میں یہ لوگ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ کسی خیال کے تحت انسپکٹر تنویر نے دلاور کو بھی اپنے ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھا لیا تھا۔

آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ان کی گاڑی ایک آبادی میں داخل ہوگئی۔ جہاں پرانی طرز کے گھر بنے ہوئے تھے۔

اور پھر ان کی گاڑی ایک قدیم ساخت کی عمارت کے سامنے آکر رک گئی۔ جس پر جلی حرفوں میں میوزم لکھا ہوا تھا۔

وہ لوگ باہر نکل آئے۔ میوزم کے گیٹ پر چوکیدار موجود تھا۔ جس نے باقاعدہ ٹکٹ دے کر انہیں اندر بھیج دیا۔

یہاں کافی سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔

سامنے برآمدے میں ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا..... جس کے دوسری جانب ایک خوش پوش نوجوان موجود تھا۔

کرسی سے اٹھ کر اس نے خوش آمدید کہا اور بولا۔

''میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں.....!''

''ہم لوگ قصبہ جلال پور سے آئے ہیں.....''

انسپکٹر تنویر بولا تھا ہانسی جھیل سے یہاں کا زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ سوچا کہ ادھر بھی ہولیں۔ آپ نے اچھا کیا۔

''لیکن بہت سناٹا ہے.....! نادر نے ادھر ادھر دیکھا۔

جی ہاں.....'' نوجوان نے سر ہلایا۔ شام میں بہت رونق ہوتی ہے۔ اور آج کل تو آپ پوچھیں ہی مت.....''

''کیوں.....آج کل کیا ہوا.....؟'' انسپکٹر تنویر نے اسے گھورا۔

''پاشپو نے یہاں میلہ لگا رکھا ہے۔'' نوجوان مسکرایا۔

''پاشپو.....! یہ کون ہے؟'' نواب انور نے حیرت سے پوچھا۔

نوجوان پھر مسکرایا اور بولا۔

''ایک ممی کی حنوط شدہ لاش ہے.....ابھی کچھ عرصے قبل ہی یہ لاش ایک جگہ کھدائی کے دوران دریافت ہوئی ہے.....حکومت نے فوراً ہی اسے یہاں منتقل کر دیا.....تب سے ہی یہاں لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے.....''

''اوہ.....اس کا مطلب یہ ہے کہ پاشپو کو دیکھنے کا ہمیں بھی نادر موقع ملا ہے.....''

''ابھی تو ممکن نہیں ہے جناب.....!''

''کیوں بھئی.....؟'' انسپکٹر تنویر نے اسے گھورا۔ ''ہم لوگوں نے کیا قصور کیا ہے جو ہم پاشپو کا دیدار نہیں کرسکتے۔''

''دراصل وہ جس حصے میں موجود ہے۔ اس حصے کا ہمیں یہ آرڈر دیا گیا ہے کہ اسے شام میں ہی کھولا جائے.....''

''یہ سن کر انسپکٹر تنویر نے اپنا کارڈ نکال کر کاؤنٹر پر دکھ دیا۔

''اب کیا خیال ہے۔''

نوجوان نے کارڈ پڑھا اور پھر متانت سے بولا۔

''جی.....میں بات کرتا ہوں.....''

''ٹھیک ہے.....!'' انسپکٹر تنویر بولا۔ ''تم معلوم کرلو۔ جب تک ہم میوزیم کے دوسرے حصوں کا معائنہ کرلیتے ہیں۔''

''جی بہتر.....!'' نوجوان نے سر کو خم کیا۔

''تمہارا نام کیا ہے.....؟'' نادر نے پوچھا۔

''حامد.....''

''ٹھیک ہے مسٹر حامد.....نادر بولا۔ ہم میوزیم میں گھوم پھر رہے ہیں.....جیسے ہی تم معلوم کرلو تو پھر ہمیں بتا دینا۔''

''آپ فکر مت کریں.....اگر اجازت مل گئی تو میں چابیاں ساتھ ہی لے کر آؤں گا.....''

یہ لوگ آگے بڑھ گئے.....سامنے ہی طویل و عریض ہال تھا۔ جس میں واقعی ذخیرہ عجائب موجود تھا۔

گزرے ہوئے وقتوں کے کاریگروں کے ہاتھوں سے بنائے ہوئے کئی شاہکار ان شوکیسوں کی

مسکراہٹ

☆مسکراہٹ یاس کے بادلوں میں اُمید کی ایک کرن ہے۔

☆مسکراہٹ یقین دلاتی ہے کہ مسکرانے والے کا دل کدورتوں سے پاک ہے۔

☆مسکراہٹ ایک ایسا نذرانہ ہے جو غریب سے غریب بھی پیش کرسکتا ہے۔ اور کبھی ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔

☆مسکراہٹ کے بغیر انسان ایک چلتی پھرتی لاش کے مترادف ہے۔

☆مسکراہٹ زندگی کی علامت ہے۔

(منیبہ ارم-لاہور)

زینت بنے ہوئے تھے جو کہ ہال کی دیواروں میں چسپاں تھے۔

ان میں بہت سے ہتھیار بھی تھے..... اچانک ہی نادر کی نگاہ ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی اور وہ چونک اٹھا۔

انسپکٹر تنویر نے نادر میں ہونے والی اس تبدیلی کو محسوس کرلیا، چنانچہ اس نے فوراً پوچھا۔

''کیا ہوا.....؟''

''وہ..... دیکھو..... سامنے!''

نادر نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا..... ایک شوکیس میں ایک خنجر رکھا ہوا تھا۔

''یہ..... تو خنجر ہے.....'' انسپکٹر تنویر کے منہ سے نکلا۔

''ہاں..... کچھ یاد آیا.....''

''نہیں.....''

اب نواب انور بھی اسی طرف متوجہ ہوگئے۔ پھر ان کے منہ سے نکلا۔

''ارے..... یہ تو ہو بہو ہمارے خاندانی خنجر جیسا ہے..... ویسا ہی ہاتھی دانت کا بنا ہوا پھل..... وہی ڈیزائن.....!''

اوہ..... ہاں.....! انسپکٹر تنویر بولا۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

نادر کافی غور سے خنجر کو دیکھ رہا تھا۔ عین اسی وقت کاؤنٹر والا نوجوان حامد بھی آ گیا۔

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''آپ لوگ تشریف لے آئیں..... اجازت مل گئی۔''

''بہت خوف.....'' انسپکٹر تنویر کے منہ سے نکلا۔

اسی ہال کے کونے پر ایک دروازہ تھا۔ اس پہ ہاشپو ممی کا چھوٹا سا بورڈ بھی آویزاں تھا۔

حامد نے چابی سے اس کا لاک کھولا اور ان لوگوں کی طرف مڑ کر بولا۔

''چلئے جناب.....!''

کمرے میں داخل ہوئے تو عین وسط میں ایک تابوت رکھا ہوا تھا، حامد نے آگے بڑھ کر تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا۔

اور پھر وہ سب حیرت کے مارے گنگ رہ گئے۔ ہاشپو نامی ممی کی جگہ اس تابوت میں بوڑھے کمال پاشا کی لاش دکھائی دے رہی تھی..... ہاں..... یقیناً اس کا مردہ جسم اس تابوت میں موجود تھا۔ خود حامد بھی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ..... یہ کیا..... ہاشپو کی جگہ..... یہ کون ہے؟''

''اس کا نام کمال پاشا ہے۔'' انسپکٹر تنویر کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔ ''ہمیں اس کی تلاش تھی۔ لیکن امید بھی نہیں تھی کہ یہ یہاں اور اس حال میں ملے گا۔''

یہ کہہ کر وہ تابوت کی طرف بڑھا۔ نادر بھی اس کے ہم قدم تھا۔ اور پھر جیسے ہی وہ تابوت کے قریب آئے۔ اچانک ہی کمال پاشا کے مردہ جسم میں حرکت ہوئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں نے آناً فاناً ہی انسپکٹر تنویر کی گردن تھام لی۔

نادر بوکھلا اٹھا۔ عین اسی وقت چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ اور ایک جانی پہچانی آواز نادر کے کانوں سے ٹکرائی۔

''اٹھیں..... ارے جلدی اٹھیں.....!''

یہ آواز سیما کی تھی..... اوہ..... اب اندھیرا تو نہیں تھا اور نہ ہی وہ ہاشپو والے میوزم میں تھا..... اس وقت سیما اس کے سامنے موجود تھی اور وہ خود بستر پر تھا۔

یہ تو وہ جگہ تھی جہاں وہ رات گئے شکار کھیلنے کی غرض سے تھوڑا آرام کرنے کے لئے آئے تھے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سب کچھ محض خواب تھا..... نادر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''کک..... کیا ہوا.....؟''

''ابو جان.....!''

''کیا ہوا نہیں.....؟'' نادر اب تک بوکھلایا ہوا تھا۔ ''کہاں ہیں وہ.....؟''

''میں نے انہیں کسی کے ساتھ جھیل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''کس کے ساتھ.....؟'' نادر نے حیرت سے پوچھا۔

''میں یہ تو نہیں جانتی..... البتہ..... وہ بولتے بولتے رک گئی۔

''البتہ کیا.....؟''

''مجھے ایسا لگا جیسے وہ کوئی عورت ہے۔''

''مطلب.....؟'' نادر نے اسے گھورا۔

''ہاں نادر.....!'' وہ جلدی سے سر ہلا کر بولی۔ وہ ان سے چند قدم کے فاصلے سے عقب میں چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی..... اس کا وجود چادر میں لپٹا ہوا تھا۔

یہ سن کر نادر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''اوہ..... اوہ..... کہیں ابو جان خطرے میں نہ ہوں..... پہلے ہی لگاتار دو قتل ہو چکے ہیں اور قاتل روپوش ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔''

نادر باہر نکل آیا، چاروں طرف تاریکی کا مکمل راج ہوتا، اگر چاند اپنی جوبن پر نہ ہوتا..... اس کی دودھیا چاندنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں نادر نے دیکھا کہ تھوڑے ہی فاصلے پر دو سائے آپس میں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

ایک کو تو وہ صاف پہچان چکا تھا..... یہ نواب انور ہی تھے البتہ دوسرا سایہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

یہ کون ہو سکتا ہے؟ نادر نے سوچا..... اگر یہ پکٹر تنویر تھا تو اسے کسی قسم کی چادر میں لپٹنے کی کیا ضرورت تھی..... تو پھر.....؟

نادر اب تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب آنے کی بھرپور کوشش میں مصروف تھا۔

درمیانی فاصلہ گھٹتا جا رہا تھا..... لیکن اس سے قبل کہ نادر ان کے قریب پہنچتا۔

اچانک ہی وہ سایہ ایک درخت کی آڑ میں چلا گیا۔ اب وہاں نواب انور تنہا کھڑے تھے۔

نادر کچھ سوچ کر دوسری جانب سے اسی طرف گھوما۔ جہاں وہ سایہ گھسا تھا۔

☆.....☆.....☆

نواب انور نے کافی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

سامنے سارہ کھڑی پلکیں جھپکا رہی تھی۔

''تم.....؟''

''جی ہاں.....'' وہ ہنسی..... ''مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی؟''

''ہاں..... تو کیا تم بھی ہمارے ساتھ آئی ہو؟''

''بالکل.....'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''میں کرم دین وغیرہ کے ساتھ تھی۔''

''اچھا.....!''

''جی ہاں.....!'' وہ بولی۔ ''تھوڑی دیر بعد آپ لوگ شکار کے لئے روانہ ہو جائیں گے..... اس وقت میں شکار کے بھوننے میں ان لوگوں کا ہاتھ بٹاؤں گی۔''

''یہ ٹھیک ہے.....!''

''جی ہاں..... مجھے کرم دین اسی وجہ سے ساتھ لایا ہے۔ حالانکہ میں آنا نہیں چاہتی تھی۔''

''اچھا..... بیٹھو.....!''

''باہر چلتے ہیں..... کھلی فضاء میں.....!''

''اس وقت.....؟''

''حویلی میں بھی تو ہم اسی وقت ملتے ہیں.....''

''یہ جگہ نامانوس ہے.....''

''کیا آپ کو ڈر لگ رہا ہے؟''

''تمہاری وجہ سے.....!''

وہ ہنسی اور بولی۔

''میں تو ان سب باتوں کی عادی ہوں..... خیر..... اب اٹھیں۔''

دونوں باہر پھیلی ہوئی سحر کن چاندنی کو قدموں سے روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

''افوہ.....'' دفعتاً سارہ کے منہ سے نکلا۔

''کیا ہوا.....'' نواب انور چونکے۔

''آپ کا بیٹا..... نادر.....!''

''کہاں......؟''

''عقب میں...... تھوڑے ہی فاصلے سے وہ ہماری طرف چلتا ہوا آرہا ہے۔''

''میں جارہی ہوں......'' وہ بولی۔ ''میں پھر کسی وقت آؤں گی۔''

یہ کہہ کر وہ جلدی سے ایک درخت کی آڑ میں گم ہوگئی۔ نواب انور نے جھلاہٹ میں گھوم کر دیکھا۔

واقعی وہ نادر ہی تھا۔ جو محتاط انداز میں قدم اٹھاتا ہوا اسی طرف آرہا تھا...... لیکن...... پھر وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

''ارے......'' ان کے منہ سے نکلا۔ ''یہ کہاں چلا گیا......؟''

نادر محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا...... جبکہ چادر میں لپٹا ہوا وہ ہیولہ کافی تیز رفتاری سے قدم اٹھا رہا تھا۔

پھر ناد نے محسوس کیا کہ اس کا رخ جھیل کی طرف ہے ہاں وہ جھیل کی جانب جارہا تھا۔

دفعتاً نادر کے دل میں آئی کہ اسے آواز دے چنانچہ اس نے صدا بلند کی۔

''سنو...... رک جاؤ......!''

ہیولے نے صرف چند لمحوں کے لئے مڑ کر دیکھا اور پھر اس کی رفتار تیز ہوگئی...... نادر نے بھی تیزی سے قدم اٹھانا شروع کردی۔

اور پھر جھیل کا کنارہ نزدیک آگیا۔ نادر کی کوشش تھی کہ وہ اسے جالے، لیکن ہیولے کی پھرتی بھی کچھ کم نہ تھی۔

کنارے پر پہنچ کر اس نے ایک بار پھر ناد کی طرف دیکھا، پھر اس نے ایسی حرکت کی کہ خود نادر بھی حیران رہ گیا۔

ہیولے نے آناً فاناً میں جھیل میں چھلانگ لگا دی...... نادر اندھا دھند بھاگا...... لیکن جب تک وہ جھیل کے کنارے پر پہنچا۔ جھیل ایک بار پھر پرسکون ہوچکی تھی۔

نادر بدحواسی کے عالم میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جھیل کے پانی کو گھور رہا تھا...... لیکن وہاں تھا کیا......؟ وہ کون تھا...... اس نے جھیل میں کود کر کیا اپنی جان دے ڈالی...... لیکن کیوں......؟؟

نادر کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا...... پھر وہ ایک طویل سانس لے کر مڑا ہی تھا کہ نواب انور سامنے کھڑے دکھائی دیئے۔

ان کا چہرہ کافی برہم تھا۔

''یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟''

''میرا ایک سوال ہے ابو جان......!'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''آخر وہ ہے کون جس سے آپ رات رات بھر باتیں کرتے ہیں۔''

نواب انور نے اسے گھورا۔ بولے کچھ نہیں۔

''بتادیں تو بہتر ہوگا......'' نادر دوبارہ گویا ہوا۔ ''کیونکہ آپ کا وہ جانثار دوست جھیل میں کود چکا ہے۔''

''جھیل میں......'' وہ بری طرح چونک اٹھے۔ ''کیا مطلب؟''

''ہاں۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے جھیل میں چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''یہ کیا بکواس ہے......'' نواب انور بولے۔ ''کیا تم مجھ سے مذاق کرنے کی کوشش کررہے ہو؟''

''مجھے امی جان کی قسم ہے......'' نادر نے جواب دیا۔ ''میں سچ کہہ رہا ہوں...... میں نے اسے جھیل میں اترتے دیکھا ہے اور ابھی تک اس کی واپسی نہیں ہوئی۔''

نواب انور کی حالت قابل دید ہوگئی۔ وہ پاگلوں کی طرح جھیل کے کنارے کی طرف جھپٹے لیکن وہاں کیا تھا......!

''وہ تھا کون......؟ آپ...... آپ بتائیں تو......'' نادر نے ان کی طرف لپکتے ہوئے پوچھا۔

نواب انور نے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

''بتادوں گا...... ابھی وقت نہیں آیا......''

''ابو جان...... میرا خیال ہے کہ وقت آچکا

ہے....." نادر بولا۔ "کیونکہ وہ شخص جھیل میں کود کر اپنی جان دے چکا ہے۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" نواب انور کا لہجہ بگڑا ہوا تھا۔ "ممکن ہے کہ اس نے تمہارے ڈر سے گھبراہٹ میں یہ قدم اٹھایا ہو۔"

"لیکن وہ مجھ سے کیوں گھبرا گیا..... کون ہے وہ.....؟"

"میں اس سے شادی کرنے والا ہوں....."

"اوہ..... تو کیا وہ کوئی عورت ہے.....؟"

"ہاں....."

"لیکن....." نادر شش و پنج میں پڑ گیا۔ "وہ یہاں کیسے آئی؟"

"وہ ہمارے ساتھ ہی حویلی سے آئی ہے....."

"ہمارے ساتھ تو صرف سیما ہی ہے۔" نادر حیرت سے بولا۔ "کوئی اور عورت نہ تو حویلی میں ہے اور نہ ہی ہمارے ساتھ یہاں آئی ہے۔"

نواب انور جواباً مسکرا دیئے اور بولے۔

"یہ تمہاری کم علمی ہے بیٹا۔"

"اچھا....." نادر نے گردن ہلائی۔ "اس موضوع پر پھر بات کریں گے اب یہ بتائیں کہ اسے جھیل میں سے کیسے نکالیں....."

"مجھے یقین نہیں ہے کہ اسے جھیل میں سے کیسے نکالیں.....؟"

"مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ جھیل میں ہو.....!!"

نواب انور پھر پٹڑی سے اتر گئے..... "جاؤ تم جا کر جا کر سو جاؤ۔ کچھ دیر آرام کرنا ضروری ہے۔ صبح شکار بھی کرنا ہے۔"

یہ کہہ کر نواب انور گھومے اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگے۔ نادر ان کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

نواب انور اپنے کمرے میں داخل ہوئے ہی تھے کہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور سارہ کی شکل دکھائی دی۔

"تم..... پھر آ گئیں.....؟"

"کیا آپ کو برا لگا؟" وہ جلدی سے بولی۔

"نن..... نہیں.....!" نواب انور کے منہ سے نکلا۔

"میں تو آپ کے بیٹے کو چکمہ دے کر آئی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی۔ "آج تو اس نے حد کر دی۔ وہ کافی دور تک میرا پیچھا کرتا رہا۔"

"ہاں وہ بتا رہا تھا کہ تم نے جھیل میں چھلانگ لگا دی تھی....."

"جھیل میں.....؟" وہ حیرت سے بولی۔ "یہ کیا بکواس ہے.....؟ مم..... میرا مطلب ہے کہ میں جھیل میں کیوں کودوں گی..... مجھے تو ویسے ہی پانی سے ڈر لگتا ہے۔ وہاں چھلانگ لگا کر مجھے اپنی جان دینی ہے..... واہ بھئی.....!"

"وہ تو یہی کہہ رہا تھا۔" نواب انور بولے۔

"صاف غلط بیانی ہے..... شاید اس کا یہ مقصد ہوگا کہ آپ گھبرا کر اسے میرے بارے میں بتا دیں.....!"

"ہو سکتا ہے کہ یہی بات ہو۔" نواب انور بولے۔

"یقیناً ایسا ہی ہے۔" وہ سر ہلا کر بولی۔

پھر وہ چونکی تھی۔

"کرم دین آیا ہے نا ہم لوگوں کے ساتھ.....!"

"ہاں....."

"اچھا....."

"تم نے کیوں پوچھا.....؟"

"دراصل....." وہ آہستہ سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ کمال پاشا کا اگلا شکار وہی ہوگا..... اسے کہہ دو کہ اپنی حفاظت خود کرے۔"

☆.....☆.....☆

دوسرے دن کی صبح کافی خوش گوار تھی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جھیل کے پانی سے ٹکرا کر گویا یخ بستہ ہوئے جا رہے تھے..... اور جب وہ جسموں سے ٹکراتے تو روح تک فرحت افزا ہو جاتی تھی۔

روشنی چاروں طرف پھیلنے لگی تھی..... انسپکٹر تنویر نے ملازموں کے ذریعے ایک بڑا سا جال جھیل میں لگوا دیا تھا..... اس کے بیان کے مطابق جلد ہی یہ جال مچھلیوں سے بھرنے والا تھا۔

''بس شکار کا یہی وقت ہوتا ہے۔'' وہ نواب انور سے کہہ رہا تھا۔ دھوپ پھیلتی ہے تو پھر شکار کے لئے کافی دور جانا پڑتا ہے۔

نواب انور نے خاموشی سے سر ہلا دیا..... اتنی دیر میں نادر اور سیما بھی وہاں آ پہنچے۔

کچھ ملازموں نے وہیں ٹیبل بچھا کر ناشتہ لگا دیا تھا۔ جبکہ چند ملازم جھیل کے کنارے پر انسپکٹر تنویر کے ساتھ جال لگانے میں مصروف تھے۔

نواب انور نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

''کرم دین دکھائی نہیں دے رہا۔''

''بڑے سرکار.....'' ایک ملازم بولا۔ ''وہ رات بھر شکار کے لئے مصالحے تیار کرنے میں مصروف رہے۔ اب سوئے ہیں۔''

''اوہ.....!'' نواب انور کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں.....'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''کرم دین کو اس کام میں کافی مہارت ہے۔ آپ بھنا ہوا شکار کھائیں گے تو آپ کو مزا آ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے.....'' نواب انور نے سر ہلایا۔

پھر انسپکٹر تنویر کو بھی ناشتے کے لئے بلایا گیا..... اس کام سے فارغ ہو کر ملازموں نے جھیل کا رخ کیا۔

جال کو کھینچا گیا۔ تو وہ ٹس سے مس نہ ہوا..... انسپکٹر تنویر نے جال ہلا کر اندازہ لگایا۔

''یہ تو لگتا ہے کہ کوئی بڑی مچھلی پھنسی ہے۔ اس کے لہجے میں جوش تھا۔ لیکن ان اطراف میں تو..... خیر ..... دیکھتے ہیں۔''

سب ہی اس جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ سیما ملازموں کے ساتھ مل کر شکار کو بھوننے کی تیاری میں مصروف دکھائی دے رہی تھی۔''

بوقت تمام جال کو کھینچا جانے لگا..... اس کام میں خود نادر بھی حصہ لے رہا تھا۔

آہستہ آہستہ جال جھیل سے باہر آنے لگا..... اور پھر جیسے ہی وہ باہر آیا کئی لوگوں کے حلق سے جیسے چیخیں برآمد ہو گئیں۔

جال میں ایک انسانی لاش موجود تھی..... اسے کئی جگہوں سے نوچا کھسوٹا بھی گیا تھا..... لیکن بہر حال اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر تنویر دور سے اچھلا۔

''یہ..... یہ تو کمال پاشا ہے.....!''

☆.....☆.....☆

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ واقعی کمال پاشا کی لاش تھی.....!

دیکھنے والوں کی سٹی گم تھی۔ خود نواب انور کا چہرہ فق تھا۔ اس واقعے کے پیش نظر سیما کو فوراً ہی عمارت میں بھیج دیا گیا تھا۔

ادھر نادر سوچ رہا تھا کہ کیا رات میں یہی وہ شخص تھا کہ جس نے جھیل میں چھلانگ لگائی تھی..... اگر واقعی ایسا ہے تو وہ نواب انور سے کیوں ملنے آیا تھا..... اور اگر وہ ان سے ملا تھا تو نواب انور نے جھوٹ کیوں بولا تھا۔

وہ الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا..... انسپکٹر تنویر کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے..... اس نے ٹرانس میٹر پر فوراً ہی اپنے محکمے میں اطلاع بھجوا دی تھی۔

اتنا اندازہ تو ہو رہا تھا کہ یہ لاش زیادہ پرانی نہیں تھی۔ شکار کا پروگرام تو اب تہس نہس ہو چکا تھا۔

چنانچہ واپسی کی تیاری شروع ہو گئی..... ایک بڑی وین منگوا لی گئی تھی۔ جس میں کمال پاشا کی لاش لے جائی جاتی۔

اس ہنگامے میں ایک بار پھر نواب انور کو خیال آیا کہ کرم دین اب بھی ان لوگوں میں موجود نہیں ہے۔

فوراً ہی ایک ملازم کو اندر بھیجا گیا۔ جس کی جلد ہی واپسی ہوئی۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمایاں تھے..... آنکھیں خوف کے مارے پھیلی ہوئی

تھیں۔

''کیا ہوا.....؟'' نادر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''کرم دین کہاں ہے؟''

''وہ..... وہ ..... جی اندر.....'' ملازم بمشکل بولا۔''اس کی لاش پڑی ہے.....اور خنجر.....!'' اتنا کہہ کر وہ دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

اس خبر نے خوف اور دہشت کی ایک اور لہر دوڑا دی تھی.....ابھی کمال پاشا کی لاش رکھی تھی اور اب کرم دین کے متعلق دل ہلا دینے والی اطلاع ملی تھی۔

انسپکٹر تنویر نے عمارت کی طرف دوڑ لگا دی۔خود نادر اور نواب انور بھی وہاں رکے نہیں تھے۔

اور پھر..... واقعی کرم دین کا مردہ جسم اس کمرے میں اس حالت میں موجود تھا کہ وہی خنجر اس کے سینے میں پیوست تھا۔

''اف خدایا.....'' انسپکٹر تنویر بڑبڑایا۔''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

''ایک بار پھر وہی خنجر.....'' نادر کے منہ سے نکلا۔''آخر یہ خنجر.....کہاں سے آ جاتا ہے.....!''

''ہاں خنجر بھی وہی ہے۔لیکن انسپکٹر تنویر نے طویل سانس لے کر کہا۔اگر عالی بابا اور دلاور کو کمال پاشا نے قتل کیا تھا تو پھر اسے کس نے مارا.....؟؟ جبکہ خنجر بھی وہی ہے.....!

سب ہی سکتے میں آ گئے تھے.....واقعی یہ بات بھی قابل غور تھی۔کمال پاشا کو ان دونوں کا قاتل تسلیم کر لیا گیا تھا.....اور وہ مفرور بھی تھا.....لیکن اب کرم دین سے پہلے خود اسی کی لاش حویلی سے برآمد ہوئی تھی۔

''آخر قاتل کون ہے.....؟ انسپکٹر تنویر پھر بولا۔

یہ سن کر نادر نے نواب انور کی طرف غور سے دیکھا تھا، وہ بولا کچھ نہیں تھا، البتہ کسی سوچ میں گم تھا۔

''میں ایک بار پھر اس خنجر کو فنگر پرنٹ کے لئے بھیجوں گا۔'' انسپکٹر تنویر نے کہا۔''اب دیکھنا یہ ہے کہ اس پر سے کس کے نشان ملتے ہیں۔''

☆.....☆.....☆

نادر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جلدی سے اس حصے میں گھس گیا، جہاں چند ملازم واپسی کے لئے سامان سمیٹ رہے تھے۔

شکار تو اب در کنار ہی ہو گیا تھا.....کرم دین کی موت کے ساتھ ساتھ کمال پاشا کی دستیاب ہو جانے والی تھی لاش نے ماحول کو بے حد رنجیدہ کر دیا تھا۔

نادر نے ایک ملازم کو اشارہ کیا، وہ فوراً ہی اس کی طرف لپکا تھا۔

''جی چھوٹے سرکار۔''

''ایک بات پوچھوں سچ بتاؤ گے!''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ سے جھوٹ بولنے سے پہلے یہ چاہوں گا کہ میری زبان ہی کٹ جائے۔''

''ہوں.....'' نادر نے سر ہلایا۔''تو پھر یہ بتاؤ کہ ہمارے ساتھ کوئی عورت بھی آئی ہے؟''

''جی.....'' ملازم حیرت سے بولا۔''جی ہاں.....!''

''اوہ.....'' نادر چونکا۔''کون ہے وہ.....؟''

''جی سرکار.....وہ سیما بی بی ہیں.....!''

''ارے پاگل.....!اس کے علاوہ۔''

''نہیں سرکار.....وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔''اور تو کوئی بھی عورت ہمارے ساتھ نہیں ہے۔''

''تو کیا حویلی میں کوئی عورت موجود ہے؟''

''بالکل نہیں چھوٹے سرکار.....!''

''پکی بات ہے.....؟''

''جی ہاں.....بالکل پکی.....!''

''ٹھیک ہے.....تم جاؤ اور سامان سمیٹو.....''

وہ چلا گیا..... نادر اب کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

☆.....☆.....☆

دروازے پر دستک ہوئی تو نواب انور کسی خیال میں ڈوبے ہوئے تھے.....وہ چونک سے گئے۔

''کون ہے.....؟''

''میں نادر ہوں.....'' جواب ملا۔

''آجاؤ.....!'' نواب انور نے پہلو بدلا۔

نادر کمرے میں داخل ہوا، تو اس کے چہرے پہ عجیب سے آثار نمایاں تھے۔

نواب انور نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''چلنے کی تیاری.....!'' نادر بولا۔ ''آپ کو بتانے آیا ہوں.....لیکن.....!''

''لیکن کیا.....؟''

''جانے سے پہلے..... ایک مسئلہ حل کرنا ضروری ہے۔'' نادر نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

''کون سا مسئلہ.....!''

''اس عورت کا.....جس سے آپ ملتے ہو.....!''

یہ سن کر نواب انور بری طرح چونکے۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ ہے کہ وہ عورت اس وقت کہاں ہے.....؟''

''ملازموں کے ساتھ ہوگی۔'' نواب انور کہہ اٹھے۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.....!''

''ہاں نادر.....!'' وہ آہستہ سے بولے۔

''اسے دلاور نے میرے کہنے پر ہی ملازمت دی تھی۔

''اوہ.....!'' نادر کے منہ سے نکلا۔

''ہاں.....!''

''وہ کہاں رہتی ہے.....؟'' نادر نے اب باقاعدہ انٹرویو لینا شروع کر دیا تھا۔

''وہ مجھے اس ٹرین میں ملی تھی۔ جب میں جلال پور آرہا تھا۔'' نواب انور بولے۔ ''وہ اتفاق سے نہ صرف مجھے جانتی تھی۔ بلکہ وہ حویلی کے تمام افراد سے واقف تھی اور.....''

''اور کیا.....!'' نادر دلچسپی کے عالم بولا۔

''اس نے کہا تھا کہ وہ پرانی بلڈنگ کی رہائشی ہے۔''

اب چونکنے کی باری نادر کی تھی۔

''پرانی بلڈنگ.....!''

''ہاں.....کیوں.....کیا ہوا.....؟''

''میں اس بلڈنگ سے کسی حد تک واقف ہوں.....'' نادر کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔ ''اتفاق سے ایک عورت ہی کے سلسلے میں یہ نام میرے علم میں آیا تھا..... میں اس کی تلاش میں نکلا بھی تھا لیکن میں نے جس ٹیکسی میں سفر کیا تھا اس کے ڈرائیور نے مجھے بتایا کہ پرانی بلڈنگ تو دراصل، آسیب زدہ کھنڈرات کا نام ہے۔''

''اچھا.....!''

''جی ہاں.....'' نادر بولا۔ ''اس نے مجھے وہاں جانے سے سختی سے روکا تھا اور کہا تھا کہ کسی نے مجھے بے وقوف بنایا ہے.....وہاں تو ویرانی اور بوسیدہ زمین بوس دیواروں کے علاوہ کچھ نہیں ہے.....اس نے کہا کہ ایسی جگہ جا کر تم کیا کرو گے۔''

''پھر.....؟''

''میں پھر واپس لوٹ آیا تھا۔'' نادر طویل سانس لے کر بولا۔ ''اور اب میں آپ کے منہ سے اس جگہ کا نام ایک بار پھر سن کر کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔''

''کیا.....؟''

''بعد میں بتاؤں گا.....'' نادر نے کہا۔ ''ابھی آپ کے بقول وہ عورت یہاں ہمارے ساتھ آئی ہے.....تو پھر چلیں.....ہم اس کا پتا لگاتے ہیں..... دیکھتے ہیں کہ وہ.....ہے کہاں.....؟''

یہ سن کر نواب انور سوچ میں ڈوب گئے..... پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

''چلو.....شاید آج اس کی ملاقات تم سے بھی ہو جائے گی۔''

''ہاں.....میں اس سے ضرور ملنا چاہوں گا..... میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے.....؟؟''

(جاری ہے)

لاش کی سالگرہ

آس یراعہ-کبیر والا

اور پھر جیسے ھی نوجوان کی نظر دوشیزہ پر پڑی تو اس کی ریڑھ کی ھڈی میں ناقابل برداشت سرد لھر دوڑ گئی کیونکہ بچے کا وجود خون میں لت پت تھا اور بچہ جو کہ مرچکا تھا اور پھر.....

ڈراؤنی کہانیوں کے شوقین لوگوں کے لئے حقیقت پر مبنی ہولناک اور خوفناک کہانی

رات کے گیارہ بجے وہ سنسان اور اندھیرے میں لپٹی سڑک پر تیزی سے گاڑی بھگائے چلا جا رہا تھا۔سڑک کے دونوں جانب گھنے پیڑ موجود تھے۔سڑک پہ روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔اس نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس مسلسل آن رکھی ہوئی تھیں جن کی روشنی میں ماحول اور ہیبت ناک لگ رہا تھا۔

ابھی اس نے ایک موڑ کاٹا ہی تھا کہ اسے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ایک بڑھیا سڑک کنارے بیٹھی نظر آئی۔وہ حیران ہوا کہ اس وقت اور اس سنسان سی جگہ پہ یہ بوڑھی خاتون کیا کر رہی ہیں۔اس نے اس کے پاس جا کر بریک لگائی اور نیچے اتر آیا۔وہ اس بوڑھی عورت کے پاس گیا اور دیکھا کہ اس کے قریب زمین پر کچھ شاپرز پڑے ہوئے تھے۔''اماں جی آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

اس نے شائستگی سے سوال کیا۔

بوڑھی عورت نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''آج پہلی بار پوتے کی سالگرہ منانے کا سوچا تھا اور اس کے لئے سامان لینے چلی آئی۔کم بخت ٹیکسی والا مجھے یہیں اتار کر چلا گیا۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

اسے بہت افسوس ہوا۔اس نے آگے بڑھ کر شاپرز اٹھا لیے۔

''اماں جی میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دیتا ہوں۔''

اس نے بوڑھی عورت کو اپنے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا۔

''کیا نام ہے تمہارا اور تم اس وقت کہاں جا رہے تھے وہ بھی اس خراب موسم میں؟''

کچھ دیر گزرنے کے بعد بوڑھی عورت نے اس سے سوال کیا۔

''میرا نام زاہد ہے۔آج آفس سے لیٹ نکلا تو شارٹ کٹ لیتے ہوئے اس راستے پہ نکل آیا۔''

اس نے جواب دیا تو وہ زاہد کو راستہ بتانے لگی۔چند کلومیٹر آگے جانے کے بعد اسے درختوں اور جھاڑیوں کے بیچ میں ایک پرانی سی حویلی نظر آئی۔

''بس بیٹا اس حویلی کے پاس گاڑی روک لو۔''

زاہد نے گاڑی کو حویلی کے گیٹ کے پاس لے جا کر روک دیا۔''آؤ بیٹا تم بھی کچھ دیر ہماری خوشی کا حصہ بن جاؤ۔''

زاہد انکار کرنا چاہتا تھا مگر جانے کیوں وہ ایسا نہیں کر پایا۔وہ میکانکی انداز میں گاڑی سے نیچے اتر آیا۔اس بوڑھی عورت کی یہ حویلی خاصی بلند و بالا تھی جس کا رنگ بوسیدہ ہو چکا تھا۔بہت ساری جگہوں پر کائی جم گئی تھی۔اندھیرے میں وہ کسی بھوت بنگلے جیسی لگ رہی تھی۔

وہ عورت جلدی سے میز پر چیزیں سیٹ کرنے لگی زاہد بھی اس کی مدد کرنے لگا۔

''اماں آپ اکیلی رہتی ہو؟''

''نہیں بیٹا میرا ایک پوتا بھی ہے۔ کچھ سال پہلے میرا بیٹا اور بہو ایک ایکسیڈنٹ میں فوت ہوگئے۔ اب میں اور میرا پوتا یہاں رہتے ہیں۔'' وہ افسردہ ہوئی۔

''اللہ پاک ان کی مغفرت کرے۔۔۔ بہت افسوس ہوا۔''

''اچھا تم یہاں بیٹھو میں اپنے پوتے کو لے آتی ہوں۔'' وہ تیزی سے کہتی ایک کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

جب وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ ایک بچہ تھا جو وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس نے سر جھکا رکھا تھا اور پی کیپ پہنی ہوئی تھی۔ زاہد نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ بوڑھی عورت نے اس کی سوالیہ نگاہوں کو نظر انداز کیا اور ماچس اٹھا کر موم بتیاں جلانے لگی۔

اچانک لائٹ چلی گئی اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ زاہد بدحواس سا ہونے لگا۔ اس کی چھٹی حس اسے کچھ غلط ہونے کا احساس دلانے لگی۔ ''یہاں اکثر بجلی چلی جاتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں آجائے گی۔''

وہ اسے دلاسہ دیتے ہوئے بولی موم بتیوں کی روشنی میں اس کا چہرہ عجیب سا لگ رہا تھا۔ لیکن جو چیز زاہد کو کھٹک رہی تھی وہ یہ تھی کہ اس نے ایک بار بھی بچے کو حرکت کرتے یا بولتے نہیں دیکھا تھا۔

''اوہ میں پلیٹس رکھنا تو بھول گئی۔ زاہد ذرا کچن سے پلیٹیں تو لے آؤ۔''

بوڑھی عورت نے ہاتھ کے اشارے سے اسے کچن کی راہ دکھائی وہ موبائل کی ٹارچ آن کر کے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی وہ کچن میں پلیٹس ڈھونڈ رہا تھا کہ اسے بڑھیا کی آواز سنائی دی۔

''پیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ پیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

وہ مختلف خیالات میں گم کھڑا تھا جب اچانک سے کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر پلٹا۔ وہ بوڑھی عورت اس کے بالکل پاس کھڑی تھی۔

''اتنی دیر کردی۔ جاؤ میں پلیٹیں لاتی ہوں۔''

اب زاہد کے حواس مختل ہونے لگے تھے۔ وہ چپ چاپ آکر بچے کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کو ایک خیال آیا۔ اس نے بچے کی تھوڑی پہ ہاتھ رکھا اور اس کا چہرہ بلند کر کے اسے مخاطب کیا۔ ''بیٹا آپ ایسے کیوں بیٹھے ہیں۔ کوئی بات کریں۔''

مگر جیسے ہی زاہد کی نظر اس پہ پڑی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

اس بچے کا چہرہ خون میں لت پت تھا اور ماتھے پہ ایک گہری چوٹ تھی اور اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔ زاہد نے تیزی سے اس کی نبض چیک کی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ بچہ مرا ہوا تھا۔

زاہد جلدی سے بھاگتا ہوا حویلی سے باہر نکل آیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے اندھا دھند بھگانے لگا۔

گھر پہنچتے ہی وہ بے دم ہو کر اپنے بستر پر گرا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو سامنے وال کلاک پر دن کے گیارہ بج رہے تھے۔

فریش ہونے کے بعد اس نے چابیاں اٹھائیں اور پولیس اسٹیشن پہنچ گیا۔

زاہد نے سارا قصہ انسپکٹر اشرف کے گوش گزار کیا تو وہ فوراً اپنی ٹیم لے کر اس طرف نکل پڑے۔ ایک کمرے کا جائزہ لیا گیا تو اندر کا منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سامنے بیڈ پر ایک بچے کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔ اس کے سرہانے ایک بڑھیا بھی مری پڑی تھی۔

گھر کی تلاشی لینے پر سیڑھیوں کے پاس کافی سارا خون نظر آیا۔ جو شاید اس بچے کا تھا۔ وہ چوٹ اسے سیڑھیوں سے گرنے کی وجہ سے آئی تھی۔

چند دن بعد زاہد کو فرانزک رپورٹ سے پتہ چلا کہ اس بچے کی موت تین چار دن پہلے ہو چکی تھی اور اس کی موت کے آدھے گھنٹے بعد اس کی دادی کی بھی صدمے کے سبب موت ہو چکی تھی۔ علاقہ سنسان ہونے کی وجہ سے کسی کی توجہ ان کی طرف نہیں گئی۔ زاہد کو ایک تاسف نے آن گھیرا۔

مددگار بت

محمد رضوان قیوم۔راولپنڈی

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی ہر سو اندھیرا مسلط تھا کہ اچانک کمرے میں دودھیا روشنی پھیل گئی اور پھر چھن چھن کر آواز آنے لگی تو کمرے مین سوئے نوجوان کی آنکھ کھل گئی تو اس نے دیکھا کہ.....

لفظ لفظ اور سر سر خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی ہوئی دل دہلاتی خوفناک کہانی

ایک دن میں نے حسب معمول اپنے دفتر سے چھٹی کر کے گھر پہنچا تو میں نے اپنے گھر کے دروازے پر اپنے ایک بہت ہی عزیز دوست حمدانی کو کھڑا پایا اسے میں نے اور اس نے مجھے دیکھا تو میں نے پہل کرتے ہوئے اسے ویلکم کرتے ہوئے کہا۔

''یار آج یہ چاند کیسے نکل آیا؟'' اس نے جواباً کہا۔

''یار سچی بات ہے آج میں تیرے پاس کسی کی خواہش پر آیا ہوں''

میں نے کہا۔

''کون..... کس کی خواہش پر یہاں آیا ہے؟''

اس نے جواب دیا۔

''اچھا تو ذرا تھکا ماندہ دفتر سے آیا ہے۔ میں ٹھیک ایک گھنٹہ بعد تجھے اپنی گاڑی میں لینے آجاؤں گا۔ تو بس تیار رہنا میں تجھے جس شخص سے ملوانا چاہتا ہوں تو یقین کر

اسے تجھ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے اور اس نے کل واپس لندن چلے جانا ہے۔"

"یار یہ ایسا کون سا میرا آشنا پیدا ہو گیا ہے؟ جو مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ بیٹھ تو سہی۔ چائے تو پی لے۔"

"نہیں یار میں بس گھنٹہ بھر میں تیرے پاس آتا ہوں۔" میں نے اسے بیٹھک میں بٹھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ بہت جلد مجھے یہ کہہ کر چلا گیا کہ "تو بس میرا گھنٹہ بعد انتظار کرنا میں ضرور آؤں گا۔"

وہ تو چلا گیا۔ لیکن وہ بے وقوف مجھے اس پہیلی کو سلجھانے میں الجھا گیا۔ بھلا کون میرا چاہنے والا مجھ سے اتنی بے تابی سے ملنا چاہتا ہے۔ بہر حال میں نے کھانا وغیرہ کھایا۔ 20 سے 25 منٹ آرام کیا اور تیار ہو گیا۔ کیونکہ مجھے علم تھا کہ وہ وعدے کا پکا ہے اس نے آنا ضرور ہے۔ اور وہی ہوا۔ وہ ٹھیک ایک گھنٹے بعد اپنی گاڑی لے کر میرے پاس پہنچ گیا۔

میں نے اس سے گاڑی میں بیٹھ کر پوچھا۔ "اب تو بتا دے کہ کون مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔" وہ ہنسا اور بولا۔

"میں تجھے دراصل اپنے خالو سے ملوانا چاہتا ہوں۔"

"تیرے خالو سے میرا کیا تعلق......" میں نے اچنبھے کے عالم میں کہا۔

"ارے مجھے پتہ ہے۔ میں نے ان سے تیرا ذکر کیا تھا کہ میرا دوست یعنی تو ملکی وغیر ملکی رسائل کے لیے سچی کہانی لکھتا ہے۔ تو انہوں نے مجھے کہا کہ میں تمہارے دوست کو اپنی زندگی میں بیتی سچی دلچسپی سے بھرپور، پراسرار آپ بیتی سنانا چاہتا ہوں تم مجھے اپنے دوست سے فوراً ملواؤ۔ اس لیے تجھے ان سے ملوانے اسلام آباد لے کر جا رہا ہوں۔"

"اوہ خبیث یہ بات تھی۔ تو مجھے میرے گھر پر ہی بتا دیتا۔ بے شک مجھے ہمیشہ انوکھی آپ بیتی کی تلاش رہتی ہے۔ میں ذہنی طور پر تیار ہو کر آتا۔"

20 سے 25 منٹ کی مسافت کے بعد ہماری گاڑی اسلام آباد کے بڑے مہنگے پوش علاقے میں داخل ہوئی اور وہ پوش علاقہ بھی ایسا تھا کہ وہاں تو ہم جیسے درمیانی سطح کے معاشی حالات کے لوگ رو رہنا کیا وہاں سے گزرنے کا بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں میرے دوست کے خالو کی رہائش تھی۔ وہ VIP علاقہ تھا۔ اور وہاں کم از کم کوئی بڑا صنعتکار اور وزیر ہی رہ سکتا تھا۔

ویسے تیرے خالو کرتے کیا ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

یار وہ پاکستان میں ملٹی کمپنیوں اور پلازوں کے مالک ہیں۔ بس سمجھ لے کہ دولت ان پر عاشق ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انہیں کسی پراسرار مخلوق کی دعا ہے۔

یہ کیسی دعا ہے۔ اور کس نے انہیں یہ دعا دی ہے؟

یار یہ سب باتیں وہ خود ہی تجھے اپنی ہی زبانی بتائیں گے۔ ہم جب ان کے بنگلے پر پہنچے تو مین گیٹ پر پیتل کی نیم پلیٹ پر لکھا ہوا تھا۔ سردار موسیٰ خان باہر گیٹ پر کالی وردی میں ملبوس چوکیداروں نے پہلے میرے دوست کو شناخت کرنے کے بعد اندر سے اجازت مانگی۔ اجازت ملی تو وہ اپنی گاڑی لے کر اندر گیا۔ سب سے پہلے سردار صاحب کے پی اے نے ہمارا استقبال کیا۔ میرا دوست تو اندر چلا گیا۔ مجھے بڑے سے ہال نما کمرے میں بیٹھا دیا گیا۔

میں نے اپنی زندگی میں سچ پوچھیں تو اتنی خوبصورت رنگ برنگی اٹالین ٹائلوں اور ایرانی قالینوں سے مرصع بنگلہ نہیں دیکھا تھا۔ وہاں کے در و دیواروں سے دولت امارت کی مہک آ رہی تھی۔ نوکر چاکر جو کہ پڑھے لکھے سلجھے ہوئے لگ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان نے مجھے بڑی عزت سے کہا۔

"آپ کو صاحب اندر بلا رہے ہیں۔"

میں نے اپنے بالوں اپنے کپڑوں کو اپنی انگلیوں کی مدد سے ٹھیک کیا۔ اور مہذب چال چلتا ہوا ان کے کمرے میں پہنچا۔ کمرہ بھی بہت بڑا اور خوبصورت ڈیکوریشن اور ضروریات زندگی کی سہولیات سے لبریز تھا۔ یعنی ایک چھوٹا سا فریج، ٹیلی فون، موبائلز اے سی اور بہت کچھ......

میرے سامنے سفید گون پہنے ہوئے ایک با رعب سفید مونچھوں والے قد آور گوری رنگ پر مشتمل منہ

میں قیمتی سگار لگائے سردار موسیٰ خان کھڑے تھے۔

''یہ میرے خالو ہیں اور یہ میرا دوست اسٹوری رائٹر ہے۔'' تو انہوں نے مسکرا کر مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا۔

جب سے اس نے آپ کے بارے میں مجھے بتایا ہے تو مجھے اسی وقت سے آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ درحقیقت میں آپ کو اپنی ایک بڑی عجیب مافوق الفطرت کہانی سنانا چاہ رہا تھا۔ اور یہ میری دلی خواہش ہے کہ میری یہ کہانی کسی ڈائجسٹ میں شائع ہو۔''

''اگر ایڈیٹر صاحب نے مناسب سمجھا اور کہانی اچھوتی دلچسپ ہوئی تو ضرور ڈائجسٹ میں چھپے گی۔''

میں نے انہیں تسلی دی۔ یوں تو ان سے بہت باتیں ہوئی۔

لیکن میں قارئین کے لیے صرف ان کے لبوں سے نکلی من وعن آپ بیتی لکھ رہا ہوں۔ بقول سردار موسیٰ صاحب کے۔

جب پاکستان بنا تو میری عمر اس وقت بمشکل 10 سال ہو گی اور مجھے یہاں یہ بتاتے ہوئے قطعی شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی کہ میرا باپ جس کا نام حاجی غلام اللہ تھا۔ وہ بھارت کے شہر جہاں پور سے تھا جبکہ میری والدہ کا تعلق شہر جبین سے تھا۔ پیشے کے لحاظ سے میرا باپ اپنے شہر کی ایک ہندو مارکیٹ میں ماشکی کا کام کیا کرتا تھا۔ وہ بے چارہ پیسہ در پیسہ کے عوض پیاسے لوگوں کو پانی پلایا کرتا تھا۔ میرا باپ کہتا تھا کہ بیٹا میں نے اپنی زندگی میں وہ ذریعہ ماش چنا ہے جو کہ بذریعہ روزگار بھی ہے۔ اور باعث ثواب بھی۔

ہم شاہ جہاں پور کے ایک چھوٹے سے علاقے رامپوری محلہ میں ایک تنگ و تاریک گلی کے ایک کوارٹر میں رہائش پذیر تھے۔

میری ایک بہن ساجدہ تھی اور میرے علاوہ مجھ سے بڑا بھائی قمر الدین تھا جو کہ اس زمانہ میں دوسری یا تیسری کلاس میں پڑھتا تھا۔ میں غالباً پہلی کلاس میں پڑھتا تھا۔

میری والدہ جن کا نام خدیجہ بی بی تھا وہ بہت نمازی پرہیز گار اور خدا ترس خاتون تھیں۔ ہمارے کوارٹر سے تھوڑے فاصلے پر ہمارے چچا کی فیملی رہتی تھی۔

چچا کی شہر کی مارکیٹ میں مٹھائی کی دکان تھی۔ یعنی وہ ہم سے معاشی لحاظ سے لاکھ درجے بہتر تھے۔ ان کا اپنا ذاتی دو منزلہ مکان تھا۔ جبکہ ہم کرائے کے کوارٹر میں رہتے تھے۔

ہمارے چچا دانش خان انتہائی اکھڑ اور اپنی کمائی سے مطلب رکھنے والے انسان تھے۔ وہ کبھی بھی ہمارے گھر نہیں آتے تھے۔ اور نہ ہی ان کی فیملی ہم غریبوں کے گھر آ کر جھانکتی تھی۔ ان کی فیملی میں ان کی ایک بیٹی فوزیہ اور ان کے دو بیٹے ناصر اور ریحان تھے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ میرے ابا نے چند روپے جوڑ کر اس زمانہ میں غالباً 400 روپے کی عوض وہ پرانا کوارٹر جس کا مالک ایک ہندو تھا۔ اس سے خرید لیا تھا۔ چچی مینا ہمارے کوارٹر میں اس کی ملکیت کی خوشی میں مبارک باد دینے آئی۔ لیکن چچا کو آنے کی توفیق نہ ہوئی کہ وہ جھوٹے منہ ہی مبارک باد دینے آجاتے۔ میرے چچا جب کبھی بھی ابا سے ملتے تو انہیں طعنہ دیتے تھے کہ۔

''ابے! میرے پاس برفی بنایا کر میں تجھے روزانہ دو روپے دے دیا کروں گا اور اپنے بچوں کی تعلیم چھڑوا کر انہیں کوئی گولی ٹافی کی دکان کھلوا دے۔''

لیکن ابا کیوں کہ شریف انسان تھے۔ ان کی الٹی سیدھی سن کر خاموش ہو جاتے تھے۔ چچا اور چچی جب کبھی اتفاق سے ملتے تو وہ کوئی نہ کوئی طنزیہ بات ضرور کرتے تھے۔

1947ء میں جب پاکستان بنا تو ہمارا لٹا پٹا خاندان کا مونگی آ کر رکا۔ دراصل کا مونگی اس زمانہ میں اتنا آبادی والا گنجان آباد علاقہ نہ تھا۔ وہاں میرے ابا کے قریبی رشتہ دار جنہیں ہم خالو نسیم کہا کرتے تھے۔ ان کے پاس آئے۔ بلکہ انہوں نے ابا کو بلا لیا تھا۔

اس زمانہ میں خالو نسیم اپنے علاقہ میں پوسٹ مین تھے۔ وہ ہماری فیملی کو والٹن کیمپ سے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ بڑے دلیر تھے۔ انہوں نے ہمارے لیے

یہ کیا کہ انہوں نے ہمارے خاندان کی آمد سے پہلے ہی کسی ہندو پنڈت کے چھوڑے ہوئے خالی مکان کا تالہ توڑ کر ہمارے لیے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس مکان کی دو منزلیں تھیں۔ مکان کافی وسیع تھا تقریباً 8 مرلہ تھا۔ نیچے کے حصے میں ہم تھے۔ اور اوپر کا حصہ تقریباً خالی تھا۔ وہاں اماں جی نے کچھ کوڑا کباڑ یعنی پرانی چارپائیاں وغیرہ رکھوا دیں۔ اوپری حصے میں جگہ جگہ چھوٹے موٹے بت اور مورتیاں لگی ہوئی تھیں۔ جبکہ نچلے حصے میں اکا دکا ہندوانہ طرز مذہبت کی علامات تھیں۔

ابا، اماں کیونکہ مذہبی ذہن کے حامل تھے۔ لہٰذا انہوں نے ہم بہن بھائیوں کو کہا کہ۔

''ہندوانہ مذہبی بتوں، مورتیوں کو نکال کر یہاں اسلامی یا قرآنی آیات پر مشتمل چیزیں لگا دو، ہم نے ایسا ہی کیا مکان سے سب مورتیاں ہٹا دیں گئی لیکن ایک چھوٹا سا بت جو کہ سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا تھا۔ وہ دراصل کسی گول بچے کی طرح کا ہنستا مسکراتا ہوا بت تھا۔

میں نے جب اسے بغور دیکھا تو مجھے بڑا اچھا لگا اور وہ بنا ہوا اس طرح کا تھا۔ کہ ایسا لگتا تھا جیسے کہ دیکھنے والے کو مصنوعی طور پر دیکھ رہا ہے۔ میری اماں نے کہا کہ۔

''اس کو اکھاڑ دو اور باہر پھینک دو۔''

میں نے کہا۔ ''نہیں اماں اسے باہر نہ پھینکو یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔''

''نہیں، نہیں بیٹا ہم مسلمان ہیں۔ اور یہ ہندوانہ پوجا والا بت لگتا ہے۔ اسے یہاں سے نکالو لیکن میں نہ مانا۔

ایک دن ابالا ہور شہر سے ایک مزدور پکڑ لائے اس نے اس بت کو اکھیڑنا شروع کر دیا۔ میں اس وقت بچہ تھا۔ میں نے بت اکھیڑنے والے مزدور سے استدعا کی کہ خدا کے لیے اسے پیچھے سے یعنی مکمل نکالو اور یہ ٹوٹنے نہ پائے وہ تھا بھی بہت خوبصورت نجانے کیوں میرے دل نے کہا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے۔

لہٰذا مزدور نے میری بات مان لی۔ اس نے بڑی احتیاط سے مزکورہ بت کو نکال کر میرے ہاتھوں میں دے دیا۔ میں نے اسے اپنے ٹین کے ایک بکس میں امی ابا اور خاندان کے دیگر افراد سے چھپا کر رکھ دیا۔ میں نے اسے چپکے سے اچھی طرح صابن سے دھویا صاف کیا۔ میں نے اسے دیکھا تو مجھے اچھا لگا جیسے سنگ مگر مر کا بت صرف میرے لیے مسکرا رہا ہے۔ میرا یہ روز کا معمول بن چکا تھا۔ کہ میں اسے روزانہ اسکول سے آ کر اس کو دیکھتا اس سے کھیلتا، وہ دراصل میرا کھلونا بن گیا تھا۔

ابھی ہمیں اس مکان میں رہتے ہوئے چند ماہ ہی گزرے ہوں گے کہ ابا کے پاس چچا کی فیملی بھی آ گئی۔ وہ لٹے پٹے شاہ جہاں پور سے آئے تھے۔ ہندو بلوائیوں نے ان کے مکان دکان کو نہ صرف آگ لگا دی تھی اور دکان اور مکان کے کاغذات بھی جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ اب ان کے پاس اپنی جائیداد کے کلیم کرنے کا کوئی ثبوت نہ تھا۔

دوسری جانب چچا کا ایک لڑکا ریحان بھی شہید ہو گیا تھا۔ اور فوزیہ کو کسی سکھ نے اٹھانے کی کوشش کی وہ ان کے ہاتھ آنے سے تو بچ گئی لیکن اس کی ایک ٹانگ تلوار کا وار لگنے کی وجہ سے ضائع ہو گئی۔ اس حالت میں بڑا معذور اور خاموش طبع تھی۔ لٹے پٹے چچا کو دیکھ کر ابا کو ترس آ گیا۔ ظاہری بات ہے۔ کہ وہ ان کا بھائی تھا۔

چچا نے ابا کو کہا کہ وہ چند روز یہاں رہ کر چلے جائیں گے۔ ابا اور اماں رحم دل سادی طبیعت کے حامل تھے۔

انہوں نے چچا کی لٹی پٹی فیملی کو اوپر کا حصہ دے دیا۔

ادھر میں اپنی بہن ساجدہ اور چچا کی بیٹی فوزیہ کے ساتھ کھیلتا، مستیاں اور لڑائیاں کرتا (جو بچے اکثر کیا کرتے تھے) سنگ مرمر کا وہ سفید بت میں نے چپکے سے اپنی ٹین کی پرانی سی پیٹی میں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ میں اس کو جب کوئی نہ ہوتا تو اس سے باتیں کرتا، اسے پیار کرتا، حالانکہ وہ بے جان ہوتا تھا۔ لیکن مجھے نہ جانے کیوں ایسا لگتا جیسے وہ مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔ اور وہ بھی میری طرح کا ایک بچہ ہے۔

اب چچا کی بات سنیے، چچا چونکہ نہایت چالاک مطلب پرست ہوشیار انسان تھے۔ انہوں نے ابا کو لاہور شہر لے جا کر وہاں کلیم کے دفتر میں ابا سے نہ جانے کیا کیا بیان دلوائے اور چال بازی سے کاغذات پر دستخط انگوٹھے

لگوائے کہ ایک دن انہوں نے دعوہ کر دیا کہ ابا نے انہیں اس مکان کے حقوق ان کو دے دیئے ہیں اور اب ان کا اس مکان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

چچا کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے تھے کہ اماں کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ وہ سنبھل نہ سکیں۔ ابا پریشان ہو گئے لیکن انہوں نے چچا کو بددعا تک نہ دی۔ وہ بھی ہم تینوں بہن بھائیوں کو اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے میرا بھائی قمرالدین، بہن ساجدہ اور میں تین بچے اپنے ہی گھر میں بے آسرا اور پریشان تھے۔ ادھر چچا نے وقتی جھوٹی ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

''تم جب تک چاہو بغیر کرایہ کے اس مکان میں میرے ساتھ رہو اور میری دکان پر کام کرو میرے بھائی قمر الدین نے کہا۔ چچا تم نے ہمارے ابا کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔ ان سے لاعلمی میں دستخط لے کر یہ مکان اپنے نام کرا لیا ہے۔ لہٰذا یہ مکان ہمارا ہے۔ چچا نے یتیم بھتیجے کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

بہر حال ہم چند روز فقیروں کی طرح نچلی منزل پر رہے لیکن ہمارا کوئی بس نہ چلا۔ ہم کر بھی کیا سکتے تھے۔ بچے جو تھے اور وہ بھی مالی طور پر فارغ.....

خالو نسیم نے اپنے طور پر چچا سے قانونی ٹکر لینے کی کوشش کی لیکن ان کی بھی ایک نہ چلی وہ بالآخر تھک ہار کر ہم تینوں بہن بھائیوں کو اپنے گھر لے گئے۔ چچا چچی نے ہمیں بہت ذلیل کر کے نکالا۔

میرے ٹین کے بکس میں پڑے سنگ مرمر کے بت کو ناصر نے اٹھا کر بے دردی سے باہر پھینکا اور مجھے گالیاں دیں۔

بہر حال جتنی تذلیل، ذلت ہمارے خاندان کو ہجرت کے موقع پر ہندوؤں سکھوں سے نہیں ہوئی تھی۔ اپنے رشتے داروں سے ہوئی۔ اچانک آئی مصیبت، ابا، اماں کی وفات اور مکان کا چھن جانے کی وجہ سے ہم تینوں بہن بھائیوں کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔ کہ کیا کیا جائے۔

خالو نسیم نے ہمیں اپنے گھر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں جگہ دے دی اور کہا۔

''بیٹا جب تک میری زندگی ہے میری بیوی اور بیٹی رقیہ تمہیں کچھ نہ کہیں گی۔ تم یہاں پڑھو لکھو بس اسے اپنا گھر سمجھو۔

میں سارا دن اپنے بہن بھائیوں کی طرح ابا اماں کو یاد کر کے روتا رہتا تھا۔

سنگ مرمر کا وہ بچہ بت مجھے تصوراتی طور پر ایسا لگتا جیسے وہ میرے غم کے ساتھ غمگین ہو کر رو رہا ہو۔

ایک رات ہم تینوں بہن بھائی اپنے کمرے میں سو رہے تھے کہ میرے خواب میں وہی بت ایک خوبصورت بچہ بن کر آیا۔ جس نے سفید اجلے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے کہا۔

''سردار موسیٰ تیرا شکریہ تو نے مجھ سے محبت اور میری قدر کی۔ تو گھبرا نہیں، صبر کر تجھے میری دعا ہے تجھے عروج ملے گا اور تمہارے دشمنوں کا بیڑا غرق ہو گا۔ اور تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

صبح سے میں بڑی بے چینی سے اٹھا۔ سیدھا اپنی پیٹی کے پاس آیا جہاں وہ بت پڑا ہوا تھا۔ میں نے جب پیٹی کھولی تو وہاں وہ بت حیرت انگیز طور پر موجود نہ تھا۔ میں بہت پریشان ہوا کہ کہاں گیا وہ..... میں نے بہن ساجدہ بھائی قمرالدین سے پوچھا۔ دونوں نے قسم کھا کر کہا کہ انہیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ میں بہت رویا مچلا لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔

دوسرے دن میں جب مایوسی کے عالم میں سویا تو میرے خواب میں وہی سنگ مرمر کا بچہ بت آیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''موسیٰ خان تم خوب پڑھو محنت کرو، اپنے بہن بھائی کو پڑھاؤ تم کتنے سرخرو ہو گے۔ تمہیں میری دعا ہے گھبراؤ نہیں مجھے نہ ڈھونڈ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

خالو نسیم نے ہم تینوں بہن بھائیوں کو کامونکی کے ایک اچھے اسکول میں داخل کروا دیا۔ پہلے اوسط درجے کے اسکول سے ہمیں ہٹوا دیا کیونکہ وہاں تعلیم بہتر نہ تھی۔ جبکہ چچا دانش نے اپنے بیٹے ناصر کو کامونکی بازار میں اپنے

ساتھ مٹھائی کی دکان کھول کر دی۔

تین چار سال بعد یہ ہوا کہ چچا کے گھر سے ناصر کے چلانے کی خوفناک آوازیں آنے لگیں آوازیں بھی بڑی دل پھاڑ تھیں۔ جب ہمیں پتہ چلا تو ہم فوراً وہاں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر یہ دیکھا کہ ناصر زور زور سے پاگلوں کی طرح دیواروں اور شیشوں کی الماریوں سے اپنا سر ٹکرا رہا ہے۔ اس کا چہرہ خونم خون ہوا ہے اور اس کے منہ سے بڑی بھاری کئی کئی بے ترتیب آوازیں آ رہی ہیں۔ اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔

''ابا جان تایا سے معافی مانگو! تم نے ان کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔'' اسے چچا اور چچی نے بری طرح پکڑا ہوا تھا۔ لیکن وہ اتنا طاقتور انداز میں مچل رہا تھا۔ کہ آپے سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ جبکہ ان کی لنگڑی بہن فوزیہ بے چاری رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔

ہم تینوں بہن بھائی سیدھے فوزیہ کے پاس گئے۔ ساجدہ اس سے چمٹ گئی۔ قمر الدین نے چچا کی مدد کی یعنی انہوں نے ناصر کو ان کے ساتھ پکڑ لیا۔ لیکن وہ کسی طرح قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

ڈاکٹر کو بلوا لیا گیا اس نے صرف تسلی دی اور صرف بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دیا۔ ناصر کا بہت علاج کروایا لیکن اسے بالآخر مینٹل اسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ ادھر چچا کے گھر میں آئی مصیبت ختم نہ ہوتی۔

ہوا یوں کہ چچی اوپر اس کمرے میں جہاں سے وہ سفید سنگ مرمر کا بت اکھیڑا گیا تھا۔ بقول ان کے انہیں وہاں وہی سفید سنگ مرمر کا بت نظر آیا۔ جو کہ مچان پر چڑھا انہیں چڑا رہا تھا۔ وہ بالکل شرارتی بچہ بن کر ان سے کہہ رہا تھا کہ تم نے میرے دوست کی فیملی کو تنگ کیا ہے۔ اب تم ساری زندگی سکون سے نہ رہ سکو گی۔ میں تمہیں کبھی بھی سکون سے رہنے نہیں دوں گا۔

وہاں موجود چچا کے ہمدرد لوگوں نے جب ان کی یہ کیفیت دیکھی تو مجھ سے التجا کرنے لگے۔

''خدا کے واسطے تمہیں اگر وہ بت کہیں نظر آئے تو اس سے کہو کہ ان کی جان بخشی کر دے۔''

میں نے انہیں کہا کہ وہ تو خود مجھے نہیں مل رہا ہے۔ وہ گم ہو گیا ہے ہاں وہ کبھی کبھار میرے خوابوں میں آتا ہے۔ لیکن اس سے میں یہ کیسے کہہ پاؤں گا کہ چچا کے خاندان کو تنگ نہ کرے میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ مجھے اگر چہ خواب میں نظر بھی آتا تھا تو مجھ سے صرف اتنا کہتا تھا۔

''موسیٰ خان تو سردار ہے تو قسمت کا سردار بنے گا اور تیرا چچا رسوا و ذلیل ہو گا۔

اس بات کا اگر چہ میں نے کسی سے ذکر نہ کیا۔

سردار موسیٰ خان نے کہانی کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ اس کہانی کا انجام یہ ہوا کہ میرا کزن ناصر مینٹل ہسپتال میں پاگل پنے کی حالت میں وفات پا گیا۔ چچا کم ذہن ہو گئے۔ ان کی موت بھی بڑی بھیانک ہوئی۔ چچی کا ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ اور وہاں فوزیہ کی شادی خالو نسیم کے حکم کے مطابق میرے بڑے بھائی قمر الدین سے کرا دی گئی۔

وہ آج کل امریکہ میں خوش ہیں۔ ساجدہ نے M.C.S کی وہ آج کل لندن میں اپنے پروفیسر خاوند کے ساتھ رہتی ہے۔ جبکہ میں نے خالو نسیم کی بیٹی سے شادی کر لی۔

میں نے زندگی بھر خوب محنت کی چچا والا مکان جو کبھی انہوں نے دھوکے سے میرے ابا سے ہتھیا لیا تھا۔ اسے خرید کر ایک مدرسہ کو عطیہ کر دیا تھا۔ تاکہ چچا کے گناہوں کا ازالہ ہو سکے اور ہمارے ابا اماں کی قبر ٹھنڈی رہ سکے۔ ان کا ثواب انہیں بھی پہنچے۔

آخر میں سردار موسیٰ خان نے مجھے بتایا کہ۔ ''میں جو بھی کچھ ہوں اس میں اس بت بچے کی دعائیں شامل ہیں جو وہ مجھے خوابوں میں دیا کرتا تھا۔''

میں نے ان سے آخری سوال پوچھا کہ۔ ''کیا اب بھی آپ کو وہ بت بچہ نظر آتا ہے۔''

وہ بولے۔ ''نہیں بہت عرصہ ہوا گیا تقریباً 15 سال ہو گئے ہیں وہ کبھی خواب میں نظر نہیں آیا۔''

موت کا سامنا

محمد زعیم انگڑا۔ضلع خوشاب

اچانک کمرے میں دوشیزہ کا کٹا ہوا بازو ہوا میں معلق ہوا اور کندھے سے جڑ گیا اور پھر دوشیزہ کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا تو وہاں پر موجود سارے لوگ دہل کر رہ گئے اس کے بعد پھر ایک ہولناک منظر رونما ہوا۔

حقیقت سے روشناس کراتی اپنی نوعیت کی عجیب وغریب دماغ سے محو نہ ہونے والی روداد

یہ جو واقعہ میں تحریر کر رہا ہوں، میرے پردادا نے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ دادا کی زبانی سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے تو یہ سوچنے کی بات ہے کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہوگا اس کی حالت کیا ہوگی یقیناً بہت لرزہ براندام تو یہ انہی کی زبانی سنیں۔

میرا نام شمس عالم ہے۔ جس وقت یہ واقعہ میرے ساتھ پیش آیا اس وقت میری عمر اٹھائیس سال تھی۔ میرا اونٹوں کا کاروبار تھا۔ چونکہ اس وقت گاڑیوں کا کوئی تصور نہیں تھا اس لیے زیادہ تر لوگ سفر کے لئے اونٹ استعمال کرتے تھے۔ اونٹوں کے لین دین کے لیے مجھے دور دراز کے علاقوں کا سفر کرنا پڑتا تھا۔

یہ خوفناک حادثہ بھی ایک سفر کے دوران رونما ہوا بلکہ اس سفر کے دوران ایک نہیں بلکہ دو خوفناک حادثے رونما ہوئے۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ سخت گرمیوں

میں مجھے اونٹوں کی خریداری کے لیے ایک دور دراز علاقے میں جانا پڑا۔

وہ علاقہ بہت دور تھا اور اس علاقے تک جانے والے صحیح راستے کا بھی مجھے علم نہ تھا۔ میں نے اپنے دیرینہ دوست انور شاہ سے ملاقات کی۔ میرا یہ دوست اس علاقے میں خود تو کبھی نہیں گیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ علاقہ کہاں ہے۔

اس علاقے کا نام ''جھوک دامن'' فرض کر لیتے ہیں۔

میں نے اپنے دوست انور شاہ سے ساتھ چلنے کی درخواست کی تو اس نے بخوشی قبول کیا اور ہم جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ راستے میں جنگلی درندوں وغیرہ سے سامنا کا خطرہ تھا اس لیے تلواریں وغیرہ بھی ساتھ لے لیں۔ کھانے کا سامان پیک کرنے کے بعد ہم صبح سویرے دو گھوڑوں پر سوار ہو کر اس دشوار راستے پر روانہ ہو گئے۔

ہمارے وہم و گمان بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ ہماری زندگی کا سب سے خوفناک اور خطرناک سفر ثابت ہو گا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ قدم قدم پر موت کا خطرہ منڈلائے گا۔

بہر حال پہلا دن بخیر و عافیت سے گزر گیا۔ اندھیرے پھیلنے تک ہم ایک نہر کے کنارے پہنچ گئے۔ کنارے پر ہمیں ایک جھونپڑی نظر آئی، تو ہم سیدھے وہاں پہنچ گئے۔ وہاں ہماری ملاقات ایک بوڑھے سے ہوئی۔ بابا جی کے دریافت کرنے پر ہم نے انہیں بتایا کہ مسافر ہیں اور ہماری منزل جھوک دامن ہے۔

بابا نے حیران بھری نظروں سے ہمیں دیکھا اور کہا۔ ''بیٹا وہ تو بڑا خطرناک راستہ ہے۔ قدم قدم پر تم لوگوں کو موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

ہم نے بابا جی کی بات کو مذاق میں ٹال دیا تو بابا نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہیں میری بات کا یقین بہت جلد آ جائے گا۔ نہر کے دوسرے کنارے پر تمہارا سامنا ایک عفریت سے ہو گا۔''

بہر حال رات گئے تک بابا جی ہمیں سفر کی خوفناکیوں سے ڈراتے رہے اور پھر سونے چلے گئے۔

ہم نے پہلے بھی اس طرح کی کہانیاں اور واقعات اپنے آباؤ اجداد سے سن رکھی تھیں۔ ہم نے ان باتوں کو ایک من گھڑت کہانی سے زیادہ اہمیت نہ دی۔

دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر ہم جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ تو بابا نے ایک دفعہ پھر اس عفریت کا ذکر کیا اور تنبیہ کی کہ ''بے شک تم دونوں بہادر ہو لیکن اس سے مقابلے کا خیال ذہن میں مت لانا بلکہ جتنا ہو سکے اس سے دور رہنے کی کوشش کرنا۔ اس کا اپنا ایک خاص علاقہ ہے۔ اگر کوئی چیز اس علاقے سے باہر نکل جائے تو وہ اس کا پیچھا نہیں کرتا۔

بہر حال ہم نے گھوڑے اس نہر میں ڈال دیے اور بخیر و عافیت سے گھوڑے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگانے شروع کر دیے۔ وہاں عفریت کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ ہم ایک بار پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔ جہاں سے ہم گزر رہے تھے وہاں چاروں طرف جڑی بوٹیاں اور سرکنڈے وغیرہ تھے جیسا کہ نہروں اور دریاؤں کے کناروں پر ہوتے ہیں۔

اچانک میں نے سرکنڈوں کے جھنڈ سے ایک عفریت کو نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کو دیکھتے ہی حیرت سے گنگ ہو گیا۔ میری آنکھیں پتھرا گئیں۔ خدا کی پناہ ایسا خوفناک انسان نما عفریت میں نے ساری زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ آٹھ فٹ اونچا، بھینسے جیسا موٹا، جسم پر بڑے بڑے بال اور سب سے خوفناک چیز اس کی گردن تک نکلی ہوئی زبان اور اس سے ٹپکتا ہوا خون۔

اس خوفناک بلا کو دیکھ کر کچھ لمحوں کے لیے تو ہم اور ہمارے گھوڑے بھی ساکت رہ گئے۔ پھر میرے دماغ میں اس بوڑھے بابا کی آواز گونجی۔ ''جتنا ہو سکے اس عفریت سے دور رہنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔''

عفریت کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔

خدا کی پناہ! کتنی دہشت تھی اس کی آنکھوں میں میں نے اس کی آنکھوں سے اپنی آنکھیں ہٹائیں اور لرزتی ہوئی آواز میں چلایا۔ ''بھاگو انور؟'' اور ساتھ ہی گھوڑے کو ایڑ لگایا، اس کے ساتھ ہی وہ عفریت کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح ہمارے پیچھے دوڑا میرے بالکل ساتھ ہی انور کا گھوڑا دوڑ رہا تھا اور تقریباً بیس گز کے فاصلے پر وہ انسان نما عفریت دوڑ رہا تھا۔ اس کے منہ سے نکلتی ہوئی عجیب وغریب آوازیں ہمیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہم دونوں کے چہرے دہشت سے زرد تھے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس عجیب وغریب شکل والے انسان نما عفریت سے کس طرح چھٹکارا حاصل کریں۔

میں نے اپنے بے شمار سفر کے دوران ان گنت جانوروں کا سامنا کیا تھا لیکن اس جیسی دہشت ناک چیز سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اونچے نیچے راستے پر گھوڑا دوڑاتے ہوئے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مجھ پر یہ روح فرسا انکشاف ہوا کہ گھوڑوں کو پوری رفتار سے دوڑانے کے باوجود ہمارا اور اس عفریت کا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا ہے۔

میں نے چلا کر کہا۔ ''انور! ہمیں اس کا کچھ اور بندوبست کرنا پڑے گا ورنہ اگلے چند لمحوں میں یہ آسانی سے ہم تک پہنچ جائے گا پھر ہمارا بچنا مشکل ہو جائے گا۔''

''کیا کیا جائے؟'' انور نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے چند لمحوں کے لئے سوچا اور چلا کر کہا۔ ''میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ ہم غیر محسوس انداز میں گھوڑوں کی رفتار کم کرتے ہیں لیکن گھوڑے دونوں ایک دوسرے کے برابر۔ جب وہ نزدیک آنے کی کوشش کرلے گا تو تمہارے اور میرے گھوڑے میں سے کسی ایک پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر تم پر حملہ آور ہوا تو میں تلوار سے اس پر حملہ کروں گا اور اسے اپنے سے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اگر اس نے مجھ پر حملے کی کوشش کی تو یہ کام تم کرو گے۔''

میں نے لمبے لمبے سانس لے کر اپنے سانس کو ہموار کرنے کی کوشش کی اور پھر چلا کر بولا۔

''یاد کرو بوڑھے نے کہا تھا کہ اس عفریت کا ایک مخصوص علاقہ ہے اگر ہم اس علاقے سے نکل گئے تو پھر یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور ساتھ ہی اس نے مخصوص علاقے کی نشاندہی بھی کی تھی۔

اگر ایک بار ہم ان اونچے نیچے، کٹے پھٹے راستے سے آگے نکل گئے تو وہ ہم تک نہیں پہنچ سکے گا۔''

انور اور میں نے بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھا وہ عفریت تیزی سے درمیانی فاصلہ عبور کر رہا تھا۔ اس کے منہ سے خون کے چھینٹے اڑ رہے تھے۔ خون نے اس کے بالوں بھرے جسم کو رنگین کر دیا تھا۔ ہم نے آہستہ آہستہ گھوڑوں کی باگیں کھینچنا شروع کر دیں۔ گھوڑوں کی رفتار غیر محسوس انداز میں کم ہونے لگی۔ ہم نے میان میں سے تلواریں نکال لیں اور آنے والے کڑے وقت کے لیے تیار ہو گئے۔

جیسے ہی وہ عفریت نزدیک آیا، اور انور پر جھپٹا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے انور کے گھوڑے کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر پوری قوت سے وار کیا۔

''کرچ'' کی آواز کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ کلائی سے جدا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے دلدوز چیخ نکلی اور وہ ڈگمگایا اور قلابازیاں کھاتے ہوئے گر گیا اور ہم تیزی سے گھوڑے بھگاتے چلے گئے۔

وہاں سے کافی دور آنے کے بعد ایک جگہ ستانے کے لیے ہم رکے اور ہماری جان میں جان آئی۔ پچھلا ایک گھنٹہ ہم نے سخت اذیت میں گزارا تھا اور ہمارا جوڑ جوڑ ہل رہا تھا۔ ہم کچھ وقت کے لیے وہاں رکے اور پھر اس عفریت کے ڈر سے آگے روانہ ہو گئے۔

اگلے دو دنوں میں کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہ ہو۔ جب ہمارے ذہن میں عفریت کا سراپا گھومتا تو ہم کپکپا اٹھتے تھے اور ہر گھڑی ہمیں یہ ڈر رہتا کہ کہیں وہ عفریت دوبارہ نمودار نہ ہو جائے۔

بہر حال اس کے بعد کوئی واقعہ پیش نہ آیا لیکن سفر کے تیسرے دن ہمارے ساتھ ایک بہت ہی

بھیانک واقعہ رونما ہوا۔ اس واقعے کی خوفناکی کو محسوس کر کے میں آج بھی کانپ اٹھتا ہوں۔ اس واقعہ میں میں نے اپنے عزیز دوست انور کو بھی کھو دیا تھا۔

رات کے نو بجے کا وقت تھا۔ ہم نے ایک چھوٹے سے غار میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا اور کیڑے مکوڑوں سے بچنے کے لیے آگ بھی جلا رکھی تھی۔ گرمی تو محسوس ہو رہی تھی لیکن آگ جلانا مجبوری تھی۔ ہم دونوں نے غار کی دیواروں کے ساتھ ٹیک لگائی اور سونے کے لیے آنکھیں موند لیں۔ ہمیں آنکھیں بند کیے ابھی کچھ ہی وقت ہوا تھا کہ

اچانک غار کے باہر آہٹ ہوئی اور ایک عورت کے بین کرنے کی آواز آئی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا اور اس کے ساتھ ہی انور بھی بیدار ہو گیا۔ ہم اس آواز کا ماخذ جاننے کے لیے اٹھنے ہی والے تھے کہ ایک ڈراؤنی شکل والی عورت غار میں داخل ہوئی۔

خدا کی پناہ بہت ہی بھیانک شکل تھی اس کی۔ کٹے ہوئے ہونٹ اور ایک آنکھ تھی اس کی۔ میں نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا.....

''کک.....کون ہو تم.....؟''

'' ہا..... ہا..... ہا .....میں..... میں کون ہوں.....؟ میں ..... میں چڑیل ہوں۔ بھوکی پیاسی ہوں۔ کئی سالوں بعد کسی انسان پر نظر پڑی ہے۔ میں کھاؤں گی تم میں سے کسی ایک کو۔ مجھے ایک بزرگ نے یہاں پر قید کر دیا تھا۔ بڑا عرصہ ہو گیا یہاں سے کسی انسان کا گزر نہیں ہوا۔'' وہ قہقہے بھی لگاتی رہی اور ایک ہی سانس میں اپنی کہانی بھی سنا ڈالی۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھتا وہ انور کی طرف بڑھی۔ میں یہ دیکھ کر تلوار کو ہاتھ میں لیتے ہوئے تیزی سے اٹھا اور اس چڑیل پر حملہ کر دیا۔ وہ پوری طرح انور کی طرف متوجہ تھی۔ اس لیے مجھے حملہ کرتے ہوئے نہ دیکھ سکی۔ میں نے اس کے نزدیک پہنچتے ہی تیزی سے تلوار گھمائی اور اس کا ایک بازو کندھے سے علیحدہ ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر اذیت کے تاثرات نمودار ہوئے لیکن فوراً ہی اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے۔ اور پھر میں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔

اچانک ہی اس کا کٹا ہوا بازو ہوا میں معلق ہوا اور کندھے سے جڑ گیا اس نے قہقہے لگاتے ہوئے میری طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر گردن سے پکڑ کر دیوار پر دے مارا۔ میرا سر دیوار سے ٹکرایا اور میرا سر چکرانے لگا۔ مشکل سے میں نے چکراتے ہوئے ذہن کو سنبھالا اور کھڑا ہوا۔ اتنے تک انور بھی اس پر حملہ آور ہو چکا تھا لیکن اس کے ساتھ بھی میرے والا عمل دہرایا گیا ہم دونوں گرے ہوئے تھے اور وہ نزدیک کھڑی قہقہے لگا رہی تھی۔

وہ خوفناک لہجے میں بولی۔ ''تم میں سے ایک ہی یہاں سے زندہ بچ کر جا سکتا ہے۔'' میں دیکھ چکا تھا کہ اس کو ہرانا ناممکن ہے۔ اس لیے میں نے انور کی طرف دیکھا اور کہا، ''تم جان بچا کر نکل جاؤ۔''

تو انور نے حیرانی سے مجھے دیکھا اور مضبوط لہجے میں بولا۔ ''چاہے تم کچھ بھی کہو، تمہیں میری قسم تم یہاں سے چلے جاؤ اور اب ایک لفظ بھی نہیں بولو گے تم۔'' میں نے نمناک نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اس کے گلے لگ گیا۔ اس نے میری پشت تھپتھپائی اور چڑیل کے ساتھ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں وہیں بے دم ہو کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد واقعات تیزی سے رونما ہوئے میں بغیر کسی مشکل کا شکار ہوئے آسانی سے جھوک دامن پہنچ گیا اور وہاں سے اونٹ لے کر دوسرے راستے سے اپنے گھر واپس پہنچ گیا۔

جب بھی مجھے وہ خوفناک سفر یاد آتا ہے تو ساتھ ہی میرے ذہن میں اس دیرینہ دوست کی شبیہہ ابھرتی ہے جس نے میری خاطر اپنی جان بھی قربان کر دی۔

سچ کہتے ہیں اگر دوست مخلص ہو تو اس رشتے سے بڑھ کر کوئی اور رشتہ مضبوط نہیں ہوتا۔

موت کا پیچھا

مریم فاطمہ۔ کراچی

بھول بھلیوں سے جان چھڑا کر جب وہ باہر آئے تو اچانک ایک بری سی ہولناک اور خوفناک چمگادڑ نے ان پر جھپٹا مارا اور اس صورت میں ان کے کچھ بال اکھڑ گئے پھر ایسا ہوا کہ چمگادڑ نے.....

خوف کے افق پر جھلمل کرتی دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی ہولناک اور دہشتناک کہانی

آلیور اور مائیکل ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ٹی پر جانوروں پہ بنایا گیا خصوصی پروگرام دکھایا جا رہا تھا۔ لیکن ان کا دھیان کہیں اور تھا وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ موسم بھی خوشگوار تھا۔ اور شاید موسم کو ہی دیکھتے ہوئے دونوں بڑے اچھے موڈ میں تھے۔ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی تو مائیکل نے فون اٹھایا۔

مائیکل ''ہیلو''

دوسری طرف سے بڑے اترا کر جواب موصول ہوا۔

''ہیلو۔ میرا نام وکٹوریہ ہے۔ مجھے پہچانا؟''

مائیکل۔ ''معاف کیجئے گا نہیں پہچانا۔''

ایک بار پھر اسی لہجے میں جواب موصول ہوا۔

''ہاں بھئی مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ مائیکل کسی حد تک بے وفا ہے۔ ارے بھئی میں تمہارے ساتھ

یونیورسٹی میں تمہاری کلاس فیلو ہوا کرتی تھی۔''

مائیکل۔'' اوہ مائی گاڈ، میں نے پہچان لیا۔ تم نے بھلا میرا نمبر کہاں سے لیا۔''

وکٹوریہ۔'' کسی سے پتا چلا لیا تھا۔ اسے چھوڑو یہ لمبی کہانی ہے۔ تم سناؤ کیسے ہو؟ اب تو سنا ہے کہ تم نے جاسوسی بھی شروع کردی ہے۔''

مائیکل۔'' ہاں تو، تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

وکٹوریہ۔'' نہیں، بھلا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ ویسے کیا نام ہے تمہارے اس دوست کا، آہاں، آلیور؟''

مائیکل۔'' ہاں بالکل درست، تم بتاؤ مجھے کیوں یاد کرلیا۔''

وکٹوریہ۔'' بھئی بات ہی کچھ ایسی ہے۔ دراصل میں نے ایک کھوپڑی محل بنوایا ہے۔ میرا مطلب ہے لوگوں کی تفریح کے لئے ایک جگہ ہے۔ تقریباً ایک ماہ مکمل ہو چکا اس کی تعمیر پوری ہوئے۔ اب میں اپنے تمام دوستوں اور رشتے داروں کو دعوت دے رہی ہوں۔ 1 دسمبر کو تم اپنے دوست آلیور کو لے کر وہاں پہنچ جانا۔''

مائیکل۔'' بہت، بہت مبارک ہو وکٹوریہ، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ایسا بھی کچھ کرلوگی۔ ویسے وہاں پہ ہے کیا؟ میرا مطلب کیسی جگہ ہے وہ۔ نام تو بڑا دلچسپ ہے کھوپڑی محل۔

وکٹوریہ۔'' یہ تو تم جب آؤ گے تب دیکھ ہی لوگے۔ بس اتنا ذہن میں رہے کہ ایک بار یہاں آکر تم واپس نہیں پلٹ سکتے۔ تمہارا اور تمہارے دوست کا انجام بہت برا ہوگا۔''

مائیکل یہ سن کر ہنسنے لگا۔

وکٹوریہ نے لہجے کو مزید پراسرار بنالیا۔'' ہنسو مت مائیکل کیونکہ رونے کا وقت بہت قریب ہے۔''

مائیکل۔'' چلو دیکھتے ہیں کون روتا ہے۔''

کافی دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے۔ پرانی یادیں تازہ کرتے رہے پھر مائیکل نے فون بند کردیا۔

آلیور نے جب اس کا اتنا کھلتا ہوا چہرہ دیکھا تو پوچھ بیٹھا۔'' کیا بات ہے مائیکل بڑے خوش نظر آرہے ہو۔''

مائیکل ہنستے ہوئے بولا۔'' ارے بات ہی کچھ ایسی ہے۔ یہ میری دوست وکٹوریہ کا فون تھا۔ یونیورسٹی کے دور میں یہ میری کلاس فیلو ہوا کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے کیسے ہر وقت وہ میرے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں نے کبھی اسے اتنی اہمیت نہیں دی۔''

آلیور۔'' وہ کیوں؟''

مائیکل۔'' کیونکہ وہ بہت بولڈ تھی۔ اور مجھے لڑکیوں میں بولڈنیس اچھی نہیں لگتی۔ لڑکیاں ہمیشہ سیدھی سادی ہی اچھی لگتی ہیں۔

آلیور۔'' اور لڑکوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ مائیکل کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ کھلنے لگی۔'' جہاں تک لڑکوں کا سوال ہے تمہارے جیسے کمینے لوگ بھی چل جاتے ہیں۔''

دونوں بڑے دیر تک ہنستے رہے۔ پھر مائیکل نے آلیور کو فون پہ ہونے والی تمام گفتگو بتائی۔ آلیور بڑا خوش ہوا۔ دونوں بڑی شدت سے 1 دسمبر کا انتظار کرنے لگے۔ اور پھر جب 1 دسمبر آئی وہ دونوں تیار ہو کر کھوپڑی محل پہنچے۔ ان کی گاڑی ایک بڑے سے گیٹ کے سامنے رکی۔ وہ باہر نکلے اور اندر داخل ہوئے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ ذرا آگے چلے تو ایک بڑی سی کھوپڑی نظر آئی۔ جو کہ کھوپڑی محل کے نام سے جانی جاتی تھی۔

سفید رنگ کی یہ بڑی سی کھوپڑی بہت پراسرار لگ رہی تھی۔ وہ دونوں آگے بڑھے اور ٹکٹ گھر سے ٹکٹ خرید کر اندر داخل ہوگئے۔ اندر تو نظارا ہی کچھ اور تھا۔ ہر طرف عجیب عجیب سی چیزیں نظر آرہی تھیں۔ سامنے ایک بھوت بنگلہ تھا۔ الٹے ہاتھ پہ میک شو ہو رہا تھا۔ سیدھے ہاتھ پہ ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا جس میں لوگ اپنی قسمت کا حال پوچھنے جارہے تھے۔ تھوڑا مزید آگے چل کر بھول بھلیاں تھی۔ جس کے باہر بور

پہ لکھا تھا کہ یہ ایسی بھول بھلیاں ہے کہ یہاں جو کوئی بھی گیا واپس لوٹ کر نہیں آیا، یہ ایسی جگہ ہے جہاں پر کسی کو واپس جانے کا راستہ نہیں ملتا۔ یہاں جانے والے لاپتہ ہو جاتے ہیں۔

برائے مہربانی سوچ سمجھ کر اندر جائیے۔ ایک طرف کٹھ پتلیوں کا ناچ دکھایا جا رہا تھا۔ وہ نہایت بدشکل تھیں۔ اور باہر ہی ایک لڑکی عجیب سا حلیہ بنائے بیٹھی تھی جو کہ ایسی انگوٹھیاں بیچ رہی تھی کہ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ان کو پہننے سے قسمت ساتھ دیتی ہے۔ یہ جگہ واقعی بہت پراسرار تھی۔ ایک لمحے کو تو مائیکل کو لگا واقعی وکٹوریہ نے صحیح کہا تھا۔ یہاں آ کر تو ان کا برا وقت قریب ہی ہے۔ اس نے آلیور کو بتایا تو وہ مسکرا دیا۔ تھوڑا مزید آگے چلے تو ایک لڑکی مائیک پہ کوئی گانا گا رہی تھی۔ وہ گیت نہایت پراسرار تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی پیانو پہ گانے کی مناسبت سے بڑی عجیب سی دھن بجا رہی تھی۔ جسے سننے والوں کے دل ڈوبے جا رہے تھے۔ وہ گانا کچھ یوں تھا۔

اس جگہ آنے کے بعد
یہاں کا منظر دیکھنے کے بعد
تم بہت پچھتا رہے ہو
سوچتے ہو اب کیا ہوگا
یہ حقیقت ہے یا نظر کا دھوکہ
عجیب سی ویرانی ہے
یہاں بہت اداسی ہے
ہر پل کسی کی آہٹ سی ہے
تم پر عجیب تھکاوٹ سی ہے
واپسی کا راستہ نہ ملے گا
اپنا انجام تمہیں بھگتنا ہوگا
تم پر خوف سا طاری ہے
مرنے کی اب تمہاری باری ہے
ایک بار اپنی قسمت کو آزما دیکھو
جب آ ہی گئے ہو تو پیچھے پلٹ کر نہ دیکھو
زندگی کا سفر طے کر چکے ہو
موت کے سفر کے قریب ہو رہے ہو
واپسی کا دروازہ بند ہو چکا ہے
مصیبت کا آغاز ہو چکا ہے
کوئی تمہیں دیکھ رہا ہے
دل تمہارا ڈر رہا ہے
اس جگہ آنے کے بعد
یہاں کا منظر دیکھنے کے بعد
گانا ختم ہوا تو سب لوگ تالیاں بجانے لگے

آلیور۔ ''مائیکل تمہاری دوست وکٹوریہ ہمیں یہاں بلا کر خود کہاں غائب ہے۔''

مائیکل۔ ''ہاں پتا نہیں ابھی یہ لوگ بات کر ہی رہے تھے کہ پیچھے سے مائیکل کے کندھے پہ کسی نے ہاتھ رکھا۔

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ سامنے وکٹوریہ کھڑی تھی۔

وکٹوریہ۔ ''ہیلو مائیکل کیا ہوا بڑے گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو۔ کیا ابھی تک مجھ سے ڈر لگتا ہے یا یہ گانا سن کر گھبرا گئے۔

مائیکل ہنستے ہوئے۔ ''ارے وکٹوریہ کیسی ہو؟ ہم ابھی تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے۔ ان سے ملو یہ میرے دوست آلیور ہیں.....''

وکٹوریہ۔ ''ہیلو مل کر خوشی ہوئی۔ کیا تم نے چڑیل کا قلعہ دیکھا؟''

مائیکل۔ ''یہ چڑیل قلعہ کیا ہے۔''

وکٹوریہ۔ ''یہ بھی کھوپڑی محل کا ہی ایک حصہ ہے۔ لیکن سب سے زیادہ بھیانک جگہ ہے یہ۔ تم ایک بار سوچ لو کہ وہاں جانا پسند کرو گے یا نہیں کیونکہ وہاں بہت خطرہ رہتا ہے۔''

آلیور۔ ''پھر تو ہم ضرور وہاں جانا پسند کریں گے۔''

وکٹوریہ۔ ''ٹھیک ہے لیکن اگر پچھتانا پڑے تو مجھے مت کہنا پھر وہ انہیں لے کر ایک چھوٹے سے قلعے میں آ گئی۔ وہاں دروازے پہ ایک بوڑھا آدمی پہرہ

دے رہا تھا۔

وہ بھی ایک سپاہی کے حلیے میں بیٹھا تھا۔ انہیں دیکھ کر اپنی سرخ آنکھیں گاڑ کر بولا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے موت تمہارا پیچھا کر رہی ہے۔''

ایک لمحے کو تو مائیکل ڈر گیا۔ ''لیکن پھر اس نے دیکھا کہ وہ وہاں پر آنے جانے والے سے یہی کہہ رہا تھا دراصل یہ سب وہاں کی تفریح کا حصہ تھا۔ اسے اس طرح ڈرتا دیکھ کر وکٹوریہ کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ بات آلیور کو اچھی نہ لگی نجانے کیوں آلیور کو وہاں کچھ گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ اسے وکٹوریہ ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ وہ واقعی بڑی تیز طرار سی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کیوں مائیکل اس سے دوستی نہیں رکھی ہوگی۔ وہ تھی ہی کچھ ایسی۔ اس کی شخصیت میں عجیب پراسراری بات تھی۔

وکٹوریہ انہیں لے کر اندر داخل ہوئی۔ چڑیل کے قلعے کا دروازہ خود بخود ہی کھل گیا۔ حالانکہ یہ سب ایک سسٹم کے تحت ہو رہا تھا لیکن آلیور اور مائیکل کو یوں لگا کہ جیسے یہ قلعہ سچ مچ کا چڑیل کا قلعہ ہو اور وہاں آسیب ہو۔ اور دروازہ اپنے آپ کھل گیا ہو۔

ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ ایک عورت جس کی عمر 35 کے لگ بھگ ہوگی۔

ان سب کی گائیڈ تھی۔ وہ انہیں بتانے لگی۔ ''یہ قلعہ چار صدی پرانا ہے۔ یہاں جوناتھن نامی ایک بادشاہ رہا کرتا تھا۔ اس نے بارہ شادیاں کی تھیں۔ اور ایک سال پورا ہونے کے بعد وہ انہیں مروا دیا کرتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کی قبریں اس محل کے اندر ہی موجود ہیں۔ اور پھر جب اس نے اپنی آخری بیوی کو مروایا تو ٹھیک ایک ہفتے بعد بادشاہ کو اس محل میں پھانسی پہ لٹکا ہوا پایا گیا۔ اب نا معلوم اس نے خودکشی کی تھی یا اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی تھی۔ اس دن کے بعد سے یہاں پر عجیب عجیب واقعات لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اور کوئی بھی یہاں رکنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔ میں خود بھی اپنی ڈیوٹی کر کے یہاں سے جلدی ہی چلی جاتی ہوں۔

وکٹوریہ نے آلیور اور مائیل کو پورے قلعے سیر کروائی اور پھر یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی کہ اسے ا دوسرے مہمانوں کو بھی دیکھنا ہے۔ اس کے جانے بعد آلیور نے مائیکل سے کہا۔

''معاف کرنا مائیکل لیکن مجھے تمہاری یہ دوس وکٹوریہ اچھی نہیں لگی۔''

مائیکل۔ ''تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ یہ تو پہلے بھی زیادہ عجیب ہوگئی ہے۔ اوپر سے یہ جگہ بھی پور آسیبی معلوم پڑ رہی ہے۔''

آلیور۔ ''ہاں بالکل یوں لگتا ہے کہ تمہار دوست وکٹوریہ پہ ہی کوئی آسیب سوار ہے۔ خیر چھوڑ ہمیں اس جگہ سے گھبرانے کی بجائے یہاں آ کر مز کرنے ہیں۔ وہ کٹھ پتلیوں کا ناچ دیکھنے پہنچے۔ نہایت ہی بدشکل سی تھیں۔ وہ ساتھ میں بولتی بھی جار تھیں۔ ان کی باتیں بھی عجیب تھیں۔ پہلی نے کہا۔

''یہاں آنے والے بے وقوف ہیں۔''

دوسری۔ ''تم نے صحیح کہا۔ یہ لوگ بہت پچھتائیں گے۔ انہوں نے واقعی غلطی کی ہے۔''

پہلی۔ ''میں دیکھ رہی ہوں کہ یہاں کچھ بے وفا دوست بھی آئے ہوئے ہیں ان کا انجام بہت ہوگا۔'' اتنا کہہ کر ان کے منہ سے سرخ رنگ کا پانی نکلنے لگا۔ ان کی آواز بھاری ہوگئی آس پاس کے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

یہ سب بھی تفریح کا حصہ تھا۔ لیکن آلیور کو نجانے یہ بات کچھ مناسب نہ لگی۔ انہوں نے سوچا کہ چل کر بھوت بنگلہ دیکھنا چاہیے۔ وہ اندر داخل ہوئے تو بڑے بھیانک منظر دیکھنے میں آئے۔ اچانک کہیں سے ایک لڑکی سفید لباس زیب تن کیے ہوئے ان کے پاس آئی اور نہایت سرد لہجے میں بولی۔

''تم نے یہاں آ کر غلطی کی ہے مائیکل۔ تم ایک بے وفا دوست ہو۔''

وہ دونوں حیران رہ گئے کہ وہ لڑکی مائیکل کا

یسے جانتی ہے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ خر کون ہو اور اس سب سے تمہارا کیا مطلب لیکن وہ لڑکی فوراً ہی چلی گئی۔ آلیور اور مائیکل ں سے باہر نکل آئے۔ اور پھر انہوں نے سوچا کہ کٹوریہ سے پوچھنا چاہیے کہ وہ لڑکی کون تھی مگر ک گئے۔

آلیور۔ ''ہوسکتا ہے کہ یہ سب تمہاری دوست وئی شرارت ہو۔ ویسے بھی وہ ہمیں ڈرا کر بہت نظر آرہی تھی۔ ہمیں بجائے گھبرانے کے چل کر جگہ کی سیر کرنی چاہیے۔ اور پھر وہ دونوں بالکل بے ہو گئے اور بھول بھلیاں میں چل دیے۔ وہ دونوں ساتھ چل رہے تھے۔ راستے میں انہیں دوسرے بھی ملے۔ وہ سب بھی انہی کی طرح واپسی کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ دونوں بڑی دیر تک واپسی کا راستہ ں کرتے رہے اور پھر انہیں باہر کا راستہ مل ہی گیا۔ کر انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

اب کہ اچانک ایک بڑی سی چمگادڑ ان کے ں پہ سے ہوتی ہوئی گزر گئی۔

مائیکل۔ ''اوہو یہ کیا بلا تھی۔؟''

آلیور۔ ''میرے خیال میں ہمیں اپنے ہاتھ میں ت کا ساتھ دینے والی انگوٹھی پہن لینی چاہیے۔''

مائیکل۔ ''چھوڑو بھی آلیور مجھے تو لگتا ہے کہ ں یہاں سے نکلنا چاہیے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ منے سے آتی وکٹوریہ پہ نظر پڑ گئی۔

وکٹوریہ۔ ''کیوں مزا آرہا ہے نا؟''

آلیور مائیکل۔ ''ہاں بہت لیکن، اب ہم واپس ہے ہیں۔''

وکٹوریہ۔ ''اچھا ایسا ہے۔ تم لوگوں نے یہاں کا تان دیکھ لیا؟''

مائیکل۔ ''نہیں اب یہ کیا ہے۔''

وکٹوریہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ تقریباً دو سو ں پرانا ہے۔ اور اس کے بارے میں مشہور ہے کہ ں ایک سرکٹا رہتا ہے تم لوگ بھی جاسکتے ہو وہاں۔

بلکہ چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ اتنا کہہ کر وہ انہیں لے کر اپنے ساتھ ایک قبرستان میں آ گئی۔ وہاں اور لوگ بھی پھر رہے تھے۔ یہ بھی کھوپڑی محل کا حصہ تھا۔ وہ انہیں لے کر ایک قبر کے پاس آ رکی۔ وہ بالکل تازہ کھدی ہوئی تھی۔

وکٹوریہ نے اچانک زمین پہ پڑا ایک پتھر اٹھایا اور مائیکل کے سر پہ دے مارا۔ تو وہ چکرا کر زمین پر آ گرا۔ پھر وکٹوریہ نے وہ پتھر آلیور کو مارنا چاہا تھا کہ آلیور نے کھدی ہوئی قبر میں دھکا دے دیا۔ وہ قبر میں جا گری۔ آلیور جلدی سے مائیکل کو اٹھانے لگا۔

آلیور۔ ''مائیکل تم ٹھیک ہو اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا موبائل جیب سے نکالا اور پولیس کو فون کر کے بلا لیا۔ پولیس بہت جلدی آ گئی۔ انہوں نے وکٹوریہ کو گرفتار کرلیا۔ اور اپنے ساتھ پولیس اسٹیشن لے گئے۔

جب مائیکل نے بڑے افسوس کے ساتھ آلیور سے یہ کہا کہ میری سمجھ سے باہر ہے کہ وکٹوریہ نے آخر ایسا کیوں کیا۔

آلیور۔ ''یہ تو ابھی پتا چل ہی جائے گا۔ لیکن میرے خیال میں اس نے تم سے پرانا بدلہ لیا ہے۔''

مائیکل۔ ''کیسا بدلہ۔''

آلیور۔ ''میرے خیال میں وہ تمہیں پسند کرتی تھی اس لیے یونیورسٹی میں بھی وہ تمہارے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی۔ تم نے کبھی اس سے دوستی نہ بڑھائی تو اس نے تمہیں بے وفا کا نام دے دیا۔ اور بھوت بنگلے میں جو لڑکی آئی تھی۔ وہ بھی اس نے بھیجی ہوگی۔

فون پر بھی جب اس نے کہا کہ تمہارا اور تمہارے دوست کا انجام برا ہوگا وہ محض کوئی مذاق نہ تھا بلکہ اس نے تمہیں کھلی دھمکی دی تھی۔ وہ اس بات سے تم سے حسد کرتی ہے کہ تم نے کبھی اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

ٹائم پاس

عثمان غنی خان-پشاور

دوسرا حصہ

لڑکی نے سب سے پہلے ٹائم پاس کے لئے کام شروع کردیا تھا، اس کے درست اندازے نہیں تھے مگر پھر بھی وہ لوگوں کے دلوں میں بس گئی تھی کہ ایک روز اچانک ایسا ہوا کہ.....

نئی نسل کی چاہت.....کے عین مطابق دل کو خوش کرتی.....خوبصورت.....کہانی

اس نے اسٹینڈ بورڈ سیٹ کردیا۔اب وہ اس پر کینوس لگا کر دیکھ رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں مکسچر کی تختی تھی۔دوسرے ہاتھ میں برش تھا۔جیسے ہی اس نے پہلا اسٹروک لگایا۔وہ اچھا خاصا باریک سا لکیر بن گیا۔اس کے سامنے رُخام کی تصویر پڑی ہوئی تھی۔رُخام کی زندگی سے بھرپور تصویر تھی۔اور اُسے وہی بنانی تھی۔اب جیسے وہ بیک گراؤنڈ سیٹ کررہا تھا۔کچھ دیر میں وہ تصویر کا کچھ حصہ بنا کر رک چکا تھا کیونکہ وہ پوری تصویر بنانا نہیں چاہتا تھا۔اس نے بے دلی سے وہ ادھورا چھوڑا،اور اندر چلا گیا۔اب وہ آدھی ادھوری تصویر بہت عجیب سی لگ رہی تھی۔

''یہ لڑکی کیوں اس کی تصویر بنانا چاہتی ہے؟ کیوں؟ آخر اس نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' وہ سوچ رہا تھا۔وہ الجھ رہا تھا۔مگر وہ مطمئن نہیں ہورہا تھا۔وہ بہت پریشان ہوگیا تھا۔وہ عجیب سا تھا۔اپنا نام کبھی کسی کو بتاتا بھی نہیں تھا۔اپنے آپ کو پینٹر کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

''یہ لڑکی جس کا نام امرینہ پامسٹ ہے۔یہ اتنا عجیب برتاؤ کیوں کررہی تھی؟ مگر یہ میرا پہلا کیس ہے،جس کی میں نے فیس لی ہے۔مجھے یہ ہر حال میں مکمل کرنی ہوگی۔''

''نہیں، پیسے میرے لیے اتنے بھی ضروری نہیں ہیں۔میں صرف یہ چاہتا ہوں۔میں کم از کم اس سچا سے پردہ اٹھا سکوں۔آخر لوگ ایک دوسرے سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ اسے مار ہی دیتے ہیں؟'' چلتا ہوا اپنے گھر کی ٹیرس پر جا کر کھڑا ہوگیا۔اس کا گ بہت پوش علاقے میں تھا۔اس کے ماتھے پر شکنوں جال پھیلا ہوا تھا۔ایک سائیڈ سے وہ بہت عجیب تا میں گھر انظر آرہا تھا۔

☆.....☆.....☆

امرحہ گھر آکر کمرے میں بالکل بند ہوگئی،ا نے بیگ ایک طرف رکھ دیا۔اب وہ رو رہی تھی۔اس آنکھوں میں اتنے سارے آنسو تھے۔جو متواتر گر جارہے تھے۔وہ بار بار روئے جارہی تھی۔وہ پلنگ اوندھے منہ گر گئی،اور اس نے تکیہ میں منہ چھپالیا۔ا وہ سسکیاں لے رہی تھیں۔کچھ دیر رونے کے بعد سیدھی ہوئی۔اور سوچنے لگی۔

''کاش میں رخام پر کبھی بھروسہ نہ کرتی،تو آ یوں ناں رو رہی ہوتی۔۔۔!! میں اتنی بے وقوف تو تھی۔۔۔!! کبھی بھی نہیں تھی۔۔۔!! کتنی آسانی سے

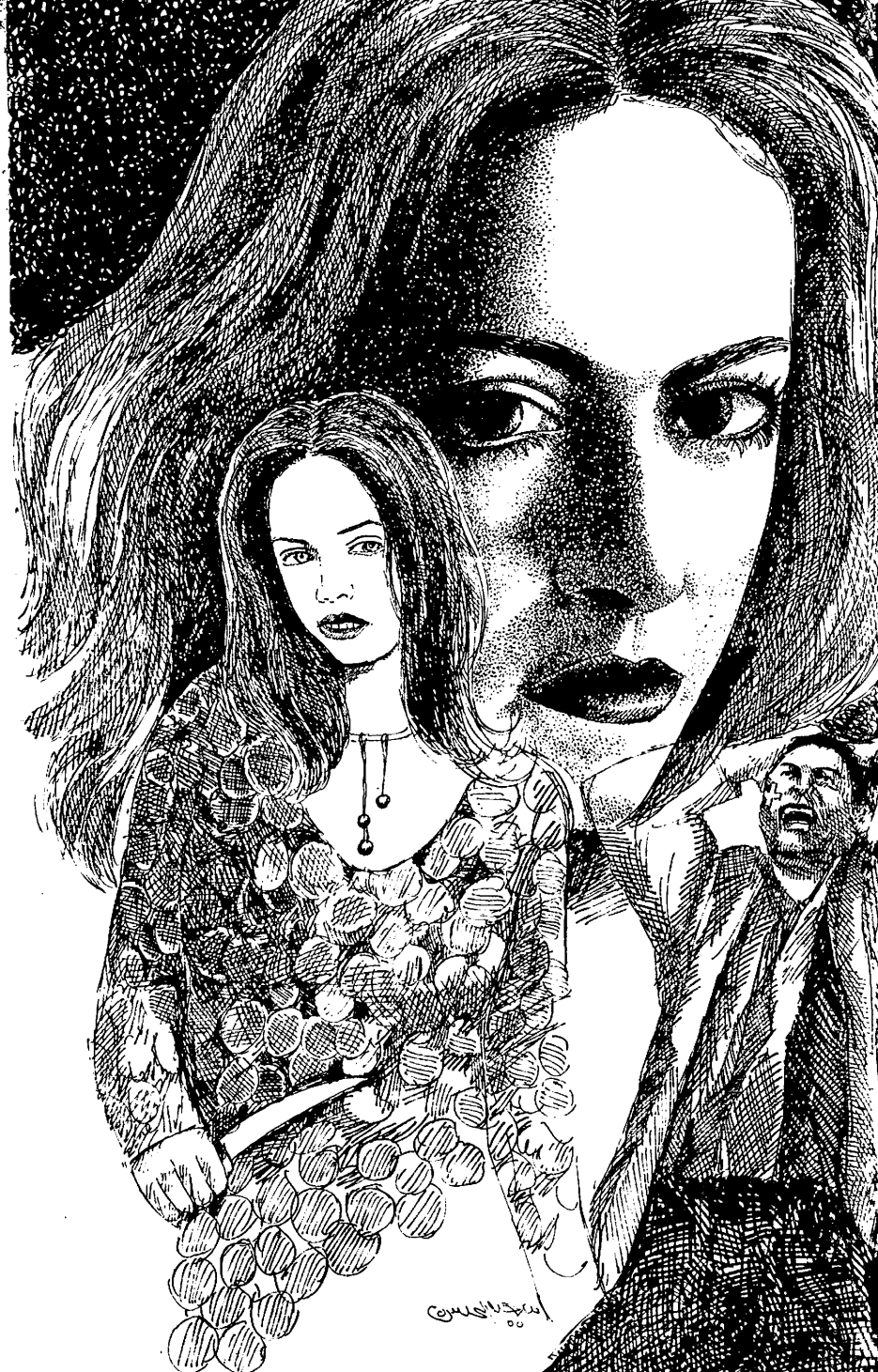

اس کی باتوں میں آ گئی۔۔۔!! میں تو اپنی باتوں سے دوسروں کو اپنے اشاروں پر نچایا کرتی تھی۔۔۔!! اور میں بوائے فرینڈ صرف ٹائم پاس کے لیے تو نہیں چاہتی تھی۔۔۔!! میں تو بے شمار گفٹس پانا چاہتی تھی۔۔۔!! مگر اسے کتنے گفٹس دے دیے۔۔۔!! وہ کبھی میرے جذبات سے سنجیدہ ہو نہ سکا۔۔۔!! صرف مجھے یوز کرتا رہا۔۔۔!! میرے احساسات، میرے جذبات سے کھیلتا رہا۔۔۔!! مگر محبت کوئی کھیل نہیں ہے۔۔۔!! میں نے بھی سامنا کرنا سیکھ لیا ہے۔۔۔!! میں کبھی اس کا کھلونا نہیں بنوں گی۔۔۔!! چاہے وہ کچھ بھی کرے۔۔۔!! میں اپنا آپ ہار چکی ہوں۔۔۔!! محبت ایک ایسا جوا ہے۔۔۔!! جس میں ہار بہت شدید ہوتی ہے۔۔۔!! اور اگر محبوب دھوکے باز نکلے، تو دل مر جاتا ہے۔۔۔!! مگر اس دھوکے بازی کے سودے میں، تو میں اپنا سب کچھ گنوا چکی ہو۔۔۔!! اور اس سب کی سزا صرف موت ہے۔۔۔!! صرف موت۔۔۔!!

رخام۔۔۔!! سوری یار۔۔۔!! تجھے مرنا ہوگا۔۔۔!! جس محبت میں محبوب کی بے وفائی، اور خود غرضی شامل ہو جائے، اس محبوب کو قدموں میں بٹھانے کے بجائے گلے سے لٹکا دینا چاہیے۔۔۔!!'' اچانک اس کی آنکھوں میں، جیسے پرانے مناظر چلنے پھرنے لگے۔ وہ پرانے خیالات میں گم ہو گئی۔ وہ رونا بھول چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج سنڈے تھا، اور اسپیشلی رُخام نے اسے اپنے گھر انوائٹ کیا تھا۔ وہ ہر روز رُخام سے ملتی تھی۔ اس کے ساتھ باتیں کرتی۔ اس کے ساتھ گھومتی پھرتی، اسے وہ بہت اچھا لگتا تھا۔ مگر اب وہ کچھ بڑی رہنے لگی تھی۔ وہ مشہور ہو رہی تھی۔ کالج کی لڑکیاں اس سے ہاتھ دکھانے کے لیے ٹائم لیتی تھیں۔ وہ کسی کو گھر بلاتی تھی۔ کسی کو باہر کسی اچھے ریسٹورنٹ میں ملنے کے لیے بلاتی تھی۔ وہ رُخام سے ملنے کے لیے بہت زیادہ ایکسائٹ ہو رہی تھی۔ آج اس نے تین جگہوں پر اپنی اپائنمنٹ کینسل کروائی تھی، وہ تینوں لڑکے اس کو ہاتھ دیکھانا چاہتے تھے۔ وہ ایک گھنٹے سے دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ غالباً اس نے اپنا تیس ہزار کا نقصان کروا دیا تھا آج رُخام کے گھر والے کسی رشتے دار کی شادی پر جا رہے تھے۔ وہ اس کے ساتھ Touch the body and the soul کا گیم کھیلنا چاہ رہا تھا۔ وہ گھر سے باہر نکلی، اور کچھ دیر ادھر اُدھر گھومنے کے بعد وہ رُخام کی گلی میں داخل ہو گئی۔ رُخام کے گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر چلی گئی، اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کا دل زیرو بم کی طرح دھڑک رہا تھا۔ رُخام اسے اندر جا کر مل گیا۔ وہ نک سک سا تیار چمک رہا تھا۔ وہ اس کو دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ ایک دم سے وہ اس کے سامنے آیا، اور مضبوطی سے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں جکڑ لیا۔ اس نے بھی رخام کو گلے سے لگایا۔

''ہیلو۔۔۔!! کم اِن۔۔۔!! ویلکم۔۔۔!! اسی مائی ہوم۔۔۔!!'' رُخام آگے بڑھ کر اس کے گلے لگا۔ اس کی آنکھیں جیسے باہر نکل آئیں۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا، اور کچھ دیر اسے اپنا گھر دکھاتا رہا۔ پھر وہ اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ کمرہ اتنا خاص نہیں تھا۔ ایک چھوٹا سا سنگل بیڈ پڑا ہوا تھا۔ ایک سائیڈ ٹیبل، اچھی خاصی کھلی ونڈوز تھیں۔ اور دروازے تک ریڈ کارپٹ بچھا یا گیا تھا۔ سامنے ایک دیوار کے ساتھ صوفہ رکھا تھا۔ جس پر وہ دونوں بیٹھ گئے۔ جیسے ہی وہ بیٹھ گئے۔ رُخام نے اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھا۔ وہ مسکرایا۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ اب اٹھ کر فریج سے مشروب نکال رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر گلاس چیئرز کر کے ٹکرا رہے تھے۔ اور گھونٹ گھونٹ پی رہے تھے۔ اچانک کمرے کے خوشگوار ماحول کو موبائل فون کی چنگھاڑتی آواز نے بدصورت سا کر دیا۔ امر نے موبائل نظروں کے سامنے کر دیا۔ اور اٹھایا۔

''ہیلو۔۔۔!!'' رُخام کے کان کھڑے

ہو گئے۔ وہ دوسری سائیڈ کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔

''میرا نام احرام ہے۔۔۔!! میں نبیلہ کا کزن ہوں۔۔۔!! اس نے بتایا۔۔۔!! آپ بہت اچھی پامسٹ ہیں۔۔۔!! میں اپنا ہاتھ آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔۔۔!! پلیز آج آپ مل سکتی ہیں؟ میں کل دبئی جا رہا ہوں۔۔۔!'' احرام نے بنا تمہید کیے اسے بتایا، تو امرینہ سوچ میں گم ہو گئی۔

''آپ کیا سوچ رہی ہیں؟ کل میرے پاس وقت نہیں ہے؟ پلیز۔۔۔!! میں آج ہاتھ دکھانا چاہتا ہوں۔۔۔!!'' دوبارہ احرام کی آواز آئی۔

''اوکے۔۔۔!!! میں اس کام کے دس ہزار لوں گی۔۔۔!!'' اس کی بات نے رُخام کا خوشگوار موڈ غارت کر دیا۔ وہ حیرت سے سیدھا ہو گیا۔

''اچھا۔۔۔!! میں پیسے دے دوں گا۔۔۔!! کہاں ملنے آجاؤں۔۔۔!!'' دوسری طرف سے کہا گیا، جو رُخام نہیں سن پایا۔

''میں ملنے کے لیے ایڈریس ٹیکسٹ کر دوں گی۔۔۔!! ابھی میں کچھ بزی ہوں۔۔۔!!'' امرینہ نے سرد سے لہجے میں کہا۔

''اچھا کب؟ کونسے وقت؟ مگر آج؟'' دوسری طرف والا سنجیدہ تھا۔

''آج۔۔۔!! شام؟'' اس نے فون بند کر دیا۔ رُخام نے اسے دیکھا۔ اس کی باتیں سن کر وہ شکوک کا شکار ہو گیا۔

''یہ کون تھا؟ اور تم سے کیا بات کر رہا تھا۔۔۔!! تم کس چیز کے دس ہزار مانگ رہی تھی۔۔۔!!'' رُخام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ وہ حق جتا رہا تھا۔

''کوئی نہیں تھا۔۔۔!! تم یہ باتیں چھوڑو۔۔۔!!'' اس نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ رُخام کو اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتائے گی۔ ایک لمحہ کے لیے وہ سن سا پڑ گیا۔

''اچھا۔۔۔!! تم یہ بتاؤ؟ رُخام کا مطلب کیا ہے؟ مجھے تمہارا نام بہت پسند ہے۔۔۔!! تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے ہو؟ تم سے زیادہ مجھے تمہارا نام پسند ہے۔۔۔!!'' امرینہ نے بات بدلنے کے لیے کہہ دیا۔ ''سنگ مرمر۔۔۔!!'' رُخام نے مطلب بتایا۔ وہ بے فکری سے اپنا گلاس ختم کر چکی تھی۔ مگر رُخام کا منہ بن چکا تھا۔

''واؤ۔۔۔!! کتنی پیاری میننگ ہے۔۔۔!! یار۔۔۔!! آئی لائک اٹ۔۔۔!! مگر کہیں تم بھی سنگ مرمر کی طرح سخت نہ بن جانا۔۔۔!!'' رُخام اس کی بات سن کر مسکرایا۔ مگر اس کی آنکھیں پرسوچ انداز میں اچھی خاصی چھوٹی ہوئی تھیں۔

''اچھا۔۔۔!! تم کونسے گیم کی بات کر رہے تھے؟ پچھلے سنڈے میں بہت بزی تھی۔۔۔!! ورنہ پچھلے سنڈے ہی آجاتی۔۔۔!!'' اس نے گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

''پچھلے سنڈے کو اچھا ہوا۔۔۔!! جو تم نہیں آئی۔۔۔!! وہ شادی اس سنڈے تھی۔۔۔!! میں ہی غلط کہہ رہا تھا۔۔۔!! اور آج تم آئی ہو۔۔۔!! تو ہم آج گیم کھیل لیتے ہیں۔۔۔!!'' رُخام نے اس کو دیکھا۔ اچانک امرینہ کے موبائل پر میسج آیا۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔ اس نے کچھ دیر سوچا۔ پھر میسج کا جواب دے دیا۔ دوسری طرف سے پھر میسج آیا۔ وہ اس نے دیکھا۔ اور موبائل رکھ دیا۔

''پلیز امرینہ۔۔۔!! یہ گلاس زرا کچن میں رکھ دو۔۔۔!! یقیناً تم نے مائنڈ نہیں کیا ہوگا۔۔۔!!'' رُخام نے اچھے انداز میں کہا۔ امرینہ اٹھی، دونوں گلاس ٹرے میں رکھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ رُخام نے اس کا موبائل اٹھایا۔ اور جلدی سے دیکھنے لگا۔ میسج بھیجنے والے نے اس کو لکھا تھا۔

''کہاں ملنا ہے؟ کچھ سوچا؟ احرام۔۔۔!!''

جواب میں امرینہ نے لکھا تھا۔

''شام ٹھیک چھ بجے۔۔۔!! فوڈ سی چائنیز ریسٹورنٹ۔۔۔!!'' جواب میں اس کو احرام نے اوکے

PakSociety.com

لکھا تھا۔اس نے لاگ کالز چیک کیں۔اسی نمبر سے کچھ دیر پہلے اسے کال آئی تھی۔جلدی سے رُخام نے موبائیل رکھ دیا۔وہ واپس آرہی تھی۔رخام کی سوچ مختلف انداز میں کہاں سے کہاں بھٹک چکی تھی۔

''امرینہ۔۔۔!! تم پر غلط گمان کرنے لگا ہوں۔۔۔!! پیسوں کی خاطر تم جیسی لڑکیاں کچھ بھی کرتی ہیں۔۔۔!! یہ تمہارا کون سا یار ہے۔۔۔!! جس سے دس ہزار تم نے مانگے ہیں۔اور وہ صرف ایک ملاقات کے تمہیں دس ہزار دینے پر راضی ہوگیا ہے۔۔۔!!'' اچانک امرینہ نے اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجائی۔

''ڈفر کیا سوچ رہے ہو؟'' امرینہ نے اسے دیکھا۔اس نے مسکرا کر امرینہ کو دیکھا۔

''تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔۔۔!!'' امرینہ مسکرائی۔

''اچھا۔۔۔!! مجھے سخت بھوک لگی ہے۔۔۔!! تم کیا بنانے والے ہو؟'' امرینہ نے بات بدل کر رکھ دی۔رخام اثبات میں سر ہلانے لگا۔

''میں سوچ رہا ہوں، آج چائنیز بناؤں۔۔۔!!'' امرینہ نے مسکرا کر کہا۔

''واؤ، پھر تو آج مزہ ہی آجائے گا۔آئی لائک اِٹ۔۔۔!!'' رخام بھی مسکرانے لگا۔

☆.....☆.....☆

کھانا رُخام تیار کر چکا تھا۔کافی دیر تک وہ یہاں وہاں کی باتیں کرتے رہے۔باتوں سے تو رُخام کو کچھ بھی سمجھ نہ آسکا۔

''آخر کیوں یہ کسی سے ملنے چائنیز ریسٹورنٹ جانا چاہ رہی ہے؟'' جب رخام سوچ رہا تھا، تب کھانے کے دوران بھی اس کے موبائیل پر میسج اور کالز برابر آتے رہے۔مگر امرینہ اتنی لمبی چوڑی بات کرنے کی عادی معلوم نہیں ہوتی تھی۔وہ جتنا کالز پر بات کرتی، وہ اتنا ہی الجھ رہا تھا۔وہ جتنے دیر تک اس کے ساتھ رہا، وقفے وقفے سے اس کا موبائیل بجتا ہی رہتا۔وہ نمبر انجان ہی ہوتا، وہ اٹھاتی، کبھی کوئی لڑکی ہوتی، کبھی اس کی کوئی دوست۔۔۔!! اور کبھی کبھار تو رُخام کو بالکل سمجھ ہی نہیں آتا۔دوسری طرف بات کون کر رہا ہے؟ کوئی لڑکا؟ یا پھر کوئی مرد؟ یا پھر کون؟ اب رُخام صوفے کے سامنے کیمرہ اسٹینڈ پر رکھ کر سیٹ کر چکا تھا۔اس نے پوچھا تھا۔

''کون ہے؟ یہ آج تم نے کچھ زیادہ لوگوں سے بات نہیں کی؟ لگتا ہے۔۔۔!! تم نے اپنا نمبر انٹرنیٹ پر وائرل کر دیا ہے۔۔۔!! اتنے کالز تو کسی سپر اسٹار کے نہیں آتے ہونگے، جتنا تمہیں آرہے ہیں۔'' رُخام طنز کر رہا تھا۔وہ سمجھ نہ پائی۔

''کوئی نہیں ہے۔۔۔!! میرے کزنز ہیں۔۔۔!! تنگ کر رہے ہیں۔۔۔!!'' وہ بھی بضد نہیں ہوا۔امرینہ اسے پراسرار سی لگنے لگی تھی۔اس کے کہنے پر وہ اکیلے اس کے پاس تنہائی میں آچکی تھی۔اب وہ کھیل کھیلنا چاہتے تھے۔صوفے سے اٹھ کر زمین پر کیمرے کے سامنے بیٹھ گئے۔

''گیم کے رولز میں نے بتادیے ہیں۔۔۔!! میں تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ رہا ہوں۔۔۔!! کیمرے کی ریکارڈنگ اسٹارٹ ہے۔۔۔!! میں تمہارے جسم کے کسی حصے کو اپنے جسم کے کسی بھی حصے سے چھوؤں گا۔۔۔!! پھر تم پٹی کھول کر بتانا۔۔۔!! وہ میرا کونسا جسمانی حصہ تھا۔۔۔!! جس نے تمہیں چھوا تھا۔۔۔!!'' رُخام نے اس کی آنکھوں میں ڈوب کر بتایا۔وہ ہنس پڑی۔اور دیر تک ہنستی رہی۔

''سہی بتانے پر مجھے کیا ملے گا۔۔۔!!'' امرینہ نے اس کو دیکھا۔

''سہی بتانے پر تمہیں۔۔۔!! تمہیں تین چیزیں ملے گی۔۔۔!! ایک تمہیں پٹی میری آنکھوں پر باندھنی ہوگی۔۔۔!! دوسرا تمہیں ایک پوائنٹ مل جائے گا۔۔۔!! اور تیسرا میں تمہاری ایک شرط مانوں گا۔۔۔!! تم میرے ساتھ کچھ بھی کرسکتی ہو۔۔۔!! میری روح کو تکلیف دے سکتی ہو۔۔۔!! مطلب مجھے ذہنی یا جسمانی سزا دے سکتی ہو۔۔۔!! وہ بھی تیس سیکنڈ کے لیے یا پھر صرف ۴۵ پینتالیس سیکنڈ کے

لیے۔۔۔!!یا پھر زیادہ سے زیادہ یہ تکلیف ایک منٹ تک بھی دی جا سکتی ہے۔۔۔! !مگر اس سے زیادہ نہیں۔۔۔!!یا پھر تم مجھ سے کوئی ایسا سوال پوچھ سکتی ہو۔۔۔!!جس کا جواب میں نہ دینا چاہوں۔۔!!!اور گیم تین بار ہارنے پر ختم ہوجائے گی۔'' رُخام کی بات سن کر وہ جیسے حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''یہ جسمانی تکلیف تو ٹھیک ہے۔۔۔!!مگر روح کو کیسے تکلیف دی جاتی ہے۔۔۔!! کیا سوال سے روح کو تکلیف مل سکتی ہے؟'' اس نے حیرانگی سے پوچھا۔وہ سوچ رہی تھی۔اس کی زہین آنکھوں میں ساحرانہ سی کشش محسوس ہورہی تھی۔

''یار۔۔۔!!میرا مطلب یہ ہے۔۔۔!! روحانی تکلیف سے مراد یہ ہے۔۔۔!!مجھے کوئی ایسی ذہنی اذیت دوں۔۔۔!!جسے میں سہہ نہ سکوں۔۔۔!! میری روح جیسے جل جائے۔۔۔!!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ سب سمجھ چکی تھی۔رُخام نے پٹی نکال کر اس کی آنکھوں پر باندھ دی۔کیمرے کی ریکارڈنگ اسٹارٹ کردی۔پھر وہ آہستہ انداز میں اٹھا۔اور امرینہ بالکل خاموش سی بیٹھی رہی۔رُخام نے اس کے کندھے پر اپنے پیر کا انگوٹھا رکھ دیا۔پھر اپنے پیر کو اس کی کمر پر رکھ دیا۔اور وہ دباؤں ڈالتا رہا۔اب وہ بیٹھ چکا تھا۔اور اس کی پٹی وہ ہٹا چکا تھا۔وہ اسے دیکھ رہی تھی۔کیمرہ اسٹاپ تھا۔

''وہ میرے جسم کا کونسا حصہ تھا۔۔۔!! جس سے میں نے تمہارا کندھا اور کمر چھوا تھا؟'' رُخام سوال کررہا تھا۔وہ سوچ رہی تھی۔کچھ دیر وہ سوچتی رہی۔پھر اس نے رُخام کو دیکھا۔اور مسکرائی۔

''نہیں پتہ۔۔۔!!'' وہ الجھن میں لگ رہی تھی۔

''کیا تم نے محسوس تک نہیں کیا۔۔۔!!!اگر تم چاہو۔۔۔!!تو تم سوچ سکتی ہو۔۔۔!!صرف تیس سیکنڈ تک۔۔۔!!اور نہ ہارنے کی صورت میں ایک پوائنٹ میرا ہوگا۔۔۔!!تم میری ایک بات مانو گی یا پھر بات نہ ماننے کی صورت میں سزا سہو گی۔۔۔!! اور دوبارہ تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھنی پڑے گی۔۔۔!!'' رُخام نے اسے مہلت دینی چاہی۔وہ پرسوچ چہرے سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''مجھے لگتا ہے۔۔۔!!تم نے اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے مجھے چھوا تھا۔۔۔!!اور بعد میں ایسا لگا جیسے تم نے اپنا پیر میرے کندھے پر رکھ لیا ہو۔۔۔!!'' رُخام الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''آر یو شیور۔۔۔!!'' وہ چونک اٹھی، پھر کچھ سوچنے لگی۔پھر آنکھیں بند کرکے کھولیں۔

''یس۔۔۔!! آئی ایم شور۔۔۔!!مجھے لگا ایسا ہی تھا۔۔۔!!'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''واؤ۔۔۔!!تم تو جیت گئی۔۔۔!!تم کافی اسمارٹ ہو۔۔۔!! حالانکہ میں نے پوری کوشش کی تھی۔۔۔!!تم ہار جاؤ۔۔۔!!'' اس کی بات سن کر امرینہ کی آنکھوں میں چمک سی آگئی۔

''نو۔۔۔!!مجھے ریکارڈنگ دیکھنی ہے۔۔۔!!'' امرینہ نے کیمرے کی طرف دیکھا۔رُخام نے کچھ دیر اسے دیکھا، پھر ریکارڈنگ اسٹارٹ کردی۔ایسا ہی ہوا تھا۔

''رُخام۔۔۔!!میرا ایک پوائنٹ ہوچکا ہے۔۔۔!! اب تم سزا کے لیے تیار ہوجاؤ۔۔۔!! کیا میری بات مانو گے؟یا پھر سزا سہو گے۔۔۔!!'' وہ مزے سے اسے شرارت سے دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہاری بات مانوں گا۔۔۔!!'' رُخام نے ہونٹوں پر مسکان سجائی۔وہ سوچنے لگی۔

''ہاں۔۔۔!!ہاتھوں کے بل الٹے کھڑے ہوجاؤ۔۔۔!!تیس سیکنڈ کے لیے۔۔۔!!میرا مطلب ہے۔۔۔!!چمگادڑ بن کر دکھاؤ۔۔۔!!'' اس نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔اس کی نظریں سیکنڈ کی سوئی پر رک گئی۔رُخام کچھ دیر سوچتا رہا۔پھر اس نے قلابازی لگائی، اور وہ الٹا کھڑا ہوگیا۔امرینہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔اس کی شرٹ نیچے سینے کی طرف چلی گئی، اس کا پیٹ دکھائی دینے لگا، وہ اچھا خاصہ شیف میں تھا۔بالکل

بھی ابھرا ہوا نہیں تھا، امرینہ سکینڈ والی سوئی کو دیکھ رہی تھی۔ رُخام کھڑا رہا۔ امرینہ نے سوچا تھا۔ وہ نہیں کر سکے گا۔ مگر اس نے کر دکھایا۔ جیسے ہی ٹائم مکمل ہوا۔

''واؤ۔۔۔!! تم نے اپنا پاور شو کر دیا۔۔۔!! تم نے کر دکھایا۔۔۔!! تم کر گئے۔۔۔!! تم ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ ڈیرنگ بھی ہو۔۔۔!!'' وہ سیدھا ہو چکا تھا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ اب پٹی امرینہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ اور کیمرے کی ریکارڈنگ اسٹارٹ کر دی۔ پھر وہ آہستہ سے اٹھی، اس نے اپنی ناک اس کے چہرے سے ہلکی سی لگائی، اس نے دو تین بار ایسے ہی کیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے سارے بال ہٹا دیے تھے۔ پھر وہ چند لمحوں بعد پیچھے چلی گئی۔ اب وہ رُخام کی پٹی نکال رہی تھی۔ اس نے ریکارڈنگ رکوا دی تھی۔ وہ سائیڈ سے اس کے چہرے کی طرف آئی تھی۔

''ناؤ ٹیل می۔۔۔!! میں نے اپنے جسم کا کونسا حصہ تمہارے چہرے سے ٹچ کیا تھا۔۔۔!!'' وہ پوچھ رہی تھی، اور رُخام سن کر سوچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔

''میں سوچنا چاہتا ہوں۔۔۔!!'' رُخام نے اسے دیکھا، پھر سوچنے لگا۔

''تمہارے پاس زیادہ سے زیادہ ایک منٹ کا وقت ہے۔۔۔!! اس سے زیادہ میں نہیں دے سکتی۔۔۔!!'' اس نے کہا، رُخام نے اسے دیکھا۔ پھر کہہ دیا۔

''تم نے اپنی انگلی میرے چہرے سے لگائی تھی۔۔۔!!'' رُخام ہنس رہا تھا۔ اس کا نفی میں ہلتا چہرہ دیکھ کر جیسے حیرت میں پڑ گیا۔

''اگر تم سوچنا چاہتے ہو۔۔۔!! تو سوچ سکتے ہو؟'' اس نے رُخام کے حیرت زدہ چہرے کو بغور دیکھا۔

''او کے۔۔۔!! میں سوچ رہا ہوں۔۔۔!! میں پندرہ سیکنڈ تک سوچنا چاہتا ہوں۔۔۔!!'' وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔

''تم نے اپنے پاؤں کا انگوٹھا میرے چہرے سے ٹچ کیا تھا۔۔۔!!'' رُخام نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پرامید سا لگ رہا تھا۔

''نہیں۔۔۔!! اگر آخری بار تم سوچنا چاہتے ہو۔۔۔!! تو سوچ لو۔۔۔!!'' امرینہ نے دونوں چٹون اچھے خاصے بڑے کر دیے۔ وہ نفی میں پرسوچ نگاہوں سے گردن ہلاتا رہا۔

''میں بتاؤں۔۔۔!!'' امرینہ نے شوخی سے کہا۔

''نہیں تم نے اپنی ناک میرے چہرے سے لگائی ہے۔۔۔!!'' رُخام نے جلدی سے کہا تو وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''واؤ۔۔۔!! اچھا گیس (guees) تم جیت گئے۔۔۔!! ایک پوائنٹ تمہارا ہوا۔۔۔!! یعنی گیم برابر ہو گیا۔۔۔!!'' وہ مسکرانے لگی۔ رُخام چیخا۔

''یا ہو۔۔۔!!'' وہ اچھل پڑا۔ جیسے وہ کچھ چاہ رہا ہو۔

''ہاں۔۔۔!! اب یہ لو۔۔۔!! اور کیا کرو گی۔۔۔!! سزا لو گی۔۔۔!! یا میری بات مانو گی۔۔۔!!''

''تمہاری بات مانوں گی۔۔۔!! بتاؤ کیا کروں؟'' وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ کیمرے کی ریکارڈنگ چل رہی تھی۔ اب وہ ریکارڈنگ دیکھ رہی تھی، جب امرینہ رخام سے اپنی ناک ٹچ کر رہی تھی، تب ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ اسے کس کر رہی ہو۔ کیونکہ وہ سائیڈ سے کیمرے میں ریکارڈ ہوا تھا۔

''تم مجھے ایک فرنچ کس دو گی۔۔۔!! وہ بھی جسٹ تیس سیکنڈ تک۔۔۔!!'' رُخام کی بات سن کر وہ اسے ایک آنکھ سے دیکھتی رہی۔ پھر وہ آگے بڑھی، اس کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ دونوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کو چھونا شروع کر دیا، جب وہ جدا

ہوئی۔تو وہ کانپ رہی تھی، اپنے ضبط پر وہ قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔رُخام ہنس رہا تھا۔اب وہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ رہا تھا۔اسے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔دونوں ابھی تک برابری میں تھے، ٹھیک ٹھیک گیس کرچکے تھے۔کچھ دیر ایسے ہی گزری۔پھر جیسے رُخام نے اپنے پینٹ کی بیلٹ کی آواز اسے سنائی۔جیسے وہ اپنی پینٹ اتار رہا ہو۔مگر ایسا نہیں تھا۔اس نے صرف بیلٹ کا لاک کھولا تھا۔پھر پینٹ کی زپ کھولنے کی آواز بھی اسے سنادی تھی، پھر اس نے اپنا انگوٹھا ٹیڑھا کردیا۔اور پوری طرح سیدھا کرکے کافی لمبا کردیا، اور اس کو سائیڈ سے امرینہ کے فیس سے ملنا شروع کردیا۔اس نے دو تین بار ایسا کیا۔وہ جیسے اس کے چہرے سے رگڑ رہا تھا۔ناخن والا سائیڈ فیس کے اپوزیٹ تھا۔

''میں نے کون سے حصے سے تمہیں ٹچ کیا؟ تمہارے پاس صرف تیس سیکنڈ کا وقت ہے۔۔۔!!'' امرینہ سوچتی رہی۔

''تم میرے قریب تھے۔۔۔!! جھک گئے تھے۔۔۔!! میں بیٹھی تھی۔۔۔!! تم نے اپنی ہتھیلی میرے چہرے سے لگائی تھی۔۔۔!!'' امرینہ نے گیس کرکے کہا۔

''نہیں۔۔۔!! نہیں۔۔۔!! کیا تم ہار مان رہی ہو۔۔۔!!'' رُخام ہنس پڑا۔

''نہیں۔۔۔!! سوچ رہی ہوں۔۔۔!! اچھا تم نے اپنا پیر میرے چہرے سے رگڑایا تھا۔۔۔!!'' وہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ناک چھڑا کر بولی۔

''نہیں۔۔۔!! میں نے اپنی انگلی ٹیڑھی کرکے سائیڈ سے تمہارے چہرے سے رگڑائی تھی۔۔۔!! تم ہار گئی ہو۔۔۔!! میرے دو پوائنٹ ہوگئے ہیں۔۔۔!!'' امرینہ ہنس پڑی۔اس نے ریکارڈنگ دیکھی، وہ سچ کہہ رہا تھا۔

''کیا کروگی؟ سزا لوگی؟ یا بات مانوگی۔۔۔!!'' رُخام اسے دیکھ رہا تھا۔

''جو تم کہو۔۔۔!! میں تمہیں اختیار دے رہی ہو۔۔۔!!'' وہ جھینپ کر کہہ رہی تھی۔

''چلو سوال پوچھتا ہوں۔۔۔!! مگر سچ سچ جواب دوگی۔۔۔!!'' رُخام مزے سے دانت دکھانے لگا۔

''اوکے۔۔۔!! میں بالکل سچ بتاؤں گی۔۔۔!! سچ کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہوں گی۔۔۔!!'' اس کی آنکھیں روشن سی ہوگئیں۔

''کیا تم ابھی تک زندگی میں کسی کے ساتھ سوئی ہو؟'' رُخام نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔وہ اس کا سوال سن کر ہنس پڑی۔

''نہیں۔۔۔!! نیور۔۔۔!! کبھی بھی نہیں۔۔۔!! پاگل ہوگیا؟ کتنا آسان سوال پوچھا تھا؟'' اس نے ہنس کر بتایا۔ہنسی سے اس کی آنکھیں جیسے اندر کو دھنس رہی تھیں۔رُخام کو اطمینان سا ہوا۔اب وہ پھر سے اس کے چہرے پر پٹی باندھ رہا تھا۔کیونکہ وہ غلط گیس کرچکی تھی۔رُخام نے اپنی شرٹ اتار کر سائیڈ پر آکر اس کے کندھے پر اپنی کہنی لگائی۔وہ اچھی خاصی سخت تھی۔وہ دو تین بار آرام سے کرتا رہا۔

''بتاؤ؟ میں نے تمہارے کندھے پر کونسا حصہ رکھا تھا۔۔۔!!'' وہ سوچ میں گم تھی۔وہ محسوس کرتی تھی، مگر اب تو جیسے محسوس ہی نہیں ہورہا تھا۔وہ تیس سیکنڈ تک اچھی خاصی سوچتی رہی۔پھر اس نے کہا۔

''تم نے ہاتھ کی کہنی میرے کندھے سے ٹچ کی تھی۔۔۔!!'' رخام اس کی بات سن کر جزبز ہوگیا۔اسے دیکھتا رہا۔

''یس مائی ڈیئر۔۔۔!! تم نے بالکل سہی گیس کیا۔۔۔!! واؤ۔۔۔!! یو آر ٹو انٹیلیجنٹ۔۔۔!!'' وہ بالکل سیدھی ہوئی، اس نے لمبی سی سانس لی۔اور رخام کو دیکھا۔

''بتاؤ۔۔۔!! سزا۔۔۔!! یا پھر بات؟'' وہ مزے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''بات پوچھوں؟'' رخام نے ہنس کر کہا۔

''اوکے۔۔۔!! یہ بتاؤ؟ کیا میرے علاوہ

تمہاری کوئی گرل فرینڈ ہے؟ یا تھی؟ کیا تم میرے ساتھ سیریس ہو؟'' وہ بہت روڈلی پوچھ رہی تھی۔

''نہیں۔۔۔!! تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔۔۔!! نہ تھی۔۔۔!! مگر میں سنجیدہ نہیں ہوں۔۔۔!!'' جیسے ہی رخام نے کہا، وہ بالکل سرخ پڑ گئی۔

''تو پھر کیا ہو؟ کیا ہم مذاق کر رہے ہیں؟'' وہ بہت غصہ ہو گئی تھی۔

''کم ڈاؤن۔۔۔!! تم گیم میں ہو۔۔۔!! بس تم صرف ایک سوال پوچھ سکتی تھی۔۔۔!! ری ایکٹ نہیں دے سکتی ہو۔۔۔!!'' رخام نے اسے یاد دلایا۔

اس نے رخام کی بات سن کر سر اثبات میں ہلایا اور اسے دیکھنے لگی۔ اس نے رخام کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اپنی تیسری انگلی بالکل اسٹرائٹ کر کے رخام کے گردن پر پھیرنی شروع کر دی۔ اب اس نے رخام کی پٹی ہٹا دی۔ وہ رخام کو دیکھ رہی تھی۔

''تم نے اپنے ہاتھ کی انگلی میری گردن پر پھیری تھی؟'' اس نے امرینہ کے چہرے کو دیکھا۔ امرینہ مسکرائی۔

''کونسی انگلی؟'' امرینہ کے لہجے میں تجسس تھا۔ رخام پریشان ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا۔

''تم ایک منٹ تک سوچ سکتے ہو؟'' امرینہ سخت لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''چوتھی انگلی۔۔۔!!'' رخام نے مسکرا کر اسے دیکھا، جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ وہ جیت گیا ہے۔ امرینہ نے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ بتانے والی تھی۔ رخام چیخا۔

''رکو۔۔۔!! مجھے سوچنے کے لیے وقت دو۔۔۔!!'' امرینہ نے اسے دیکھا۔ پھر وہ سوچنے لگی۔

''ہاں۔۔۔!! تم وقت لے سکتے ہو۔۔۔!! اگر پھر بھی تم نے غلط گیس کیا۔۔۔!! تو تمہیں ہارنے کی صورت میں، سزا بھی ہو سکتی ہے۔ اور میری بات کا سچ سچ جواب بھی دینا ہوگا۔۔۔!!''

''اوہ۔۔۔!! اٹس ویری ڈینجرس سچویشن۔۔۔!! اوکے میں مانتا ہوں۔۔۔!!'' رخام نے کہا۔

''اب تم ایک منٹ تک سوچ سکتے ہو؟'' امرینہ نے سخت انداز میں کہا، رخام سوچنے لگا۔ وہ باقاعدہ انداز میں ایک ایک انگلی اسٹرائٹ کر کے اپنی گردن پر اسی کی انداز میں پھیرنے لگا۔ مگر اسے کچھ بھی اندازہ نہ ہوا۔ ٹائم ختم ہو گیا۔ امرینہ نے اسے دیکھا۔

''یور ٹائم از اوور۔۔۔!! ناؤ یو ٹیل می۔۔۔!!'' امرینہ مسکرائی۔

''تمہاری دوسری انگلی تھی۔۔۔!! اب تم ہاتھ نہ پوچھنے لگ جانا۔۔۔!!'' رخام نے کانفیڈنٹلی کہا۔ امرینہ نے اسے دیکھا۔ پھر مسکرائی۔

''تمہارا آنسر رانگ ہے۔۔۔!! وہ تیسری انگلی تھی۔۔۔!! اگر تم چاہو، تو ریکارڈنگ دیکھ سکتے ہو؟'' رخام ہار گیا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

''اب تم میری سزا سہنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔۔!! اور ساتھ تم نے مجھے ایک بات کا بالکل سچ سچ جواب بھی دینا ہے۔۔۔!!'' رخام نے اثبات میں سر ہلایا۔ رخام نے اسے دیکھا۔

''اب پہلے سزا ہی دے دو۔۔۔!!'' رخام نے کہا۔

''اپنے پورے کپڑے اتار دو۔۔۔!!'' امرینہ کی بات سن کر وہ مسکرایا۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔ اس نے اس کی طرف پیٹھ کر دی۔ اور اپنے پورے کپڑے اتار دیئے۔ اس کی بیک سائیڈ امرینہ کو نظر آ رہی تھی۔

''اب سوال پوچھو۔۔۔!!'' بنا مڑے ہی رخام نے کہا۔

''میری طرف گھوم جاؤ۔۔۔!!'' امرینہ حکمیہ انداز اپنا چکی تھی۔

یہ بات سزا میں شامل نہیں تھی۔۔۔!! تم نے صرف مجھے کپڑے اتارنے کو کہا تھا۔۔۔!! وہ میں نے اتار دیے۔۔۔!! میری سزا پوری ہو چکی ہے۔۔۔!! آگے یا پیچھے سائیڈ والی بات نہیں ہوئی تھی۔۔۔!!'' امرینہ کو اس کی بات سن کر شاک لگا۔ رخام نے اپنی

شرٹ ابھی بھی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔

''او کے۔۔۔!! یو آر ٹو جینئس۔۔۔!! اب سوال کا جواب دو۔۔۔!! میں تمہارے لیے کیا ہوں؟'' امرینہ نے سخت لہجے میں کہا۔ رخام خاموش ہوگیا۔ امرینہ نے دوبارہ پوچھا۔

''ٹیل می۔۔۔!! میں تمہارے لیے کیا ہوں؟''

رخام کپڑے پہننے لگا۔ جب اس نے شرٹ پہن لی، اب وہ باقی کپڑے پہن رہا تھا۔ اب کپڑوں میں ملبوس تھا، پھر وہ گھوم گیا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ رخام کے لب کھلے۔ اس نے چھوٹی آنکھیں کردی تھیں۔ پھر بہت زیادہ گھمبیر انداز میں کہا۔

''ٹائم پاس۔۔۔!!'' امرینہ کی آنکھیں جیسے بجھ گئیں۔ وہ جیسے شاک میں چلی گئی۔ وہ آگے بڑھی، اس نے کھڑے رخام کو دھکا دیا۔

''امرینہ۔۔۔!! تم ری ایکٹ نہیں کرسکتی ہو، ہم گیم میں ہیں۔۔۔!! امرینہ لسن۔۔۔!! تم ایسے مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتی ہو۔۔۔!! لسن۔۔۔!!'' رخام صوفے پر گر گیا، وہ جلدی جلدی کہنے لگا، اس نے اسے غصے سے دیکھا، اور اپنا سامان اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ دروازہ وہ اندر سے بند کرچکی تھی، رخام باہر دروازے پر دستک دینے لگا۔

''امرینہ، اگر تم نے اس طرح ری ایکٹ کرنا تھا، تو تم جان جاؤ۔ تم ہار گئی۔۔۔!! گیم کا ایک رول یہ بھی تھا۔۔۔!! دوسرے پلیئر کو ری ایکٹ دینے کا کچھ اختیار نہیں ہے۔۔۔!!'' وہ شدید غصے میں آچکی تھی۔ اب وہ برقع پہن رہی تھی، اور کچھ دیر بعد اس نے غصے سے دروازہ کھولا، رخام دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ اس نے رخام کو دھکا دیا، وہ غصے سے رخام کے گھر سے نکل گئی۔ وہ اسے منانا چاہ رہا تھا۔ مگر پہلے سے وہ مزید ناراض ہوگئی تھی۔ وہ سیڑھیوں پر تھی، جب وہ دوڑتا ہوا اس کے پیچھے آیا، اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف گھمایا، امرینہ نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑایا اور اس نے ایک بار پھر سے رُخام کو زوردار دھکا دے دیا۔ وہ سیڑھیوں پر گر گیا، اور وہاں سے جیسے بھاگتی چلی گئی۔ رخام کو اس کی اس شدید عمل کی توقع نہیں تھی۔ وہ حیران سا ششدر اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

گھر پہنچ کر جیسے وہ آگ پر جل رہی تھی، جیسے کسی نے اسے جلتے تندور میں پھینک ڈالا ہو۔ وہ بہت غصے سے ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ کمرے کی ہر چیز کو وہ تہس نہس کرنا چاہ رہی تھی۔

''میں اس کے لیے صرف صرف ٹائم پاس ہوں۔۔۔!! صرف ٹائم پاس۔۔۔!! میں بس جیسے اس کے لیے کوئی کھلونا ہوں۔۔۔!! اس ڈفر کو سچ بولنے کی ضرورت کیا تھی؟ کیا ضرورت تھی؟ اسے مجھ سے سچ بولنے کی۔۔۔!! میں اب اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔۔!! وہ شاید مجھے جانتا نہیں ہے۔۔۔!! میرا دل جس سے ایک بار بھر جائے، میں دوبارہ اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی۔۔۔!!'' اس لمحے اس نے دونوں ہاتھ آپس میں جمائے۔ وہ جیسے روہانسی ہورہی تھی۔ اچانک اس کے موبائیل کی بب بجنے لگی۔ اس نے موبائیل اٹھا کر دیکھا۔ رخام کالنگ نظر آرہا تھا۔ اس نے کال منقطع کردی۔ اب رخام بار بار کال کرنے لگا۔ اور اسے وہ سخت زہر لگ رہا تھا۔

''کم از کم۔۔۔!! میرا دل ہی رکھ لیتا۔۔۔!! کیا جھوٹ بولنے سے اس کی جان چلی جاتی۔۔۔!! بس گیم تھا۔۔۔!! گیم کے رولز تھے۔۔۔!! مگر مجھے پتہ تو نہیں چلنا تھا۔۔۔!! میں کونسا اس کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی۔۔۔!!! وہ جھوٹ بول لیتا۔۔۔!!! اور مجھے پتہ چل جاتا۔۔۔!!'' اس نے دوبارہ موبائیل کی طرف دیکھا۔ رخام پھر سے کال کررہا تھا۔ اس نے اس بار رخام کی کال کاٹ دی۔ اب وہ پھر سے کررہا تھا۔ اور بار بار کرتا چلا گیا۔ غصے سے امرینہ نے دونوں آنکھیں بند کرلیں۔

''میں فون بھی آف نہیں کرسکتی ہوں۔۔۔!! کلائنٹس کی کالز آتی ہیں۔۔۔!! یہ کیا مصیبت اپنے پیچھے

لگالی ہیں۔۔۔!!اب یہ بے غیرت کیا موبائیل پر فون کر کر کے ٹائم پاس کر رہا ہے؟'' امرینہ نے اس بار اس کی کال کاٹ دی۔اس نے پھر کردی،اس نے کاٹ دی۔اب اس کا میسج آیا۔امرینہ نے ناچاہتے ہوئے بھی دیکھا۔

''امرینہ ۔۔۔!!پلیز۔۔۔!!مجھے ایکسپلین کرنے کا موقع تو دو۔۔۔!!میں سچ کہہ رہا تھا۔۔۔!! سیریسلی۔۔۔!!میں تم سے محبت کرتا ہو۔۔۔!!مگر اس سے پہلے تم میرے لیے صرف ٹائم پاس تھی۔۔۔!!میں نے اپنا ٹائم پاس کرنے کے لیے تم سے دوستی کر رکھی تھی۔۔۔!!مگر جب سے تم مجھ سے لڑی ہو۔۔۔!!میں جیسے آگ پر کھڑا ہو گیا ہوں۔۔۔!!میرا پورا وجود جل رہا ہے۔۔۔!!قسم سے،امرینہ۔۔۔!!میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ۔۔۔!!میں سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔!!ورنہ۔۔۔!!کیا میں نے کبھی تمہاری کوئی بات ٹالی ہے۔۔۔!!میں نے ٹائم پاس صرف اس لیے کہا۔۔۔!!کیونکہ میں تمہاراری ایکشن دیکھنا چاہ رہا تھا۔۔۔!!آئی ڈونٹ بلیواٹ۔۔۔!!یار تمہارا اس قدر کریزی ری ایکشن دیکھا تو مجھے اپنے آپ غرور ہونے لگا ہے۔۔۔!!تم مجھے کس قدر چاہتی ہو؟یہ آج مجھے پتہ چلا ہے۔میں بھی تمہارے ساتھ سن سیئر ہوں۔میرا خدا یہ بات اچھی طرح سے جانتا ہے۔''اس نے میسج پڑھا۔اور اپنی دوست سویرا کو کال ملا دی۔وہ اب سویرا سے باتیں کر رہی تھی۔باتوں کے دوران بھی،رخام کا نمبر بار بار اس کے سل فون پر آرہا تھا۔مگر وہ نظر انداز کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس نے تصویر کی طرف دیکھا۔وہ آدھی سے بھی کم بن چکی تھی۔وہ جیسے ساکت ہو گیا۔ابھی اس نے پینٹنگ بنانے والے کے صرف بال ہی بنائے تھے۔ اس نے مکسچر کی تختی ایک طرف رکھ دی۔اور پینٹنگ کو دیکھنے لگا۔کچھ دیر تک وہ اس کو دیکھتا رہا۔اچانک اس کے ذہن میں امرینہ کا چہرہ یاد آیا۔وہ کچھ دیر امرینہ کو سوچتا رہا۔یہ ایک کمرہ تھا۔جس کے در و دیوار پر بہت ساری پینٹنگز آویزاں تھیں۔مگر یہ ساری تصویریں بے جان چیزوں کی تھیں۔اس نے جب بھی کسی جاندار چیز کی تصویر بنائی تھی۔وہ نہیں رہی تھی۔وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''وہ لڑکی جو مجھے اس دن ملی تھی۔۔۔!!جس نے مجھے ای میل کیا تھا۔۔۔!!وہ اس کی کیا لگتی ہوگی؟اس کا نمبر تو میرے پاس سیو ہے؟وہ بہت روڈلی بات کر رہی تھی۔۔۔!!مگر کیوں؟کیا ان دونوں میں کوئی رشتہ تھا؟اور و۔شتہ پھر ختم ہو گیا؟اس لیے یہ لڑکی، اس کی جان لینا چاہتی ہے؟مگر ابھی یہ کتنا کم عمر ہے۔۔۔!!اس نے تو کچھ نہیں دیکھا ہے۔۔۔!!اچھا ہے۔۔۔!!جو کچھ بھی نہیں دیکھا ہے۔۔۔!!یہ دنیا بہت بری ہے۔۔۔!!اس میں کچھ لوگ اچھے ہیں۔۔۔!!اور شاید۔۔۔!!اس لڑکے نے بھی اس لڑکی کے ساتھ کچھ تو کیا ہے۔۔۔!!ورنہ کوئی ایسے کسی کی جان تو نہیں لینا چاہتا ہے۔۔۔!!سارے انسان کسی نہ کسی کے دشمن ہیں۔۔۔!!اور وہ وجہ کبھی نہیں بتاتے ہیں۔۔۔!!''

اچانک اس نے رخام کی تصویر اٹھائی،اور اسے دیکھنا شروع کر دیا۔رخام اس تصویر میں جو امرینہ نے اسے دی تھی۔بہت پیارا لگ رہا تھا۔

''لڑکے تم بہت جلد مرنے والے ہو۔۔۔!!''

وہ پینٹر جو خود بھی رخام کے عمر کے برابر تھا۔اس نے رخام کی تصویر سے کہا۔اس نے پھر سے وہی تصویر واپس رکھ دی۔اور وہاں سے جانے لگا۔

''میں نے پہلے سے ہی اس لڑکی سے کہا تھا۔۔۔!!کام میں بہت آہستہ،اور اپنے انداز میں کروں گا۔۔۔!!اس میں شاید وقت زیادہ لگے گا۔۔۔!!اگر میں ایک دن میں اس کی تصویر بناؤں گا۔۔۔!!تو یہ تو مر جائے گا۔۔۔!!اور میں نہیں چاہتا کوئی اتنی جلدی مر جائے۔۔۔!!''وہ جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اچانک وہ رک گیا۔اور چھت پر چلا گیا۔اب وہ ٹیرس پر کھڑا اپنے ایریا کو دیکھ رہا تھا۔یہ بہت خوبصورت

اور پوش ایریا تھا۔

☆.....☆.....☆

''یہ امرینہ کس سے اتنی لمبی بات کررہی ہے؟ اوہ گاڈ۔۔۔!! میں بھی کتنا ڈفر ہوں۔۔۔!! اس کو کیا پتہ چلنا تھا۔۔۔!! وہ کونسا میرے دل میں یا دماغ میں بیٹھی ہوئی تھی۔۔۔!! غلطی میری ہی ہے۔۔۔!! کیا ضرورت تھی۔۔۔!! مجھے سچ بولنے کی۔۔۔!! یہ دنیا سچ کو کبھی نہیں مانتی ہے۔۔۔!! کاش۔۔۔!! میں جھوٹ ہی بول دیتا۔۔۔!! وہ خوشی، خوشی میری خاطر خود کو نچھاور کردیتی۔۔۔!! یہ لڑکیاں کتنی بے وقوف ہوتی ہیں۔۔۔!! میں نے کتنی بڑی بلنڈر غلطی کردی۔۔۔!! اگر میں اس کو کپڑے اتارنے کو کہتا۔۔۔!! وہ اتار دیتی۔۔۔!! مگر میں نے یہ کیا کردیا۔۔۔!! اب مجھے کچھ بھی اچھا کیوں نہیں لگ رہا ہے۔۔۔!! میں نے اسے ناراض کرنے کے لیے تو نہیں بلایا تھا۔۔۔!! اوہ۔۔۔!! میرے خدا۔۔۔!! یہ میں نے کیا کردیا؟ مگر میں بھی کیا کرتا۔۔۔!! اس گیم کا رول ہی یہی تھا۔۔۔!! سزا لو۔۔۔!! یا پھر صرف سچ بولو۔۔۔!! اور یہ سچ اتنا کڑوا کیوں ہوتا ہے؟ یہ لڑکیاں سچ کی ہمت کیوں نہیں رکھتی ہیں۔۔۔!! جھوٹ پر کتنے بڑے، بڑے قدم اٹھا دیتی ہیں۔۔۔!! کیا جھوٹ اس قدر دلفریب ہوتا ہے۔۔۔!! اس قدر حسین ہوتا ہے، کتنا پہاڑ سامنے کیوں نہ کھڑا ہو۔ یہ لڑکیاں اسے سر کرنے کے لیے قدم اٹھا لیتی ہیں، ان کو یہ ڈر بھی نہیں لگتا ہے، پہاڑ کے دامن تک پہنچ کر آگے کا راستہ بہت پرخطر ہوتا ہے، اور گہری کھائیاں ان کی منتظر ہوتی ہیں۔''

''آج شام کو امرینہ کسی احرام سے ملنے والی ہے۔۔۔!! مجھے بھی وہاں جانا چاہیے۔۔۔!! یہ سچ میں نے اس لیے بولا تھا۔۔۔!! کیونکہ اس کے میسجز اور کالز سن کر مجھے شدید غصہ آگیا تھا۔۔۔!! میں اسے غلط سمجھنے لگا تھا۔۔۔!! کیا پتہ۔۔۔!! وہ غلط ہی ہو۔۔۔!! ورنہ کس لڑکی کا موبائل اتنا بجتا رہتا ہے؟ ابھی بھی کتنا بزی جا رہا ہے۔۔۔!! خود چاہے جو کچھ کرلیں، میں نے ایک ذرا سا سچ بول دیا، تو انگارہ ہوگئی۔۔۔!! ایسے طوفان بن گئی، جیسے خود بہت پاکیزہ پاک دامن، صرف مجھ سے محبت کرتی ہو۔ آج شام اس کی محبت کا صاف پتہ چل جائے گا۔'' اس نے پرسوچ ہوکر دیوار کو دیکھا۔ وہاں اب بھی اچھا خاصا شام میں وقت تھا۔ اس نے بے دلی سے دوبارہ امرینہ کا نمبر ملایا۔ وہ ابھی تک بزی جا رہا تھا۔ اسے شدید غصہ آیا۔

''امرینہ، آئی ہیٹ یو۔۔۔!!'' اس نے موبائل پوری شدت سے دیوار پر دے مارا، وہ کئی پرزوں میں بٹ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

امرینہ چادر میں خود کو چھپا کر گھر سے نکل گئی، گلی میں رخام کھڑا تھا، اس نے امرینہ کا پیچھا شروع کردیا۔ امرینہ آٹو میں بیٹھ گئی، رخام کو چائنیز ریسٹورنٹ معلوم تھا۔ وہ شہر کے وسط میں تھا۔ اس نے بھی دوسری قریبی آٹو کو روک کر اس کو چائنیز ریسٹورنٹ کا ایڈریس بتایا۔ شام ابھی گہری نہیں ہورہی تھی۔ روشنی ابھی بھی موجود تھی۔ کچھ دیر بعد آٹو چائنیز ریسوڑنٹ کے سامنے رک گیا۔ رخام نے پیمنٹ کردی، اور ہڈ میں چہرہ چھپا کر وہ ریسٹورنٹ کے اندر چلا گیا۔ ہوٹل کے اندر اچھے خاصے لوگ موجود تھے۔ امرینہ کو اس نے دیکھنا شروع کردیا۔ اسے وہ ایک سائیڈ ٹیبل پر نظر آئی، وہ جلدی سے ایک ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ امرینہ اکیلی تھی۔ رخام کی پشت امرینہ کی طرف تھی۔ اس نے اپنا موبائل نکال کر، اس کا فرنٹ کیمرہ آن کرلیا۔ اب اس نے موبائل اس رخ پر پکڑ لیا۔ جس میں پیچھے بیٹھی امرینہ صاف آسانی سے نظر آرہی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک ہینڈسم سا لڑکا ریسٹورنٹ میں داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ وہ چلتا ہوا، امرینہ کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ اب وہ دونوں بات چیت کررہے تھے۔ اس نے کچھ دیر بعد ایک لفافہ نکال کر امرینہ کی طرف بڑھایا۔ امرینہ نے لفافے سے پیسے نکال کر دیکھے، وہ پانچ پانچ ہزار کے دو نوٹ تھے۔ اسی لمحے رخام کو بہت برا فیل ہورہا تھا۔ وہ

گیٹ پر کھڑا تھا۔ وہ جل رہا تھا۔ یہ سب اس کی جلن تھی۔ وہ برداشت ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ اب امرینہ نے احرام کا ہاتھ پکڑ لیا۔ امرینہ اس کے ہاتھ میں جیسے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ مگر رخام سمجھ ہی نہ پا رہا تھا۔ وہ جیسے پاگل ہو رہا تھا، جلن نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا، وہ بس اپنے ذہن میں کچھ اور محسوس کر رہا تھا۔ وہ غصے سے اٹھا، اور ریسٹورنٹ سے باہر نکلنے لگا۔ اب وہ باہر کھڑا تھا۔ اور امرینہ کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے بہت زیادہ غصہ آیا ہوا تھا۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت بیت چکا تھا۔

اچانک وہی لڑکا جو امرینہ سے ملنے آیا تھا۔ وہ ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا۔ رخام سائیڈ پر ہو گیا۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ وہ آتے وقت بہت خوش تھا، مگر جاتے وقت کچھ اداس اور غمگین نظر آ رہا تھا۔ اچانک کچھ دیر بعد امرینہ بھی باہر نکل آئی۔ رخام ایک دم سے اس کے سامنے آیا۔ امرینہ اسے دیکھ کر رک گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو چند لمحے تک دیکھتے رہے۔ پھر امرینہ نے اسے نظر انداز کر دیا، اور آگے جانے لگی۔

''امرینہ۔۔۔!! تو تم یہاں کسی سے ملنے آئی تھی؟ میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔۔۔!! مگر میں پھر بھی تم سے ناراض نہیں ہوں۔۔۔!! تم بھی تو مجھے چیٹ کر رہی ہو۔۔۔!! کیا یہ سچائی میرے لیے تمہارے لیے زہر سے کم ہے؟'' رخام نے ہمت کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ جیسے ساکت ہو گئی۔ اس نے مڑ کر رخام کو دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ کو جھٹک کر نفی میں گردن ہلائی۔

''رخام۔۔۔!! میں ٹائم پاس نہیں کر رہی تھی۔۔۔!! میں سنجیدہ تھی۔۔۔!! مگر اب نہیں۔۔۔!! میں کسی ایسے انسان کے لیے اپنے جذبات ضائع نہیں کر سکتی۔۔۔!! جو مجھے ٹائم پاس سمجھتا ہو۔۔۔!! میں بھی اب تمہیں ٹائم پاس سے زیادہ رتی برابر اہمیت نہیں دوں گی۔۔۔!!'' امرینہ نے کہا، اور جانے لگی۔

''امرینہ پلیز۔۔۔!! میں نے جھوٹ بولا تھا۔۔۔!! میں بھی سنجیدہ ہوں۔۔۔!! مگر کل تمہارے فون پر میں نے میسج دیکھ لیا تھا۔۔۔!! تم کسی احرام سے اسی ریسٹورنٹ میں ملنے والی تھی۔۔۔!! تم نے کال پر اس سے دس ہزار مانگے تھے۔۔۔!! اس لیے مجھے غصہ آ گیا تھا۔۔۔!! میں نے وہ جذبات کی رو میں کہہ دیا تھا۔۔۔!! مجھے لگا تم مجھے ٹائم پاس کر رہی ہو۔ اس لیے میں نے تمہاری ری ایکشن دیکھنے کے لیے ایسا کہہ دیا۔۔۔!!'' رخام نے اس کے ساتھ چلنا شروع کر دیا۔

''ہاں۔۔۔!! اس لیے، تم میری جاسوسی کرنے یہاں تک پہنچ گئے۔۔۔!! رخام۔۔۔!! میں غلط تھی۔۔۔!! بس۔۔۔!! انف۔۔۔!! ہمارا ساتھ کل تک تھا۔۔۔!! میں اپنی لائف میں بہت بزی ہوں۔۔۔!!'' اچانک اس کے موبائل کی بب بجنے لگی۔ امرینہ نے پرس سے موبائل نکال کر دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ کوئی ان ناؤن نمبر تھا۔ امرینہ نے کال کاٹ دی۔

''امرینہ۔۔۔!! تمہارے جانے کے بعد میں بہت زیادہ ری لائز ہوتا رہا۔۔۔!! غصے میں، میں نے اپنے ساتھ بہت برا کیا۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! مان جاؤ ناں۔۔۔!! ایک موقع دو۔۔۔!! دیکھو۔۔۔!! میں تم سے آئندہ کچھ بھی نہیں پوچھوں گا۔۔۔!! تم کو کبھی کوئی دکھ نہیں دوں گا۔۔۔!! آئی سوئیر۔۔۔!! میں سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔!! میں تم سے بہت زیادہ شدید محبت کرتا ہوں۔۔۔!! تم جانتی تو ہو۔۔۔!! میں نے وہ جھوٹ صرف تمہاری ری ایکشن جاننے کے لیے بولا تھا۔۔۔!!'' اس نے امرینہ کی طرف دیکھا۔

''مگر میں تمہیں کچھ بھی بتانے کی پابند نہیں ہوں۔۔۔!! میں کیا کرتی ہوں؟ کس سے ملتی ہوں؟ کیا کرنا چاہتی ہوں؟ تم مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھ سکتے؟ میں نے یہ اختیار تمہیں کبھی نہیں دیا؟ اور آئندہ تم میری جاسوسی نہیں کرو گے؟ ورنہ میں تمہارا منہ توڑ

دوں گی؟ وائے آر یو کیم ہیر؟ کیا اب بھی تم سمجھتے ہو؟ میں تم جیسے ٹائم پاس کی باتوں میں آکر دوبارہ پیچ اپ کرلوں گی، یہ تمہاری بہت بڑی بھول ہے۔۔۔!!'' امرینہ نے اسے دیکھا۔ رخام ہنس پڑا۔

''قسم سے۔۔۔!! اگر تمہارا سچ میں بھی کسی دوسرے لڑکے کے ساتھ آفیئر کا پتہ چلے۔۔۔!! تو بھی میں کچھ نہیں کہوں گا۔۔۔!! یا میں تمہیں کسی بھی حالت میں کسی لڑکے کے ساتھ دیکھ لوں، میں بالکل براڈ مائنڈڈ ہوں۔۔۔!! میں تمہارے ساتھ, آئی سوئیر سیریس تھا۔۔۔!! مگر تم بھی پراسرار سی مومنٹس کرنے لگ گئی تھی۔ تو بندے کو غصہ آجاتا ہے۔ وہ جو کچھ بکواس میں نے کی تھی، وہ میرا غصہ تھا۔ آئی سوئیر آج کے بعد تمہیں بالکل بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ تم جانتی ہو، میں تمہارے ساتھ سیریس ہوں۔'' رخام نے کہا۔ تو امرینہ نے اسے دیکھا۔ اور اثبات میں سر ہلایا۔ اب دونوں مارکیٹ کی طرف جانے لگے۔ رخام خوش تھا، تو امرینہ کچھ سوچ رہی تھی۔ مگر وہ رخام نہیں سوچ رہا تھا۔ اور رخام کی دل کی کھولن جیسے بڑھ رہی تھی، پر وہ مسکرا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

امرینہ رخام کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پارک میں بیٹھی ہوئی تھی، وہ برقع پہن کر آئی تھی، مگر اب وہ برقع پرس میں تھا۔ وہ رخام کو دیکھ رہی تھی۔

''امرینہ۔۔۔!! اب تمہاری ناراضگی ختم ہوگئی ہے نا۔۔۔!! یا ابھی تک ناراض ہو۔۔۔!!'' رخام نے کہا۔ امرینہ نے دونوں آنکھیں چھوٹی کردیں۔

''ہاں۔۔۔!! مگر اب مجھے تم پر یقین نہیں آئے گا؟ میری ایک بہت بری عادت ہے۔۔۔!! جو لوگ مجھے دھوکہ دیتے ہیں۔۔۔!! میں دوبارہ کبھی ان پر اعتبار نہیں کرتی ہو۔۔۔!! بس پتہ نہیں کیسے تمہاری باتوں پر دل نے مجبور کردیا ہے، اس لیے آج یہاں تمہارے پاس بیٹھی ہوئی ہوں۔'' امرینہ نے مزے سے کہا۔ تو رخام ہنس پڑا۔

اگر میں تمہیں دھوکہ دینا چاہتا۔۔۔!! تو اس دن میں کیوں سچ بولتا۔۔۔!! میں تمہیں دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔۔۔!! بس میں تھوڑا سا غصے میں آگیا تھا۔''

''اگر۔۔۔!! ایسا سوچا بھی تو۔۔۔!! تو آئی سوئیر۔۔۔!! میں بتا رہی ہوں۔۔۔!! میں تمہاری جان لے لوں گی۔۔۔!!'' امرینہ نے جیسے ہی کہا۔ رخام جان دار سا قہقہہ لگانے لگا۔

''مار دو۔۔۔!! مگر میں اب بہت سنجیدہ ہوں۔۔۔!! میں کبھی چاہ کر بھی ایسا نہیں کرپاؤں گا۔۔۔!!'' رخام نے اسے دیکھا۔ وہ جیسے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اور اسے اپنا ہی عکس نظر آرہا تھا۔

''رخام۔۔۔!! تم پر صرف میرا حق ہے۔۔۔!! تمہاری سانسوں پر، تمہارے دل پر، ہر دھڑکن پر صرف میرا حق ہے۔۔۔!! میں صرف تمہیں چاہتی ہو۔۔۔!! دھوکہ بہت خوبصورت ہوتا ہے۔۔۔!! مگر مجھے نہیں دے سکو گے۔۔۔!! کیونکہ میں تمہارے دل میں رہنا چاہتی ہوں۔۔۔!! جو لوگ دل میں رہتے ہیں، وہ دھوکہ نہیں کھا سکتے ہیں، مجھے تمہاری آنکھوں میں دل کی سچائی نظر آرہی ہے، بس میرا یہ دماغ مطمئن نہیں ہو پا رہا ہے۔۔۔!!'' امرینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنا شروع کردیا۔

''میں جب تم سے ملا تھا۔۔۔!! تب مجھے لگا تھا۔۔۔!! تم صرف ٹائم پاس کررہی ہو۔۔۔!! مگر ایسا نہیں تھا۔۔۔!! میں کتنا غلط تھا۔۔۔!! میں اب ایسا کبھی نہیں کروں گا۔۔۔!! میں دل بن کر تمہارا دل دھڑکاتا رہوں گا۔۔۔!! میں دھوکہ باز نہیں ہوں۔۔۔!! میں سیریسلی ایسا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا ہو۔۔۔!!'' رخام کے کہتے ہی، امرینہ سوچنے لگی۔ رخام وہاں سے اٹھ گیا۔ اب وہ سامنے پارک کے بڑے کینٹین کی طرف جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا۔ تو اس کے ہاتھ میں کولڈ رنکز تھی۔ اور اس کے دوسرے ہاتھ میں سموسوں کی بھری پلیٹ تھیں۔ امرینہ

مسکرادی۔

☆.....☆.....☆

کالج کے گراؤنڈ میں منشال کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی، اس کے ساتھ خالی کرسی بھی رکھی تھی۔ وہ کسی کتاب کو گود میں رکھ کر اس میں گم تھی، اچانک وہی لڑکا چلتا ہوا، اس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ منشال چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ لڑکا مزے سے اسے دیکھ رہا تھا منشال نے اپنی کتابیں سمیٹ کر بیگ میں رکھیں اور بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔ اس نے اسے یکسر نظر انداز کردیا۔ اب وہ وہاں سے جارہی تھی۔

''ہاؤ روڈ۔۔۔!!'' اس لڑکے نے کندھے اچکائے۔ پھر کچھ سوچ کر اٹھ گیا۔

''اگر یہ روڈلی ہے۔۔۔!! تو کیا ہوا۔۔۔!! میں بھی ڈھیٹ ہوں۔۔۔!! اوہ ہیلو۔۔۔!! آئی ایم رحمار۔۔۔!!'' رحمار اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اب وہ اس کے پاس جاچکا تھا۔ منشال نے کچھ نہ کہا۔ وہ چلتی رہی۔ اس کی گردن میں جیسے سریا فٹ تھا۔ بالکل سیدھا دیکھتی رہی۔

''پلیز۔۔۔!! آپ میری بات سنیں۔۔۔!! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔۔۔!! آپ سن رہی ہیں۔۔۔!! میں کچھ کہہ رہا ہوں۔۔۔!! اوہ کیا آپ کو سنائی نہیں دے رہا ہے؟'' رحمار کہہ رہا تھا۔ اور منشال سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

''اوہ۔۔۔!! ہیلو۔۔۔!! میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔۔۔!! آپ اتنا روڈلی بی ہیو کیوں کررہی ہیں؟ کیا آپ کی گردن میں کوئی مسئلہ ہے۔۔۔!! بالکل سیدھی ہے۔۔۔!! جیسے بالکل کسی خلائی مخلوق کی ہوتی ہیں؟'' رحمار نے اس کی طرف دیکھا۔ مگر وہ ایسے جارہی تھی۔ جیسے بہری ہو۔ اس کے چہرے پر ایک تاثر تھا۔ وہ کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔

''ایکسکیوزمی۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! رک تھا، پرنسپل کے کمرے کے دروازے پر رک کر رحمار کھڑا جائیں۔۔۔!! دیکھیں۔۔۔!! آپ ایسے جا رہی ہیں۔۔۔!! جیسے کوئی ری بورٹ ہو۔۔۔!!'' رحمار اس کے ساتھ تیزی سے چل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔ وہ کیا کہے۔ مگر وہ اب مزگئی تھی۔ شاید کسی بلاک کی طرف جارہی تھی۔

''منشال۔۔۔!! سب کہتے ہیں۔۔۔!! تم پاگل ہو۔۔۔!! تم کچھ بتاؤ۔۔۔!! کیا یہ سچ ہے۔۔۔!! میں نے کسی بھی لڑکی کی بات کا یقین نہیں کیا۔۔۔!! میں جانتا ہوں۔۔۔!! سب غلط کہتے ہیں۔۔۔!! میں نے سب کو بتایا۔۔۔!! کوئی پاگل کالج میں کیسے آسکتی ہے۔۔۔!! اور کالج کا ٹاپر کیسے بن سکتی ہے؟'' رحمار نے اس کے آگے آکر کہا۔ وہ اس کے سامنے آگیا تھا۔ منشال نے راستہ بدلا۔ اور اس کے سائیڈ سے نکل گئی۔ وہ پھر سے اس کے ساتھ ساتھ جانے لگا۔ وہ جز بز ہوگیا تھا۔ مگر اب پھر سے ٹون میں لوٹ آیا تھا۔

''دیکھو۔۔۔!! یار۔۔۔!! کیا سب سچ کہتے ہیں؟ پوری دنیا بھی کہہ دے نا، منشال پاگل ہے، تب بھی میں نہ مانوں۔۔۔!!'' رحمار اس کے ساتھ چلتا چلا گیا۔ اس کے چہرے کا تاثر بالکل نہ بدلا۔ وہ چلتی رہی، اور رحمار کوشش کرتا رہا۔ وہ کوئی نہ کوئی بات کرتا رہا۔ اب وہ کالج کی بلڈنگ میں اچھی خاصی اندر آچکی تھی۔ آگے رومز تھے۔ وہ رومز سے نکلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

''اے۔۔۔!! تم بات کیوں نہیں کررہی ہو؟ کیا میں سمجھوں۔۔۔!! تم سچ مچ پاگل ہو۔۔۔!! کیا وہ سب ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔!! پلیز میں تم سے بات کرنا چاہتا ہو۔۔۔!! میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہو۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! ورنہ میں ناراض ہوجاؤں گا۔۔۔!!'' اچانک رحمار کو رکنا پڑا۔ وہ بے دھیانی میں اس کے ساتھ پرنسپل کے آفس آچکا تھا، آگے پرنسپل کا آفس تھا۔ وہ دروازہ کھول کر سیدھی اندر داخل ہوگئی تھی۔ رحمار بھی اس کے ساتھ ساتھ اندر داخل ہوچکا تھا۔ پرنسپل نے چونک کر دونوں کو دیکھا، وہ دونوں بالکل ساکت ہوکر رک گئے۔

''برے پھنسے یار۔۔۔!!'' رحمار نے سوچ کر کہا۔ پرنسپل دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ پرنسپل کے سامنے جا کر وہ کھڑی ہوگئی۔ رحمار کے چہرے پر پریشانی چھا گئی۔ پرنسپل اپنی چیئر سے کھڑا ہوگیا۔ اس نے منشال سے پوچھا۔ وہ پریشان ہوگیا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکا، منشال اسے لے کر کہاں سے کہاں لے آئی ہے۔ کھڑوس سا پرنسپل غصہ ہو رہا تھا۔

''بیٹا آپ۔۔۔!! کوئی کام تھا؟'' منشال نے ٹیبل سے پین اٹھا کر، کاغذ سنبھالا۔ اور اس پر لکھنے لگی۔ اس نے کاغذ پرنسپل کی طرف بڑھایا۔ اور وہاں سے مڑ کر جانے لگی۔ پرنسپل وہ کاغذ اٹھا کر پڑھ چکا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات خطرناک حد تک بدل چکے تھے۔ کاغذ پر لکھا تھا۔

''سر۔۔۔!! یہ لڑکا، مسلسل مجھے تنگ کر رہا ہے۔۔۔!! اسے سمجھا دیجیے۔۔۔!! آئندہ۔۔۔!! مجھے تنگ نہ کرے۔۔۔!! ورنہ۔۔۔!! اچھا نہیں ہوگا۔۔۔!! میں اس کو سیدھا یہاں لے آئی ہوں۔۔۔!! سر اب آپ اسے سمجھا سکتے ہیں۔۔۔!! چاہے پیار سے۔۔۔!! یا پھر سختی سے۔۔۔!! یہ آپ پر ہے۔۔۔!!'' رحمار جیسے ہی مڑ کر جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ منشال وہاں سے نکل چکی تھی۔

''رکوں۔۔۔!! تم کہاں بھاگ رہے ہو؟ تم نئے لڑکے ہو نہ۔۔۔!!'' پرنسپل کی گھمبیر آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ وہ مڑا۔ اور پرنسپل کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سوال تھے۔

''تم رحمار عظیم ہو ناں۔۔۔!! یہ کیا ہے؟'' پرنسپل نے کاغذ اس کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔

''سر۔۔۔!! کلاس میں یہ لڑکی بہت عجیب بی ہیو کر رہی تھی۔۔۔!! سب لڑکیوں نے کہا۔۔۔!! یہ مینٹل ہے۔۔۔!! تو میں جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔!!'' رحمار نے نگاہیں نیچے کر کے بتایا۔

تم یہاں نئے ہو۔۔۔!! تم اس لڑکی سے دور رہو۔۔۔!! تم کوئی جاسوس ہو۔۔۔!! جو اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہے ہو۔۔۔!! تم یہاں اسٹڈی کے لیے آئے ہو۔۔۔!! اس پر دھیان دو۔۔۔!! ورنہ۔۔۔!! مجھے سختی سے پیش آنا ہوگا۔۔۔!! جس طرح تم یہاں داخل ہوئے ہو، اسی طرح سے نکالے بھی جا سکتے ہو۔۔۔!!'' پرنسپل نے کسی انسپکٹر کی طرح غصے سے کہا۔

''سر۔۔۔!! میں نے اسے تنگ نہیں کیا۔۔۔!! صرف بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔!!! مگر وہ جواب نہیں دے رہی تھی۔۔۔!! سیدھا مجھے یہاں لے آئی۔۔۔!! اگر میں نے اس کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ خوانی کی ہوتی، تو وہ آپ کو بتا دیتی۔۔۔!!'' رحمار نے صفائی دینے کی کوشش کی۔ مگر پرنسپل بھڑک اٹھے۔

''بکواس بند کرو۔۔۔!! یہ کسی سے بات نہیں کرتی ہے۔۔۔!! آئندہ اس لڑکی سے بات کرو۔۔۔!! جو تم سے بات کرتی ہو۔۔۔!! یہ تو ٹیچر سے بھی بات نہیں کرتی ہے۔۔۔!! جب بھی کوئی بات کرتی ہے۔۔۔!! کاغذ پر لکھ دیتی ہے۔۔۔!! اگر یہ تم سے بات کرتی، تو کاغذ پر لکھ کر منع کر دیتی، اس لیے سمجھ جاؤ، وہ تمہاری شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں ہے۔'' پرنسپل نے غصے سے اسے دیکھا۔

''سر گستاخی معاف۔۔۔!! کیا یہ گونگی ہے؟ جو اس طرح کرتی ہے؟'' پرنسپل نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

''ہاں۔۔۔!! امید ہے۔۔۔!! آئندہ تم اس سے دور رہو گے۔۔۔!! اب تم جا سکتے ہو۔۔۔!! تمہارے جواب تمہیں مل گئے ہیں۔۔۔!! آئندہ میں تمہارے بارے میں کوئی شکایت نہ سنوں۔۔۔!! اور وہ بھی اس بے زبان لڑکی سے۔۔۔!!'' رحمار وہاں سے واپس جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں عجیب سی بے چینی بھر گئی تھی۔ وہ کچھ نہیں سمجھ رہا تھا۔ راستے بھر پرنسپل کی باتیں اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ مگر وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

☆.....☆.....☆

وہ پینٹر صبح سے شام تک دوسری فون کال کا منتظر

تھا۔مگر شاید دوسرے کسی بندے نے اس کی بات سیریس ہی نہیں لی تھی۔اس کے ای میل پر دوبارہ کسی نے رابطہ ہی نہیں کیا تھا۔اس نے دن میں کوئی دس بار اپنا ای میل چیک کیا تھا۔مگر کوئی میل نہیں تھا۔وہ اچھا خاصا پریشان ہوگیا۔اس نے ہاتھ تھوڑی تلے رکھ کر میل کو دیکھا۔

''میں تو سمجھتا تھا۔۔۔!!دنیا میں بہت سارے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔۔۔!! مگر جب میں نے اشتہار تک دے دیا ہے۔۔۔!!تب مجھے میل کیوں نہیں آرہی ہیں۔۔۔!!کیا لوگ میرے اس اشتہار کو مذاق کے طور پر شیئر تو نہیں کررہے۔۔۔!!''اس نے آنکھیں بند کرکے سوچا۔

''ہاں۔۔۔!!کسی کو مار دینا بالکل ایسا ہی ہے۔۔۔!!جیسے اپنی روح کو فنا کردیا ہو۔۔۔!!کسی کو مارنا اتنا آسان نہیں ہے۔۔۔!!بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں۔۔۔!!جو کسی کو مارنے کی ہمت جمع کرپاتے ہیں۔۔۔!!''اس نے ہاتھ تھوڑی سے ہٹایا۔

''مگر اس لڑکی نے کیوں مجھے کام دیا؟ کیوں؟ اس نے اتنا سخت فیصلہ کیوں لیا؟ کیا یہ اسے مار دینے سے خوش ہوجائے گی۔۔۔!! شاید۔۔۔!! کہیں یہ مجھے آزما تو نہیں رہی ہے۔۔۔!!مجھے اس لڑکی سے دوبارہ رابطہ کرنا ہوگا۔۔۔!!اگر یہ اسے مذاق کے طور پر لے رہی ہے۔۔۔!!تو یہ بہت برا کررہی ہے۔۔۔!!''وہ بے چینی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔اور اس نے کمرے میں پھرنا شروع کردیا۔اس کا کمرہ بہت پیارا تھا۔اس کا لیپ ٹاپ میز پر پڑا تھا۔اس نے جیب سے موبائیل نکالا۔اور امرینہ کا نمبر ملا دیا۔مگر وہ بزی جارہا تھا۔اس نے پریشانی سے موبائیل بند کرکے جیب میں رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

امرینہ کے نمبر پر کالز آرہی تھیں۔وہ لوگوں سے تنگ آگئی تھی۔کئی لوگوں کو وہ رانگ نمبر کہہ کر تھک گئی تھی۔مگر لوگ مان ہی نہیں رہے تھے۔ابھی پھر سے اس کے موبائیل پر انجان نمبر سے کال آرہی تھی۔اس نے اٹھائی۔وہ بہت برے حلیے میں تھی۔اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔اس کے بال جیسے ایک دوسرے میں الجھ کر رہ گئے تھے۔

''ہیلو۔۔۔!!''اس نے نہایت سرد مہری سے کہا۔دوسری طرف کوئی عورت تھی۔

''ہیلو۔۔۔!!بیٹا۔۔۔!!امرینہ بات کررہی ہو؟ مجھے ہاتھ دکھانا ہے؟ آپ کی بہت تعریف سنی ہے۔۔۔!!''وہ عورت بہت آہستہ آواز میں پیار سے کہہ رہی تھی۔

''سوری۔۔۔!!میں امرینہ نہیں ہوں۔۔۔!! یہ غلط نمبر ہے۔۔۔!!''امرینہ نے فون بند کردیا،فون بند کرکے پلنگ پر ڈال کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔وہ بری طرح سے رو رہی تھی۔اس نے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔اس کو صرف لکیریں نظر آرہی تھی۔وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

''یہ کیا ہوگیا ہے؟ میرا علم کہاں گم ہوگیا ہے؟ میری لکیریں مجھے کیوں نہیں بتاتی ہیں؟ جو میں دوسروں کی لکیروں کو دیکھ کر بتاتی تھی۔۔۔!!وہ مجھے کیوں نہیں دکھاتی ہے۔۔۔!!!اے خدا۔۔۔!! کاش۔۔۔!!میں اپنا علم ختم ہونے سے پہلے اپنی لکیریں دیکھ لیتی۔۔۔!! آج میں اس طرح ٹوٹی ہوئی نہ ہوتی۔۔۔!!''اس نے غصے سے اپنے دونوں ہاتھ بالوں میں ڈال کر رونا شروع کردیا۔وہ بری طرح سے رو دی۔صبح سے وہ کمرے میں بند ہوگئی تھی۔مگر کسی سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

''رخام۔۔۔!!تو نے یہ میرے ساتھ کیا کردیا؟ صرف لکیریں چھوڑ دیں۔۔۔!! میں نے تم سے عشق کیا تھا۔۔۔!!اور تم نے یہ کیا کیا؟ مجھے اتنا بڑا نقصان دے دیا۔۔۔!!جس کی تلافی کسی صورت نہیں ہوسکتی ہے۔۔۔!!''اچانک وہ چونک اٹھی۔کمرے کا دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔اس نے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ

ایسا [illegible] نا چاہتی تھی۔
اچانک اس [illegible] لگا۔ وہ روہانسی ہوگئی۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ وہاں رخام کا نمبر تھا۔ اس نے لپک کر اٹھالیا۔

”تم سے میں ملنا چاہتا ہوں۔۔۔!! دیکھو۔۔۔!!تم منع نہیں کرسکتی۔۔۔!!ورنہ۔۔۔!!تم جانتی ہو۔۔۔!!میں کیا کیا کرسکتا ہوں۔۔۔!!“

”رخام۔۔۔!!میں نہیں مل سکتی۔۔۔!!میں دھوکہ کھا چکی ہوں۔۔۔!!جس میں میں اپنا سب کچھ کھو چکی ہوں۔۔۔!!تم کیوں نہیں سمجھتے۔۔۔!!میں تم سے محبت نہیں کرتی۔۔۔!!بس غلطی ہوگئی تھی۔۔۔!!ایک ٹائم پاس تھا، جوگزر گیا۔ اب تم اس ٹائم پاس کے پیچھے اتنے سنجیدہ کیوں ہورہے ہو؟ جانتے ہو، وقت جوگزر جاتا ہے۔ وہ کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتا ہے؟“ اس نے غصے سے کہنا شروع کردیا۔ دوسری طرف سے رخام کی ہنسی سنائی دی۔ وہ قہقہہ تھا۔ یا طنز، وہ سمجھ نہ پائی۔

”تم جانتی ہو۔۔۔!!اس سب کا نتیجہ بہت بھیانک نکلنے والا ہے۔۔۔!!تم جانتی ہو۔۔۔!!میں کیا کرسکتا ہوں۔۔۔!!“

”ہاں۔۔۔!!میں جانتی ہوں۔۔۔!!اس سب کی میں بہت بڑی قیمت ادا کرچکی ہوں۔۔۔!!اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔!!“

”تم نہیں جانتی ہو۔۔۔!!اگر تم جانتی ہوتی، تو تم مجھے اس طرح سے کبھی انکار نہیں کرتی۔۔۔!!تمہاری کچھ تصویریں میرے پاس ہیں۔۔۔!!وہ میں تمہیں سینڈ کردیتا ہوں۔۔۔!!دیکھ کر پھر فیصلہ کرلینا۔۔۔!!اور تم وہ گیم والی ویڈیو تو بھلا ہی چکی ہو۔۔۔!!وہ اگر میں نے پبلک کردی، تو تم سپر اسٹار، ہیروئن بن جاؤ گی۔ ویسے تم نے سنا تو ہوگا، بدنام اگر ہونگے، تو کیا نام نہ ہوگا۔“ امرینہ بالکل شاک میں بیٹھ گئی۔ رخام رابطہ منقطع کرچکا تھا۔ اب اس کے موبائیل پر کچھ ایم ایم ایس آگئے تھے۔ وہاٹ ایپ پر ایک ویڈیو بھی آگئی۔ جو رخام نے بھیجی تھی۔ اس نے تصویریں کھول کر دیکھنی

بیٹی

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں کے لئے ”میرے جگر کا ٹکڑا“ کے الفاظ استعمال فرماتے، ان سے بے پناہ محبت فرماتے......

لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے انحراف کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب بیٹی کا وجود پھر سوالیہ نشان بن گیا ہے۔

ایک شخص کی صرف بیٹیاں تھیں، ہر بار اس کو امید ہوتی کہ بیٹا ہوگا مگر ہر بار بیٹی پیدا ہوتی۔ اس کی چھ بیٹیاں تھیں۔ ساتویں مرتبہ جب پھر خوشخبری آنے والی تھی تو شیطان نے اس کو بہکایا۔ چنانچہ اس نے ارادہ کرلیا کہ اب اگر بیٹی ہوئی تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا۔ رات وہ سویا تو اس نے عجیب خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہوچکی ہے۔ اس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جن کے سبب اس پر جہنم واجب ہوچکی ہے، لہٰذا فرشتوں نے اسے پکڑا اور جہنم کی طرف لے گئے۔

پہلے دروازے پر گئے تو دیکھا کہ اس کی بیٹی وہاں کھڑی تھی جس نے اسے جہنم میں جانے سے روک دیا۔ فرشتے اسے لے کر دوسرے دروازے پر چلے گئے، وہاں اس کی دوسری بیٹی کھڑی تھی جو اس کے لئے آڑ بن گئی...... غرض یہ کہ فرشتے اسے جہنم کے چھ دروازں پر لے کر گئے مگر ہر دروازے پر اس کی ایک بیٹی رکاوٹ بنتی چلی گئی۔ اب فرشتے اسے ساتویں دروازے کی طرف لے کر چلے تو اس پر گھبراہٹ طاری ہوگئی کہ اب اس کے لئے رکاوٹ کون بنے گا؟ اسے معلوم ہوگیا کہ وہ غلط تھا۔ خوف و دہشت کے عالم میں اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے رب العزت کے حضور ہاتھوں کو بلند کیا اور دعا کی۔ ”اے اللہ! مجھے ساتویں بیٹی عطا فرما۔“

اللہ ہم سب کو اپنی رضا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

شروع کردی۔ وہ جیسے صدمے سے دوچار ہوگئی۔ اس نے جلدی جلدی تصویریں ڈیلیٹ کرنا شروع کردی۔ وہ ان میں مکمل برہنہ حالت میں تھی۔ آخر میں رخام کا میسج آگیا۔

''اگر تم نے میری بات نہیں مانی، تو میں یہ سب کچھ وائرل کردوں گا۔۔۔!! تم بہت زیادہ مشہور ہوجاؤ گی۔۔۔!! تم جانتی ہو، اس ملک کے آدھی آبادی سے زیادہ لوگوں کے پاس موبائیل ہیں؟ اب تم پر ڈیپینڈ کرتا ہے، تم فینس ہونا چاہتی ہو؟ یا میری بات مان لیتی ہو؟'' رخام اسے دھمکی دے رہا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اس نے ویڈیو پلے کردی۔ جس میں وہ اور رخام گیم کھیل رہے تھے۔ مگر رخام کا چہرہ اس ویڈیو میں بالکل بلر تھا۔ وہ بری طرح سے رونے لگی۔

''یہ سب تو میں نے اس کھیل میں سوچا ہی نہیں تھا؟ ہمیشہ محبت اور دھوکے میں ایک لڑکی سب سے زیادہ نقصان کیوں اٹھانا پڑتا ہے؟'' اس نے اپنا موبائیل زور سے دیوار پر دے مارا، اسے ایسا لگا جیسے ایسا کرکے وہ اس سب سے جان چھڑا لے گی۔ مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔ کچھ دن تو اس کا موبائیل بند رہا، مگر اس نے پھر دوسرا موبائیل آن کرلیا۔ کیونکہ اسے رخام سے بہت زیادہ ڈر لگنے لگا تھا اور جیسے ہی اس نے موبائیل میں سم ڈالی، موبائیل آن ہوا، وہاں رخام کے میسج اور کالز آنے شروع ہوگئے۔

☆.....☆.....☆

اچانک اس کے موبائیل پر کال آنے لگی، اس نے موبائیل نظروں کے سامنے کیا، وہاں انجان نمبر کالنگ نظر آرہا تھا۔

''تم آج شام تک آرہی ہو۔۔۔!! میں تمہارا انتظار کروں گا۔۔۔!!'' اچانک رخام کی آواز اس کے کانوں میں سنائی دینے لگی۔ وہ جیسے پاگل ہوگئی۔

''تم مجھے کچھ وقت دے سکتے ہو؟'' امرینہ نے بے بسی سے کہا۔ رخام کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگیا۔

''کتنا وقت؟'' رخام نے کہا، تو اس کے جان میں جان آئی۔

''بس صرف ایک ہفتہ۔۔۔!! میں تمہاری وجہ سے مینٹلی ڈسٹرب ہوں۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! مجھے سمجھنے کا موقع دوں۔۔۔!! میں کچھ ٹھیک ہوجاؤں۔۔۔!! تو میں تمہاری بات مان لوں گی۔۔۔!! یہ تین دن میرے سخت بخار میں مبتلا گزرے ہیں؟'' اس کی بات سن کر رخام نے کہا۔

''نہیں۔۔۔!! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔!! دیکھو۔۔۔!!! تم وقت نہیں لے سکتی ہو۔۔۔!! میں بہت بے بس ہورہا ہوں۔۔۔!! تم بس میری بات مان لو۔۔۔!! میں تمہاری بات مان لوں گا۔۔۔!! ورنہ۔۔۔!! تم جانتی ہو۔۔۔!! میں بہت خطرناک ہوں۔۔۔!! اور خطرناک چیزیں صرف نقصان دہ ہوتی ہیں۔۔۔!!''

''ہاں۔۔۔!! جانتی ہوں۔۔۔!! ٹھیک ہے۔۔۔!! تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔۔۔!! کرلو۔۔۔!! کیونکہ جب تم میری بات نہیں مان رہے ہو۔۔۔!! تو میں کیوں مان لوں۔۔۔!! گو ٹو دا ہل۔۔۔!! تم مجھے بدنام کرنا ہی چاہتے ہو؟ تو کرگزرو، کیا پتہ تم مجھے بدنام کردو، اور میں اس زندگی کی قید سے رہائی پالوں، میں نے بھی ان تین دنوں میں صرف ایک ہی چیز کے بارے میں سوچا ہے۔ اور وہ ہے خودکشی۔۔۔!!'' اس نے موبائیل بند کردیا۔ دوسری طرف رخام جیسے شاک میں چلا گیا۔ امرینہ اب موبائیل میں ایسے ہی ہاتھ چلا رہی تھی۔ اچانک اس کی نگاہیں ایک کارڈ پر آکر رک گئیں۔

''دی سرٹن بزنس اسکوائر۔۔۔!!'' وہ اب زیر لب مسکرا رہی تھی، اس نے وہ کارڈ پر لکھا نمبر ڈائل کیا۔ تو وہ بند تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے؟ کسی کی پیننگ بنانے سے اس کی موت ہوسکتی ہے؟ ہاں جب میرے ساتھ لکیریں باتیں کرسکتی ہیں، تو ایسا ہوسکتا ہے۔ آفٹر آل سب کی اپنی الگ پاور ہوتی ہے۔'' اب وہ جی میل پر رخام کی تصویر، اور میسج لکھ کر سینڈ کررہی تھی۔ اسے

خودکشی کے علاوہ بھی اب ایک نیا راستہ نظر آنے لگا۔اس کے سارے منفی سوچ کے زاویے مخالف سمت میں سوچنے لگ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

پامسٹ امرینہ کا لنگ نظر آرہا تھا۔پینٹر اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں موبائیل تھا۔پینٹر نے کال اٹھائی۔

''ہیلو۔۔۔!!''اس کی آواز گھمبیر تھی۔

''ہیلو۔۔۔!! کچھ دیر پہلے آپ کی کال آئی تھی۔۔۔!! کیا ضروری بات کرنی تھی؟ کیا میری پینٹنگ مکمل ہوگئی؟''امرینہ بے صبری سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں۔۔۔!! پینٹنگ تو مکمل نہیں ہوئی،مگر مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔۔۔!!''

''ہاں۔۔۔!!میں سن رہی ہوں۔۔۔!!''

امرینہ بہت سپاٹ انداز میں بات کررہی تھی۔

''میں یہ بتانا چاہ رہا تھا۔۔۔!!میں آپ کا کام نہیں کرسکتا۔۔۔!!''امرینہ کے کان جیسے کھڑے ہوئے۔وہ جیسے پریشان ہوگئی۔

''مگر کیوں؟''امرینہ جیسے اچھل پڑی۔

''مجھے لگتا ہے۔۔۔!!یہ لڑکا بہت معصوم ہے۔۔۔!!میں جب بھی برش اٹھاتا ہوں۔۔۔!!مجھے اس کا معصوم چہرہ،روک دیتا ہے۔۔۔!!میں کسی معصوم کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔۔۔!!''پینٹر نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''پلیز۔۔۔!!!آپ وعدہ کرچکے ہیں۔۔۔!! یہ بالکل بھی معصوم نہیں ہے۔۔۔!! اس کے معصوم چہرے پر نہ جائیں۔۔۔!!اس کی وجہ سے میں اپنا سب کچھ کھو چکی ہوں۔۔۔!!''امرینہ روانی میں ایک دم خاموش ہوگئی۔پینٹر اس کی بات سن کر اچھنبے سے سوچ میں گم ہوگیا۔

''کیا کھویا ہے؟تم مجھے بتاؤ گی۔۔۔!!ورنہ۔۔۔!! کل شام کو اسی ریسٹورنٹ میں اپنے پیسے واپس آکر لے جائیں۔۔۔!!''امرینہ کا چہرہ پریشانی سے پھیل گیا۔

''پلیز۔۔۔!!آپ پینٹنگ بنائیں۔۔۔!! میں وعدہ کرتی ہوں۔۔۔!!میں پینٹنگ لینے جب آؤں گی۔۔۔!!آپ کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی۔۔۔!!''

''اچھا۔۔۔!!کیا تم کچھ دیر تک میرے ساتھ بات کرسکتی ہو۔۔۔!! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔۔۔!!''امرینہ اس کی بات سن کر،حیران ہوگئی۔

''ہاں۔۔۔!!ویڈیو کال پہ آجاؤ۔۔۔!!''

امرینہ نے کہا۔تو پینٹر نے کال ویڈیو پر کنورٹ کردی۔اب دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا بات کرنی ہے؟''امرینہ نے پوچھا،پینٹر اسے دیکھ کر حیران ہورہا تھا۔

''یہ آپ کو کیا ہوا ہے؟سرخ نظریں،بکھرے بال۔۔۔!!کیا آپ کو صدمہ ہوا ہے۔۔۔!! آپ کسی صدمے کے زیر اثر ہیں؟''پینٹر کی نظروں میں حیرانی تھی۔

''ہاں۔۔۔!!اس لیے میں چاہتی ہو۔۔۔!! میں جلد از جلد اس صدمے سے باہر آجاؤں اور ایسا تب ہوگا۔۔۔!!جب تم میرا کام کروں گے۔۔۔!! ورنہ پینٹنگ ادھوری چھوڑنے کی صورت میں تمہیں میری مری ہوئی لاش ملے گی۔۔۔!!''امرینہ نے اسے دیکھا،اس کے آنسو بہہ رہے تھے۔

''مگر میں نے آپ سے کہا بھی تھا۔۔۔!!میں سچ جاننا چاہتا ہو۔۔۔!!ورنہ۔۔۔!!میں نہیں بنا سکوں گا۔۔۔!!''پینٹر نے اس کی بات یکسر نظر انداز کردی۔

''اوکے۔۔۔!!میں آدھا سچ بتا دیتی ہوں۔۔۔!! آدھا سچ کام ہونے کے بعد بتا دوں گی۔۔۔!!''

امرینہ نے اپنے آنسو آستین سے صاف کیے۔

''میں یہ سب،سن کر فیصلہ کروں گا۔۔۔!!''

پینٹر نے سیریس سے انداز میں کہا۔

''یہ رخام ہے۔۔۔!!ہمارے محلے کے پیچھے دوسرے والے محلے میں رہتا ہے۔۔۔!!میں جب رخام سے ملی،تو میں اس وقت صرف ٹائم پاس کررہی

تھی، مگر میں بعد میں سیریس ہوگئی۔ ہم روز ملنے لگے۔ ہم موٹر سائیکل رائڈنگ کرتے، ایک دن اس نے مجھ سے ایک گیم کھیلنے کو کہا۔ Touch The Body And The Soul، کیا تم نے اس گیم کے بارے میں سنا ہے؟'' امرینہ نے اسے دیکھا۔ وہ غور سے سن رہا تھا۔

''ہاں۔۔۔!! یہ گرل فرینڈ بوائے فرینڈ کھیل سکتے ہیں۔۔۔!!'' پینٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں نے حامی بھرلی۔ میں اس کے ساتھ اس کے خالی گھر چلی گئی۔ وہاں کیمرہ لگا تھا۔ ہم نے گیم کھیلا۔ اور وہ کیمرے میں سیو ہوگیا، ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اب وہ کیمرے میں قید تھا۔ اس نے گیم کے دوران مجھ سے سچائی سے کہہ دیا تھا۔۔۔!! وہ میرے ساتھ ٹائم پاس کررہا ہے، پھر میں ناراض ہوگئی۔۔۔!! مگر اس نے مجھے دوبارہ منالیا۔۔۔!! اب ہم دوبارہ ملنے لگے۔ اور پھر ایک دن پھر اس نے مجھے ملنے کے لیے فورس کیا۔ اس کے گھر والے کہیں گئے ہوئے تھے۔ میں بھی ملنے گئی۔۔۔!! وہ بہت ایکسائٹ تھا۔۔۔!! گھر بھی خالی تھا۔۔۔!! وہ مجھے اپنانا چاہ رہا تھا۔۔۔!! بس باقی میں بعد میں سب کچھ بتا دوں گی۔۔۔!!'' وہ رونے لگی۔ پینٹر اسے دیکھتا رہا۔

''تو کیا تم دونوں میں کچھ ہوا تھا۔۔۔!! جس کے بعد تم گلٹی فیل کرنے لگ گئی ہو۔۔۔!! اور تم اس کی تصویر اس لیے بنانا چاہتی ہو۔۔۔!! تاکہ تم اپنا گلٹ ختم کرسکو۔۔۔!!'' پینٹر نے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔!! کچھ نہیں ہوا۔۔۔!! مگر میں اپنا سب کچھ ہار گئی۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! بتا چکی ہوں۔۔۔!! آدھا سچ میں بتا چکی ہوں۔۔۔!! آدھا کام ہونے کے بعد بتا دوں گی۔۔۔!! اب آپ جلد سے جلد میرا کام مکمل کردیں۔۔۔!! کیونکہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔۔۔!!''

''ویسے مجھے ایک ڈاؤٹ ہے۔۔۔!! کیا آپ صرف یہ دیکھنے کے لیے تصویر تو نہیں بنانا چاہ رہی ہے۔۔۔!! میرا آرٹ ورک کام کرتا بھی ہے۔۔۔!! یا نہیں۔۔۔!!'' پینٹر نے کہا۔ کیمرے میں وہ بہت سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

''نہیں۔۔۔!! مجھے آپ پر یقین ہے۔۔۔!! آپ بس تصویر بنائیں۔۔۔!! میں آپ کے بارے میں جانتی ہوں۔۔۔!! آپ کے ہاتھوں کی جادو کی قائل ہوں۔۔۔!! مجھے پتہ ہے، آپ کے ہاتھوں کی بنائی گئی تصویر انسان کو بے جان کردیتی ہے۔۔۔!!''

''اوکے۔۔۔!! میں بنا رہا ہوں۔۔۔!! مگر بعد میں مجھے سچ جاننا ہوگا۔۔۔!!'' امرینہ نے بنا کچھ کہے مزید کال کاٹ دی۔ اور پینٹر نے موبائل جیب میں رکھ کر سوچنا شروع کردیا۔

☆.....☆.....☆

منشال جیسے ہی برآمدے سے کالج کے گراؤنڈ میں داخل ہوئی، اچانک دوسری منزل پر کھڑے بے شمار اسٹوڈنٹس نے کاغذ کے جہاز اڑا کر چھوڑ دیے۔ منشال نے اتنے سارے کاغذ کے جہاز اپنی طرف آتے دیکھے، تو حیرانی سے اوپر دیکھا۔ سارے جہاز اس کے آگے پیچھے اڑتے ہوئے گر رہے تھے۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اوپر گرل میں کھڑے ہوئے لڑکے اور لڑکیوں کو دیکھا، پھر اس نے ان سب کو نظر انداز کرکے قدم آگے بڑھا دیے۔ اوپر کھڑے اسٹوڈنٹس نے مزید جہاز اڑا کر اس کی طرف چھوڑ دیے۔ منشال نے ایک جہاز اٹھایا۔ جس پر لکھا تھا۔

''I am sorry''

''رحمار۔۔۔!!'' منشال نے وہ جہاز وہیں پھینک دیے۔ اس کی نظر گراؤنڈ میں پڑے جہازوں پر اٹک گئی۔ ہر جہاز پر ایسا ہی کچھ لکھا تھا۔ منشال نے اوپر بالکل بھی نہیں دیکھا۔ وہ چلتی رہی۔ اور جہاز گر گر کر اس کے آگے پیچھے گرتے رہے۔ جیسے جہازوں کی بارش ہورہی ہو۔ جب وہ گراؤنڈ سے باہر نکل گئی۔ اوپر کھڑے اسٹوڈنٹس نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب رحمار وہاں سے جانے لگا۔ اس کے منہ

کے زوایے بہت بگڑ گئے تھے۔وہ نیچے اتر آیا تھا۔اس نے جاتی مثال کو دیکھا۔وہ اب پارکنگ تک پہنچ گئی تھی۔اس نے اپنی کار کا دروازہ کھولا،اور اس میں بیٹھ کر چلی گئی۔رحمار دوڑتا ہوا اسی کی طرف آرہا تھا۔مگر وہ اس کی پہنچ سے کافی دور نکل گئی تھی۔اس نے اس کی جھلک تک نہیں دیکھی۔وہ غصے سے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر وہاں پر کھڑا ہوگیا۔وہ جیسے روہانسا ہونے لگا۔کافی محنت سے اس نے یہ سارے جہاز بنائے تھے،اور ایک ایک پر سوری، کے ساتھ اپنا نام لکھا تھا۔وہ جیسے پاگل ہونے لگا۔وہ مڑا،اور واپس اندر جانے لگا۔مگر اس کا موڈ سخت آف ہوگیا تھا۔

☆.....☆.....☆

پینٹر نے تصویر کافی حد تک بنادی تھی،وہ رات بھر بے چین رہا۔بے چینی سے سگریٹ پھونکتا رہا۔کافی دھواں کمرے میں بھر گیا تھا۔رخام کی تصویر اب تھوڑی سی رہ گئی تھی۔کئی سگریٹ جلانے کے بعد،پینٹر نے اپنا لیپ ٹاپ کھول لیا،اس نے جلدی جلدی اپنے ای میل چیک کرنے شروع کردئے،وہاں کسی دوسرے نے میل نہیں کیا تھا۔بس لاسٹ میل امرینہ کا تھا۔

''آج مجھے امرینہ سے مل کر ایسا لگا۔۔۔!! جیسے وہ جھوٹ نہیں بول رہی ہے۔۔۔!! یقیناً۔۔۔!! رخام نے اس کے ساتھ کچھ تو برا کیا ہے۔۔۔!! مگر کیا؟ آدھا سچ جان کر مجھے بہت حیرت ہوئی ہے۔۔۔!! عموماً ٹین ایجر کے بچے کیا کرتے ہیں؟ ایک دوسرے کے ساتھ سونا چاہتے ہیں۔۔۔!! کیا امرینہ اور رخام میں ایسا کوئی ناجائز رشتہ قائم ہو چکا تھا؟ جس کی وجہ سے امرینہ رخام کو مار دینا چاہتی ہے۔۔۔!! سچائی۔۔۔!! اس تصویر کے مکمل ہونے کے بعد پتہ چل جائے گی۔۔۔!! اب تو مجھے ہر حال میں یہ تصویر مکمل کرنی ہوگی۔۔۔!!'' اس نے دوبارہ اپنی مسکچر کی سختی اٹھائی،اور تصویر کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا۔اب وہ تصویر بنانے جا رہا تھا۔اس کا بہت کم حصہ مکمل کرنا تھا۔

''میں یہ تصویر مکمل کروں گا۔۔۔!! اور رخام مرجائے گا۔۔۔!! کوئی اور کام بھی نہیں مل رہا ہے۔۔۔!! پتہ نہیں کیوں؟ میں نے تو سوچا تھا۔جب میرے اس ہنر کے بارے میں دنیا کو پتہ چل جائیگا۔۔۔!! لوگ مجھے ڈھڑا دھڑ تصویریں بنانے کو کہے گے۔۔۔!! اوہ مائی گاڈ۔۔۔!! میں نے اپنا نمبر بھی فیک دیا تھا۔۔۔!! اب لوگ فیک نمبر کو تو ملانے سے رہیں۔۔۔!! مگر ای میل تو ٹھیک تھا۔۔۔!! یہاں کے لوگ بہت کم ای میل کرتے ہیں۔۔۔!! ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔وہ زیادہ کام سیل نمبرز سے لیتے ہیں۔۔۔!! اس کے بعد بھی ای میل کا سہارا لیتے ہیں۔۔۔!!'' پینٹر نے اپنے آپ سے کہا۔اور دوبارہ تصویر کی طرف متوجہ ہوگیا۔وہ اب کھڑا تھا۔اس کے ارد گرد جتنی بھی پینٹنگز تھیں۔وہ سب بے جان چیزوں کی بنی ہوئی تھیں۔اب وہ رخام کے ہونٹ رنگ کر رہا تھا۔اس نے تصویر پر بہت محنت کی تھی۔وہ جیسے شدت سے اب اپنے کام میں لگ گیا تھا۔اس کے ہاتھ کام تیزی سے کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

رخام اپنے کمرے میں غصے سے بھرا ہوا بیٹھا تھا۔وہ جیسے غصے سے سرخ پڑ گیا تھا۔رات تک وہ امرینہ کا نمبر ملا ملا کر تھک گیا تھا۔وہ آن ہی نہیں ہوسکا۔اس نے موبائیل بستر پر پھینک دیا۔

''امرینہ۔۔۔!! تو تم میری بات نہیں مانو گی۔۔۔!! میں تمہیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔۔۔!! میں وہ ویڈیو ایڈیٹ کر کے،پوری طرح سے پبلک کردوں گا۔۔۔!! وہ ویڈیو میں نے صرف تمہیں پھانسنے کے لیے بنایا تھا۔۔۔!! مگر تم اب میری نہیں ہو رہی ہو۔۔۔!! تو کم از کم کسی کی بھی نہیں رہ سکوگی۔۔۔!! یو آر گون ٹو دا ہل۔۔۔!!''

رخام نے جلدی سے اپنا لیپ ٹاپ کھول لیا۔اب وہ اس میں ایک فولڈر کھول رہا تھا۔جس کا نام امرینہ تھا۔اس فولڈر کو کھولنے کے بعد کئی ویڈیوز،اور پکس سامنے آئیں۔اس نے ایڈیٹنگ والا سافٹ ویئر اوپن کرلیا۔اب وہ اس میں کوئی ویڈیو کھول رہا تھا۔جس میں اسے ایڈیٹنگ کرنی تھی۔اب وہ ایڈیٹنگ کر رہا

تھا۔کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔اس نے کام کرنا بند کردیا۔اور بے دم سے انداز میں بستر پر لیٹ گیا۔رخام اور امرینہ نے جو ٹچ دا باڈی اینڈ دا سول گیم کھیلی تھی،اس کی ویڈیو بھی اس میں موجود تھی۔رخام نے اس کی ویڈیو میں اپنا چہرہ برل کرلیا۔اب کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔جبکہ امرینہ کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔نیچے اس نے امرینہ کا نام بھی مینشن کیا تھا۔اگر کوئی وہ ویڈیو دیکھ لیتا،تو امرینہ پر سخت لعنت ملامت کرتا۔

☆.....☆.....☆

امرینہ چھت پر کھڑی رخام کے گھر کو دیکھ رہی تھی۔وہ خود سے باتیں کرنے لگی۔اس کا چہرہ بہت زرد لگ رہا تھا۔وہ بہت اداس تھی،اس کی نظریں بہت چھوٹی تھیں۔

''جب رخام کا اور میرا جھگڑا نہیں ہوا تھا۔۔۔!! تب سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔۔۔!!اس دن مجھے رخام نے فون کیا تھا۔۔۔!!اور میں بے وقوف اس سے ملنے کے لیے بھاگ کر چلی گئی۔۔۔!!اور اس دن گھر پر کوئی بھی نہیں تھا۔۔۔!!اس کے گھر والے ماموں کے گھر گئے تھے۔۔۔!!'' وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

''مگر میں کیوں اس قدر بھاگ کر گئی تھی۔۔۔!! ہاں۔۔۔!!یاد آیا۔۔۔!!اس دن مجھے اس کا ہاتھ دیکھنا تھا۔۔۔!!اس کے بارے میں سب کچھ جاننا تھا۔۔۔!!اور سب کچھ خراب ہوگیا۔۔۔!!میں اپنا سب سے قیمتی ہنر بھلا بیٹھی۔۔۔!!میں رخام کے گھر گئی اور کافی دیر تک دروازہ بجاتی رہی،وہ اندر سے کھول ہی نہیں رہا تھا۔۔۔!!پھر میں نے موبائیل نکال کر اسے کال کرنی شروع کردی۔۔۔!!کافی دیر بعد جب میں واپس جانے کا سوچ رہی تھی۔۔۔!!تب رخام نے ایک دم دروازہ کھولا۔۔۔!!اور میں اندر چلی گئی۔۔۔!! اس نے دروازہ بند کرلیا۔میں اس کی دروازے والے حرکت پر بہت زیادہ غصے میں تھی۔۔۔!!'' اچانک اس کا ذہن پیچھے چلا گیا۔جب وہ رخام سے ملنے گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''رخام۔۔۔!!کوئی دروازہ کھولنے میں اتنی دیر لگاتا ہے۔۔۔!!یہ تم اندر کر کیا رہے تھے؟'' وہ اچھے خاصے غصے میں تھی۔

''سوری۔۔۔!!میں نہا رہا تھا۔۔۔!!تمہاری وجہ سے ٹھیک طرح سے نہا بھی نہ سکا۔۔۔!!بس جلدی جلدی،پانی اپنے اوپر ڈالا۔۔۔!!اور کپڑے پہن کر گیٹ کھولنے کے لیے بھاگا چلا آیا۔۔۔!!دیکھو۔۔۔!! میرے بال بالکل بھی شیمپو نہیں ہوئے ہیں۔۔۔!! کپڑے بھی بھیگ گئے ہیں۔۔۔!!'' رخام کی بات سن کر اس نے اسے غصے سے دیکھا۔

''رخام۔۔۔!!تمہارے پاس کوئی ڈپلی کیٹ چابی نہیں ہے۔۔۔!!جب تم کبھی دروازہ نہیں کھولو گے۔۔۔!!میں خود ہی اندر آجایا کروں گی۔۔۔!!تم پھر چاہے گھنٹوں نہاتے رہنا۔۔۔!!مجھے غصہ بھی نہیں آئے گا۔۔۔!!اور میں دروازے پر کبھی کھڑی نہیں ہونگی۔۔۔!!بہت برا فیل ہوتا ہے۔۔۔!!'' اس نے بات بنائی۔

''کیوں نہیں ہے۔۔۔!!میرے کمرے میں آؤ۔۔۔!!میں تمہیں دے دوں گا۔۔۔!!تم جب چاہے آسکتی ہو۔۔۔!!رات کو بھی آسکتی ہو۔۔۔!!'' دونوں ساتھ ساتھ اوپر کمرے میں آگئے۔رخام نے دراز سے چابی نکال کر اسے دے دی۔اور پھر وہ چائے بنانے اندر چلا گیا۔جب وہ واپس آیا،تو اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔اور وہ چابی سے کھیل رہی تھی،انگلی میں ڈال کر گول،گول گھمائے جارہی تھی۔وہ اس کے واپس آنے تک چابی سے کھیلتی رہی تھی۔پھر اس نے چابی اپنے پرس میں ڈال دی۔اب وہ اور رخام باتیں کیے جارہے تھے۔

''آؤ۔۔۔!!رخام۔۔۔!!میں تمہارے بال کنگھی کردوں۔۔۔!!بہت برے لگ رہے ہو۔۔۔!!'' امرینہ نے رخام کو دیکھا،تو رخام اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''لو کردو کنگھی۔۔۔!!ویسے تمہارے پاس کنگھی ہے؟'' رخام نے پوچھا۔امرینہ نے اپنے پرس میں سے

ہیر برش نکال کر اس کے بال بنانے شروع کر دیئے۔

''اب بہت پیارے لگ رہے ہو؟ بالکل شہزادے۔۔۔!! ویسے۔۔۔!! کیوں بلایا ہے؟''

''تمہیں دیکھنے کو من کر رہا تھا۔۔۔!! چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔۔۔!! پی لو۔۔۔!!'' رخام نے اس کی توجہ پیالی کی طرف مبذول کروائی۔

''ہاں۔۔۔!! پی لونگی۔۔۔!! ویسے بڑے کنجوس ہو۔۔۔!! صرف چائے پر ٹرخا رہے ہو۔۔۔!! مجھے صرف چائے پینا پسند نہیں ہے۔۔۔!! کچھ تو اہتمام کرتے۔۔۔!!'' امرینہ نے قدرے شکایتاً کہا۔ تو رخام ہنس دیا۔ اچانک امرینہ کا فون بجنے لگا، اس نے فون نگاہوں کے سامنے کیا۔ وہاں کوئی انجان نمبر تھا۔

''ہیلو۔۔۔!!'' امرینہ نے موبائل کان سے لگالیا۔ رخام اب دوسری طرف کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔

''میں مشہد بات کر رہا ہوں۔ میرے کزن احرام کا بہت عرصہ پہلے آپ نے ہاتھ دیکھا تھا۔ جو کچھ آپ نے بتایا تھا۔ سب کچھ بالکل ویسا ہی ہوا۔ اب میں آپ سے ہاتھ دکھلانا چاہتا ہوں۔

''اچھا!! آج تو میں بالکل بھی فری نہیں ہوں۔ کل شام کو میں آپ کو جگہ بتادوں گی۔ آپ آجائیں۔ اور آپ کو میرے پیسوں کا پتہ تو ہوگا۔'' امرینہ نے بنا جھجکتے ہوئے صاف انداز میں کہا۔

''جی، بالکل، پیسوں کی آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔۔۔!!'' مشہد نے کہا۔ رخام بظاہر بے نیاز نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ اندر سے جل کر کوئلہ ہو رہا تھا۔

''ہاں۔۔۔!! ہم کیا بات کر رہے تھے؟'' امرینہ نے رخام کی طرف دیکھا۔ وہ جیسے کسی گہری سوچ میں گم نظر آرہا تھا۔

''یہ کہ میں کھانے پر خوب اہتمام کردوں گا۔۔۔!! تم جانتی ہو۔۔۔!! میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔۔۔!! بس ابھی گھر سے باہر جانے کا من نہیں ہو رہا ہے۔۔۔!! اس لیے میں نے صرف سادی سی چائے بنالی ہے۔۔۔!!'' رخام نے مسکرا کر اسے دیکھا، تو اس نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے چائے کی پیالی اٹھا کر لبوں سے لگائی۔ پھر وہ گھونٹ گھونٹ پینے لگی، رخام اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے رخام کا ہاتھ پکڑا، اور اسے دیکھنا شروع کر دیا۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟ ویسے تم، میرے ہاتھ میں کچھ ڈھونڈ رہی ہو؟'' رخام نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔۔۔!! تمہارے ہاتھ کی لکیروں میں صرف دھوکہ کیوں نظر آرہا ہے۔۔۔!! ہر لکیر کے ساتھ دوسری لکیر نے بتانے کی کوشش کر رہی ہے۔۔۔!! یو آر اے چیٹر۔۔۔!! کیا تم دھوکہ باز ہو؟ مجھے کسی جال میں پھنسانے کے لیے یہاں پر بلا کر لائے ہو؟ ہر لکیر میں دھوکہ ہے؟ ہر طرف دھوکے کا جال پھیلا ہوا ہے۔۔۔!! تم مجھے چیٹ کرنا چاہتے ہو؟'' اس نے چائے کی پیالی سے گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ پیالی وہ آدھی سے زیادہ پی چکی تھی۔ رخام نے اسے دیکھا۔ پھر وہ گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور جو کچھ اس نے کہا۔ اس نے امرینہ کا دماغ ماؤف کر دیا۔

''یو آر آٹو سمارٹ۔۔۔!! ہاں۔۔۔!! مگر اب تم بچ نہیں سکتی ہو۔۔۔!! ویسے تمہیں کیسے پتہ چلا؟ آئی ایم آ چیٹر۔۔۔!! آئی ایم چیٹ یو۔۔۔!! اب تم مجھ سے نہیں بچ سکتی ہو؟'' وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ سامنے کیمرہ اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا۔ اور چل رہا تھا۔ وہ بے دھیانی میں سمجھ ہی نہیں سکی تھی۔ وہ حیرانی سے کیمرے کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہارے آنے سے پہلے، میں کیمرہ سیٹ کر رہا تھا۔ بال تو میں نے ایسے ہی گیلے کر کے تمہیں بہانہ بنا دیا۔ اور کپڑوں پر میں نے پانی کے چھینٹے گرا دیے تھے۔'' وہ جو کہہ رہا تھا۔ امرینہ پاگل ہونے لگی۔

''رخام۔۔۔!! یہ تم کر کیا رہے ہو؟ کیا مجھے دھوکہ دینا چاہ رہے ہو؟ از دس آ ٹرپ؟ کیا تم نے مجھے ٹرپ کیا ہے۔۔۔!! تمہاری اتنی ہمت؟'' اس نے رخام کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اٹھ گئی۔ اب وہ یہاں سے جانا چاہتی تھی، پھر اس کا سر بھاری محسوس ہونا شروع

ہوگیا۔اسے جیسے چکر آنے لگے تھے۔

''ہاں۔۔۔!!کیا صرف تم دھوکہ دے سکتی ہو؟میں نے تم پر نظر رکھی ہے۔۔۔!!تم کبھی کافی شاپس میں،کبھی ریسٹورنٹس،کبھی موٹیل میں دوسرے لڑکوں سے ملنے جاتی رہتی ہو۔۔۔!!اور ان کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر دیکھتی ہو۔۔۔!!تم لوگوں سے پیار کا جھوٹا ناٹک کرتی ہو۔۔۔!!ان سے پیسے لیتی ہو۔۔۔!!میں نے بہت سارے لوگوں سے تمہیں پیسے لیتے ہوئے دیکھا ہے۔۔۔!!یو آر آ چیٹر۔۔۔!!یو آر آ چیٹ می۔۔۔!!میں نے دھوکہ دینا تم سے سیکھا ہے۔۔۔!!امرینہ تم سے۔۔۔!!تم نے میرے جذبات سے کھیلا ہے۔۔۔!!تم کچھ لوگوں سے ملنے کے لیے اس کے گھر بھی جاتی رہتی ہو۔۔۔!!''جب رخام تنفیس کررہا تھا۔تب امرینہ کا سر بہت بھاری ہورہا تھا۔اب وہ بے دم ہوکر گرگئی۔رخام اس کے کافی قریب آچکا تھا۔امرینہ کو وہ دکھائی دے رہا تھا۔

''امرینہ چائے میں،میں نشیلی دوا پہلے سے ہی ملا چکا تھا۔۔۔!!''رخام اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔پھر اس نے آگے بڑھ کر امرینہ کی طرف پیش قدمی کی۔اسے اٹھایا۔اب وہ اسے بانہوں میں بھر کر اپنے چہرے کے قریب لارہا تھا۔امرینہ ہوش وخرد سے بالکل بیگانہ ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

اچانک اس کا ذہن واپس آگیا۔وہ ابھی تک چھت پر کھڑی تھی۔اور رخام کے گھر کو دیکھ رہی تھی۔اس نے دوبارہ اپنے ہاتھوں کو دیکھنا شروع کردیا۔وہ اپنی لکیریں دیکھنا چاہتی تھی۔مگر اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔

''میں اپنا ہنر کھو چکی ہوں۔۔۔!!جو میرے لیے سب سے قیمتی تھا۔۔۔!!رخام میں اس جرم کی سزا تمہیں موت کی سزا دوں گی۔۔۔!!تم مجھے غلط سمجھے تھے۔۔۔!!میں کوئی دھوکہ نہیں دے رہی تھی۔۔۔!!اور تم نے مجھ پر شک کیا۔۔۔!!مجھ پر۔۔۔!!اوہ میرے خدایا۔۔۔!!یہ کیا ہوگیا۔۔۔!!کاش میں اسے بتا دیتی۔۔۔!!یا پھر رخام ہی پوچھ لیتا۔۔۔!!تو یہ سب کچھ میرے ساتھ نہ ہوتا۔۔۔!!اب رخام مجھے بلیک میل کرنے لگا ہے۔۔۔!!اس کے پاس میرا بہت کچھ رہ گیا ہے؟''اس نے روتے ہوئے کہا۔

''اور وہ سب مجھے واپس چاہیے۔۔۔!!جس کے لیے میں کچھ بھی کرگزروں گی۔۔۔!!ویسے بھی جو کچھ اس نے مجھ سے چھینا ہے۔۔۔!!میں وہ واپس لینے ضرور جاؤں گی۔۔۔!!بس مجھے ایک موقع کا انتظار کرنا پڑے گا۔۔۔!!''

''ہاں۔۔۔!!وہ پینٹر اس بدبخت کی تصویر جلد سے جلد بنادے۔۔۔!!کہیں ایسا نہ ہو۔۔۔!!رخام غصے میں آکر میری تصویریں،اور ویڈیو پبلک نہ کردے۔۔۔!!تب اگر پینٹر اس سب کے بعد اس کی تصویریں بنا بھی لیتا ہے۔۔۔!!تو یہ سب کچھ میرے لیے بالکل بے معنی ہوکر رہ جائے گا۔۔۔!!میں اس کے بعد جینا نہیں چاہوں گی۔۔۔!!میری زندگی موت کے منہ میں کھڑی ہے۔۔۔!!مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑے گا۔۔۔!!میرے پاس بس چند دن ہیں۔۔۔!!اب سارا گیم انہی کچھ دنوں پر مشتمل ہے۔۔۔!!مجھے پتہ نہیں ہے،اس میں میری جیت ہے،یا ہار ہے۔۔۔!!مگر مجھے آخر تک مقابلہ کرنا ہے۔۔۔!!''وہ سوچ سوچ کر مطمئن ہونے کی کوشش کررہی تھی۔مگر وہ ابھی بھی شدید ذہنی اذیت کا شکار تھی۔

امرینہ کیا رُخام کا دھوکہ اس کی موت کی صورت میں اپنا پائے گی؟کیا پینٹر اقدس کا آرٹ ورک واقعی میں کام کرے گا؟کیا امرینہ کی تصویریں اور ویڈیوز،رُخام پبلک کرپائے گا۔کیا رحمار منشال کی پراسراریت سے پردہ اٹھاپائے گا؟کیا منشال سچ میں گونگی بہری ہے؟کیا پینٹر کی بھی کوئی کہانی ہے؟ان سب سوالات کے جوابات پڑھنے کے لیے ٹائم پاس کا آخری حصہ پڑھنا نہ بھولیں۔

باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ۔

آسیب کی دھمکی

خلیل جبار

اچانک لرزہ براندام کرتی آواز سنائی دی، میں استاد کی روح ہوں میں کسی طرح بھی گھر والوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، میں ہر حال میں اپنا بدلہ لے کر رہوں گا، میری روح بھٹکتی پھر رہی ہے اور.....

سوچ کے نئے دریچے کھولتی اپنی نوعیت کی بے مثال لاجواب اور دلفریب ڈراؤنی کہانی

شہزاد اسکول کے ایک کلاس روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت وہ اکیلا ہی تھا۔ کچھ دیر قبل ہی شہزاد اسکول آیا تھا۔ اس اسکول سے اس کی بچپن کی یادیں وابستہ تھیں۔ بچپن میں اس اسکول سے تعلیم حاصل کی تھی۔ گاؤں میں دوسرا کوئی اسکول نہیں تھا اور یہ اسکول بھی مڈل تک تھا۔ میٹرک پاس کرنے کے لئے بچوں کو شہر کے اسکول میں تعلیم حاصل کرنے جانا پڑتا تھا۔

شہزاد نے بھی مڈل پاس کرنے پر اپنی باقی تعلیم شہر سے حاصل کی تھی۔ تعلیم مکمل کر کے شہزاد ملک سے باہر چلا گیا تھا۔ اب پرانا گاؤں نہیں رہا تھا۔ آبادی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ بلند و بالا عمارتیں بن چکی تھیں۔ گاؤں شہر میں تبدیل ہو چکا تھا۔

جس اسکول سے اس کی بچپن کی یادیں وابستہ تھیں وہ اب کھنڈر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اسکول کی

حالت دیکھ کر اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ جھونپڑیاں بلند عمارتیں بن چکی تھیں۔ اسکول کی عمارت ایک پرائیویٹ آدمی کی ملکیت تھی۔ شہزاد نے وہ عمارت اس شخص سے خرید لی اور اس کی مرمت کرانے کا کام شروع کرادیا تھا۔

شہزاد نے باہر ملک میں رہ کر کمائی دولت سے شہر میں کاروبار شروع کردیا تھا۔ اسکول میں دوبارہ تعلیم کا سلسلہ بحال کرنا اس کا کمائی کرنے کا مقصد نہیں تھا۔ بس شوق تھا کہ اسکول کی اس عمارت سے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ دوبارہ تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بن جائے۔

وہ کلاس کے جس روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس میں وہ سب سے آخری سیٹ پر بیٹھا کرتا تھا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ وہ اگلی سیٹ پر بیٹھے مگر ماسٹر غلام حسین اسے آگے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ استاد غلام حسین کو اس سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ وہ بات بات پر اس کی پٹائی کردیتا تھا۔ شہزاد کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ ماسٹر غلام حسین کا رویہ دوسرے بچوں سے بہت اچھا تھا لیکن شہزاد کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوجاتا تھا۔

ماسٹر غلام حسین کے بھائی کاشف نے گاؤں میں چوری کی تھی۔ اُسے چوری کرتا دیکھ کر شہزاد کے والد عبدالسلام نے دیکھ لیا تھا۔ جس دکان سے چوری کی تھی وہ عبدالسلام کا دوست تھا۔ اس لئے عبدالسلام نے سردار احمد کو بتادیا کہ اس کی دکان سے چوری کرنے والا کاشف ہے۔ وہ کپڑا اور دکان کا سامان بھی کاشف کے گھر سے برآمد ہوگیا تھا۔ اس لئے چوری کے الزام میں کاشف کو سزا ہوگئی تھی۔ یہی وجہ تھی ماسٹر غلام حسین کو شہزاد کو دیکھتے ہی غصہ آجاتا تھا اور کوئی بھی بہانہ بنا کر شہزاد کی پٹائی کرنے میں دیر نہ لگاتا تھا۔

شہزاد کو ایسا محسوس ہوا جیسے کلاس روم میں کوئی چل رہا ہے لیکن وہ نظر نہیں آرہا ہے۔ اس نے اسے اپنا وہم جانا۔ کیونکہ چلنے کی آواز بلند ہوگئی تھی۔ ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اسے محسوس ہوا۔ اسکول کے صحن میں کوئی چل رہا ہے۔ شہزاد نے سوچا شاید ٹھیکیدار آگیا ہے۔ اسے ٹھیکیدار کا ہی انتظار تھا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر صحن کی طرف آیا۔ صحن میں کوئی نہیں تھا۔

''کمال ہے ابھی کسی کے چلنے کی آواز آئی تھی۔ اب کوئی بھی نہیں دکھائی دے رہا ہے۔'' شہزاد نے خود کلامی کی۔

وہ حیرانی و پریشانی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ صحن میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اچانک اس کی نظر اوپر کی طرف چلی گئی۔ وہاں کسی کی لاش پھندے میں لٹکی ہوئی نظر آئی۔

''اوہ یہ کسی نے خودکشی کرلی ہے۔ اور وہ بھی میرے اسکول میں اسے اور کوئی جگہ نظر ہی نہیں آئی۔ مجھے پولیس کو فوری طور پر مطلع کرنا ہوگا۔'' یہ سوچ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اسی وقت ٹھیکیدار عثمان دروازے سے اندر داخل ہوا۔ وہ بھی شہزاد کو پریشان دیکھ کر حیران ہوگیا۔ ابھی وہ کچھ پوچھنے ہی والا تھا۔ شہزاد اس سے مخاطب ہوا۔ ''ٹھیکیدار عثمان کسی نے ہمارے اسکول میں خودکشی کرلی ہے۔''

''خو..... خودکشی کرلی ہے۔'' ایک لمحے کو عثمان بھی خوفزدہ ہوگیا۔

''دیکھو فضا میں لاش لٹک رہی ہے۔''

''لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' ٹھیکیدار عثمان نے کہا۔

شہزاد نے جس جگہ لاش لٹکی ہوئی دیکھی تھی وہاں سے اب لاش غائب تھی۔ وہ خود بھی لاش غائب ہوجانے پر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

''میں نے ابھی..... ابھی پھندا لگی لاش دیکھی تھی۔''

''آپ کو وہم ہوا ہے یہاں کوئی لاش نہیں ہے۔'' ٹھیکیدار عثمان نے کہا۔

شہزاد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ سب کیا تھا۔ اس نے خود لاش فضا میں لٹکی ہوئی دیکھی تھی۔ جس بانس میں پھندا لگی لاش دیکھی تھی وہ بانس بھی غائب تھا۔ شہزاد نے ٹھیکیدار سے کام کے متعلق معلومات حاصل کی اور وہ

سے گھر چلا آیا۔

رات کو جب وہ سونے کو لیٹا اس وقت بھی اس
ں پر وہ منظر سوار تھا۔ وہ اس حقیقت سے انکار
لتا تھا کہ اس نے لاش اسکول میں دیکھی تھی۔
بس اس نے لاش دیکھی تھی۔ لیکن پھر وہ اچانک
ب ہوگئی۔

شہزاد وہ منظر بھی آج تک نہیں بھول سکا تھا
ر غلام حسین نے اسے کام نہ کرنے پر خوب پیٹا
ے ایک دن بخار آ گیا تھا۔ بخار آ جانے پر وہ
ہوم ورک کرنا بھول گیا تھا۔ اس بات کو جواز بنا
غلام حسین نے اس کی ڈنڈے سے خوب پٹائی
دی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آج وہ اس کے
ڑ کر رکھ دے گا۔ حالانکہ کچھ بچے اور بھی تھے جو
ں کر کے نہیں لائے تھے۔ ان کو ماسٹر غلام حسین
لی سزا دے کر بٹھا دیا تھا۔ شہزاد نے زندگی میں
ں پٹائی نہیں کھائی تھی۔ اس لئے وہ بری طرح
ا۔ اس نے بہتری اسی میں جانی کہ وہاں سے
ائے ورنہ آج یقیناً اس کے ہاتھ پیر توڑ دیئے
گے۔

شہزاد پٹائی سے بچنے کے لئے کلاس روم سے
ب نکلا۔ اسکول کا گیٹ بند تھا۔ اس لئے وہ
ں سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر بھاگا۔ چھت پر
ے گا۔ اسے خود بھی نہیں پتا تھا۔ بس اس کے
ں یہ بات سما گئی تھی کہ کسی طرح بھی ہو ماسٹر غلام
ں پٹائی سے بچنا ہے۔ ورنہ یہ آج ہاتھ پیر توڑ کر
گا۔ ماسٹر غلام حسین بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ
ں صورت شہزاد کو معاف کرنے کے موڈ میں نہیں

شہزاد اسکول کی چھت پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے
ے ماسٹر غلام حسین بھی چھت پر آ گیا۔ استاد سے
وئی راستہ نہیں تھا۔ وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے کی
ر کرنے لگا۔ چھت پر کوئی دیوار نہ تھی۔ چھت سے
گانا خود کو موت کے حوالے کرنے کے مترادف
تھا۔ اتنی بلندی سے نیچے گر کر کوئی بچ جائے یہ معجزہ ہی ہوسکتا تھا۔ اُسے بے بس دیکھ کر ماسٹر غلام حسین کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ماسٹر کے پیچھے کلاس کے بچے بھی چھت پر آنا شروع ہوگئے تھے۔ وہ ماسٹر غلام حسین سے شہزاد کو معاف کر دینے کی درخواست کر رہے تھے۔ وہ بچوں کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ اس کے ذہن پر جنون سوار ہوگیا تھا۔ وہ ڈنڈے سے مار، مار کر شہزاد کے ہاتھ پیر توڑ دینا چاہتا تھا۔

''بھاگ اب یہاں سے کہاں بھاگے گا۔''

شہزاد کے ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو استاد کی پٹائی سے بچنا ہے۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ماسٹر غلام حسین جیسے ہی اسے پکڑنے کو لپکا۔ وہ تیزی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ ماسٹر غلام حسین اسے پکڑنے کے چکر میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور چھت سے نیچے جا گرا۔ اتنی بلندی سے اس کا بچنا ناممکن تھا اور یہی ہوا ماسٹر غلام حسین بری طرح زخمی ہوا تھا۔ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر وہیں دم توڑ گیا۔

ماسٹر غلام حسین کی موت کا سبب کو دکھ تھا اور یہ بات بھی سب جانتے تھے کہ شہزاد پر ظلم کی اس نے انتہا کر دی تھی۔ اس کے اپنے والد سے ماسٹر غلام حسین کی شکایت نہ کرنے کا وہ ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔ بچے اور بڑے اس واقعہ کے سب ہی گواہ تھے کہ ماسٹر غلام حسین اُسے مارنے کو دوڑا تھا اور خود ہی اپنا جھول برداشت نہ کر پایا اور چھت سے نیچے گر کر مر گیا۔

آہستہ آہستہ لوگ اور بچے اس واقعہ کو بھول گئے تھے۔ حتیٰ کہ شہزاد بھی بھول گیا تھا۔

دوسرے دن مزدور کام کر رہے تھے۔ شہزاد کام کا معائنہ کرنے کی غرض سے چھت پر چلا گیا۔ اس وقت چھت پر کوئی نہ تھا۔ چھت پر شہزاد کو وہ حصہ بھی نظر آیا۔ جہاں کبھی ماسٹر غلام حسین اسے پکڑنے کو جھپٹے تھے اور چھت سے نیچے جا گرے تھے۔ شہزاد کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی نیچے کی طرف سے کسی نے اپنا سر ابھارا ہو اور پھر اچانک سر ابھارنے والا تیزی سے چھت کے

کنارے آ کر کھڑا ہو گیا۔ شہزاد کی جب اس کے چہرے پر نظر پڑی تو وہ دھک سے رہ گیا۔ وہ کوئی اور نہیں ماسٹر غلام حسین تھا۔ اس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔ ماسٹر غلام حسین کو مرے برسوں بیت چکے تھے۔ یہ کوئی اور تھا مگر اس کی شکل وصورت ماسٹر غلام حسین سے کیوں مل رہی ہے۔ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''شہزاد میں تم سے اپنی موت کا انتقام لوں گا۔''

''تم کون ہو؟'' شہزاد نے پوچھا۔

''مجھے بھول گئے میں تمہارے استاد غلام حسین کی روح ہوں، میں تم سے اپنا انتقام لینے کو بے قرار ہوں۔''

''مجھ سے کس بات کا انتقام لینا چاہتے ہو۔''

''اپنی موت کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اس دن مجھے تم نے دھوکہ دیا تھا۔ میں تمہارے دھوکے میں آ کر چھت سے نیچے گر پڑا تھا۔''

''میں نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا۔ ورنہ اس دن تم میری ہڈی پسلی ایک کر دیتے۔'' شہزاد نے کہا۔

''تمہارے باپ نے میرے بھائی کو چوری کے مقدمے میں پھنسوا دیا تھا۔ اس لئے تم پر تشدد کرنا میرا فطری عمل تھا۔'' ماسٹر غلام حسین نے کہا۔

''تمہارا بھائی چور تھا، کیا اس بات سے انکار کرو گے۔''

''ہاں میرا بھائی چور تھا لیکن تمہارے والد کو کیا پڑی تھی۔ میرے بھائی کے خلاف گواہی دی، ان کے گواہی نہ دینے سے میرا بھائی بچ جاتا۔''

''اس طرح وہ ایک عادی مجرم بن جاتا۔ میرے والد نے اس کے ساتھ بھلائی کی تھی۔''

''لیکن ہمارے ساتھ یہ بہت برا کیا تھا۔ میں جب تک تمہیں قتل نہ کر دوں۔ میری روح کو کسی پل چین نہیں آئے گا۔''

''اتنا عرصہ گزر چکا ہے تم نے مجھ سے انتقام لینے کی کوشش نہیں کی اب کیسے خیال آ گیا مجھ سے انتقام لینے کا۔'' شہزاد نے کہا۔

''میری تدفین ہو چکی تھی اس لئے میں بے بس ہو چکا تھا۔ اب چند ماہ قبل قبر کھودنے والے گورکن نے میری قبر کو کھود ڈالا اور میری باقیات ہڈیاں قبر سے نکال کر ایک جگہ پھینک دیں اور اس قبر میں کسی اور مردے کو دفنا دیا گیا۔ اس لئے میری روح آزاد ہو چکی ہے۔ آزادی ملنے پر مجھے سب سے پہلے جو خیال آیا وہ تم سے اپنا انتقام لینے کا آیا، تم شہر میں کاروبار کر رہے ہو۔ میری روح اس علاقے سے دور نہیں جا سکتی۔ ایک محدود حد میں ہی رہ کر تم سے اپنا انتقام لے سکتی ہے۔'' ماسٹر غلام حسین نے اس سے جو کہا تھا وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔ یہ خیال آتے ہی وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کس طرح اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔

شہزاد نے ٹھیکیدار عثمان سے اس بات کا تذکرہ کر دیا۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔

''آسیب جب کسی کے پیچھے پڑ جائے وہ اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک اس کا مناسب علاج نہ کیا جائے۔ ماسٹر غلام حسین کی روح سے چھٹکارا پانے کے لئے کسی عامل سے رجوع کرنا پڑے گا۔''

''تمہاری نظر میں کوئی عامل ہے؟'' شہزاد نے پوچھا۔

''میں ایک ایسے عامل کو جانتا ہوں وہ آسیب سے لوگوں کا پیچھا چھڑانے میں مشہور ہے۔''

''تم مجھے اس عامل کے پاس لے چلو۔'' شہزاد نے کہا۔

دونوں کا عامل کے پاس جانے کا پروگرام بن گیا۔

رات میں جب ٹھیکیدار عثمان سونے کو لیٹا اُسے محسوس ہوا کمرے کی چھت پر کوئی چل رہا ہے۔ اس نے جو چھت کی طرف دیکھا۔ ایک شخص چھت پر الٹا چلتا نظر آیا۔ اس نے حیرت سے اُسے دیکھا کہ یہ چھت پر کیسے اُلٹا چل رہا ہے اور نیچے بھی نہیں گر رہا ہے۔ کوئی عام آدمی اس طرح چھت پر چل ہی نہیں سکتا۔

''کون ہو تم؟'' ٹھیکیدار عثمان نے پوچھا۔

''میں ایک آسیب ہوں، اس کا تمہیں مجھے ت پر اس طرح چلتا دیکھ کر ہی اندازہ ہو جانا ہئے۔'' وہ بولا۔

''ہاں میں دیکھ رہا ہوں کوئی بھی انسان اس ح چھت پر نہیں چل سکتا۔ ایسا کرنے کی کوشش بھی ں کر سکتا۔''

''میرے یہاں آنے کا مقصد بھی تم سمجھ گئے گے میں یہاں کیوں آیا ہوں۔''

''میں تمہیں جانتا نہیں ہوں۔ پھر میں کیسے تمہارا صد جان سکتا ہوں۔'' ٹھیکیدار عثمان نے کہا۔

''اچھا تم مجھے نہیں جانتے۔ لو سنو میں ماسٹر م حسین کی روح ہوں۔ اور تمہیں اس بات سے کنا چاہتا ہوں کہ تم شہزاد کو کسی عامل کے پاس لے کر ں جاؤ گے۔''

''کیوں لے کر نہیں جاؤں۔''

''اس لئے کہ میں شہزاد کو جان سے مار دینا چاہتا ں۔ وہ جب تک قتل نہ ہو گا میری روح کو چین نصیب ہو گا۔''

''تم شہزاد کو کیوں مارنا چاہتے ہو؟''

''شہزاد کے والد عبدالسلام نے میرے بھائی کو ری کے الزام میں جیل بھجوا دیا تھا میں اس بات کا نتقام لینے کو شہزاد کو بات، بات پر سخت سزا دینے لگا تھا۔ یک دن اُسے سزا دینے کے چکر میں چھت سے نیچے گر کر ہلاک ہو گیا۔ اب میں اس پوزیشن میں آ گیا ہوں کہ شہزاد اور اس کے والد عبدالسلام سے انتقام لے سکوں لبتہ شہزاد نے اپنے والدین کو شہر میں اپنی فیملی کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ میں اس علاقے میں رہ کر ان لوگوں سے انتقام لوں گا۔ جب عبدالسلام کو پتا چلے گا کہ یہاں کم ادم گیا ہے وہ شہر سے دوڑا، دوڑا اپنے بیٹے کی لاش لینے آئے گا بس میں اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر عبدالسلام کو بھی جان سے مار کر اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر لوں گا۔''

حدیث

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''نیک ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے کی سی ہے۔ اور بد ساتھی کی مثال بھٹی دھونکنے کی سی ہے۔ پس کستوری اُٹھانے والا تمہیں کستوری دے گا، یا تو اس سے کستوری خرید لے گا ورنہ تم کستوری (مُشک) کی خوشبو سے ہی فیض اُٹھا لو گے، اس طرح بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا، یہ نہیں تو تم اس کی بدبو تو ضرور محسوس کرو گے۔'' (بخاری و مسلم)

(عابد علی۔ کراچی)

''میں تم کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔''

''میرے راستے کی دیوار مت بنو ورنہ پہلے میں تمہیں مار ڈالوں گا۔'' اس شخص نے دھمکی دی۔

''یہ وقت بتائے گا۔'' عثمان ٹھیکیدار نے کہا۔

''تمہیں اس بوڑھے عامل پر بڑا بھروسہ ہے میں بھی دیکھتا ہوں وہ میرا کیا بگاڑتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ شخص غائب ہو گیا۔

دوسرے دن جب ٹھیکیدار عثمان نے شہزاد کو یہ بات بتائی تو وہ بھی پریشان ہو گیا یہ واقعی بڑی تشویشناک بات تھی۔

''تم نے پھر کیا سوچا ہے؟''

''میں ضرور تمہیں عامل کے پاس لے کر جاؤں گا۔'' ٹھیکیدار عثمان نے کہا۔

''اگر تمہیں آسیب نے تنگ کیا پھر کیا کرو گے؟'' شہزاد نے پوچھا۔

''آسیب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اتنا مجھے بھی اندازہ ہے وہ صرف مجھے تمہیں عامل کے پاس لے جانے سے روکنا چاہتا ہے۔'' ٹھیکیدار عثمان نے کہا۔

وہ ایک بہادر انسان تھا۔ اس لئے شہزاد کو ٹھیکیدار عثمان عامل بدرالدین کے پاس لے گیا۔

''عثمان اچھا ہوا تم شہزاد کو میرے پاس لے

آئے ورنہ ماسٹر غلام حسین کا آسیب اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا۔'' عامل بدرالدین نے ملاقات ہونے پر کہا۔

''آسیب نے عثمان کو بھی دھمکی دی ہے۔'' شہزاد نے کہا۔

''وہ اب تم دونوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ بے فکر رہو جیسا میں کہوں ویسا ہی تمہیں کرنا ہے۔'' عامل بدر الدین نے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔'' شہزاد نے کہا۔

''میں تمہیں اسکول میں اور دونوں کے گھروں میں چھڑکنے کے لئے پانی دے رہا ہوں اُسے صبح وشام چھڑکنا ہے۔ اور ہاں قبرستان میں جا کر ماسٹر غلام حسین کے ڈھانچے کی ہڈیاں تلاش کر کے قبرستان میں گڑھا کھود کر دفن کر دینا۔''

''یہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ قبرستان میں پڑی ہڈیاں ماسٹر غلام حسین کی ہیں۔'' شہزاد نے پوچھا۔

''قبرستان میں قبر بنانے والے گورکن کو سب پتا ہوتا ہے۔ کس قبر کی ہڈیاں اس نے کہاں چھپائی ہیں۔ اُسے تھوڑا لالچ دینا وہ تمہیں ہڈیاں بتا دے گا کہ کہاں چھپائی ہیں یہ کام جتنی جلدی ہو سکے کر ڈالو۔'' عامل نے کہا۔

شہزاد اور ٹھیکیدار عثمان کو عامل بدرالدین نے دو پانی کی بوتلیں دیں جن کا پانی ان کو اپنے گھر اور اسکول میں چھڑکنا تھا۔

شہزاد اور ٹھیکیدار کے لالچ دینے پر قبرستان کے گورکن سلیمان نے اس کو بتا دیا کہ اس نے ماسٹر غلام حسین کی باقیات یعنی ڈھانچے کے بچ جانے والی ہڈیاں کہاں چھپائی ہیں۔ شہزاد کے حکم پر اس نے ایک جھاڑی سے ہڈیاں نکال کر ایک گڑھے میں دفن کر دیں۔

رات جب شہزاد سونے کو لیٹا اُسے خواب میں ماسٹر غلام حسین نظر آیا وہ سخت غصے میں تھا۔

''تم نے عامل بدرالدین سے مل کر میری ہڈیاں قبرستان میں دفن کر دیں لیکن جب بھی مجھے موقع مل گا تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' اس نے کہا۔

''یہ وقت بتائے گا۔'' شہزاد نے کہا۔

''صبح ہونے پر شہزاد نے عامل بدرالدین سے ملاقات کی اور اسے خواب کا بتایا۔

''وہ اب کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے پھر بھی میں تم کو پانی دم کر کے دے رہا ہوں، یہ پانی اس جگہ ڈال دینا جہاں ماسٹر غلام حسین کی ہڈیاں دفن کی ہیں۔ اس پانی کا یہ فائدہ ہوگا کہ کوئی اُس کی ہڈیاں کھود کر نکال بھی لے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔'' عامل بدرالدرین نے بتایا۔

شہزاد نے عامل بدرالدین کی بات پر عمل کیا دم کیا ہوا پانی ان دفن کی ہوئی ہڈیوں کی جگہ پر ڈال دیا۔

رات میں ماسٹر غلام حسین اُسے نظر آیا۔ وہ آج بھی سخت غصے میں تھا۔

''تم اور عامل بدرالدین جیت گئے اور میں ہار گیا۔ میں اب کبھی تم سے انتقام نہ لے سکوں گا۔'' وہ بولا۔

شہزاد نے جب عامل کو اپنا خواب سنایا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''اس نے ٹھیک کہا ہے وہ اب اس پوزیشن میں ہی نہیں ہے کہ تم سے انتقام لے سکے۔''

شہزاد عامل بدرالدین کی بات پر مطمئن ہوگیا۔ کئی ماہ گزر گئے اُسے ماسٹر غلام حسین کی روح نظر نہ آئی۔ اور نہ ہی تنگ کیا۔ اس کے اسکول کی مرمت کا کام مکمل ہوگیا تھا۔ بچے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ بچوں کو اسکول سے تعلیم حاصل کرتا دیکھ کر شہزاد خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ اس اسکول کو پھر سے تعلیم کا گہوارہ بنانے کا خواب پورا ہو چکا تھا۔

انکشاف

محمد عمران اشرف-راولپنڈی

اچانک خوبرو دوشیزہ نے ایک مخلوق دیکھی جس کو نہ تو وہ انسانوں میں شمار کرسکتی تھی اور نہ جانوروں میں اس مخلوق کے جسم پر گھنے بال تھے اور جسم انسانوں جیسے لیکن.....

ایک عجیب وغریب مخلوق کی دیدہ دلیری جس نے لوگوں کو حیران پریشان.....کر دیا تھا

وہ بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اور کھڑکی سے دوسرے گھر میں جھانکنے کی کوشش کرتا۔ ہر جھانکنے سے اس کی پریشانی مزید گہری ہوتی جارہی تھی۔ کمرے میں رکھی ایک کرسی پر جا بیٹھا آنکھیں موندلیں اور ماضی کی حسین وادیوں میں کھو گیا۔ جب اس دنیا میں آنکھ کھولی تو تب سے لے کر خود کو اب تک جو پایا۔ اس کا نام عمران تھا۔ کیا ہی خوبصورت دن تھے وہ کسی قیمت پر بھی واپس نہیں آسکتے تھے۔ واقعی زندگی خوب صورت تھی۔

پاپا ایک کالج میں پروفیسر تھے۔ ان کا نام ابرار تھا والدہ ایک گھریلو خاتون تھیں۔ ان کا نام ثریا تھا۔ سونے پر سہاگہ اب اس کے ایک دوست الیاس بھی تھے۔ اتفاق سے ہمارا گھر ان کے گھر کے ساتھ ہی تھا۔ وہ ایک ہارر رائٹر تھے۔ ابوالیاس انکل کی آپس میں خوب بنتی تھی۔ الیاس انکل کی بیوی کا نام روبی تھا۔ اور ایمان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ مجھ سے چھوٹی بھی دو بہن بھائی تھے۔ چھوٹے بھائی کا نام فرحان اور اس سے چھوٹی بہن کا نام سارہ تھا۔ ہم دونوں گھر ایک خاندان کی طرح رہتے تھے۔ میرا زیادہ تر بچپن کا حصہ ایمان کے ساتھ گزرا تھا۔ اکٹھے اسکول جاتے اور اکٹھے ٹیوشن ہم دونوں سارا دن ایک دوسرے سے خوب لڑتے ایک دوسرے

کو مارتے اور اکٹھے ہی باہر پھرتے۔ یہی ہمارے بچپن کی خوب صورتی تھی۔ یہی وجہ تھی اگر ہم میں سے کوئی ایک بھی کہیں ہوتا تو گھر والے دوسرے کو ڈھونڈتے۔ کیونکہ ان کو پتا تھا کہ ہم دونوں اکٹھے ہی آوارہ گردی کرتے ہیں۔

لیکن جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی۔ دونوں مجبور ہوتے جا رہے تھے۔ لیکن آپس میں دونوں کے مذاق ابھی بھی پہلے کی طرح تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے میں دلچسپی لے رہے تھے۔ یہ بات سب نے محسوس کی۔ لیکن کسی نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ شاید سب لوگ راضی تھے۔

زندگی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

عمران اکثر ایمان کے گھر چلا جاتا گھنٹوں ایمان سے باتیں کرتا۔ لیکن کسی نے بھی اعتراض نہ کیا۔ ان دونوں کی یوں دلچسپی دیکھ کر سب سے پہلے روبی آنٹی نے اپنے انکل سے بات کی۔ پھر انہوں نے ابو سے بات کی پھر ابو نے امی سے مشورہ کرتے ہوئے بات پکی کردی۔

ابھی تک عمران اور ایمان نے آپس میں اس ٹوپک پر بات نہیں کی تھی۔ لیکن دونوں ایک دوسرے سے ناواقف نہیں تھے۔ دونوں اس فیصلے سے بہت خوش تھے۔ اور خوش بھی کیوں نہ ہوتے بچپن کا ساتھ مزید گہرا ہونے والا تھا۔

پھر دونوں طرف سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد 8 جنوری کی تاریخ مقرر کی گئی ہر طرف خوشیوں کا سماں تھا۔ دونوں طرف آہستہ آہستہ تیاری جاری تھی۔ سب آنے والی مصیبت سے بے خبر تھے۔ ابھی ایک مہینہ اور کچھ دن باقی تھے۔

جب ایمان بہت ڈری سہمی رہنے لگی۔ گھر والوں نے بہت اصرار کیا۔ لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ پھر عمران کو اس کی خبر ملی اس نے خود اس سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اور بہت زیادہ اصرار کرنے کے بعد ایمان نے بتایا تو وہ باتیں اوسان خطا کر دینے کے لئے کافی تھیں۔

لیکن عمران ایمان کے سامنے بالکل بھی نہ گھبرایا۔ اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی بہت کوشش کی۔ جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ ایمان جو کچھ اس کو بتایا وہ کچھ یوں تھا۔

بقول ایمان کے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہر پل مجھے کوئی دیکھ رہا ہو۔ میں ایک دن اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ شاید کسی آواز کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے جو دیکھا وہ میرے اوسان خطا کر دینے کے لئے کافی تھا۔

میں نے ایک مخلوق دیکھی جس کو نہ تو وہ انسانوں میں شمار کر سکی اور نہ جانوروں میں اس مخلوق کے جسم پر گھنے بال تھے۔ لیکن جسامت انسانوں کی طرح تھی۔ لمبے لمبے ناخنوں اور چہرہ بالکل بھیڑیے سے مشابہت رکھتا تھا۔ وہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں چیختے ہوئے کمرے کے دوسرے دروازے سے باہر نکلی اور ماما پاپا کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔ ان دونوں کو جگانے کے بعد سارا واقعہ ان کو بتایا۔

دوسروں کی طرح انہوں نے بھی اس کا خوفناک خواب کہہ کر ٹال دیا۔ لیکن اندر سے وہ بھی ڈر گئے تھے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ ایمان جیسی مضبوط اعصاب کی لڑکی خواب دیکھ کر اتنا برا نہیں ڈر سکتی۔

اب میں کوشش کرتی ہوں۔ میں اکیلی کہیں نہ رہوں۔ کیونکہ میں اس کو اپنے پاس محسوس کر رہی ہوں۔ اور ویسے بھی ماما پاپا جانتے ہیں میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ میری گزرتے دنوں کے ساتھ گرتی ہوئی حالت دیکھ کر ان کو بھی اندازہ ہو چکا ہے۔ کہ کوئی اور چکر ہے اور حیرت کی بات وہ مجھے اکثر دکھائی بھی دیتا ہے۔ جو میرے لئے زیادہ خوف کا باعث ہے۔ میرے لئے تو اکیلے باتھ روم جانا بھی بہت مشکل ہو گیا ہے۔

مجھے لگتا ہے وہ عنقریب مجھے مار دے گا۔'' وہ رو دینے والے انداز میں عمران سے مخاطب ہوئی۔

کچھ نہیں ہوگا تمہیں اپنے آپ کو ریلکس کرنے کی کوشش کرو۔ عمران نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

شادی سے پہلے ایک دوسرے سے ملنے والے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن انکل اور آنٹی کا اعتماد قابل تعریف تھا۔ وہ صرف اس کو تسلی دے رہا تھا۔ ویسے تو وہ بھی اس کو لے کر بہت پریشان تھا۔ لیکن وہ اس کے سامنے اپنے

آپ کو یوں ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ بہت پریشان تھا۔ وہ جلد از جلد ایمان کو اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ اب وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ کس طرح ایمان کو اس سے محفوظ رکھا جائے۔

وہ بار بار ساتھ والے گھر میں جھانکتا کوئی ترکیب نہ ملنے پر مزید پریشان ہو جاتا۔ وہ واقعی دماغی طور پر کافی تھک چکا تھا۔ اس کو آرام کی ضرورت تھی۔

رات گہری ہوتی جارہی تھی وہ سونے کے لئے بیڈ پر لیٹ گیا۔ نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اس کو پتا ہی نہ چلا اسے سوئے ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اچانک کسی کے شور سے ان کی آنکھ کھل گئی۔

جب اس نے آواز سنی تو اس کی جان نکل گئی۔ کیونکہ یہ کسی اور کی آواز نہیں بلکہ ایمان کی آواز تھی۔ وہ پوری قوت سے ان کے گھر کی طرف بھاگا۔ زور زور سے دروازہ بجانے کے بعد الیاس انکل نے دروازہ کھولا۔ ان کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر عمران نے فوراً پوچھا۔

"انکل خیریت تو ہے ناں.....؟"

الیاس انکل جواباً خاموش رہے تو عمران تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس نے دیکھا ایمان روبی آنٹی کی گود میں سر رکھے ہوئے تھی۔ وہ بہت ڈری سہمی لگ رہی تھی۔ اور روبی آنٹی ایمان کو پانی پلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے۔" عمران بے صبری سے ایمان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

ایمان نے کچھ جواب دیے بغیر اس کے پیچھے دیکھا۔ عمران نے بھی مڑ کر دیکھا۔ پیچھے اس کی فیملی کے ساتھ الیاس انکل موجود تھے۔ عمران نے ان کو نظر انداز کرتے ہوئے ایمان سے پوچھا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔" ایمان صرف اس کو گھور رہی تھی۔ لیکن جواباً خاموش رہی۔

"لو پہلے پانی پیو۔" عمران نے روبی آنٹی سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے ایمان کی طرف بڑھا دیا جو ابھی تک آنٹی، ایمان کو پانی پلانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

کافی اصرار کے بعد زبردستی تھوڑا سا پانی ایمان کو پلایا۔ اس کو اپنے حواس بحال کرنے میں کچھ دیر لگی۔ لیکن اب وہ بہت بہتر لگ رہی تھی ایمان نے کہنا شروع کیا تو سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایمان پھر اسی بھیڑیے نما شخص کے بارے میں بتایا۔ جس کے بارے میں وہ بتا چکی تھی۔ اس شخص نے اس پر اس نے حملہ آور ہونے کی کوشش بھی کی تھی۔ جس کے نتیجے میں ایمان کا بازو بھی زخمی ہوا۔ اس نے بازو دکھایا۔

زخم اتنا گہرا نہیں تھا۔ شاید وہ صرف اس وجہ سے بچی تھی کہ وہ اس کیفیت میں بھی پوری قوت سے بھاگی ایمان کے بقول وہ بھاگتے ہوئے دیکھنے کے لئے پیچھے مڑی تو اس نے دیکھا وہ بھیڑیا نما شخص اچانک بھاگتے بھاگتے غائب ہو گیا۔ ایمان کے چیخنے چلانے پر ماما اور پاپا بھی اٹھ گئے۔ اس نے سارے واقعے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

ماما نے کہا۔ "ہمیں جلد از جلد کسی عامل کو ڈھونڈنا چاہیے۔ شاید وہ اس کا علاج بہتر طریقے سے کر سکے۔"

انکل نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو ہمیں کسی نہ کسی عامل کا بندوبست کرنا ہے۔"

صبح ہونے والی تھی۔ آہستہ آہستہ صبح ہوئی سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ عمران کسی ایسے انسان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ جو ان کی اس طرح کی سچوئشن میں مدد کر سکے۔ وہ خود بھی اللہ سے دعا گو تھا کہ اس سے ایمان کو جتنی جلدی ہو سکے نجات مل جائے۔

لیکن قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔

کوشش کے باوجود عمران کسی عامل کی تلاش میں ناکام رہا۔

اب وہ زیادہ سے زیادہ وقت ایمان کے ساتھ ہی گزارتا۔ اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ایمان کی حالت بھی بہتر ہو رہی تھی۔ جو دونوں گھروں نے نوٹ کی۔ یہ ان سب کے لئے بھی بڑی سکون کی بات تھی۔ عمران تو اکثر شام کے وقت اس کے ساتھ چھت پر چلا جاتا۔

شادی کی تاریخ بھی قریب آرہی تھی لیکن ایمان کی طبیعت کی وجہ سے فی الحال تاریخ ملتوی کر دی گئی تھی۔

شب و روز بہتر انداز میں گزر رہے تھے عمران معمول کے مطابق ایمان کو چھت پر لے کر گیا۔ دسمبر کا خوب صورت مہینہ جاری تھا۔ سردی اپنے عروج پر تھی۔ ہر شام بے مثال تھی۔ دونوں معمول کے مطابق چھت پر پہنچے۔ آسمان پر غول کے غول پرندے اپنے آشیانوں کی طرف سفر کررہے تھے سورج ہی ہلکی ہلکی سرخی ابھی بھی موجود تھی۔ اتنی خوب صورت شام کے باوجود ایمان آج کچھ گھبرائی، گھبرائی لگ رہی تھی اور عجیب طرح سے چاروں طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ادھر عمران کب سے ایمان کو دوبارہ نارمل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ لیکن بے سود آج سردی کافی زیادہ تھی۔ عمران کو چائے کی شدید طلب ہورہی تھی۔ پھر عمران نے ایمان کو چھت پر رکنے کو کہا۔ اور چائے لانے کے لئے خود نیچے جانے لگا۔ اس نے سوچا شاید چائے سے کچھ طبیعت بہتر ہوجائے لیکن عمران کی یہی غلط فہمی تھی وہ نیچے آیا۔

روبی آنٹی مطالعے میں مصروف تھیں۔ اور الیاس انکل کہیں باہر نکلے ہوئے تھے۔ اس نے روبی آنٹی کو اٹھانا مناسب نہ سمجھا اور خود کچن میں چائے بنانے کے لئے چلا گیا۔

وہ آنے والی مصیبت سے بے خبر گنگناتے ہوئے چائے بنا رہا تھا۔

اچانک اس نے ایمان کی چیخنے کی آواز سنی تو تیزی سے نکل کر آواز کی سمت بھاگا۔ اس نے چھت کی طرف دیکھا جو منظر اس کے سامنے تھا وہ اس کے اوسان خطا کردینے کی لئے کافی تھا۔ اس کے جسم میں ہلنے جلنے کی سکت نہ رہی۔ وہ بس بت بنا چپ چاپ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے سامنے بھیڑیا نما شخص تھا۔ اس بھیڑیا نما شخص کے سارے جسم پر بھیڑیے کی طرح گھنے بال تھے۔ اور چہرہ بھیڑیے سے بہت حد تک ملتا تھا۔ وہ ایمان کو گھسیٹنے کی کوشش کررہا تھا۔

ایمان اس قدر خوف زدہ تھی کہ اس سے پہلے عمران نے کبھی اس کو اتنی بری حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ اب تو اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ وہ بے بسی سے عمران کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک اس بھیڑیا نما شخص نے ایمان کو اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے چھت سے گلی میں چھلانگ لگادی۔

تو عمران کے جسم میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا وہ پوری قوت سے نیچے گلی میں دوڑا لیکن اس بھیڑیا نما شخص کی رفتار اس سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ حالانکہ اس شخص نے ایمان کو بھی جکڑا ہوا تھا۔

ایمان شاید خوف کی وجہ سے بے ہوش ہوچکی تھی۔ سردی زیادہ ہونے کی وجہ سے ہر طرف سناٹا تھا۔ وہ شخص پوری قوت سے بھاگ رہا تھا۔ ادھر عمران کا سانس پھولا ہوا تھا لیکن پھر بھی عمران تیز رفتاری سے اس کا پیچھا کررہا تھا اس کے پاؤں میں شدید درد ہورہا تھا اور اس کے پاؤں بھی زخمی ہوچکے تھے۔ سخت سردی کے باوجود بھاگنے کے بعد وہ مسلسل پسینے میں شرابور تھا۔

اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔

وہ بھیڑیا نما شخص کافی دور نکل چکا تھا۔ وہ ابھی بھی عمران کو نظر آرہا تھا۔

آخر کار عمران کی ہمت جواب دے گئی۔ اور وہ رک گیا۔ وہ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا چار، پانچ مرتبہ لمبے لمبے سانس لینے بعد وہ دوبارہ آہستہ آہستہ ان کے پیچھے بھاگنے لگا۔ اب وہ اس رفتار سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔

اندھیرا مکمل طور پر پھیل چکا تھا۔ نجانے وہ کن راستوں سے گزرتا ہوا کس راستے پر آچکا تھا کچھ ہوش نہیں تھا۔ ہر طرف گھنے درخت نظر آرہے تھے۔ جو اندھیرے میں مزید اضافہ کررہے تھے۔

اس بھیڑیا نما شخص کا نشان مدھم ہوتا جارہا تھا۔ عمران نے ایک لمبا سانس خارج کیا اور پوری قوت سے دوبارہ بھاگنا شروع کیا۔ وہ ایمان کو بہت دور جاتا دیکھ رہا تھا۔ اور وہ یہ صدمہ بالکل برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اب وہ بھاگنے کے ساتھ ساتھ حلق پھاڑ کر ایمان کو آوازیں بھی دے رہا تھا۔ اس کا حلق سوکھ چکا تھا۔ لیکن اب بھی ہار نہیں

ن رہا تھا۔

وہ مسلسل بھاگ رہا تھا اس کی آنکھوں سے اب نسو جاری ہو گئے تھے اس ک ابس نہیں چل رہا تھا وہ اڑ کر فاصلہ طے کرے اور اس بھیڑیا نما شخص ایمان کو بچا لے۔ گر فی الحال وہ یہ صرف سوچ سکتا تھا۔

لمبے لمبے درخت اس کے ارد گرد کھڑے کسی دیو کی رح معلوم ہو رہے تھے۔ جو اس کو یوں پاگلوں کی طرح ا گتے دیکھ کر اس کو غصے سے دیکھ رہے تھے۔

اچانک زور سے بادل گرجے اور تیز ہوا چلنے لگی۔ جو ہستہ آہستہ آندھی کی شکل اختیار کر رہی تھی۔

ایک دفعہ پھر زور سے بادل گرجے اور موسلا دھار ش شروع ہو گئی۔

اب عمران کو بھاگنے میں بہت زیادہ دقت ہو رہی ی۔ وہ جن کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ اب اس کو نظر نہیں آ رہے ھے۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ مگر وہ بے بس تھا۔ وہ مکمل ر پر بھیگ چکا تھا۔ بھاگتے بھاگتے وہ گر کر بے ہوش ہو یا۔ اس کو کچھ خبر نہ تھی۔

جب ہوش آیا تو خود کو کیچڑ میں لت پت پایا۔ زرے ہوئے تمام واقعات اس کے ذہن میں کسی فلم کی رح گردش کر رہے تھے۔ وہ خود کو کسی ڈراؤنی کہانی کا حصہ یار ہا تھا۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ ایمان کو کھو چکا تھا۔

نجانے وہ رات کا کون سا پہر تھا۔ بارش کب کی ب چکی چاند بھی بادلوں سے نکل آیا تھا۔ آسمان پر ستارے ت بھلے لگ رہے تھے۔ اس کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا پانی ے لئے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ اچانک اسی کی نظر ایک گڑھے پر ی۔ شاید وہ کبھی بھی اس طرح کی حرکت نہ کرتا۔

لیکن پیاس کی شدت اتنی شدید تھی کہ اس نے ڑھے میں سے مٹی والا پانی پیا جو بارش کا تھا۔ یہ اس وقت ں کے لئے آب حیات سے کم نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ حواس بحال ہوئے رہ رہ کر ایمان کا ل آ رہا تھا۔ آنکھیں ساون بادو کی طرح برس رہی تھیں وہ ں کی سیدھ پر چلتا جا رہا تھا۔

اچانک اس کو کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی تو اس نے چاند کی روشنی میں دیکھا۔ اس سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر ایک لڑکی اوندھے منہ پڑی ہوئی تھی۔

عمران تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ہمت کرتے ہوئے لڑکی کو سیدھا کیا۔ اس کا دل پہلے ہی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی لڑکی کا چہرہ دیکھا ۔اس کی خوشی سے چیخ نکل گئی۔

ایمان نے اس کو ادھ کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ لیکن کمزوری کی وجہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ عمران نے اپنا چہرہ اس کے ہونٹوں کے قریب کیا۔

ایمان آہستہ سے بولی۔ ”کہاں چلے گئے تھے۔ تمہیں منع کیا تھا نا مجھے اکیلے چھوڑ کر کہیں نہیں جانا۔ مجھے اب گھر جانا ہے۔ مجھے ماما پاپا کی یاد آ رہی ہے۔“ اور ایمان رونے لگی۔

عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہاں بس ہم یہاں سے ابھی چلے جائیں گے۔“ اس نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

”تم یہاں کیسے پہنچی۔“ عمران نے ایمان سے پوچھا۔

”مجھے کچھ یاد نہیں۔ جب وہ اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا۔ میں روتے روتے نجانے کب بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو خود کو یہاں پایا۔“

”اوکے اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہوگا۔“

عمران نے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس نے ایمان کو بامشکل سہارا دے کر کھڑا کیا۔ اور آہستہ آہستہ اندازے کے مطابق ایک طرف چلنے لگا۔

عمران کو حیرت ہو رہی تھی۔ اس بھیڑیا نما شخص نے ایمان کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ شاید یہ ان دونوں کی خوش قسمتی ہے عمران نے سوچا۔

اچانک اس نے جھاڑیوں میں سرسراہٹ سنی۔ وہ دونوں رک گئے اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ دونوں کے دل تیز تیز دھڑک رہے تھے۔

اچانک جھاڑیوں میں سے وہیں بھیڑیا نما شخص

نکلا۔ اف خدایا اس قدر بھیانک شکل اس کے پورے جسم پر گھنے بال تھے۔ لیکن اس کی مشابہت انسان سے بھی تھی۔ آنکھیں انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر غرا رہا تھا۔

ایمان نے اس کو دیکھتے ہی زور سے چیخ ماری اور عمران کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

وہ بھیڑیا نما شخص تیزی سے ان کی طرف بڑھا اور عمران کو اس نے گردن سے پکڑ کر اوپر کو اٹھا لیا ایسا کرنے سے عمران کو شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی اس کی آنکھیں باہر آجائیں گی۔

ایمان عمران کو اس مخلوق سے بچانے کے لئے اپنی سی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے چیختے ہوئے قریب پڑے ہوئے دو تین پتھر اٹھا کر پوری قوت سے مارے لیکن اس پر یہ بے اثر تھے۔ البتہ اس نے اس کے ردعمل میں عمران کو چھوڑا۔ اور ایمان کی طرف بڑھا لیکن ایمان اس سے پہلے ہی اس کو اپنی طرف آتا دیکھ کر خوف سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

اس بھیڑیا نما شخص نے فتح کے انداز میں زور سے دھاڑا کہ پورا جنگل اس سے گونج اٹھا۔ وہ واپس عمران کی طرف بڑھا اور عمران کو دوبارہ اوپر کو اٹھایا۔

عمران نے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے اس کی آنکھ میں پوری قوت سے اپنی انگلی گھسیڑ دی۔ وہ اس سے اس حملے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ وہ دلدوز انداز میں چیخا اس نے دھاڑتے ہوئے اس کو فضا میں بلند کیا اور پھینک دیا۔ نرم مٹی ہونے کی وجہ سے عمران کو زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی۔ اب کی بار وہ زیادہ بپھرا ہوا تھا۔

اچانک عمران کے دماغ میں ایک خیال بجلی کی تیزی سے کوندا۔ اس نے فوراً اپنی پنڈلی سے بندھا ہوا چاقو نکالا جو اس نے ایمان کی حفاظت کے لئے اس بھیڑیا کے لئے ہی رکھا تھا۔ بھیڑیا نما شخص تیزی سے عمران کی طرف بڑھا اور عمران کو دوبارہ گردن سے اوپر کو اٹھا لیا۔ پھر عمران کی گردن میں اپنے دانت گاڑ دیئے۔ عمران کی درد سے جان جان رہی تھی۔ اس کا درد بیان سے باہر تھا۔ اس کو بالکل اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔

اس نے آخری کوشش کے تحت پوری قوت سے اپنے چاقو والے ہاتھ کو حرکت دی۔ اور پورا چاقو دستے تک اس کے نرخرے میں اتار دیا۔ پھر عمران دوبارہ چاقو تیزی سے نکالا۔ اس کی کچھ ہمت بندھی تھی۔ بہر حال درد اس قدر شدید تھا کہ بھیڑیا نما شخص سے کھڑا ہونا بھی محال تھا۔ بہر حال وہ دوبارہ تیزی سے عمران کی طرف بڑھا۔

تو عمران نے بلند آواز میں آیت الکرسی پڑھتے ہوئے پوری قوت سے اچھل کر اس کی گردن پر وار کیا۔ یہ وار بھیڑیا نما شخص کے لئے کافی کاری ثابت ہوا۔ وہ درد کی شدت سے لڑکھڑا رہا تھا کہ عمران نے درد کی پروا نہ کرتے ہوئے پے در پے اس کی گردن پر وار کیے۔ آخر کار وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔

عمران نے آج تک ایسی مخلوق نہیں دیکھی تھی۔ اس کو شاید زخموں کی وجہ سے چلنے میں بہت مسئلہ ہو رہا تھا۔ اس نے بامشکل ایمان کو ہوش دلایا۔ وہ بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اس کو اس بلا سے نجات جو مل گئی تھی۔

وہ ایمان کا سہارا لیتے ہوئے بہ مشکل اس مردہ بلا تک پہنچا۔

رات آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ عمران نے مسکراتے ہوئے ایمان کی طرف دیکھا۔

اچانک ایمان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں انتہا کی حیرت اور خوف تھا۔

عمران نے اس کے حیرت زدہ ہونے کی وجہ پوچھنے کے لئے اپنے لبوں کو حرکت دی تو اس کو اپنی آواز بھیڑیا کی طرح لگی وہ خود بھی حیرت سے اچھل پڑا۔ اس نے اپنے بازو کو دیکھا اس کی کھال تیزی سے گھنے سیاہ بالوں میں تبدیل ہو رہی تھی۔ پھر عمران نے ایمان کی طرف دیکھا تو عمران کو ایمان نے دیکھا اور دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔

اس انکشاف پر ایمان پوری قوت سے چیخا۔ لیکن افسوس چیخنے چلانے سے حالات بدلتے نہیں ہیں۔

پراسرار بچہ

ڈاکٹر طارق محمود آکاش-صادق آباد

رات کی سنگینی کے متعلق ضعیف عورت ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ایک ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا بچہ دیکھتے ہی دیکھتے خرگوش بن گیا اور چھلانگ لگا کر غائب ہوگیا لیکن اس کے بعد.....

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے میں جنم لیتی جسم وجاں پر کپکپی طاری کرتی کہانی

دور حاضر کی سائنس نے اتنی ترقی کی ہے کہ آج کا انسان چاند کو تسخیر کرنے کے بعد مریخ اور سورج پر جانے کے لئے پرتول رہا ہے۔ مگر آسیبی دنیا پر قابو پانا اس سائنس کے بس کی بات نہیں اس معاملے میں سائنس بالکل ناکام ونامراد نظر آتی ہے۔

ہمارے اکثر وبیشتر دیہاتوں میں آج بھی آسیبی جگہ، آسیبی جوہڑ اور جن بھوت کے بسیرے موجود ہیں۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ انسانوں سے زیادہ تعداد ان کی ہے اگر آسمان سے سوئی نیچے زمین کی طرف پھینکی جائے تو وہ ضرور کسی نہ کسی جن یا بدروح کے جسم میں پیوست ہوجائے گی۔

ہر روز ٹی وی پر بھی عامل حضرات بذریعہ اشتہارات بلند وبانگ دعوے کرتے نظر آتے ہیں

مگر نظر نہ آنے والی بدروحیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں میرے ایک دوست رزاق صاحب عامل ہیں وہ اکثر فرماتے ہیں کہ فلاں جگہ گیا وہاں لڑکی کو چڑیلوں نے گھیرا ہوا تھا میں نے حاضر کیا اور پھر ان کو جلا دیا نجانے کتنے عامل ایسی بدروحوں کو اپنے عمل سے جلاتے ہیں مگر یہ جوں کی توں ہیں ہمارے کچھ عزیز ایک گاؤں کے رہائشی ہیں وہ جب بھی ہمارے ہاں آتے تو وہ اپنے گاؤں کے اس طرح کے عجیب وغریب قصے کہانیاں سناتے ہیں جن کو سن کر ہم حیران وپریشان ہو جاتے ہیں۔

چند روز پہلے میرا کزن گاؤں سے آیا تو اس نے بتایا کہ آج کل ہمارے گاؤں میں رات کے وقت گلیوں میں ایک بدروح جس کو عرف عام میں چھلاوا کہا جاتا ہے گاؤں کی گلیوں میں اکثر لوگوں کو نظر آتا ہے۔

کبھی وہ بھینس کے روپ میں گلیوں میں دوڑتا ہے اور کبھی بلی کی شکل اختیار کر جاتا ہے ایک روز ماسی تاجاں جن کا گھر جوہڑ کے کنارے واقع ہے۔

گرمیوں کے دن تھے وہ تمام گھر والے اپنے مکان کی چھت پر سو رہے تھے کہ اسے ایک بچے کے رونے کی آواز آئی جب ماسی تاجاں نے چھت پر سے جوہڑ کی طرف دیکھا تو چاند کی چاندنی میں جوہڑ کنارے اسے ایک ننھا منا بچہ روتا دکھائی دیا۔

وہ جلدی سے نیچے اتری جوہڑ پر پہنچی بچے کو چوما چاٹا سینے سے لگایا اور گود میں اٹھائے گھر لے آئی۔

چھت پر لا کر ابھی اسے چارپائی پر لٹا کر اندازہ ہی لگا رہی تھی کہ اس معصوم کو جوہڑ کنارے کون چھوڑ گیا ہے گاؤں کی کس عورت نے یہ جرم سرزد کیا ہے ابھی ماسی تاجاں اپنی انہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ بچہ دیکھتے دیکھتے خرگوش بن گیا اور چھلانگ لگا کر یہ جا وہ جا۔

ماسی تاجاں کی تو چیخیں ہی نکل گئیں ماسی کی چیخیں سن کر اہل خانہ کے علاوہ دوسری چھتوں کے لوگ بھی بیدار ہو گئے اور ماسی کے گھر کی طرف آ گئے۔

اس کی خیریت دریافت کرنے جو ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔

رات کا پچھلا پہر تھا جب ماسی تاجاں کو ہوش آیا تو محلے کے مولوی صاحب آیات پڑھ پڑھ کر پھونک رہے تھے۔

جب ماسی کے ہوش وحواس بحال ہوئے تو اس کے چہرے پر خوف طاری تھا بہت سے لوگ پاس بیٹھے تھے اچانک سامنے والی دیوار پر بلی نمودار ہوئی ماسی کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی تو ماسی کی چیخ نکل گئی اور وہ دوبارہ بے ہوش ہو گئی سب لوگ حیران تھے کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر ماجرہ کیا ہے ماسی نے کیا دیکھا کہ وہ ہوش کھو بیٹھی ہے۔

تین دن تک یہی سلسلہ چلتا رہا کبھی کوئی عامل اور کبھی کوئی آتے رہے زیادہ تر لوگ مختلف قسم کی ڈیمانڈز ہی کرتے رہے کہ یہ چیز لاؤ فلاں چیز لاؤ ایک روز گاؤں میں مولوی فضل اللہ صاحب کسی کے گھر مہمان آئے ہوئے تھے۔

ان کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے گھر والوں کو بولا کہ مجھے تاجاں کے گھر لے چلو آخر دیکھیں تو سہی کہ ماجرہ کیا ہے۔

جب وہ گھر آئے تو تب ماسی تاجاں اپنے ہوش وحواس میں تھی اس نے مولوی صاحب کو سارا واقعہ سنایا۔

مولوی صاحب کے دوبارہ پوچھنے پر ماسی تاجاں نے بتایا کہ ایک دفعہ اس کے خاوند نے بدروحوں کو گالیاں دی تھیں اس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کا خاوند کھیتوں میں کام کر رہا تھا کہ اچانک ہی وہ ڈر کر بھاگنے لگا میں تب اس کے لئے صبح کا ناشتہ لے کر گئی ہوئی تھی۔

میرا خاوند صبح تڑکے گھر سے نکل جاتا اور میں بعد میں اس کے لئے کھانا وغیرہ تیار کر کے لے جاتی تھی۔

اس روز بھی حسب معمول میں ناشتہ لے کر گئی

گرمی کا موسم تھا میں جا کر پیپل کی چھاؤں میں بیٹھ گئی تب میرا خاوند ہل چلا رہا تھا ہل چلاتے چلاتے جب وہ میرے قریب سے گزرا تو میں نے کہا کہ آجاؤ پہلے ناشتہ کرلو۔ باقی کا کام بعد میں کرلینا مگر اس نے مجھے کہا کہ آخری چکر لگا کر آتا ہوں۔

گرمی بہت ہے اگر ایک دفعہ بیٹھ گیا تو دوبارہ کام کرنے کو من نہیں کرے گا میں نے کہا ٹھیک ہے بیل بھی گرمی سے ہانپ رہا تھا اس بے زبان کو بھی پیاس کا احساس ستا رہا تھا۔

چند لمحوں بعد ہی میں نے دیکھا کہ میرا خاوند چیختا چلاتا کھیتوں میں بھاگ رہا ہے اور اس کا بیل اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ۔ابھی یہ بات بتا ہی رہی تھی کہ ماسی تاجاں بے ہوش ہوگئی۔

ہم نے اس کے اوپر پانی کے چھینٹے مارے.....

مولوی صاحب نے آیات پڑھ کر پانی پلایا تو ماسی کو کچھ ہوش آیا۔

پھر ہم نے ماسی کی مکمل بحالی تک آگے کی بات سننے کی کوشش ترک کر کے ماسی کو بولا کہ ماسی اپنے ہاتھ کی لسی تو پلاؤ سنا ہے تمہارے ہاتھ کی لسی بہت مزیدار ہوتی ہے۔

اور اگلے ہی لمحے ماسی بخوشی ہمارے لئے لسی کے پیالے بھر کر لے آئی۔

واقعی میں ماسی کے ہاتھ کی لسی کا اپنا ہی مزہ تھا۔

اور پھر ماسی خود ہی ہمیں بتانے لگی کہ میں حیران اور پریشان ہوگئی کہ بیل کا سائز 2 بیل جتنا ہو چکا ہے اور وہ میرے خاوند کو کاٹنے کو دوڑ رہا ہے۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایسی ٹکر ماری کہ میرا خاوند دوسرا سانس بھی نہ لے پایا اور کئی فٹ دور جا گرا۔

میں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور بے ہوش ہوگئی دوسرے کھیتوں میں موجود لوگوں نے سنا تو وہ بھاگتے ہوئے آئے اور مجھے اور میرے خاوند کی لاش کو گھر پہنچایا۔

حیرانگی والی بات یہ تھی کہ جب لوگ آ کر مجھے ہوش میں لائے تو ہمارا بیل بالکل نارمل حالت میں پسینے میں شرابور کھڑا تھا۔

تب سے مجھے یقین ہے کہ میرے خاوند کو کسی بدروح نے ہی مارا تھا یہ راز آج میں نے آپ کے سامنے کھولا ہے کیونکہ میں اگر کسی کو بتاتی تو بھی تو شاید کوئی یقین نہ کرتا۔

اب جب اتنے سالوں بعد میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے تو میں سب سے زیادہ خوف زدہ ہوں خدا کے لئے مجھے بچا لیجئے مولوی صاحب ورنہ وہ بدروح مجھے بھی مار ڈالے گی۔

میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کو کون سنبھالے گا خدا کے لئے مجھے بچا لیجئے میری جو تھوڑی سی زمین ہے میں وہ بیچ کر آپ کی فیس ادا کر دوں گی مگر مجھے اس ناگہانی آفت سے بچا لیجئے۔

مولوی فضل اللہ ایک خدا ترس انسان تھے انہوں نے ماسی کو سمجھایا کہ آپ بالکل پریشان مت ہوں خدا بہتر کرے گا آپ اپنے اللہ پر بھروسہ رکھیں اور پانچ وقت باقاعدگی سے نماز ادا کیا کریں گے۔

ماسی نے نہایت شرمندگی سے بتایا کہ اس نے ایک عرصہ ہوا کبھی نہ نماز ادا کی ہے اور نہ ہی کبھی قرآن پاک کھولا ہے۔

مولوی صاحب نے ماسی کو راہ راست دکھائی اور جعلی عاملوں سے بچنے کی تلقین کی۔

اور ماسی تاجاں نے قرآن اور نماز کو اپنا معمول بنا لیا اس دن کے بعد سے آج تک کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا ماسی کافی بوڑھی ہو چکی ہے مگر وہ کہتی ہے کہ آج بھی جب ماضی کو یاد کرتی ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔خدا ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔

موت کی سرگوشی

مظہرالحق علوی

قسط نمبر 10

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی جسم و جاں پر کپکپی طاری کرتی اور روح کو دہلا دینے والی کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو تحیر کے سمندر میں غوطہ زن کرکے رکھ دے گی صدیوں بعد ہارر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے تحفۂ خاص

ایک ایسے..... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت..... سے نکل آیا تھا

اور اس نے ایک پاگل کی غضبناکی سے اپنا جام میرے چہرے پر کھینچ مارا دوسرے ہی لمحے ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ ہر شخص اپنی کرسی پر سے اٹھ کر ہماری طرف بھاگا اور چشم زدن میں سارے مہمانوں نے ہمیں گھیر لیا۔

میں سیدھا، پرسکون اور خاموش کھڑا اپنے چہرے اور کپڑوں پر بہتے ہوئے ریلے اپنے رومال سے پونچھ رہا تھا۔ جام میز سے ٹکراتا ہوا فرش پر عین میرے قدموں میں گر کر ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی کرچیاں بکھر گئی تھیں۔

''فیراری! تم نشے میں ہو یا پاگل ہو گئے ہو؟''

کپتان دی حامالی نے جیدو کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''جانتے بھی ہو تم نے کیا حرکت کی؟''

جیدو جال میں پھنسے ہوئے شیر کی سی غضبناکی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ مرگی کا دورہ پڑے ہوئے مریض کی طرح تمتما رہا تھا اور سوج گیا تھا، اس کے ماتھے کی رگیں گرہ دی ہوئی رسیوں کی طرح تیر آئی تھیں اور وہ یوں سانس لے رہا تھا جیسے کہیں دور سے دوڑتا ہوا آیا ہو۔

اور اب اس نے خونی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔

''لعنت ہو تجھ پر۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''خدا کی قسم میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ تیرا دل اور کلیجہ نکال لوں گا۔''

اور اس نے غرا کر مجھ پر چھلانگ لگانی چاہی لیکن مارکیوس دی ایون کورٹ نے اس کا دوسرا بازو پکڑ لیا اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھا۔

''ارے ارے! یہ کیا پاگل پن ہے بھئی!'' اس نے بڑے سکون سے کہا۔ ''ہم نہ تو بدمعاش ہیں اور نہ ہی..... پیشہ ور خونی۔ یہ کیا شیطان سوار ہو گیا ہے تم پر فیراری کہ تم خواہ مخواہ ہمارے میزبان کی توہین پر توہین کئے جا رہے ہو؟''

''یہ خود اس کمینے سے پوچھو۔'' جیدو دہاڑا اور ان دونوں فرانسیسیوں کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگا جو اسے پکڑے ہوئے تھے۔ ''یہ سب کچھ جانتا ہے اور اچھی طرح سے جانتا ہے۔ پوچھو اس سے۔''

اور اب نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ ہر نظر میں ایک ہی سوال تھا۔ لیکن میں خاموش کھڑا ہوا تھا۔

''ہمارے معزز میزبان کو نتے ہر سوال کا جواب

دینے کے لئے بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ چاہے ان کے پاس سوال کا جواب موجود ہی کیوں نہ ہو۔'' کپتان فراسکیا نے کہا۔

''دوستو!'' میں نے کہا۔ ''میں بالکل بھی نہیں جانتا کہ میرے دوست سگنور جیدو فیراری کو یوں ایک دم سے غصہ کیوں آ گیا؟ میں خود حیران ہوں کہ ایسی کیا بات ہوگئی! الا یہ کہ یہ خود اس خاتون کے ہاتھ کے طلب گار ہوں جو میری منگیتر ہے۔ اگر ایسا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی بات ہے تو پھر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ یہ حضرات اپنے متعلق ایک زبردست خوش فہمی اور غلط فہمی میں مبتلا تھے اور ہیں۔''

اور جیدو کا چہرہ ایسا ہوگیا کہ میں نے سمجھا کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے۔

''خوش فہمی! ایں اغلط فہمی!'' وہ لمبی لمبی سانسوں کے درمیان بولا۔ ''سن رہے ہو لوگو اس بدمعاش کی بات؟''

''ارے توبہ توبہ۔'' شیوالیر مانیسنی نے کہا۔ ''اتنی سی بات پر اتنا بڑا ہنگامہ؟ توبہ توبہ فیراری! یہ کیا حماقت ہے؟ ایں؟ اپنے بہترین دوست اور محسن سے جھگڑا کررہے ہو اور وہ بھی ایک عورت کی خاطر جس نے تمہارے بجائے تمہارے دوست کو پسند کیا ہے؟ فیراری! عورتیں تو سیکڑوں مل جاتی ہیں لیکن دوست نہیں ملتے۔''

''اگر۔'' میں نے بدستور اپنے کپڑوں پر سے شراب کے داغ پونچھتے ہوئے کہا۔ ''سگنور فیراری کی یہ غضبناکی محض ناکامی اور مایوسی کا نتیجہ ہے تو میں انہیں معاف کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ نوجوان ہیں، خون میں گرمی ہے اور ضرورت سے زیادہ بیوقوف اور جذباتی ہیں..... چنانچہ یہ مجھ سے معافی مانگ لیں اور میں فراخ دلی سے انہیں معاف کردوں گا۔''

''خدا کی قسم۔'' دیوس دی مرینا نیک ہا۔ ''ایسی کریم النفسی تو نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی۔ مجھے کہنے دیجئے کہ ایسی زبردست توہین برداشت کرنا آپ کی شرافت اور اس کے بعد معاف کردینے کی پیشکش کرنا آپ کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔ کسی بھی انسان میں یہ وصف ہونا بڑی غیر معمولی بات ہے۔''

جیدو کھا جانے والی نظروں سے باری باری سب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شدید غصے سے وہ اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ اس کا چہرہ مردے کے چہرے کی طرح سفید ہورہا تھا۔

اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو دی ایوان کورٹ اور دی حامالی کی گرفت سے چھڑالیا۔

''بیوقوفو! چھوڑدو مجھے۔'' وہ گرجا۔ ''یہ تو میں نے دیکھ لیا کہ تم میں سے کوئی بھی میرا طرف دار نہیں کیونکہ تم نے اس دغاباز کے لقمے کھائے ہیں۔''

وہ آگے بڑھا۔ میز کے قریب آیا، ٹھنڈے پانی سے گلاس بھرا، ایک ہی سانس میں غٹ غٹا گیا۔ اور اب وہ میری طرف گھوم کر میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اس کا سر اوپر اٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں اندرونی کرب اور غصے کی شدت سے بھڑک رہی تھیں۔

''جھوٹے۔'' وہ چیخ کر بولا۔ ''فریبی! دھوکے باز العنتی! تو نے اس کو چھین لیا مجھ سے..... بیوقوف بنایا تو نے مجھے..... لیکن خدا کی قسم! تجھے اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی..... اپنی جان کی صورت میں..... میں تیری جان لے لوں گا۔''

''شوق سے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور اشارے سے اپنے مہمانوں کو خاموش کردیا جو جیدو فیراری کے پاس تازہ جملے پر بھنبھنانے لگے تھے۔ اس کے لئے بھی میں تیار ہوں گا کارو سگنور..... لیکن معاف کرنا سگنور میں اب تک یہ سمجھ نہیں سکا کہ میں نیک ہاں تمہیں فریب دیا اور کس معاملے میں دھوکے بازی کی سگنور فیراری! اس خاتون کے دل میں جو اب میری منگیتر ہے تمہارے لئے نہ تو پہلے کوئی جگہ تھی اور نہ اب ہے اور یہ خود کونٹس رومانی نے مجھ سے کہا ہے۔ اگر انہیں تم سے محبت ہوتی یا ان کے دل میں ذرہ برابر بھی جگہ ہوتی تو میں اپنی شادی کی درخواست واپس لے لیتا اور اب بھی اس کے لئے تیار ہوں۔ اب کہو سگنور فیراری! کہاں اور کس طرح میں نے دھوکا دیا تمہیں؟''

اور یہاں بہت سی آوازوں نے میری بات

کاٹ دی۔

''حیف ہے تم پر۔'' میرے مہمان چلائے۔''

'احسان فراموشی کی بھی حد ہے۔''

''آپ کو شرم آنی چاہئے فیراری۔'' جیالدرو نے کہا۔''خدا کی قسم کونٹ سیزر اولا ویہ بے حد شریف اور رحم دل آدمی ہیں۔ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو کبھی اپنی صفائی میں ایک لفظ تک نہ کہتا اور نہ ہی تمہیں معاف کر کے صلح کرتا۔ خدا کی قسم کبھی نہ کرتا۔''

''میں بھی نہ کرتا۔'' ڈیوک بولا۔

''حد ہوتی ہے برداشت کی بھی۔ میں بھی مرتا مرجاتا لیکن صلح نہ کرتا۔''

''ارے بھائیو!'' سالوستری نے کہا۔''مجھے یقین ہے کہ فیراری معافی مانگ لیں گے۔''

فوراً ہی خاموش چھا گئی۔ ہر شخص جیدو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس خلاف توقع اور فوری جھگڑے نے دعوت کا مزہ کرکرا کر دیا تھا اور سب کا نشہ یوں اتر گیا تھا کہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے بھی نہ اتار سکتے تھے۔

جیدو کے چہرے کا رنگ زیادہ سے زیادہ بدلتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہونٹ بھی جامنی ہوگئے۔

اور پھر وہ ہنسا۔ تلخی اور حقارت سے۔

اور پھر وہ مضبوط اور جمے ہوئے قدموں سے چل کر میرے قریب اور میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقین، غصہ کینہ اور انتقام کی چنگاریاں تھیں۔

اور اب اس نے نیچی مگر بے حد صاف آواز میں کہا۔

''تم کہتے ہو کہ اس کے دل میں تمہارے لئے تو پہلے کوئی نہ جگہ تھی اور نہ اب ہے۔ تم کہتے ہو یہ! ایں تم؟ اور مجھے تم سے معافی مانگنی ہے..... چور! بزدل! دغاباز! یہ لو..... یہ ہے میری معافی۔''

اور اس نے میرے منہ پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ اس نے اپنی انگلی میں جو ہیرے کی انگوٹھی (میرے ہیرے کی انگوٹھی) پہن رکھی تھی۔ اس نے میرے گال کو ڈس لیا اور وہاں سے خون نکل آیا۔

وہاں موجود ہر شخص کے منہ سے غصے کے کلمات نکل گئے۔

اور اب میں مارکیوس دی ایون کورٹ کی طرف گھوم گیا۔

''اس گستاخی کا جواب ایک ہی طرح سے دیا جاسکتا ہے۔'' میں نے بے پروائی اور ٹھنڈے لہجے سے کہا۔''خود سگنور فیراری نے اس کی دعوت دی ہے اور میں ان کی اس مبارزت طلبی کو قبول کرتا ہوں۔ مارکوس! آپ براہ کرم ڈویل کا انتظام کردیں گے؟''

مارکیوس دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر جھک گیا اور بولا۔

''خوشی سے، کونٹ بڑی خوشی سے۔''

ایک لمحہ تک جیدو شعلہ بار نظروں سے چاروں طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

فراسکیا! تم میرے حامی بنو گے؟''

کپتان فراسکیا نے اپنے شانے اچکائے۔

''مجھے تو معاف ہی رکھو۔'' اس نے کہا۔''تم نے بے وجہ کونٹ کو چیلنج کیا ہے اور میرا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ میں ایسے غلط ڈویل میں تمہارا حامی بنوں۔ البتہ اجازت ہو تو میں مارکیوس دی ایون کورٹ کے ساتھ کونٹ کی حمایت میں کھڑے رہنے کو تیار ہوں۔''

مارکیوس نے اس کی یہ درخواست قبول کرلی اور اب وہ دونوں بڑی تندہی سے آپس میں تبادلہ خیال کررہے تھے۔

چنانچہ اب جیدو نے اپنے سابق دوست دی حامالی سے یہی درخواست کی لیکن اس نے بھی اس کا حامی بننے سے صاف انکار کردیا۔ جیدو نے باری باری سب سے درخواست کی اور ہر ایک نے اس کا حامی بننے سے انکار کیا۔

جیدو حیرت سے اور غصے سے اپنے ہونٹ چبانے لگا۔ اس کی خودداری بری طرح سے مجروح ہوگئی تھی اور اس کا غرور ٹوٹ گیا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔

اور تب مارکیوس اس کی طرف بڑھا، اس کے قریب جا کھڑا ہوا اور نیچی آواز میں شاید اسے کوئی مشورہ دینے لگا۔ چند منٹوں تک مارکیوس کچھ کہتا اور جیدو سنتا رہا اور پھر ایک دم سے پلٹا اور پاؤں پٹختا اور تیز تیز چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

عین اس وقت میں نے ونسانزو کے ہاتھ پر آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ میرا وفادار خادم اس تمام عرصے میں میرے حکم کے مطابق خاموش لیکن حیرت زدہ تماشائی بنا کھڑا ہوا تھا۔

''ونسانزو!'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''اس شخص کا پیچھا کرو لیکن خیال رہے اس کو پتہ نہ چلے۔''

اور اس نے میرے اس حکم کی ایسی فوری تعمیل کی کہ جیدو کے کمرے سے نکلنے کے بعد دروازہ پوری طرح سے بند بھی نہ ہوا تھا کہ ونسانزو بھی کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔

اب مارکیوس دی ایون کورٹ میرے قریب آیا۔

''کونٹ!'' اس نے کہا۔ ''آپ کا حریف اپنے دو حامیوں کی تلاش میں گیا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ خود آپ نے دیکھا کہ یہاں کوئی بھی اس کا حامی بننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بہت بری بات ہوئی ہے یہ تو۔''

''ہاں۔ بہت ہی بری۔'' دی حامالی نے سر ہلایا۔

''مجھے تو حیرت اس پر ہے کہ ہمارے معزز میزبان نے اپنی ایسی توہین کس طرح برداشت کر لی۔'' ڈیوک دی مرینا نے کہا۔ ''پلاٹائیں ٹائیں کر رہا تھا اور آپ خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ آپ کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اسی وقت اس احسان فراموش کی گردن مروڑ دیتا۔''

دوسروں نے بھی ایسے ہی الفاظ کہے اور وہ سب کے سب یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ پوری طرح سے میرے حامی اور طرف دار تھے۔

میں بہر حال خاموش تھا۔ میں اپنے منصوبے کی کامیابی پر اندر ہی اندر خوش تھا لیکن اپنی یہ خوشی اپنے مہمانوں پر ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان میں سے کسی کو شک بھی ہو جائے کہ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ میری طرف سے اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا تھا۔

مارکیوس ایک بار پھر مخاطب کر رہا تھا۔

''آپ کا حریف دو حمایتی کو لے کر یہیں آئے گا۔'' اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس عرصے میں ہم نے یعنی میں نے فراسکیا نے چند ابتدائی انتظامات کرنے ہیں۔ اس وقت آدھی رات ہو رہی ہے۔ چنانچہ ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ یہ معاملہ صبح ٹھیک چھ بجے انجام پا جائے۔ آپ کو منظور ہے؟''

رضامندی کے طور پر میں کمر میں سے ذرا جھک گیا۔

''چونکہ توہین شدہ فریق آپ ہیں۔ اس لئے مقابلے کے ہتھیاروں کے انتخاب کا حق آپ کو حاصل ہے۔ چنانچہ.....''

''پستول۔'' میں نے فوراً کہا۔

''اچھی بات ہے۔ اب مقابلے کے لئے میدان کا انتخاب رہ جاتا ہے۔ ہم نے اس میدان کو پسند کیا ہے جو اس ٹیلے کے عقب میں ہے جو کالے جرلاندے کے بائیں طرف ہے۔ یہ مختصر سا ہموار میدان اس ٹیلے اور ویلا رومانی کے درمیان ہے اور ہمارے خیال میں ڈویل کے لئے بے حد مناسب ہے۔ کیونکہ وہ جگہ الگ تھلگ ہے اور عام راستے سے ہٹ کر ہے۔ چنانچہ کسی کے مخل ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔''

میں ایک بار پھر رضامندی ظاہر کرنے کے لئے کمر میں جھک گیا۔

''تو پھر اب معاملہ یوں ہے۔'' مارکیوس نے کہا۔ ''مقابلہ صبح چھ بجے..... مقابلے کے ہتھیار پستول..... رہا یہ سوال کہ وار کتنے دور سے کیا جائے گا تو یہ حریف کے دونوں حامیوں کے آنے کے بعد طے کیا جائے گا۔''

میں نے اس انتظار پر اپنی رضامندی اور اطمینان کا اعلان کیا اور اپنے ہر دلعزیز نائبوں سے ہاتھ ملائے۔

اور اب میں نے اپنے بقیہ مہمانوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر پریشانی لیکن ہونٹوں پر

مسکراہٹ تھی۔

''دوستو! میں نے کہا۔''ہماری یہ دعوت بڑی ناخوشگوار اور گویا ایک طوفان میں ختم ہوئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ اس ایک ہنگامے نے مجھے اس وقت آپ سے رخصت ہونے پر مجبور کردیا ہے۔ بہرحال آپ نے اپنی جس دوستی اور خلوص کا ثبوت دیا ہے اس کے لئے آپ تمام حضرات میرا شکریہ قبول فرمائیں۔ اور میں آپ حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ نے یہاں آکر عزت افزائی فرمائی۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہماری آخری صحبت ہے اور میری طرف سے آخری دعوت لیکن اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہے تو پھر میں آپ کی اور آپ کی صحبت کی خوشگوار یادیں اپنے ساتھ دوسری دنیا میں لے جاؤں گا۔ لیکن اگر میں صبح کے مقابلے میں بچ گیا تو پھر میں امید کرتا ہوں کہ ہماری ملاقات ایک ار پھر میری شادی کے دن ہوگی اور اس وقت کوئی ناخوشگوار واقعہ اور کوئی ہنگامہ نہ ہوگا جو ہماری خوشیوں کو ملیامیٹ کردے۔ بہرحال اس وقت میں آپ حضرات سے اجازت چاہتا ہوں۔ شب بخیر۔''

اور وہ لوگ میرے چاروں طرف امنڈ آئے اور گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کرکے مجھے یقین دلایا کہ اس جھگڑے میں ان کی تمام تر ہمدردیاں میرے ساتھ ہیں۔ ڈیوک نے خصوصیت سے بڑے خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اپنے وقار اور صلح کن فطرت کے باوجود اگر دوسروں نے انکار کردیا ہوتا تو وہ خود بطور ''حامی'' اپنی خدمات پیش کردیتا۔

''آخرکار میں ان لوگوں سے اپنا پیچھا چھڑا کر اپنے کمرے کی خموشی اور تنہائی میں پہنچ گیا اور وہاں میں کوئی ایک گھنٹے تک اکیلا بیٹھا ونسانزو کا انتظار کرتا رہا۔ جسے میں نے جیدو کے پیچھے روانہ کیا تھا۔

میں نیاپنے مہمانوں کے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ ایک ایک اور دو دو کرکے رخصت ہورہے تھے۔ میں نے مارکیوس اور فراسکیا کی آوازیں سنیں جو کافی کا آرڈر دے رہے تھے کہ کافی ''پرائیویٹ'' کمرے میں لائی جائے جہاں بیٹھ کر دوسرے وہ ''حامیوں'' کا انتظار کرنے والے تھے۔ اور میں نے ویٹروں کی آوازیں سنیں جو میز پر سے قابیں اور طشتریاں اٹھائے ہوئے اس زبردست دعوت اور جھگڑے کے متعلق رائے زنی کررہے تھے۔ اور سوائے میرے کوئی نہ جانتا تھا کہ آج کی زبردست اور شاہانہ دعوت میں مہمانوں کے ساتھ موت بیٹھی ہوئی تھی۔

میز پر تیرہ مہمان جن میں سے ایک غدار تھا اور ایک کو بہرحال مرنا تھا اور یہ میں صرف میں جانتا تھا۔ آنے والے مقابلے کے سلسلے میں میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ شکست ابھی میرے لئے نہ تھی۔ میرا وقت ابھی نہ آیا تھا اور اس کا مجھے یقین تھا۔ مقدر گھڑنے والے کائنات کے تمام عناصر، ساری قوتیں میری مدد کریں گی کہ میں زندہ رہوں۔ کیونکہ اس واقعہ کے بعد بھی میرا انتقام پورا نہ ہوگا۔ بے شک قدرت مجھے اس وقت تک زندہ رکھے گی جب تک میرا انتقام پورا نہیں ہوجاتا۔

اور میں نے سوچا کہ اس وقت جیدو کے دل میں کرب و اذیت کی کتنی ہی سلاخیں پیوست ہوں گی جب میں نے کہا کہ نینا اسے نہیں چاہتی تو اس کا منہ کیسا لٹک گیا تھا...... بے چارہ جیدو اس کے روحانی کرب کا خیال کرکے بے شک میں خوش ہورہا تھا لیکن ساتھ ہی مجھے اس پر ترس بھی آرہا تھا۔ اب جیدو اس عذاب میں مبتلا تھا جس میں خود میں مبتلا رہا تھا۔ اسے بیوقوف بنایا گیا تھا جس طرح مجھے بنایا گیا تھا۔ اسے دھوکا دیا گیا جس طرح مجھے دیا گیا تھا اور اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ، اس کے ماتھے پر کا ہر بل اور اس کے پورے جسم کی تخصیلی اور ازیت ناک تھرتھری میرے دل کو خوشی اور اطمینان سے پر کردیتی تھی۔ اب اس کی زندگی کا ہر لمحہ درد کی ایک ٹیس تھا اور ہر ٹیس اسے تڑپا رہی تھی۔ بہرحال اسے جلد ہی اس اذیت سے چھٹکارا مل جائے گا۔ کم سے کم اس حد تک تو میں اس کے حق میں رحم دل تھا۔

☆.....☆.....☆

اور اب میں نے کاغذ اور قلم اٹھایا اور جنرل گوری ہدایتیں لکھنے بیٹھ گیا۔ مبادا مقابلے کا فیصلہ میرے حق میں نہ ہو۔ میں نے جو کچھ لکھا وہ بے حد مختصر مگر جامع تھا اور جب میں لکھ رہا تھا تو جانتا تھا کہ ان ہدایتوں کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اس کے باوجود رسماً لکھا کہ سندر ہے۔ پھر میں نے اس دستاویز کو لفافے میں بند کر کے اس پر سربمہر کر کے لفافے پر میں نے ڈیوک دی مرینا کا پتہ لکھا۔

میں نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کا ایک بج چکا تھا اور ونسانزو اب تک واپس نہ آیا تھا میں اٹھ کر کھڑکی کے قریب پہنچا اور پردہ ہٹا کر نیچے پھیلے ہوئے پرسکون منظر کو دیکھنے لگا۔

چاند ہنوز نصف آسمان میں اور پوری طرح روشن تھا اور اس کی چاندنی میں خلیج نیپلز کا پانی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاندی کی ہزاروں زنجیروں سے بنی ہوئی ذرہ بچھادی گئی ہو۔ قریب و دور لنگر انداز جہازوں اور کشتیوں کے درمیان مستولوں پر جلتی ہوئی سرخ لالٹین ٹوٹے ہوئے اور بجھتے ہوئے تاروں کی طرح دکھائی دیتی تھیں اور چاروں طرف بوجھل اور غیر قدرتی سا سکوت طاری تھا اور یہ سکوت میرا دم گھونٹنے لگا اور میں نے گھبرا کر کھڑکی پوری طرح سے کھول دی کہ کھلی اور تازہ ہوا لے سکوں۔

اور پھر گھنٹوں کی آواز آئی اب لوگ خاموش قدموں سے آنے جانے لگے تھے اور چند رک کر آپس میں باتیں کر رہے تھے اور میں نے اپنے دل میں ایک ٹیس محسوس کر کے سوچا کہ رات ختم ہو رہی تھی اور قسمت کا فیصلہ کر دینے والا دن بس اب طلوع ہونے والا تھا۔

ہر چند کہ ابھی پو پھٹی نہ تھی لیکن رات گزر چکی تھی۔۔

اور وہ کرسمس کی صبح تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو میں اپنے خیالات سے چونکا اور گھوم کر دیکھا کہ ونسانزو اپنی ہیٹ ہاتھ میں لئے سامنے کھڑا ہوا تھا وہ ابھی ابھی آیا تھا۔

''ایبا نے!'' میں نے بشاشت سے کہا۔ ''کہو! کیا خبر لائے؟''

حضور کے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ سگنور فیراری اب اپنے اسٹوڈیو میں ہیں۔''

''اور تم لوٹے تو وہ وہیں تھے؟''

''جی حضور!''

اور پھر ونسانزو اپنے کارنامے کی تفصیلات بیان کرنے لگا۔ میری دعوت سے رخصت ہونے کے بعد جیدو نے ایک کرائے کی بگھی حاصل کی اور سیدھے ویلا رومانی کا رخ کیا۔ ونسانزو پیچھے ہی لگا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ بھی چپکے سے چپکے سے بگھی کے عقبی پلیٹ فارم پر بیٹھ گیا اور وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ ویلا رومانی کی طرف جا رہا تھا اور جیدو کے فرشتوں کو بھی اس کا پتہ نہ تھا۔

''وہاں پہنچ کر انہوں نے بگھی کو رخصت کر دیا۔'' ونسانزو نے اپنی داستان جاری رکھی۔ ''اور سخت جھنجھلاہٹ اور غصے میں چھ سات دفعہ دروازے پر کی گھنٹی بجائی کسی نے کوئی جواب نہ دیا میں جھاڑیوں اور رخنوں میں چھپا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ویلا کی کھڑکیاں روشن نہ تھیں۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ سگنور فیراری نے پھر گھنٹی بجائی اور کواڑ یوں دھڑ دھڑائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ توڑ ہی ڈالیں گے۔

''آخر کار بجارا جیا کو مونصف اور ناکافی لباس میں ملبوس ہاتھ میں لالٹین لئے آیا۔ وہ بے حد خوفزدہ تھا اور اس بری طرح کانپ رہا تھا کہ لالٹین مقبرے پر جلتی ہوئی۔ ''مردہ موم بتی'' کی طرح اوپر نیچے ہو رہیت تھی۔

''مجھے کونتس سے ملنا ہے، اسی وقت۔'' سگنور فیراری نے کہا۔ غریب جیا کو موالو کی طرح آنکھیں جھپکنے لگا اور پھر وہ یوں کھانسا جیسے خود شیطان اس کے پیٹ میں بیٹھا اس کا حلق کھرچ رہا ہو۔

''کونتس!'' وہ بولا۔ ''وہ تو چلی گئیں۔''

اور سگنور بجارے جیا کو موپر دیوانے کی طرح ٹوٹ پڑے اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر یون

جھنجھوڑا جیسے وہ انسان نہیں آٹے کا خالی تھیلا ہو۔

''چلی گئیں!'' سگنور پاگلوں کی طرح چلائے۔

''کہاں؟ کہاں گئیں؟ بیوقوف! گدھے! بتاؤ ورنہ میں تیری گردن مروڑ دوں گا۔''

ونسانزو نے کہا۔ ''آپ کے حکم کا پاس نہ ہوتا تو میں جیاکومو کو بچانے دوڑ پڑا ہوتا۔''

پھر اس نے اپنی داستان کا سلسلہ جاری رکھا۔

''جیاکومو کو سگنور نے اس بری طرح اور ایسی بے دردی سے ہلا ڈالا تھا کہ بڈھا بے دم ہو گیا تھا چنانچہ اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ ''میں۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ فوراً بتا رہا ہوں سگنور۔ کونٹس کا نوینٹ میں ہیں۔''

''کون سے کانوینٹ میں؟'' سگنور چیخے۔

''کانوینتھ ویل آن ون زیتا میں جو یہاں سے دس میل دور ہے۔ خدا گواہ ہے کہ یہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ دو دن ہوئے انہیں یہاں سے رخصت ہوئے۔''

اس پر سگنور فیراری نے جیاکومو کو دھکیل دیا۔ دھکیل کیا دیا باقاعدہ اٹھا کر پٹخ دیا اور وہ دہلیز پر یوں ڈھیر ہو کر گرا کہ لالٹین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ گئی۔ وہ غریب اس بری طرح کراہنے لگا کہ سگندل ڈاکو کو بھی اس پر رحم آ جائے لیکن سگنور پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ میں سمجھتا ہوں، سرکار، وہ اپنے آپ میں نہ رہے تھے۔

''جاسو جا جا کر'' سگنور دہاڑے۔ ''اور سوتا رہ قیامت تک حرام زادے اور جب تو اپنی مالکن سے ملے تو کہہ دینا اس سے کہ میں اس رنڈی کو قتل کرنے ایا تھا۔ خدا کا قہر نازل ہو اس گھر پر اور اس میں رہنے والوں پر۔''

اور یہ کہہ کر وہ وہاں سے یوں دوزخ سے نکلی ہوئی چمگادڑ کی طرح بھاگے کہ ان کا پیچھا کرنے میں مجھے ذرا مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ سڑک پر پہنچ کر وہ ذرا لڑکھڑانے لگے اور پھر جھومنے لگے اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔''

ونسانزو خاموش ہو گیا۔

''اچھا! پھر کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''حضور! اب ظاہر ہے کہ میں انہیں وہیں بیہوش پڑے چھوڑ کر جا نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا لبادہ اوپر تک، اپنے منہ تک کھینچ لیا اور ہیٹ آگے کی طرف اور آنکھوں پر جھکا لیا کہ سگنور مجھے پہچان نہ سکیں۔ پھر قریب کے فوارے کے حوض سے چلو میں پانی لیا اور سگنور کے چہرے پر چھینٹے دیئے جلد ہی انہیں ہوش آ گیا اور مجھے راہگیر سمجھ کر میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ انہیں یکایک چکر آ گئے یا جانے کا کی ہوا اور پھر انہوں نے اٹھ کر فوارے سے غٹاغٹ پانی پیا اور اپنی راہ لی۔

''جی ہاں حضور۔ چند قدم کے فاصلے سے وہ شہر کے ایک واہیات اور بدنام علاقے میں پہنچے۔ ایک سستے شراب خانے میں داخل ہوئے اور چند ثانیوں بعد دو آدمیوں کے ساتھ باہر ائے۔ انہوں نے اچھا لباس پہن رکھا تھا اور وہ لوگ کسی اچھے خاندان کے فرد معلوم ہوتے تھے جنہیں مفلسی اور بری صحبت نے بگاڑ دیا ہو۔

سگنور کچھ دیر تک ان دونوں سے بڑے جوش اور بے تابی کے عالم میں باتیں کرتے رہے۔ میں سن نہ سکا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ البتہ آخر میں پتہ چلا کہ ان دونوں نے سگنور فیراری کا حامی بن کر آنا منظور کر لیا تھا اور پھر وہ اس ہوٹل کے لئے فوراً روانہ ہو گئے۔ میرا مطلب ہے وہ دونوں حامی اور صاحب وہ دونوں یہاں پہنچ گئے ہیں۔ کیونکہ یہاں آپ کے کمرے کی طرف آتے وقت میں نے ادھ کھلے دروازے میں سے ان دونوں کو مارکیوں دی ایون کورٹ سے باتیں کرتے دیکھا ہے۔''

''اچھا'' میں نے کہا۔ ''سگنور فیراری جب وہاں اکیلے رہ گئے تو کیا ہوا؟''

''اب کچھ زیادہ کہنے کو نہیں رہ جاتا حضور۔ وہ بھی پلٹ کر اس ٹیلے کی طرف چل دیئے جس پر ان کا اسٹوڈیو ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کمر میں سے جھکے اور سر جھکا کر ایک بوڑھے اور کمزور آدمی کی طرح ڈھلان چڑھ رہے تھے۔ چلتے چلتے وہ یکدفعہ رک گئے۔ اپنا گھونسا ہوا میں ہلایا جیسے کسی کو دھمکی دے رہے یا للکار

رہے ہوں۔ انہوں نے اپنی نجی کنجی سے اسٹوڈیو کا دروازہ کھولا اور اندر چلے گئے اور پھر میں نے انہیں نہ دیکھا اور میں نے سوچا کہ وہ دیر تک باہر نہ آئیں گے۔ چنانچہ میں یہاں آنے کے لئے پلٹا اور حضور! اس وقت میں نے بلک بلک کر رونے کی آواز سنی۔

''بس یا اور کچھ ونسانزو؟''

''بس حضور..... اور کچھ نہیں۔''

میں خاموش تھا اور میرا سر جھکا ہوا تھا۔ ونسانزو کے اس سیدھے اور سپاٹ بیان میں کوئی خاص بات تھی جس نے میرے دل پر خاص اثر کیا ہو۔ لیکن میں بظاہر خاموش اور بے حس سا بیٹھا رہا۔ چند منٹوں کی خاموشی کے بعد میں نے کہا۔

''ونسانزو! تم نے بڑی عمدہ خدمت انجام دی ہے۔ خود تم نے دیکھا کہ اس مغرور شخص جیدو فیراری نے میری کس قدر بے عزتی کی ہے۔ اس کا بدلہ لینے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ڈویل اور اس کا انتظام ہو چکا ہے۔ اب تم وہ پستول لے آؤ جو تم نے صاف کئے ہیں۔''

ونسانزو نے میرے اس حکم کی تعمیل کی۔ لیکن جب وہ پستولوں کا وزنی بکس میز پر رکھ رہا تھا تو اس نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔

''لیکن حضور شاید بھول گئے ہیں کہ آج کرسمس کا تہوار ہے۔''

''نہیں۔ مجھے یاد ہے۔''

اس نے میری ہمت توڑنے نہیں بلکہ مجھے اس ڈویل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''یہاں واپس آتے ہوئے میں نے اس دیو نکولاس کو دیکھا تھا۔ حضور نے بھی اسے اکثر دیکھا ہوگا۔ ارے وہی انگوروں کا شکار جو نیپلز کا سب سے تگڑا اور مضبوط آدمی ہے اور جس نے ابھی تین مہینے پہلے اپنے بھائی کی تقریباً جان لے ہی لی تھی۔

''تو کیا ہوا اس نکولاس کا؟''

''آج رات وہ اپنے اسی بھائی کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا اور جب میں وہاں سے گزرا تو ان دونوں بھائیوں نے مجھ پر آواز کسے اور کہا۔ ''ونسانزو فلاما! ہمارے درمیان صلح صفائی ہے کیونکہ آج ہمارا یسوع مسیح پیدا ہوا تھا.....''

ونسانزو خاموش ہو گیا اور پر امید نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ ''ونسانزو!'' میں نے کہا۔ ''اس دیو نکولاس اور اس کے بھائی کا مجھ سے کیا واسطہ؟''

میرا خادم ہچکچانے لگا، اس نے اوپر دیکھا، نظریں جھکالیں، پھر اوپر دیکھا اور آخر کار کہا۔

''یسوع مسیح اور تمہا اولیا اور بزرگ حضور کی حفاظت کریں۔'' میں سنجیدگی سے مسکرایا۔

''شکریہ میرے دوست۔'' میں نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں خہ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ لیکن تم فکر مت کرو۔ اچھا تو اب میں سوتا ہوں۔ پانچ ایک بجے تک سو رہوں گا اور اب تم بھی جا کر سو رہو۔ پانچ بجے میرے لئے کافی لے آنا گرما گرم۔''

اور میں اس کی طرف دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرایا اور اپنی خواب گاہ میں آ گیا اور لباس تبدیل کئے بغیر صحیح معنوں میں اپنے آپ کو بستر پر ڈال دیا۔ نیند کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ خیالات دماغ میں ہجوم کر آئے تھے۔ اور جو کچھ ہوا تھا میرے ساتھ میں اس پر غور کر رہا تھا۔

میں جیدو کی حالت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اس وقت وہ جس کرب و اذیت سے گزر رہا تھا کیا میں نے بھی اتنی اذیت برداشت نہ کی تھی؟ بلکہ میں نے تو اس سے زیادہ برداشت کی تھی۔ کیونکہ جیدو کو بہر حال زندہ دفن ہ کیا جائے گا۔ کیونکہ میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ وہ اپنا تابوت تو کر اپنے مقبرے سے باہر نہ آئے گا اور باہر آنے کے بعد یہ نہ دیکھے گا کہ اس کے اور اس کے خاندان کی عزت پر بٹہ لگا دیا گیا اور یہ کہ اس کی خالی جگہ ایک غاصب نے حاصل کر لی ہے۔ میں کچھ بھی کروں اسے اتنی عقوبت نہیں دے سکتا۔ جتنی میں نے برداشت کی ہے یا یوں کہو کہ جتنی مجھے دی گئی ہے۔ سچ مچ یہ تو بڑی دکھ کیب ات ہے کہ اس کی موت ایسی فوری، بے تکیف کی اور آسان ہوگی۔ وہ تو اس سے زیادہ کا مستحق ہے۔

اسے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہئے۔ اس حد تک کہ وہ موت کی بھیک مانگے لیکن اسے موت نہ ملے۔ یہ موت تو اس کے لئے بڑی ہی اچھی ہوگی۔

میں نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اسے روشنی کی طرف کر کے دیکھنے لگا کہ وہ کانپ تو نہیں رہا؟ نہیں وہ نامعلوم طور پر بھی نہ کانپ رہا تھا۔ اور مجھے یقین ہوگیا کہ میرا نشانہ خطا نہ کرے گا۔

میں ٹھیک اس کے دل پر گولی نہ ماروں گا۔ میں نے سوچا بلکہ اس نے ذرا اوپر۔ جوش اور غصہ میں بھی مجھے ایک بات یاد رکھنی ہے۔ میں چاہتا ہوں اور یہ ضروری ہے کہ مرنے سے پہلے وہ مجھے پہچانے۔ جان لے کہ میں کون ہوں۔ یہ آخری نشتر تھا جو میں نے اس آخری وقت کے لئے بچا رکھا تھا۔

وہ بھیانک خواب جنہوں نے مجھے اس وقت پریشان کیا تھا۔ جب میں وبا کی لپیٹ میں آ گیا تھا اور نیک پادری نے مجھے سرائے کی بنچ پر لٹا دیا تھا۔ وہی وحشت ناک خواب مجھے اب دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے وہ دبلی پتلی شبیہہ یاد آئی جو جیدو سے مشابہ تھی اور جو ایک ریڈ انڈین ڈونگے میں تیرتے ہوئے آئی تھی اور اس نے خنجر مے میرے سینے میں اتار دیا تھا اور اس طرح اس نے متواتر تین دفعہ مجھ پر وار کئے تھے۔

کیا یہ خواب سچ نہیں ہوا تھا؟

کیا جیدو نے مجھ پر تین وار نہیں کئے تھے؟

پہلا یہ کہ اس نے میری بیوی کا پیار چرایا۔

دوسرا اس صورت میں کہ اس نے میری پیاری مرحوم بچی سے نفرت کا اظہار کیا۔

اور تیسرا یہ کہ میرے نام پر کیچڑ اچھالا۔

اس کے بعد بھی میرے دل میں رحم اور درگزر کا یہ جذبہ کیوں آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا؟ لیکن اب رحم کرنے اور معاف کر دینے کا وقت گزر چکا تھا یہ احمقانہ جذبہ ہماری ان جوانی کی یادوں کی پیداوار تھا۔ جن کا ذکر جیدو نے کیا تھا۔ لیکن ان دنوں کی پروا جیدو کو ذرا بھی نہ تھی۔ یہ ذکر تو اس نے یونہی ضمناً کر دیا تھا۔

میرا خیال ہے کہ یوں سوچتے سوچتے میں اونگھنے لگا اور پھر رفتہ رفتہ گہری اور پرسکون اور فرحت بخش نیند کی وادی میں کھسک گیا۔ میں نہیں جانتا کہ کب تک سوتا رہا اور کب تک سوتا رہتا کہ دروازے پر دستک دیئے جانے کی آواز نے مجھے بیدار کر دیا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ونسانزو میرے لئے گرم گرم کافی لئے اندر آ گیا۔

''ارے اتنی دیر ہوگئی؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''پونے پانچ بج گئے۔'' ونسانزو نے جواب دیا اور پھر حیرت سے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''حضور شام کا لباس تبدیل نہ کریں گے؟'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اور جب میں کافی سڑپ رہا تھا تو میرا وفادار خادم میرا ٹویڈ کا وہ سوٹ نکال کر بستر پر رکھ رہا تھا جو میں روزانہ پہنتا تھا۔

پھر وہ چلا گیا اور میں نے جلدی سے لباس تبدیل کیا اور لباس تبدیل کرتے وقت صورت حال پر غور کر رہا تھا جب میں فابیو رومانی تھا تو مارکیوس دی ایون کورٹ اور نہ ہی کپتان فراسکیا مجھ سے ذاتی طور پر واقف تھے اور میرا خیال ہے کہ جیدو کے دونوں ساتھی، جو اب اس کے حامی بنے تھے، مجھے جانتے ہوں گے اس کا امکان تھا ہی نہیں۔ مقام مقابلہ پر ایک ڈاکٹر موجود ہوگا اور وہ بھی اجنبی ہی ہوگا۔

ان باتوں کے پیش نظر میں یہ ایک دلیرانہ فیصلہ کیا۔

اور وہ یہ کہ..... میدان مقابلہ میں جب میں جیدو کی طرف گھوم جاؤں گا تو اپنی سیاہ عینک اتار کر اس کے روبرو کھڑا ہوں گا۔ یعنی عینک بالکل ہی الگ کر دوں گا۔ اپنے چہرے سے اور میں سوچنے لگا کہ تب جیدو پر کیا اثر ہوگا۔

اس عینک کے بغیر وہ سے بھی کافی بدل گیا تھا۔ میری سفید داڑھی اور سفید بالوں نے میری شکل بدل ہی

دی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ میری آنکھوں اور ان کی چمک میں کوئی بے حد مانوس چیز تھی جو ہراس شخص کو چونکا سکتی تھی جو پچھلی زندگی میں جب میں فابیو رومانی تھا۔ مجھے جانتا ہو یا مجھے ایک دفعہ دیکھا ہو۔ رہے میرے حامی تو انہیں یہ بات عجیب یا خلاف فطرت معلوم نہ ہوگی بلکہ قدرتی معلوم ہوگی کہ میں نے اپنی عینک اس لئے اتار لی ہے کہ نشانہ لینے میں مجھے دقت نہ ہو۔ چنانچہ صرف جیدو ہوگا جو مجھے بغیر عینک کے دیکھ کر بدحواس ہوجائے گا۔

میں جتنا زیادہ اس پر غور کررہا تھا اتنا ہی زیادہ میرا ارادہ پختہ ہوتا جارہا تھا۔

میں لباس تبدیل کر ہی چکا تھا کہ ونسانزو میرا اوورکوٹ لے کر آ گیا اور بتایا کہ مارکیوس آ گئے ہیں اور یہ کہ ایک بند بگھی ہوٹل کے دروازے پر تیار کھڑی ہے۔

''حضور مجھے اپنے ساتھ لے چلنے کی اجازت دیں۔'' وفادار ونسانزو گڑگڑایا۔ ''ٹھیک ہے تو چلو۔'' میں نے بشاشت سے کہا۔ ''اگر مارکیوس کو کوئی اعتراض نہ ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس کا وعدہ کرنا ہوگا کہ وہاں کچھ بھی ہو تم حیرت کے کلمات سے اس کارروائی میں خلل نہ ڈالو گے۔''

ونسانزو نے بلا جھجک اور فوراً وعدہ کرلیا اور جب میں مارکیوس کے پاس پہنچا ہوں تو ونسانزو میرے عین پیچھے ہی تھا اور اس نے میرے پستولوں کا بکس اٹھا رکھا تھا۔

''اس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟'' مارکیوس نے پوچھا۔

''موت تک۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔ ''اگر اسے میرے زخموں کی مرہم پٹی کرنے کی اجازت نہ دی گئی تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

اور میں نے مارکیوس اور فراسکیا سے مصافحہ کیا۔ جب ہم بگھی میں بیٹھ گئے تو کپتان فراسکیا نے کہا۔

''آپ تو بہت خوش معلوم ہوتے ہیں کونتے اور یہ تو حقیقت ہے کہ جو حق پر ہوتا ہے اسے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سگنور فیراری اتنے خوش اور بے فکر نہیں ہیں۔''

اور اس نے مجھے سگار پیش کیا جو میں نے شکریے کے ساتھ قبول کرلیا۔ ہم روانہ ہی ہونے والے تھے کہ ہوٹل کا مالک بھاگا ہوا آیا اور بگھی کا دروازہ پکڑ کر بے حد رازدارانہ سرگوشی میں بولا۔

''بلاشبہ یہ کافی اور گلوریاس کا ہی معاملہ ہے۔ ہے نا؟ جب آپ واپس آئیں گے تو یہ چیزیں تیار ہوں گی میں جانتا ہوں بندہ پرور...... میں سمجھتا ہوں سرکار...... آپ فکر نہ کریں۔''

اور وہ مسکرایا اور اس نے کئی دفعہ سر ہلایا اور اپنی شہادت کی انگلی واقف کارانہ انداز میں اپنی ناک پر رکھی۔

ہم سب ہنس پڑے اور اسے یقین دلایا کہ اس کی سمجھ بوجھ اور دور اندیشی حیرت انگیز ہے اور جب ہماری بگھی روانہ ہوئی تو وہ ہوٹل کے زینے کی آخری سیڑھی پر اپنے آپ سے مطمئن خوش کھڑا ہوا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ڈویل کو کوئی اہم معاملہ نہیں سمجھتے۔'' میں نے کہا۔

''سچ کہا۔'' فراسکیا نیک ہا۔ ''سگنور فیراری نے اب تک صرف نمائشی لڑائیوں میں ہی حصہ لیا ہے۔ چنانچہ حقیقی لڑائی کی اہمیت اور خطرے کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ دی ایون کورٹ نے بھی ایسی نمائشی لڑائیاں لڑی ہیں اور ہر مقابلے میں انہوں نے حریف کو مار دیا ہے۔ اکثر و بیشتر ایسے مقابلوں میں، تلوار کی نوک سے خراش لگا کر تھوڑا سا خون نکال دیتے ہیں اور یوں عزت وتوقیر کی تسکین ہوجاتی ہے اور اس کے بعد کافی اور گلوریاس لایا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے دوست ہوٹل کے مالک نے ہمارے لئے تیار رکھنے کو کہا ہے۔''

''اور یہ جو سگنور فیراری کے حامی بنے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ دونوں کون ہیں؟''

''ان میں سے ایک کا نام کپتان ٹیاباق ہے اور دوسرا شیوالیر دوسی ہے۔'' فراسکیا نے بے تعلقی سے کہا۔ ''دونوں ہی ہری چگ، ابن الوقت اور شراب کے رسیا بلکہ عادی شرابی ہیں لوگوں کی خوشامدیں کرکے اپنا الو

سیدھا کرتے ہیں۔تعریفیں کرکے اور ''ایسی توہین کا بدلہ خون ہی ہوسکتا ہے۔'' اسی قسم کی باتیں کرکے انہوں نے فیراری کو بانس پر چڑھادیا ہوگا۔''

اتنا کہہ کر وہ اپنا سگار پھونکنے لگا اور اس کے بعد ہم تینوں خاموش اور اپنے اپنے خیال میں گم رہے۔

میرے دماغ میں تو الٹے سیدھے خیالات غول بیابانی کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور میں نے اپنے جسم میں ہلکی سی کپکپی محسوس کیا ور کپکپی اس لئے نہ تھی کہ صبح کی ہوا میں ٹھنڈک تھی بلکہ مجھے یہ خیال آیا تھا کہ میں اس آدمی کی جان لینے جارہا ہوں جس کو میں نے دل وجان سے چاہا تھا۔ جی ہاں مجھے لرزہ خیز حد تک یقین تھا کہ میں جیدو کو اس دنیا سے چلتا کردوں گا۔ میں نے سوچا کہ کی اس بات کا ذرا بھی امکان نہیں ہے کہ جیدو مجھے قتل کردے؟ نہیں میری نہ صرف تمام حسیں بلکہ چھٹی حس بھی یقین دلا رہی تھی کہ اس کا ذرہ برابر بھی امکان نہ تھا۔

میں نے اپنے دل میں ایک ٹیس سی محسوس کی اور ساتھ ہی مجھے اس خوب صورت آنکھوں والی ناگن کا خیال آیا جو اس سارے فساد کی جڑ تھی اور اس کے خلاف میرے جھڑکتے ہوئے غصے میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ وہاں کا نوینٹ کی مقدس فضا میں اور کسی کمرے کے حجرے میں وہ بے فکری کی اور پرسکون نیند سو رہی ہوگی۔ اس وقت اور یہاں اس کا شوہر اور اس کا یار ملک الموت کو بلا رہے ہیں کہ وہ آئے اور ''حکم'' بن کر ان دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں ایک آخری اور قطعی فیصلہ کردے۔

دور سے سہر کے گھنٹہ گھر نے چھ کا گجر بجایا۔ آخری گجر کی گونج فضا میں لرز کر ڈوب رہی تھی تو اس وقت میرے دونوں ساتھی اپنے اپنے خیالات کے بھنور سے جیسے بڑی کوششوں کے بعد باہر آئے۔

میں نے نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ جیدو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ آرہا تھا۔ اس نیا اپنے آپ کو ایک موٹے لبادے میں لپیٹ رکھا تھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا اس نے ہیٹ اپنے چہرے پر جھکا رکھی تھی۔ اور میں اس کے چہرے پر کے جذبات دیکھ نہ سکتا تھا۔ کیونکہ اس نے ایک دفعہ بھی سر گھما کر میری طرف نہ دیکھا بلکہ ہم سے الگ تھلگ اور اجنبی سا ایک جھڑے ہوئے پتوں والے برہنہ درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔

اور اب دونوں طرف کے ''حامی'' میدان ناپنے میں مصروف ہوگئے۔ ''صاحبو! تو ہم اس فاصلے پر متفق ہیں؟'' مارکیوس نے کہا۔ ''بیس قدم ہے نا؟''

''ہاں بیس قدم۔'' جیدو کے حامیوں میں سے ایک نے بڑی کھردری آواز میں کرخت لہجے میں کہا۔

یہ شخص کرخت اور کھردرے چہرے والا ایک آوارہ اور بدمعاش معلوم ہوتا تھا جس کی مونچھیں بے حد خونخوار تھیں۔

وہ لوگ احتیاط سے اور آہستہ آہستہ ''میدان'' ناپنے لگے۔

اور جب وہ لوگ یوں مصروف تھے تو میں ان سب لوگوں کی طرف پیٹھ کرکے کھڑا ہوگیا اور عینک اتار کر جیب میں رکھ لی۔ اس کے بعد میں نے ہیٹ کا چھجہ اپنے ماتھے پر جھکا لیا تاکہ میرے چہرے پر کی یہ تبدیلی دفعتاً ظاہر نہ ہوجائے اور پھر میں ان لوگوں کی طرف گھوم کر پہلے کی سی ہی حالت میں منتظر کھڑا ہوگیا۔

صبح کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ حالانکہ ابھی صبح پوری طرح سے کھلی نہ تھی۔ سورج طلوع نہ ہوا تھا لیکن آسمان پر دودھیا روشنی بڑھنے اور آہستہ آہستہ پھیلنے لگی تھی اور افق مشرق سے گلابی رنگ کی ایک پتلی لکیر نمودار ہوچلی تھی اور کسی بہادر سپاہی کے نیزے پر بندھے ہوئے پرچم کی طرح لہراتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور پرندے بیدار ہو کر چہچہانے لگے تھے اور گھاس کی پتیوں پر شبنم کے بے شمار قطرے موتیوں کی طرح معلوم ہورہے تھے۔

اور تب ایک عجیب طرح کا مکمل ترین سکون مجھ پر مسلط ہوگیا اور تھوڑی دیر کے لئے میں نے یوں محسوس کیا کہ میں ''میں'' نہیں ہوں بلکہ کوئی مشین ہوں جو اپنی

مرضی سے نہیں چل رہی بلکہ جیسے کوئی دوسری قوت چلا رہی ہے۔

میری تمام حسیں اور سارے جذبات اس وقت مر چکے تھے۔

اور اب پستول بھرے گئے اور پھر مارکیوس نے بڑی خوش دلی سے اور ٹھیٹھ کاروباری انداز میں چاروں طرف دیکھا اور کہا۔

''میرے خیال میں اب ہمیں اپنے اپنے آدمیوں کو متعین کر دینا چاہئے۔'' مارکیوس کی اس بات سے اتفاق کیا گیا۔ جیدو ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے یوں کھڑا تھا جیسے وہ تھکا ہوا اور نڈھال ہو۔ چنانچہ اب وہ وہاں سے ہٹ کر آگے آیا اور اس مقام کی طرف بڑھا جس کے متعلق اس کے حامیوں نے اسے مطلع کیا کہ اسے وہاں کھڑے ہونا ہے اور تب ہم نے دیکھا کہ وہ اب بھی شام کا لباس ہی پہنے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے سے عجیب پریشان حالی اور وحشت عیاں تھی اور رنگ مردے کی طرح زرد ہو رہا تھا، آنکھوں کے گرد پچھلے چند گھنٹوں میں ہی سیاہ حلقے پڑ گئے تھے اور ان میں آنکھوں میں تلخی کرب اور اذیت بیٹھی ہوئی تھی۔

پستول اس کی طرف بڑھایا گیا تو اس نے حریصوں کی طرح اس جھپٹ لیا اور شدید انتقامی دلچسپی سے اس کا معائنہ کرنے لگا۔ اس عرصے میں اپنی ہیٹ اور کوٹ اتار کر ایک طرف پھینک چکا تھا۔ مارکیوس نے میری اس حرکت کو غیر دلچسپی سے دیکھا البتہ داد دیتے ہوئے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

''کالی عینک کے بغیر تو آپ بالکل ہی جوان معلوم ہوتے ہیں کونتے۔'' مارکیوس نے میرا پستول مجھے دیتے ہوئے کہا۔

میں مسکرایا اور اس جگہ جا کھڑا ہوا جو مجھے بتائی گئی تھی اور یہ گہ اس جگہ سے جہاں جیدو کھڑا آ ہوا تھا نا پے ہوئے فاصلے پر اور اسی کے عین مقابل تھی جیدو اب بھی اپنا پستول پشت الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا اور اس نے ایک دفعہ بھی نظریں اٹھا کر میری طرف نہ دیکھا۔

''صاحبو! تیار؟'' فراسکیا نے پوچھا۔

''تیار۔'' جواب ملا۔

مارکیوس دی ایون کورٹ نے اپنا رومال نکالا اور اب جیدو نے اپنا سر اٹھایا اور پہلی دفعہ براہ راست اور نظر بھر کر میری طرف دیکھا۔

''او خدایا!.....اس کے زرد چہرے میں جو فوری تغیر ہوا، اس کی آنکھوں سے الجھن، حیرت، پریشانی اور خوف کے جیسے جذبات ظاہر ہوئے اور وہ جس طرح وحشت سے چونکا اسے میں کبھی بھلا نہ سکوں گا اس کے ہونٹ ہلے جیسے وہ حیرت کے کلمات کہنا چاہتا ہوں لیکن.....وہ لڑکھڑا گیا۔

''ایک۔'' مارکیوس دی ایون کورٹ نے چیخ کر کہا۔

ہم نے اپنے پستول اٹھائے۔

''دو۔''

جیدو نے پستول کی نالی میری طرف کر کے نشانہ لیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے بشرے پر کے خوف اور وحشت کے جذبات گہرے ہو گئے۔ میں فخر سے مسکرایا اور میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاؤں ڈگمگا گئے اور ہاتھ کانپنے لگا۔

''تین۔''

اور اس نے سفید رومال چھوڑ دیا وہ پھڑ پھڑاتا ہوا زمین پر گرا اور فوراً ہی ہم دونوں نے ایک ساتھ گولی چلائی۔

جیدو کے پستول کی گولی میرے کوٹ کو پھاڑتی اور میرے شانے پر ہلکا سا چرکا لگاتی ہوئی گزر گئی۔ بارود کی دھواں بکھر کر صاف ہوا تو دیکھا کہ جیدو اب تک سیدھا کھڑا ہوا تھا اور بدستور وحشت زدہ نظر سے کہیں دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ نگاہیں اس کی مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

یکا یک اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے لڑکھڑایا، جھکا اور ایک گھٹی گھٹی کراہ کے ساتھ اوندھے منہ گرا۔ سرجن دوڑ کر اس کے قریب پہنچا اور اسے لڑھکا کر چت کر دیا۔ وہ بے ہوش تھا۔ حالانکہ اس کی آنکھیں

کھلی تھیں۔ اور بے نور دیدے آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ اس کی قمیص سینے پر سے نیچے تک خون میں لت پت تھی۔

ہم سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔

''کامیاب نشانہ؟'' مارکیوس نے پیشہ ور ڈویل لڑنے والے کی سی بے پروائی سے پوچھا۔

''جی۔ ہاں۔ بے حد کامیاب۔'' پست قامت جرمن ڈاکٹر نے یسدو کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اٹھتے ہوئے کہا۔ ''بہت عمدہ بس چند منٹوں کی ہی بات ہے۔ یہ دس منٹ میں مر جائے گا گولی پھیپھڑوں کو چھیدتی ہوئی دل کے قریب سے نکل گئی ہے۔''

عین اس وقت ایک گہری اور کربناک آہ مرتے ہوئے جیدو کے منہ سے نکلی تو اس کے بھنچے ہوئے لب کھل گئے۔ ان بے نور آنکھوں میں حیات کی رمق اور سمجھ بوجھ عود کر آئی۔ اس نے مشکوک نظروں سے باری باری سے ہم سب کی طرف دیکھا۔ یہاں تک کہ اس کی نظریں مجھ پر جم گئیں۔

اور پھر اس کے جسم میں حیات کی حیرت انگیز لہر دوڑ گئی۔ اس کے ہونٹ ہلے اور اس نے بولنے کی پرجوش کوشش کی۔ ڈاکٹر اس کی ہر حرکت اور ہر کوشش کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً اسے تھوڑی سی برانڈی پلادی۔ شراب نے اسے تھوڑی سی طاقت بخش دی اور فوق الفطرت کوشش سے اس نے اپنے آپ کو اوپر اٹھایا۔

''مجھے بات کرنی ہے۔'' اس نے بے حد کمزور آواز میں کہا۔ ''اس سے۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا اور پھر نیند میں بڑبڑاتے ہوئے آدمی کی طرح بڑبڑانے لگا۔ ''اس سے..... اکیلے میں..... اکیلے میں..... اس سے..... اکیلے میں.....''

دوسرے لوگ جیدو کی اس درخواست سے سخت متعجب ہوئے۔ تاہم دور ہٹ کر حد سماعت سے باہر جا کھڑے ہوئے۔ میں آگے بڑھ کر اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس پر جھک گیا۔ اس کی وحشت زدہ نظریں میری نظروں سے ملیں۔ اس کی آنکھوں میں التجا تھی، رحم طلبی تھی اور دہشت تھی۔

''خدا کے لئے بتاؤ۔'' اس نے سرگوشی اور بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کون ہو تم؟''

''تم مجھے جانتے ہو جیدو۔'' میں نے بے حد ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں فابیو رومانی ہوں جس کو کبھی تم نے دوست کہا تھا۔ میں وہ ہوں جس کی بیوی کو تم نے ہتھیا لیا جس کے نام پر تم نے کیچڑ اچھالا اور جس کی عزت تم نے خاک میں ملادی۔ دیکھو جیدو۔ غور سے دیکھو مجھے خود تمہارا دل تمہیں بتائے گا کہ میں کون ہوں۔''

اس نے آہستہ آہستہ سے کراہ کر اپنا ہاتھ نقاہت سے اوپر اٹھایا۔

''فابیو؟ فابیو؟'' اس نے کہا۔ ''وہ مر چکا ہے۔ میں اسے تابوت میں اس کے تابوت میں مردہ پڑے دیکھ چکا ہوں..... مردہ..... نعش.....'' میں اس پر اور بھی جھک گیا۔

''مجھے زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔'' میں نے لرزہ خیز وضاحت کی۔ ''سنو جیدو اور سمجھو۔ مجھے زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔ میں کس طرح نکل آیا مقبرے میں سے اس کی تفصیلات بیان کرنے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی وقت..... بہرحال میں گھر آیا اور تب مجھ پر تمہاری غداری ظاہر ہوئی اور معلوم ہوا کہ مجھے کس قدر ذلیل کیا گیا ہے۔ کہو یہ داستان آگے سناؤں یا بس؟''

ایک زبردست کپکپی نے اس کے پورے جسم کو ہلا دیا۔

وہ ادھر ادھر سر ہلانے لگا جیسے سانپ اپنا پھن پٹختا ہے اور اس کے ماتھے پر پسینے کے بڑے بڑے قطرے نمودار ہو گئے۔ میں نے اپنے رومال سے اس کا ماتھا اور ہونٹ پونچھے میرے اعصاب ٹوٹنے کی حد تک تن گئے تھے۔

میں مسکرایا جس طرح کہ وہ عورت مسکراتی ہے جس پر رونے کا ہسٹریائی دورہ پڑنے ہی والا ہو۔

''وہ کیچ تو تم جانتے ہو نا جہاں بلبلیں گاتی

ہیں؟'' میں نے کہا۔ ''اسی کنج میں میں نے اس رات تمہیں دیکھا تھا۔ اس ناگن کے ساتھ وہ میرے موت سے واپس آنے کی پہلی رات تھی۔ وہ تمہاری آغوش میں تھی۔ تم نے اس کے ہونٹ چومے۔ تم نے میرے متعلق باتیں کیں۔ تم اس جڑاؤ گلوبند سے کھیل رہے تھے جو اس کے دودھیا سینے پر پڑا ہوا تھا۔

میری سخت نگاہوں نے جیسے اسے ٹانک دیا تھا اور ان کے نیچے وہ بے بسی سے تڑپ رہا تھا۔

''بتاؤ..... جلدی.....'' اس نے پوچھا۔ ''کیا۔ کیا وہ جانتی ہے تمہیں کہ تم کون ہو؟''

''اب تک تو نہیں۔'' میں نے رک رک کر کہا۔ ''لیکن بہت جلد جان لے گی۔ یعنی جب میں اس سے شادی کرلوں گا۔''

بے پناہ کرب و اذیت اس کی بے نور ہوتی ہوئی آنکھوں سے جھلکنے لگی۔

''خدایا! خدایا!'' وہ سخت تکلیف میں مبتلا درندے کی طرح کراہنے لگا۔ ''یہ تو ناقابل برداشت ہے۔ سخت تکلیف ہے مجھے معاف کر..... خدایا۔ مجھے اس تکلیف سے نجات دے۔''

خون کی منہ بھر کلی نے اس کی آواز ڈبو دی اس کی سانس لحہ بہ لحہ ڈبتی چلی گئی۔ قریب سے قریب تر آتی ہوئی موت کی سرمئی مائل سیاہی اس کے چہرے پر رفتہ رفتہ پھیلنے لگی۔

وحشت زدگی سے میری طرف دیکھتے ہوئے اس نے ہوا میں ہاتھ چلائے جیسے کسی گمشدہ چیز کو تلاش کررہا ہو۔ میں نیاس کا یوں بھٹکتا ہوا ایک ہاتھ تھام لیا۔ اور پھر اسے تھامے رہا۔

''اس کے بعد واقعات سے تو تم واقف ہو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''چنانچہ میرے اس انتقام کو سمجھ سکتے ہو۔ لیکن اب یہ قصہ ختم ہوا جیدو۔ نینا نے ہم دونوں کو دھوکا دیا۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔ خدا بھی تمہیں معاف کرے۔''

وہ مسکرایا۔ اس کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں اطمینان اور خوشی کی چمک آگئی۔ وہی پرانی لڑکپن کی چمک جس نے میرا دل جیت لیا تھا۔

''قصہ ختم ہوا۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''اب سب کچھ ختم ہوگیا۔ فابیو معاف۔'' اسے تشنج شروع ہوگیا اس کے اعضا اینٹھ کر تکلیف دہ حد تک مڑ گئے اس کے حلق سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی، اس نے اپنے ہاتھ پاؤں لمبے کردیئے اور ایک آخری لمبی سانس چھوڑ کر وہ مرگیا۔

طلوع ہوتے ہوئے سورج کی ابتدائی نارنجی کرنیں کافی سے لدے صنوبروں میں سے گزر کر نیچے اتر آئیں اور جیدو کے گھنے بالوں پر پڑیں اور اس کی کھلی ہوئی بے نور آنکھوں میں جھوٹی چمک لے آئیں۔ جیدو کے بند ہونٹوں پر مسکراہٹ منجمد تھی۔

ایک جلتا ہوا گولا سا میرے حلق میں اٹک گیا اور میرا دم گھٹنے لگا اور ایسا معلوم ہوا جیسے باغی آنسو باہر نکلنے کی کوشش کررہے ہوں۔ میرے دوست اور میرے دشمن کا ہاتھ میں اب بھی تھامے ہوئے تھا اور وہ ہاتھ میرے ہاتھ میں ٹھنڈا ہوگیا تھا اور اس کی ایک انگلی میں میرا خاندانی ہیرا جگمگا رہا تھا۔ یہ وہ انگوٹھی جو میری سابق اور اب ہونے والی بیوی نے اسے دی تھی۔

میں نے وہ انگوٹھی اس کی انگلی میں سے نکال لی، اس ہاتھ کو پیار اور احترام سے چوما اور پھر آہستہ سے نعش کے سینے پر رکھ دیا۔ قدموں کی چاپ سن کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ باندھ کر زمین پر پڑے ہوئے جسد خاکی کو دیکھنے لگا۔ میرے اور جیدو کے ساتھی میرے قریب آکھڑے ہوئے۔ ایک منٹ تک کوئی کچھ نہ بولا۔ سب کے سب خاموشی سے جیدو کی نعش کو دیکھتے رہے۔ آخر کار کپتان فراسکیا نے نیم سوالیہ انداز میں نیچی آواز میں پوچھا۔

''میرے خیال میں یہ اللہ کو پیارے ہوگئے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ کیونکہ مجھے خوف تھا کہ بولا تو رو پڑوں گا۔ ''اور مرنے سے پہلے اس نے آپ سے معافی مانگ لی؟'' مارکیوس نے پوچھا میں نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایک بار پھر گہری خاموشی کا وقفہ رہا۔

نعش کے سرد ہونٹوں پر منجمد مسکراہٹ ہم سب کا مذاق اڑا رہی تھی۔ ڈاکٹر نے جھک کر جیدو کی نعش کی آنکھیں بند کردیں اور تب مجھے ایسا لگا جیسے جیدو مرا نہیں ہے بلکہ سو رہا ہے اور اگر میں نے یا کسی نے بھی اسے جھک کر چھوا بھی تو وہ جاگ جائے گا۔ مارکیوس دی ایون کورٹ نے میرے شانے پر آہستہ سے ہاتھ کر مرے کان میں کہا۔

''امیگو! آپ واپس شہر چلے جائیے اور تھوڑی شراب پی لیجئے۔ آپ کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ فیراری کی موت کا اپ کو افسوس اور غم ہے اور یہ آپ کی شرافت اور صاف دلی کا ثبوت ہے۔ لیکن حالات کے پیش نظر آپ کر بھی کیا سکتے تھے۔ ایماندارانہ اور سیدھا مقابلہ تھا۔ مرنے والے نے ہی آپ کو اشتعال دلایا اور آپ کو چیلنج کیا تھا۔ امیگو! آپ میری مانیں اور ایک دو ہفتوں کے لئے کہیں باہر چلے جائیں۔ اس عرصے میں اس معاملے کو لوگ بھول جائیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ معاملات کس طرح نپٹائے جاتے ہیں چنانچہ یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔'' میں نے مارکیوس کا شکریہ ادا کرکے اس سے ہاتھ ملایا اور جانے کے لئے پلٹا۔ ونسانزو بگھی کے ساتھ میرا منتظر کھڑا تھا۔

ایک بار میں نے گھوم کر پیچھے میدان مقابلہ کی طرف دیکھا۔ گھاس پر پڑی ہوئی لاش کے ٹھیک اوپر کے آسمان کو صبح کی شعاعوں نے سرخ کردیا تھا اور نعش کے چاروں طرف کے درختوں میں سے پرندے چہچہاتے ہوئے نکل رہے اور روشن ہوتے ہوئے آسمان کی نیلاہٹوں کی طرف پرواز کرکے دانہ دنکا چگنے کے لئے اپنے مخصوص اور جانے بوجھے میدانوں اور کھیتوں کی طرف جارہے تھے۔

شہر کی طرف کچھ دور جاکر میں نے کوچوان سے بگھی روکنے کو کہا۔ یہاں سے دو راستے مختلف سمتوں میں جاتے تھے اور ان میں سے ایک راستہ ویلا رومانی کی طرف جاتا تھا۔ اسی دوراہے پر میں اتر پڑا اور ونسانزو سے کہا کہ وہ ہوٹل جاکر میری ذاتی بگھی ویلا کے پھاٹک پر بھیج دے کہ میں وہیں اس کا انتظار کروں گا۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ میرا سامان سفر بھی باندھ کر تیار رکھے۔ کیونکہ میں چند دنوں کے لئے ایوی لانو جو پہاڑوں میں واقع تھا جانا چاہتا تھا اور اسی شام روانہ ہونا چاہتا تھا۔ وہ میرے احکامات اور ہدایتیں احترام اور خاموشی سے سنتا رہا اور پھر پوچھا۔ ''میں بھی چلوں گا حضور کے ساتھ؟''

''ارے نہیں۔'' میں نے اپنے ہونٹوں پر جبری مسکراہٹ لاکر کہا۔ ''تم دیکھ نہیں رہے امیگو کہ میں سخت اداس ہوں اور بہتر یہی ہے کہ اداس آدمی کو اس کے حال پر اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ اس کے علاوہ تمہیں یاد ہے نا کہ کارنیوال کا جشن ہے اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ اس میں شریک ہونے اور پوری طرح سے مزے اڑانے کی تمہیں میری طرف سے اجازت ہوگی؟ نہیں ونسانزو! تم یہیں رہو، مزے اڑاؤ اور میری فکر نہ کرو۔'' اور اس نے اپنے مخصوص انداز میں کمر میں سے خم ہوکر مجھے سلام کیا لیکن اس کے بشرے سے کچھ ناگواری ٹپک رہی تھی۔

''حضور مجھے معاف کریں۔'' وہ بولا۔ ''لیکن میں ابھی خون خرابہ اور موت دیکھ چکا ہوں اور طبیعت اچاٹ ہوگئی ہے۔ چنانچہ کارنیوال اور جشن وغیرہ میں شامل ہونے کو جی نہیں کرتا اور پھر حضور اداس ہیں۔ اس لئے اب یہ میرا فرض ہوجاتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں۔''

میں نے دیکھا کہ وہ میرے ساتھ چلنے کا بہرحال ارادہ کرچکا تھا اور میں بحث اور حجت کرنے کے موڈ میں نہ تھا۔

''ٹھیک ہے چلو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ تم نے یہ احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔ خیر جیسی تمہاری مرضی۔ البتہ اب جاکر تیاری اور انتظام کرو کہ آج ہی شام کو ہم روانہ ہوسکیں۔ اچھا اب جاؤ اور دیکھو

جو کچھ ہوا ہے۔ اس کا کوئی ذکر ہوٹل میں نہ کرنا اور اگر کوئی کچھ پوچھے یا کہے تو صفائی پیش نہ کرنا اور گاڑی بھیجنے میں دیر نہ کرنا۔ جب تک وہ نہیں آجاتی میں اکیلا ہی ویلا رومانی کے پھاٹک پر اس کا انتظار کروں گا۔''

اور کرائے کی وہ گاڑی جو مجھے یہاں تک لائی تھی ونسانزو کو لے کر روانہ ہوگئی اور میں دوراہے پر کھڑا اسے اس وقت تک جاتے دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی اور پھر میں پلٹ کر اپنے گھر منحوس گھر کی طرف چل دیا۔

عمارت ویران، خالی اور خاموش تھی۔ کہیں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ کہیں کوئی چیز حرکت نہ کررہی تھی۔ بیرونی کمرے اور دیوان خانے کی کھڑکیوں کے ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اس گھر کی مالکن اس وقت یہاں نہ تھی۔ سناٹا گرج سا رہا تھا، خاموشی دم سادھے معلوم ہوتی تھی جیسے اس گھر میں موت ہوگئی ہو اور میت رکھی ہوئی۔

اور ایک دھندلا سا خیال میرے دل کی سطح پر ابھرا۔

''کون مرگیا ہے؟''

بلاشبہ میں خود..... اس گھر کا مالک اور آقا جس کی میت ان کمروں میں سے، جس کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، کسی ایک کمرے میں رکھی ہوئی ہے، سرد اور اکڑی ہوئی۔ یہ سفید بالوں والا خوفناک آدمی جو اس عمارت کے احاطے کے باہر بھٹکی ہوئی روح کی طرح بھٹک رہا ہے وہ میں نہیں ہوں بلکہ یہ کوئی بھوت ہے کوئی غضبناک عفریت ہے جو مجرموں اور گنہگاروں کو سزا دینے کے لئے قبر میں سے نکل آیا ہے۔

میں مرچکا ہوں۔

میں نے کبھی اس آدمی کی جان نہ لی ہوتی جو کبھی میرا دوست رہ چکا تھا۔ اور اب وہ بھی مرچکا ہے اسی قافلہ نے ہم دونوں کو مار ڈالا اور..... وہ زندہ ہے..... اور یہ غلط ہے..... ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اب اسے بھی مرنا ہے۔ ہاں اب اس کی باری ہے اس کا مرنا ضروری ہے لیکن ایسی اذیت ہے کہ اس کی روح کی بنیادیں تک لرز جائیں اور دوزخ کا عذاب اس کے سامنے ہیچ ہو۔

میرے دماغ میں ایسے ہی خیالات تک چکر لگا رہے تھے اور میں ویلا کے پھاٹکوں کی طرف دیکھ رہا تھا جن پر وہ نقش ونگار کندہ تھے جو دراصل رومانی خاندان کی مخصوص علامتیں تھیں۔

اور یادیں تھیں کہ مدیر آئے ہوئے سمندر کی موجوں کی طرح اٹھ اٹھ کر آرہی تھیں۔

گزشتہ رات جیدو اسی جگہ کھڑا غصے کی شدت میں پھاٹکوں کی ان آہنی سلاخوں کو پکڑے مروڑنے کی کوشش کررہا تھا اور وہاں اس دالان میں اس نے گھر کے بوڑھے اور کانپتے ہوئے نوکر کو اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔ کیونکہ اس بیچارے نے جیدو کو یہ اطلاع دی تھی کہ دغا باز حسینہ گھر پر اور نیپلز میں بھی نہ تھی اور یہاں ٹھیک اسی جگہ کھڑے ہوکر اس نے زلزلہ خیز بددعا دی تھی۔ حالانکہ اس وقت وہ نہ جانتا تھا کہ یہ ایک ایسا آدمی بددعا دے رہا ہے جو خود بھی بہت جلد مرنے والا ہے اور اس کی مجھے خوشی تھی کیونکہ ایسی بددعائیں قبول ہوتی اور ایسے کو سنے لگ جاتے ہیں۔

جیدو مرچکا تھا اور میرے دل میں اب اس کے لئے سوائے رحم کے اور کچھ نہ تھا۔ اسے بھی بیوقوف بنایا گیا تھا اور اسے بھی دھوکا دیا گیا تھا۔ یعنی اس کے ساتھ بھی وہی کیا گیا تھا جو میرے ساتھ کیا گیا تھا اور میں یوں محسوس کررہا تھا کہ مٹی کے اس حوال سے جس کو جسم کہتے ہیں اس کی روح آزاد ہونے کے بعد اس دھوکے باز ساحرہ کو سزا دینے کے کام میں میری مدد کرے گی۔

میں خاموش اور سونے مکان کا چکر کاٹ کر اس خفیہ اور خانگی دروازے کے سامنے پہنچا جو میرے پسندیدہ کنج میں کھلتا تھا۔ میں نے اسے کھولا اور اپنی جانی پہچانی روشن پر آگیا۔ اس منحوس رات کے بعد۔ جس رات مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ مجھ سے دغا کیا گیا ہے۔ آج میں پہلی دفعہ یہاں آیا تھا۔ میرے خدا کس قدر خاموشی تھی یہاں۔ درخت کیسے دم سادھے کھڑے

تھے کوئی پتا نہ مل رہا تھا کوئی ٹہنی نہ سرسرا رہی تھی البتہ پھولوں کی عجیب سی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے یوں معلوم ہوا یہ کوئی مقبرہ ہے اور یہ خوشبو لوبان یا اگربتیوں کی ہے جو یہاں جلائی گئی ہیں۔

میں چند قدم آگے بڑھا اور پھر ٹھٹک گیا میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میرے عین سامنے دھندلا سایہ سا کہیں سے آ گیا وہ میرے راستے میں بے حرکت لیٹا ہوا تھا اور پھر وہ شکل اختیار کرنے لگا۔ اب وہ کوئی آدمی تھا جو بے حرکت اور بے جان پڑا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ منجمد تھی اور اس کے سینے پر جہاں دل ہوتا ہے، گولی کا زخم تھا جس سے خون رس رس کر اس گھاس کو سرخ کر رہا تھا جس پر وہ مردہ آج پڑا ہوا تھا۔

مجھ پر شدید خوف مسلط ہو گیا۔ ایک منٹ تک تو میں بت بنا کھڑا رہا اور پھر اپنے خوف پر قابو پا کر اس لاش کی طرف لپکا لیکن وہ ایک دم سے غائب ہو گئی۔

وہ ایک واہمہ تھا۔ میرے تنے ہوئے اعصاب اور برانگیختہ دماغ کی اپج اور یہ سوچ کر میں کانپ گیا کہ کیا جیدو کو میرا مریض تصور مجھے ہمیشہ اسی طرح دکھاتا رہے گا؟ کیا وہ مجھے آسیب بن کر عمر بھر اسی طرح پریشان کرتا رہے گا؟''

اور میں وہاں سے یوں بھاگا جیسے دوزخ کی ساری بلائیں۔ میرے پیچھے لگ گئی ہوں اور میں نے سڑک پر آ کر دم لیا اور جب میں نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی تو مجھے یک گونہ اطمینان اور خوشی حاصل ہوئی۔ میری ذاتی بگھی مجھے لینے آ رہی تھی۔ بے شک وہ میری ہی بگھی تھی جس میں شاندار عربی گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ میں اس کی طرف بھاگا کوچوان نے مجھے دیکھا تو باگیں کھینچ لیں۔ میں نے اس سے کانوینٹ دی آنوزیناچلنے کو کہا اور بگھی میں بیٹھ گیا۔

کوچوان نے گھوڑوں کو ٹٹکار دیا اور وہ بگھی کو لے کر جس میں بیٹھا ہوا تھا، ہوا ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

میں اپنے خیالات میں ایسا گم تھا کہ پتہ بھی نہ چلا کہ راستہ کب اور کتنے وقت میں طے ہوا کوچوان نے جب کانوینٹ کے مضبوطی سے بند پھاٹک کے سامنے بگھی روکی تو میں چونکا اور دروازہ کھول کر بگھی سے باہر آ گیا۔ میں نے کوچوان سے کہا کہ وہ کیل مائر کی مرکزی سرائے میں بگھی لے جائے اور وہاں میرا انتظار کرے۔

وہ بگھی لے کر چلا گیا تو میں نے کانوینٹ کی گھنٹی بجائی تو فوراً ہی پھاٹک کی چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی اور ایک بے حد بوڑھی نن کا جھریوں سے بھرپور اور بے حد گھناؤنا اور بدصورت چہرہ اس پر جڑا نظر آیا۔

اس نے بے حد تیکھی آواز میں میرے آنے کا مقصد پوچھا۔ میں نے اپنا کارڈ اسے دیتے ہوئے کہا کہ اگر مادر سوپیریئر اجازت دیں تو میں کونٹس رومانیس سے ملنا چاہتا ہوں۔ جب میں اپنا مدعا بیان کر رہا تھا تو وہ بدصورت اور گھناؤنی نن حیرت اور دلچسپی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ غالباً میری کالی عینک نے اس کے دل میں شوق تجسس بیدار کر رہا تھا۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ ڈویل لرنے کے بعد ہی میں نے عینک لگائی تھی۔ کیونکہ ابھی کچھ عرصے کے لئے مجھے اپنا یہ بہروپ قائم رکھنا تھا۔

چند ثانیوں تک اپنی بوڑھی اور جالا پڑی آنکھوں سے مجھے گھورتے رہنے کے بعد اس منحوس بڑھیا نے بڑی بدتمیزی کا ثبوت دیتے ہوئے ''کھٹاک'' سے کھڑکی بند کر دی اور غائب ہو گئی۔

بند پھاٹک کے پیچھے سے ننھے ننھے پیروں کے بھاگنے کی اور فرانسیسی زبان میں باتیں کرنے اور ہنسنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ دو بچیاں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی اور کھیل رہی تھیں اور پھر بھاری اور گھسٹتے ہوئے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ وہی بوڑھی نن واپس آ رہی تھی۔ اس نے نہایت ہی کرخت اور مکروہ آواز میں دونوں کھیلتی ہوئی بچیوں کو ڈانٹا کہ وہ فوراً ''اندر'' جائیں اور ''اچھے یسوع مسیح'' سے اپنی شرارتوں کی معافی مانگیں اور نہ خدا باپ انہیں سخت سزا دے گا۔

دوسری طرف فوری خاموشی چھا گئی اور پھر

میں اپنے خیالات میں ایسا گم تھا کہ پتہ بھی نہ

کواڑوں کی آڑیں ہٹانے اور کھٹکے کھلنے کی آواز آئی اور پھر وزنی کواڑ کھلے اور مجھے اندر داخل کرلیا گیا۔ اور میں اپنی ہیٹ ہاتھ میں لئے ننگے سر ٹھنڈے راستے پر چل پڑا۔ بوڑھی نن میری رہبری کررہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ بھی میری طرف نہ دیکھا بلکہ سر جھکائے ہاتھ میں تسبیح گھماتی چلتی رہی۔

وہ مجھے کانوینٹ کی عمارت کے ایک وسیع و عریض کمرے میں لے آئی جس کی دیواروں پر مقدس ولیوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ کمرہ عبور کرکے ہم دوسرے کمرے میں پہنچے۔ یہ کمرہ عمدہ فرنیچر سے سجا ہوا تھا اور اس کی کھڑکیاں صحن میں کھلتی تھیں نن نے مجھے اشارہ کیا کہ اس کمرے میں بیٹھ کر انتظار کروں اور پلکیں اٹھائے بغیر کہا۔

''سگنور مدد مارگریتا یہیں تشریف لے آئیں گی۔''

میں سر ہلا کر کمر میں سے جھک گیا اور وہ ایسی حیرت انگیز خاموشی سے کمرے سے نکل گئی کہ میں نے دروازہ بند کئے جانے کی بھی آواز نہ سنی۔ میرے اندازے کے مطابق اور میرا اندازہ غلط نہ تھا۔ یہ ملاقات کا کمرہ تھا اور میں قدرے دلچسپی سے اس کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ آج سے پہلے کبھی میں نے کسی تعلیمی کانوینٹ کو اندر سے نہ دیکھا تھا۔

دیواروں پر اور آتش دان کی چھت پر لڑکیوں کی تصویریں فریم کی کی ہولناک رہی تھیں۔ اکثر لڑکیاں تو واجبی شکل وصورت کی تھیں لیکن چند خاص خوبصورت تھیں۔ یقیناً یہ ان لڑکیوں کی تصویریں تھیں جو اس کانوینٹ سے فارغ التعلیم ہوکر گئی تھیں اور انہوں نے اپنے فوٹو بطور یادگار نننوں کو بھیجے تھے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر یہ تصویریں دیکھ رہا تھا کہ میری نظر مخمل کی ایک بڑی اور نفیس فریم پر پڑی جس کے ماتھے پر خود میرا طغرا اور تاج رکھا ہوا تھا اور اس فریم میں میری بیوی کی تصویر تھی۔ میں یہ فریم اٹھا کر روشنی لے آیا اور اسے غور وتوجہ سے دیکھنے لگا۔ یہی وہ خوب صورت ناگن تھی جس نے دو ہستیوں کو ڈسا تھا۔ یہی وہ شیطان دیوی تھی جس کی قربان گاہ پر دو زندگیاں بھینٹ چڑھ گئی تھیں۔

اپنے دل میں شدید نفرت اور گھن کا جذبہ محسوس کرکے میں نے وہ فریم واپس اس کی جگہ پر رکھ دی۔ عین اس وقت دروازہ کھلا اور ایک طویل القامت عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ڈھیلا ڈھالا چغہ پہن رکھا تھا، کمر پر ننوں کا پٹکا بندھا ہوا تھا۔ سر پر ہیڈ ڈریس تھا۔

میں نے احترام سے جھک کر سلام یا جس کا جواب اس نے سر کی ہلکی سی جنبش سے دیا۔ ظاہر طور پر وہ ایسی ساکن ٹھہری ہوئی اور بے حس سی تھی کہ مٹی کی مورت ہی معلوم ہوتی تھی۔ وہ سانس بھی اس قدر آہستہ لے رہی تھی کہ اس کے سینے پر پڑی ہوئی سنہری صلیب ذرا بھی نہ ہلتی تھی اور جب وہ بولتی تھی تو اس کے بے رنگ ہونٹ بمشکل ہلتے تھے۔ اس کی آواز درختوں میں سے گزرتی ہوئی ہوا کی سی سرسراتی ہوئی اور دھیمی تھی۔ لیکن حیرت انگیز حد تک صاف واضح اور اثر انگیز۔

''یہ میں کونٹ اولادیہ سے مخاطب ہوں؟'' اس نے پوچھا۔

میں اثبات میں ذرا سا جھک گیا وہ غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کالی اور چمکدار تھیں جن میں بہت سے دبائے ہوئے اور مفتوح جذبات کی چنگاریاں اب بھی دھندلی روشن نظر آتی تھیں۔

''آپ کونٹس رومانی سے ملنا چاہتے ہیں جو یہاں ریٹریٹ میں ہیں؟''

''جی ہاں۔ بشرطیکہ یہ بات کانوینٹ کے قوانین وضوابط کے خلاف نہ ہو۔''

نن کے زرد اور ذہین چہرے پر مسکراہٹ کا ہلکا سا سایہ پھیل گیا اور پھر فوراً ہی غائب ہوگیا، کھیتوں پر سے گزرتے ہوئے بادلوں کے سائے کی طرح۔

''بالکل بھی نہیں۔'' وہ بولی۔ ''کونٹس نینا خود اپنی مرضی سے قوانین وضوابط کی سختی سے پابندی کررہی ہیں لیکن چونکہ آج بڑا تیوہار ہے۔ اس لئے ساری

بندیاں ایک حد تک ہلکی کردی گئی ہیں۔ ریونڈ مدر نے
ھ سے آپ کو یہ اطلاع دینے کو کہا ہے کہ یہ عبادات کا
قع ہے اور خود ریونڈ مدر گرجا میں جا چکی ہیں۔ اگر آپ
ی ہمارے ساتھ اس وقت عبادت میں شامل
وجائیں تو بعد میں کونٹس کو آپ کی موجودگی کی اطلاع
ے دی جائے گی۔

حالانکہ مجھے عبادت وغیرہ سے دور کا بھی واسطہ
ہ تھا۔ اس کے باوجود مجھے نن کی یہ ''مقدس دعوت''
بول کرنی پڑی۔ میں نے سوچا کہ اگر کسی طرح اس نن کو
معلوم ہوجائے کہ وہ کس قسم کے آدمی کو مسیح کے سامنے
جھکنے اور عبادت کرنے کے لئے بلا رہی ہے تو اپنی تمام تر
بے حسی کے باوجود وہ کس بری طرح کانپ اٹھے گی۔
بہرحال میں نے سر تسلیم خم کردیا اور اس نے مجھے اپنے
پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

جب ہم کمرے سے باہر آ گئے تو میں نے
پوچھا۔

''کونٹس کی طبیعت تو اچھی ہے نا؟''

''معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔'' مدر مارگریٹا نے
جواب دیا۔ ''وہ اپنے مذہبی فرائض بھی اچھی طرح سے
انجام دے رہی ہیں خوب خلوص سے عبادت و ریاضت
میں مصروف رہتی ہیں اور تھکن اور اکتاہٹ کی کوئی
شکایت نہیں کرتیں۔''

اب ہم بڑا کمرہ عبور کررہے تھے۔ میں نے
دوسرا سوال پوچھنے کی جرات کی۔ ''میں سمجھتا ہوں وہ
آپ کی ہر دلعزیز بلکہ آپ کی تو شاید منظور نظر طالبہ ہی
ہوں گی؟''

''میرا کوئی منظور نظر نہیں ہے۔'' اس نے بڑی
سرد مہری سے جواب دیا۔ ''جتنی بھی لڑکیاں یہاں تعلیم
حاصل کرتی ہیں۔ ان پر میری توجہ برابر رہتی ہے، نہ کسی
پر کم نہ کسی پر زیادہ۔''

میں نے دبے لفظوں میں معافی مانگ لیا اور
اپنے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ لاکر کہا۔

''محترمہ مدر! میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کی
شمع خراشی کررہا ہوں۔ اپنے سوالوں سے، لیکن آپ
سمجھ سکتی ہیں کہ میں ان کا ہونے والا شوہر ہوں۔ چنانچہ
ان کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنے کا نہ صرف
مجھے حق ہے بلکہ یہ میرا شوق تجسس بھی ہے۔''

ایک بار پھر ان سرد لیکن مقدس آنکھوں نے میرا
جائزہ لیا اور پھر اس نن نے ایک لمبی، ٹھنڈی سانس لے
کر کہا۔

''جی ہاں۔ میں آپ دونوں کے تعلقات سے
واقف ہوں۔'' اس کا لہجہ درد بھرا تھا۔ ''نینا رومانی دنیادار
عورت ہے اور دنیوی اصولوں پر ہی عمل کرتی ہے۔
بلاشبہ شادی تقریباً ہر جوان عورت کا مقدر ہے اور فطری
عمل بھی۔ چند ہی عورتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں خدا باپ
اپنے بیٹے کی دلہنیں بننے کی توفیق دیتا اور شرف عطا کرتا
ہے چنانچہ جب نینا نے شریف اور اعلیٰ نسب کونٹ فابیو
رومانی سے شادی کی تو ہمیں بے حد خوشی حاصل ہوئی
تھی۔ کیونکہ ہمیں اطمینان تھا کہ نینا کا مستقبل ایک
شریف، رحم دل اور محبت کرنے والے محافظ کے ہاتھوں
میں محفوظ ہوگا۔ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ
دے۔ لیکن نینا کی دوسری شادی میری توقع کے خلاف
ہے اور میں اس سے خوش نہیں ہوں۔ برا نہ منایئے لیکن
جو کچھ میرے دل میں تھا میں نے سچ سچ کہہ دیا ہے۔''

''محترمہ! صاف صاف اپنے دل کی بات کہہ کر
آپ نے میری عزت افزائی کی ہے۔ چنانچہ برا منانا
کیسا؟'' میں نے حقیقت میں مرعوب ہو کر کہا۔ اس
سپاٹ اور جذبات سے عاری چہرے والی عورت کے
احترام کا جذبہ میرے دل میں پیدا ہوگیا تھا۔ ''لیکن
معاف کیجئے گا۔ میں آپ سے متعلق نہیں ہوں جہاں
تک کونٹس رومانی کا معاملہ ہے میرے خیال میں دوسری
شادی ان کے لئے بے حد ضروری ہے۔ آپ جانئے وہ
تنہا اور بغیر کسی محافظ کے ہیں اور جوان اور بے حد خوب
صورت ہیں۔''

نن کی آنکھوں سے سنجیدگی اور غم جھانکنے لگا۔

''ایسی خوب صورتی بہت بڑی لعنت ہوتی ہے۔''

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ایک خوفناک اور تباہ کن لعنت۔ اسی حسن نے بچپن میں اسے ضدی بنا دیا تھا اور اب بھی وہ ضدی ہی عورت ہے۔ خیر اب ذکر کو ختم کیجئے اور یقین کیجئے سگنور کہ میری دعائیں اور بہترین تمنائیں آپ دونوں کے ساتھ ہیں۔''

اس اثناء میں ہم گرجا کے دروازے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ ہم خاموش ہوگئے اور گرجا میں داخل ہوئے۔ مر مار گرینا نے مجھے دوسری قطار میں بٹھا دیا عبادت شروع ہوئی سب کے ساتھ میں بھی گھٹنوں کے بل جھک گیا اور جب دوسرے خدا سے لو لگائے تھے تو میں اپنے ہی خیالات میں گم تھا۔

پتہ نہیں کتنی دیر تک عبادت جاری رہی اور میں کتنی دیر تک جھکا رہا کہ اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ محسوس کر کے چونکا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو مدر مار گرینا کھڑی تھی۔

''میرے ساتھ آیئے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

میں اس کے پیچھے چلتا ہوا گرجا سے باہر آ گیا تو وہ بولی۔

''میں آپ کو گرجا سے یوں باہر نکال لانے کی معافی چاہتی ہوں لیکن ننوں اور یہاں کے بورڈنگ میں رہنے والی لڑکیوں کو گرجا سے نکلتے دیکھنے کی اجنبیوں کو اجازت نہیں۔

میں اطاعت سے سر جھکا کر اس کے ساتھ چل پڑا اور کچھ نہ کچھ کہنے کی غرض سے پوچھا۔

''آج کل تعطیل ہے تو کیا تعطیلوں میں بھی آپ کے بورڈنگ ہاؤس میں زیادہ لڑکیاں مقیم رہتی ہیں؟''

''صرف چودہ۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور یہ وہ بچیاں ہیں جن کے والدین بہت دور رہتے ہیں ہم انہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ بچاری بچیاں تنہائی محسوس کرتی ہیں۔'' اور اب ہم ایک کمرے میں تھے۔

''یہ ہماری لائبریری ہے۔'' نن نے کہا۔ ''کونٹس رومانی آپ سے یہیں ملاقات کریں گی۔ چونکہ ملاقات کے کمرے میں دوسرے ملاقاتی آپ کی تنہائی میں مخل ہوں گے۔ اس لئے میں نے یہ جگہ پسند کی ہے۔ معاف کرنا کونٹ! لیکن آپ کی طبیعت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ پینے کے لئے کچھ بھیج دوں؟''

میں نے شکریے کے ساتھ انکار کرتے ہوئے اسے یقین دلایا کہ مجھے کچھ نہیں ہوا۔

''نینا کی دوسری شادی کے متعلق میں نے جو کچھ کہا وہ آپ کو برا تو معلوم نہیں ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''جی بالکل بھی نہیں بلکہ آپ کی صاف گوئی نے میری نظروں میں آپ کو اور بھی بلند کر دیا ہے۔''

''آپ نینا سے ملنے کو بہت بے چین ہوں گے بس وہ آتی ہوں گی۔'' اور وہ نیک دل نن مجھے سلام کر کے چلی گئی اور میں انتظار کرنے لگا۔ چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ریشمی کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی..... دروازہ کھلا اور میری بیوہ لائبریری میں داخل ہوئی۔

وہ اپنی مخصوص چیتے کی سی چال اور نزاکت سے لچکتی ہوئی میری طرف بڑھی اور اس کے سرخ ہونٹ مسکراہٹ کی صورت میں کھل گئے۔

''بڑی مہربانی کی کہ تم آئے۔'' اور اس نے اپنے دونوں بازو یوں پھیلا دیئے جیسے آغوش میں لے لینے کی دعوت دے رہی ہو۔ ''اور وہ بھی کرسمس کی صبح۔''

وہ خاموش ہوگئی اور پھر یہ دیکھ کر کہ میں نہ اپنی جگہ سے ہلا اور نہ ہی کچھ بولا تو وہ متفکر اور پریشان ہوگئی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے نامعلوم طور پر کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''کوئی خاص بات ہوئی؟''

میں نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ ایک دم سے خوفزدہ ہوگئی تھی۔

میں نے اسے سنبھالنے یا تسلی دینے کی ذرا بھی کوشش نہ کی۔ البتہ کرسی اس کی طرف بڑھا دی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' میں نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''میں ایک بری خبر لے کر آیا ہوں۔''

(جاری ہے)

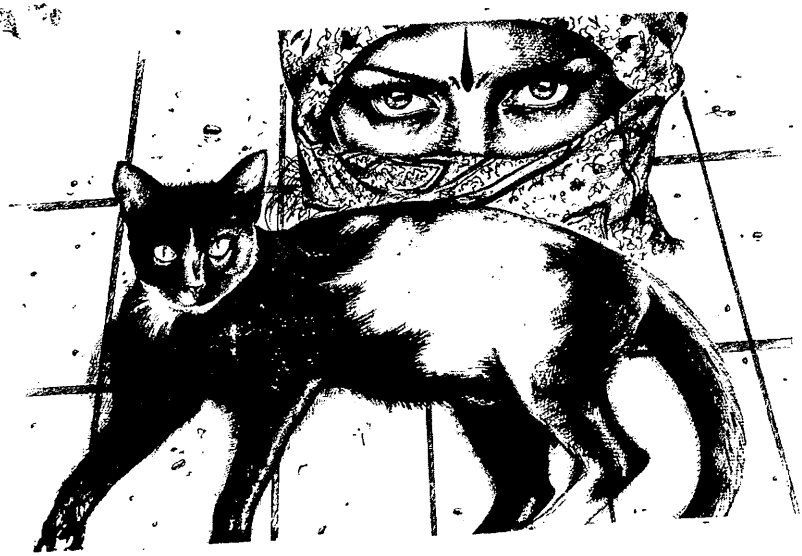

ڈائن

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

خوبرو حسینہ کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا دل کی رفتار حد سے زیادہ تھی اس پر سکتہ طاری ہورہا تھا وہ آپے میں نہ تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا پھر اچانک اس پر دھشت طاری ہوئی تو.....

رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی جسم وجان کو سحر زدہ کرتی ہولناک کہانی

اس چھوٹے سے قصبے کی گلیاں بازار سرِ شام ہی سنسان ہونا شروع ہو جاتے تھے اور اب تو شام کا دھندلکا رات کی سیاہی میں بدلتا جا رہا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا جمیلہ کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اکیڈمی کے تقریباً سارے ہی طالب علم گھروں کو جا چکے تھے۔ اس وقت تک جمیلہ کا بھائی راحیل اسے لینے کے لیے پہنچ جایا کرتا تھا مگر آج اس نے فون پر میسج بھیج دیا تھا کہ بائیک خراب ہے اس لیے آنے میں دیر ہو جائے گی۔ جمیلہ کی ساری کلاس فیلوز بھی چلی گئی تھیں صرف ثمینہ اس کی خاطر رک گئی تھی مگر جب وقت زیادہ ہونے لگا تو اس نے جمیلہ کو مشورہ دیا۔

''آؤ ہم پیدل ہی گھر کی طرف چلتے ہیں ہوسکتا ہے تمہارا بھائی راستے ہی میں مل جائے۔''

ثمینہ اکیلی ہی اکیڈمی آیا جایا کرتی تھی مگر جمیلہ

بھائی کے بغیر گھر سے نکلتی نہیں تھی۔ ثمینہ کی بات سن کر وہ تھوڑا ہچکچائی پھر راضی ہوگئی کیوں کہ اس طرح خالی اکیڈمی میں انتظار کرنا بھی اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ جمیلہ نے کئی بار راحیل کو کال کی مگر ہر بار یہی جواب ملتا کہ ''فکر نہ کرو ابھی پہنچ رہا ہوں''۔ آخر اپنی کتابیں اٹھاتے ہوئے وہ ثمینہ سے بولی۔

''تمہارا مشورہ مناسب ہے۔ آؤ چلو۔''

دونوں جب باہر نکلیں تو اندھیرا پوری طرح اتر چکا تھا۔ کہیں کہیں جلتی ہوئی اسٹریٹ لائٹس اندھیرے کو دور کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھیں۔ دونوں سہمے سہمے ہوئے انداز میں تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگیں۔ یہ کوئی اتنا بڑا شہر تو تھا نہیں کہ بندہ ہی کھو جائے۔ یہ تو ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں فاصلے بھی چھوٹے چھوٹے تھے۔ چند ہی گلیاں گزرنے کے بعد ثمینہ کا گھر آگیا مگر راستے میں راحیل کہیں نہ ملا۔ ثمینہ نے جمیلہ کو اپنے گھر روکنے کی کوشش کی مگر وہ بولی۔

''اب میں گھر ہی جاؤں گی۔ ماں راہ تک رہی ہوگی۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بھائی راحیل کو میسج کر دیا کہ میں گھر پہنچ رہی ہوں تم بھی سیدھے گھر ہی آجاؤ۔ اس کے بعد اس نے ثمینہ کو خدا حافظ کہا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑی جو چند ہی گلیاں دور رہ گیا تھا۔ بیچ میں ایک مین روڈ تھی جہاں ٹریفک چلتی رہتی تھی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد وہ ٹھٹک گئی۔ اس کے چلتے قدم سست پڑنے لگے۔ ایک گلی کے سرے پر ایک برقع پوش عورت کھڑی اُسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جمیلہ کو اس کا قد عام عورتوں کی نسبت کچھ طویل لگا مگر پھر سوچ کر رہ گئی کہ کچھ خواتین طویل قامت بھی تو ہوتی ہیں۔ وہ عورت بے حس و حرکت کھڑی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے منہ پر نقاب تھا جس میں سے آنکھیں جھانک رہی تھیں جن میں عجیب سی سفیدی تھی۔

اس کے یوں گھورنے سے جمیلہ کچھ گڑبڑا سی گئی مگر ایک طرف ہو کر آگے گزر گئی۔ تھوڑا آگے جا کر اس کو یوں محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے آرہا ہے۔ مڑ کر دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہی برقع پوش اس کے پیچھے چلی آرہی تھی۔ اس کی چال بھی عجیب سی تھی نسوانیت سے بالکل عاری۔ اسے دیکھتے ہی جمیلہ کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے۔ اس کے دل میں عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ پیچھا کرنے والی عورت کی رفتار بھی تیز ہوگئی تھی۔

پہلے تو جمیلہ کے دل میں خیال ابھرا شاید کوئی راہ گیر عورت ہے اور اسی کی طرح اندھیرے سے خوفزدہ ہو کر کوئی سہارا ڈھونڈ رہی ہے۔ مگر کچھ دور جانے کے بعد اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ عورت اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ جمیلہ کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اسے رونا آرہا تھا مگر اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ سامنے ہی مین روڈ کی روشنیاں نظر آنا شروع ہوگئیں۔ وہ بھاگ کر سڑک پر پہنچ جانا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی برقع پوش عورت تیز تیز چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

جمیلہ نے محسوس کیا کہ اس کی گرفت انتہائی سخت اور تکلیف دہ تھی۔ وہ درد سے بلبلاتے ہوئے مڑی اور بنا کچھ سوچے سمجھے کتابوں والا بیگ گھما کر برقع پوش کے منہ پر دے مارا۔ وہ اس غیر متوقع حملے سے بچ نہ سکی اور لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی گرفت سے نکلتے ہی جمیلہ مڑ کر سڑک کی طرف بھاگی تو اسے اپنے پیچھے ایک غیر انسانی سرسراتی ہوئی سرگوشی نما آواز سنائی دی۔

''رک جاؤ..... تم مجھ سے بچ نہیں سکتی۔''

سنی ان سنی کرتے ہوئے جمیلہ بھاگ کر سڑک پر پہنچی تو اچانک ایک تیز رفتار موٹر سائیکل سیدھی اس کے قریب آکر رکی۔ جمیلہ اس سے ٹکرانے سے بال بال بچی۔ موٹر سائیکل پر بیٹھے نوجوان نے لپک کر اسے گرنے سے بچا لیا۔ جمیلہ نے بوکھلا کر دیکھا تو موٹر سائیکل پر اپنے بھائی کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اس سے پہلے کہ اس کی اس حالت کے متعلق بھائی کچھ پوچھتا۔ وہ لپک کر موٹر سائیکل پر بیٹھ گئی اور

لی ''جلدی چلو۔''

راحیل نے فوراً ہی بائیک آگے بڑھادی۔ جمیلہ نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو حیران رہ گئی۔ ساری گلی سنسان ی تھی۔ وہ برقع پوش عورت کہیں غائب ہوچکی تھی۔ وہ ں طویل گلی میں کہیں واپس جاتی بھی دکھائی نہ ں۔ جمیلہ سوچتی رہ گئی کہ وہ عورت اتنی جلدی کہاں ئب ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

گھر واپس پہنچے تو ماں پریشان بیٹھی تھی۔ راحیل وتو اس کی لاپروائی پر خوب ڈانٹ پڑی مگر ساتھ ہی یلہ کو بھی سخت سست سننا پڑ گئیں۔ جمیلہ کے بابا روزگار ے سلسلے میں بیرون ملک گئے ہوئے تھے۔ گھر میں نوں بہن بھائی اپنی ماں کے ساتھ تنہا رہتے تھے۔ کبھی بھار کوئی رشتے دار ملنے آجاتا ورنہ دن یونہی گزر جاتا۔ یلہ نے اپنی ماں اور بھائی دونوں کو اس برقع پوش ورت کے حملے کے متعلق کچھ نہ بتایا۔ اسے خدشہ تھا کہ ہیں اس بات کو بنیاد بنا کر اس کا اکیڈمی جانا بند نہ کردیا ئے۔ وہ اپنی تعلیم کا حرج نہیں چاہتی تھی۔ خود بھی وہ سری صبح تک یہ واقعہ بھول گئی اور دوبارہ اپنے روزمرہ ے کام کاج میں مصروف ہوگئی۔ اگر کسی وقت یہ واقعہ یاد ی آیا تو اسے اپنی بوکھلاہٹ سمجھ کر نظرانداز کردیا۔

کافی دن گزر گئے اور وہ اس بات کو تقریباً بھول ی چکی تھی۔ ایک روز جب کالج سے چھٹی تھی۔ ماں کچن ں کام کر رہی تھی اور بھائی اپنے کمرے میں لیٹا ہوا ا۔ سارا دن گھر کے کام کاج اور اپنی پڑھائی سے تھک ر جمیلہ ہوا خوری کے لیے چھت پر چلی گئی۔ رات کا ھیرا پوری طرح چھا چکا تھا۔ چھت پر ایک کمرہ بنا ہوا جو نالتو سامان رکھنے کے کام آتا تھا۔ جمیلہ نے وہاں ک کونے میں کچھ جگہ صاف کر کے اپنے لیے میز کرسی ائی تھی جہاں بیٹھ کر وہ کبھی کبھار دن یا رات میں اپنی ھائی کیا کرتی تھی۔

آج بھی چھت پر ٹہلتی ہوئی وہ اس کمرے کی ف چلی آئی۔ پتہ نہیں اس کے جی میں کیا سمائی کہ کمرے کا دروازہ کھول دیا اور اندر بلب جلا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور آنکھیں موند کر سر کو کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

کچھ دیر بعد اسے کچھ آہٹ سنائی دی اور یوں محسوس ہوا جیسے کوئی کمرے کے دروازے میں کھڑا ہو۔ اس نے سمجھا کہ ماں اس کو دیکھنے چھت پر آئی ہے مگر جب چند لمحے کوئی آواز نہ آئی تو چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

دروازے کی طرف دیکھتے ہی اس کی جان نکل گئی۔ اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کی روح نچوڑ لی ہو۔ کھلے دروازے میں وہی برقع پوش عورت کھڑی تھی جس نے اس پر گلی میں حملہ کیا تھا۔ جمیلہ اسے فوراً پہچان گئی۔ خوف کے مارے خون اس کی رگوں میں جمنے لگا۔ وہ عورت دروازے میں کھڑی خونخوار نظروں سے اس کی طرف گھور رہی تھی۔

جمیلہ نے چیخنا چاہا مگر چیخ اس کے گلے میں پھنس کر رہ گئی۔ پھر نہ جانے کہاں سے اس کے جسم میں اتنی ہمت آگئی کہ وہ ایک جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھی اور باہر کی طرف لپکی۔ اس نے برقع پوش کو ایک زوردار دھکا مارا اور کمرے سے باہر بھاگی۔ برقع پوش شاید اس کے حملے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ ایک طرف جا گری اور جمیلہ نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

برقع پوش چھلاوے کی مانند اپنی جگہ سے اچھلی اور اس نے ایک دو جست میں ہی جمیلہ کو جا لیا۔ جمیلہ ابھی سیڑھیوں تک پہنچی ہی تھی کہ برقع پوش نے اپنے ایک ہاتھ سے جمیلہ کو دبوچا اور دوسرا ہاتھ سختی سے اس کے منہ پر رکھ دیا۔ پھر وہ اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے کے اندر واپس لے گئی۔ جمیلہ اس کی گرفت میں بری طرح مچل رہی تھی مگر برقع پوش عورت کی گرفت حیرت انگیز طور پر اتنی سخت تھی کہ جمیلہ کو ہلنے کا موقعہ بھی نہیں مل رہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ ایک عورت اتنی طاقت ور بھی ہوسکتی ہے کہ اس کی گرفت مردوں کی طرح آہنی ہو۔

کمرے میں آکر اس برقع پوش نے اپنے پیچھے پاؤں کی ایڑی کی مدد سے دروازہ بند کرنے کے بعد

جھٹکے سے جمیلہ کو ایک طرف پھینک دیا۔ اس سے پہلے کہ جمیلہ چیختی یا کوئی آواز نکالتی۔ برقع پوش نے اپنے ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا اور ایک لمبا سا شکاری خنجر اس کے ہاتھوں میں چمکنے لگا۔ خنجر دیکھتے ہی جمیلہ کی روح فنا ہو گئی۔ برقع پوش آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی۔ جمیلہ خوف کے مارے اپنے آپ میں سمٹتی جارہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں رحم کی درخواست تھی، ہونٹ تھرتھرا رہے تھے مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔

برقع پوش نے قریب آکر ایک جھٹکے سے جمیلہ کے سر کو اوپر اٹھایا۔ اس کی گردن کو اپنے چوڑے ہاتھوں میں یوں دبوچا جیسے کوئی مرغی ہو۔ اس کے سر کو جھٹکا دیا اور اس کے لمبے ریشمی بالوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ جمیلہ کا سر پیچھے کو کھنچ گیا اور اس کے منہ سے ایک سسکاری نکل گئی۔ برقع پوش نے خنجر کا تیز پھل جمیلہ کی شہ رگ پر رکھ دیا۔ جمیلہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بلک رہی تھی۔ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھی مگر برقع پوش پر تو جیسے ایک جنون سوار تھا۔ اس نے جھٹکا دے کر جمیلہ کا سر ایک طرف گھمایا اور پھر تیزی سے خنجر کے ایک ہی وار میں اس کے ریشمی چمک دار بال گدی کے قریب سے کاٹ دیے۔

جمیلہ ایک جھٹکے سے ایک طرف جا گری۔ برقع پوش نے کٹے ہوئے بال فرش پر پھینک دیے۔ جمیلہ بار بار اپنی گردن پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی گردن کٹنے سے بچ گئی تھی۔ اس کے لبوں سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور پھر وہ اپنی ساری ہمت جمع کرتے ہوئے اٹھ کر باہر بھاگی مگر برقع پوش نے اسے ایک بار پھر دروازے میں ہی دبوچ لیا اور اسے نیچے گراتے ہوئے اپنے گھٹنے کے نیچے دبا لیا۔ اس سے پہلے کہ جمیلہ مزاحمت کرتی برقع پوش نے اپنے خنجر کی نوک کی مدد سے اس کا لباس تار تار کرنا شروع کر دیا۔ برہنگی کا احساس ہوتے ہی جمیلہ بری طرح مچلنے لگی۔ اپنی عزت کے تحفظ کے احساس نے اس کے جسم میں نئی طاقت بھر دی تھی۔

زمین پر گری ہوئی جمیلہ نے اپنی مدد کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے تو اچانک جمیلہ کے ہاتھ میں فرش پر گرا ہوا پیتل کا ایک پرانا سا گل دان آگیا جو اپنی چمک کھو جانے کی وجہ سے اس اسٹور میں پھینک دیا گیا تھا۔ آج وہی جمیلہ کی مدد کو آیا۔ گل دان کو اپنے ہاتھ میں تھامتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اپنے جسم کو موڑا اور انتہائی تیزی سے برقع پوش کے سر پر وار کر دیا۔ وہ گل دان سیدھا اس کے سر کے پچھلے حصے سے ٹکرایا۔ پٹاخ کی آواز ابھری اور برقع پوش کوئی آواز نکالے بغیر ایک طرف ڈھیر ہو گئی۔

برقع پوش کے بوجھ سے آزاد ہوتے ہی جمیلہ اٹھی اور بجلی کی سی تیزی سے بھاگتی ہوئی چھت پر آئی اور سیڑھیاں اترنے لگی۔ آخری سیڑھی سے وہ تقریباً پھسل کر نیچے گری۔ اس کے گرنے کی آواز سن کر ماں اور راحیل دونوں باہر نکل آئے۔ باہر صحن میں جمیلہ گری پڑی تھی۔ اس کے بال کٹے ہوئے تھے اور لباس کچھ اس طرح تار تار تھا کہ پورا جسم نمایاں ہو رہا تھا۔ ماں نے لپک کر اسے سنبھالا اور راحیل نے کمرے کے اندر سے ایک چادر لا کر اس کا جسم ڈھانپ دیا۔ ماں گھبرائی ہوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''کیا ہوا..... کس نے کیا یہ سب کچھ۔''

جمیلہ نے لرزتے ہاتھوں سے چھت کی طرف اشارہ کر دیا۔ راحیل اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ماں بھی اس کے پیچھے تھی۔ چھت بالکل خالی پڑی تھی۔ ان کا مکان قصبے کے آخری سرے پر تھا اس لیے مکان کے پیچھے کھلے کھیت تھے۔ چھت پر چاروں طرف چھوٹی چھوٹی چار دیواری بنی ہوئی تھی۔ راحیل نے ہر طرف جائزہ لیا پیچھے کھیتوں کی طرف بھی جھانکا اور پھر سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

اس اثناء میں جمیلہ بھی اپنے جسم پر چادر لپ لرزتی کانپتی اوپر آگئی مگر اس نے سیڑھیوں سے او پاؤں نہیں دھرا۔ اس نے ابھی تک بولنا مشکل تھا۔ ا

آہٹ سن کر ماں اور راحیل دونوں نے پلٹ کر
ھا تو جمیلہ نے لرزتے ہاتھوں سے اسٹور کی طرف
رہ کیا جہاں وہ اس برقع پوش کو بے ہوش چھوڑ آئی
ں۔ اس کا اشارہ سمجھ کر راحیل محتاط قدموں سے اسٹور
طرف بڑھنے لگا۔ ماں جمیلہ کو سنبھالنے لگی۔ راحیل
ے چھت پر پڑی ٹوٹی ہوئی چارپائی کا ایک ڈنڈا اپنے
ھ میں لے لیا اور اسے تولتے ہوئے آگے بڑھا۔
مرے کے اندر روشن بلب کی ہلکی ہلکی روشنی باہر آرہی
ی۔ دروازہ اسی طرح چوپٹ پڑا تھا جیسے جمیلہ چھوڑ کر
ا گی تھی۔ راحیل نے محتاط انداز میں کمرے کے اندر
ھانکا اور پھر وہ تیزی سے کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔
ندہی لمحوں بعد وہ کمرے سے نکلا اور بولا۔

''یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے.....''

''کیا.....؟'' اس کی بات سنتے ہی جمیلہ
کھلا کر کمرے کی طرف لپکی۔ ماں بھی اس کے پیچھے
تھی۔ کمرے خالی پڑا تھا۔ ایک طرف جمیلہ کے کٹے
ہوئے بال گرے ہوئے تھے۔ دروازے کے پاس اس
کے لباس کی کچھ دھجیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ پیتل کا گل
دان بھی ایک طرف لڑھکا ہوا تھا مگر برقع پوش کہیں نہ
تھی۔ جمیلہ کا جسم ایک دم لہرایا اور وہ بے ہوش ہو کر
گرنے ہی والی تھی کہ ماں اور راحیل نے اسے تھام لیا
اور اٹھا کر نیچے لے آئے۔

☆.....☆.....☆

راحیل نے فوراً اپنے ماموں کو فون کیا جو تھوڑی
ہی دور دوسرے محلے میں رہتے تھے۔ وہ اپنے چھوٹے
بھائی کو لے کر فوراً ان کے گھر پہنچ گئے۔ اس وقت تک
جمیلہ کو بھی ہوش آچکا تھا اور وہ کچھ کہنے سننے کے قابل ہو
چلی تھی۔ ماموں کے آنے کے بعد جمیلہ نے جب ساری
بات بتائی تو سب حیران رہ گئے۔ ان کو سمجھ نہیں آرہا تھا
کہ برقع پوش کون ہے اور اس کا کیا مقصد تھا۔

ماموں نے سب کے مشورے سے پولیس کو
فون کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب پولیس وین آئی تو
پورے محلے میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ پولیس نے چھت

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

شوگر (ذیابطیس)

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابطیس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھئے اس کتاب میں۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر شٹی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

کا معائنہ کیا۔ جمیلہ کا بیان لیا اور رسمی تسلیاں دینے کے بعد واپس روانہ ہوگئے۔ پولیس کے جاتے ہی سارے محلے والے ان کے گھر جمع ہوگئے۔ تسلی دینے والے کم تھے مشورے دینے والے زیادہ تھے۔ پڑوس میں رہنے والی ماسی برکتے بولی۔

"میں تو کہوں یہ ضرور کسی جن، بھوت یا چڑیل، ڈائن کا کام ہے ورنہ کسی انسان کو بال کاٹنے کا کیا فائدہ؟"

ایک اور خاتون ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک کہتی ہو ماسی..... میں نے اس طرح کے ایک دو واقعات کے متعلق پہلے بھی سنا ہے۔ پار والے محلے میں رہنے والی میری بہن کے پڑوس میں بھی بالکل ایسا ہی ایک واقعہ ہو چکا ہے۔ یہ ضرور کسی ڈائن کا کام ہے۔"

ایسی باتوں نے جمیلہ اور اس کی ماں کے دل کو دہلا کر رکھ دیا۔ محلے والے جو تسلی تشفی دینے آئے تھے ان کو مزید دہشت میں مبتلا کر کے چلے گئے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی کیونکہ پھر تو ہر روز پاس پڑوس کے گاؤں سے ایسے ہی واقعات کی اطلاعات آنے لگیں۔ ہر چند روز کے بعد کسی نہ کسی لڑکی یا عورت پر حملہ ہوتا۔ اس کے بال کاٹ دیے جاتے اور لباس تار تار کر دیا جاتا۔ مگر حملہ آور کا کہیں سراغ نہ ملتا۔ وہ چھلاوے کی طرح کہیں سے نمودار ہوتا اور چھت پر تنہا لڑکی یا عورت پر حملہ کرتا اپنا کام کرتا اور غائب ہو جاتا۔ جو بھی خواتین اس کا نشانہ بنیں سب نے بتایا کہ حملہ آور برقع میں ملبوس ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ میں شکاری خنجر ہوتا ہے۔

سارے گاؤں میں خوف وہراس پھیل گیا۔ لوگ سر شام ہی گھروں میں بند ہو جاتے۔ نوجوان عورتوں کا باہر نکلنا اور تنہا چھت پر جانا محال ہوگیا۔ وہ چھلاوہ نہ جانے کہاں سے نمودار ہوتا اور اپنے شکار کو نشانہ بنا کر نہ جانے کہاں گم ہو جاتا۔ زیادہ تر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کوئی چڑیل یا ڈائن ہے جو نوجوان عورتوں اور لڑکیوں پر حملے کر رہی ہے۔ اس لیے تعویذ دھاگے کرنے والوں کا کام بھی خوب چمک اٹھا۔ پولیس اپنی روایتی ڈگر پر چل رہی تھی اس لیے ان سے تو کوئی امید ہی نہیں تھی۔ لوگوں نے اپنی بچیوں کی عزت بچانے کے لیے انہیں دوسرے گاؤں میں موجود اپنے رشتے داروں کے گھر منتقل کرنا شروع کر دیا۔ اس عمل سے گاؤں میں خوف وہراس زیادہ پھیل گیا۔ بالآخر بات پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچی تو حکام بالا نے معاملے کو سلجھانے کے لیے احکامات صادر کیے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

☆.....☆.....☆

جب ٹرین اس چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر رکی تو رات کافی بیت چکی تھی۔ میں اپنا چھوٹا سا بیگ سنبھالتا ہوا ٹرین سے اتر آیا۔ میں نے آس پاس نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ میں اس اسٹیشن پر اترنے والا واحد مسافر تھا۔ ٹکٹ چیکر تو بہت دور کی بات تھی کہیں کوئی قلی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد ٹرین نے وسل بجائی اور اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ میں نے بھی اپنا بیگ سنبھالا اور اسٹیشن سے باہر آگیا۔

مجھے امید تھی کہ اسٹیشن سے باہر کوئی تانگہ رکشہ وغیرہ مل جائے گا مگر یہاں تو ہر طرف اُلو بول رہے تھے بلکہ شاید وہ بھی نہیں بول رہے تھے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چھوٹی سی پکی سڑک دور تک جارہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ یہ سڑک مجھے قصبے تک پہنچا دے گی۔ میں نے اپنا بیگ کندھے پر لٹکایا اور اللہ کا نام لے کر چل پڑا۔

ریلوے اسٹیشن کے آس پاس کھیت ہی کھیت تھے۔ یہ سڑک بھی کھیتوں کے بیچ سے گزر رہی تھی۔ میں محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ میرا یہاں آنے کا ایک خاص مقصد تھا اور آنے سے پہلے مجھے خبر مل چکی تھی کہ اس قصبے میں ایک برقع پوش ڈائن کی افواہ گردش کر رہی ہے جو نوجوان عورتوں کے بال اور کپڑے کاٹ جاتی ہے۔ اس لیے مجھے چوکنا رہنے کا مشورہ ملا تھا۔

یہ بات ٹھیک تھی کہ یہ سب وارداتیں صرف عورتوں کے ساتھ ہی ہوئی تھیں مگر میرا خیال تھا کہ اگر یہ کسی جرائم پیشہ گروہ یا کسی مجرم کا کام ہے تو وہ کوئی بھی حرکت کرسکتے ہیں۔ تھوڑا آگے جانے کے بعد سڑک مغرب کی طرف گھوم گئی۔ اب سڑک کے دونوں طرف درخت نظر آرہے تھے جن میں اکثریت شیشم اور کیکر کے درختوں کی تھی۔ ان درختوں کے بیچ لمبے لمبے پتوں والے سرکنڈوں کے پودے سر اٹھائے کھڑے تھے جن کی وجہ سے سڑک کسی سرنگ کا منظر پیش کرنے لگی تھی۔ میں اس مقام سے جلد گزر جانا چاہتا تھا۔

دور کہیں کہیں ٹمٹماتی روشنیاں قصبے کے وجود کا پتہ دے رہی تھیں۔ اچانک میری چھٹی حس نے مجھے کسی دوسرے شخص کی موجودگی سے خبردار کیا۔ میرے اٹھتے قدم سست پڑنے لگے۔ میرے کان گردوپیش سے اٹھنے والی آوازوں پر پوری طرح مرکوز تھے۔ مجھے اپنے عقب میں ہلکی ہلکی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ اب مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں میں اپنا تعاقب کرنے والے کی خبر لے سکوں۔

تھوڑا آگے جاکر سڑک نے ہلکا سا بل کھایا۔ وہاں سرکنڈوں کی ایک گھنی جھاڑی تھی۔ وہاں مڑتے ہی میں نے ایک جست لگائی اور جھاڑی کے پہلو میں اگے شیشم کے ایک بڑے سے درخت کے تنے کے پیچھے دبک گیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک لمبا چوڑا شخص منہ پر کپڑا لپیٹے اور ہاتھ میں ایک لاٹھی پکڑے دبے پاؤں آتا نظر آیا۔ وہ آس پاس یوں دیکھ رہا تھا جیسے مجھے تلاش کررہا ہو۔ یقیناً اسے تشویش تھی کہ میں اچانک کہاں غائب ہوگیا ہوں۔

جونہی وہ میری زد میں آیا میں نے ایک لمبی جست لگائی اور اسے رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔ وہ بھی ایک طاقت ور شخص تھا۔ میرے وار کو سہہ گیا مگر لاٹھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اس نے مڑ کر الٹے ہاتھ کی ایک ضرب میرے چہرے پر لگانے کی کوشش کی۔ میں نے جھکائی دے کر اس کا وار خالی جانے دیا مگر پھر بھی اس کا ہاتھ میرے شانے پر پڑا اور میں لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ وہ یقیناً ایک مضبوط آدمی تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے لپک کر اپنی لاٹھی اٹھانے کی کوشش کی مگر میں اسے یہ موقع دینے کے حق میں نہیں تھا۔

میں نے اس کی ایک ٹانگ دبوچ لی جس کی وجہ سے وہ الٹ کر سڑک پر جا گرا۔ اس کا سر زور سے زمین سے ٹکرایا تو ایک بلبلاتی ہوئی چیخ اس کے ہونٹوں سے نکلی۔ حیرت انگیز طور پر اس نے پلٹ کر دوسری ٹانگ میرے سینے پر دے ماری۔ میرے ہاتھوں سے اس کی ٹانگ نکل گئی اور میں کمر کے بل زمین پر گر گیا۔ مجھے گرتے دیکھ کر وہ شیر ہوگیا۔ بجلی کی سی تیزی سے اٹھا اور سیدھا میرے اوپر آن گرا۔ میں نے اسے جھکائی دینے کی کوشش کی مگر بچ نہ سکا۔ اب ہم دونوں گتھم گتھا ہوچکے تھے۔ کچھ دیر یونہی ہم ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر مجھے موقع مل ہی گیا میں نے اس کا سر زور سے زمین پر دے مارا۔ ایک تیز چیخ کے ساتھ اس نے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیے۔ میں نے فوراً اس کی گردن اپنے بازوؤں کے شکنجے میں دبالی اور اپنا گھٹنا اس کی کمر پر رکھ کر اس کو بے بس کردیا۔

''کون ہو تم.....اور میرا تعاقب کیوں کررہے ہو؟'' میں نے غصے سے پوچھا۔

''پہلے یہ بتاؤ تم کون ہو اور اتنی رات گئے کہاں سے آرہے ہو؟'' جواب دینے کی بجائے اس نے الٹا سوال کردیا۔

''یہ تو میں تمہیں اب پولیس اسٹیشن لے جاکر ہی بتاؤں گا۔'' میں نے اپنا شکنجہ مزید کستے ہوئے جواب دیا۔

میری بات سن کر اس کا لہجہ بدل سا گیا اور وہ کہنے لگا۔

''اگر تم مجھے پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتے ہو تو پھر جان لو کہ میں یہاں کا ایس ایچ او ساندل خان ہوں۔''

اس کی بات سنتے ہی میری گرفت نرم پڑ گئی۔''
اس بات کا کیا ثبوت ہے؟'' میں نے شک بھرے لہجے میں پوچھا۔

''میری اوپر والی جیب میں میرا پولیس کارڈ ہے۔'' اس نے درد سے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے فوراً ایک ہاتھ سے اس کی جیب ٹٹولی تو واقعی وہاں ایک کارڈ موجود تھا۔ جسے میں نے قدرے روشنی کی طرف کر کے دیکھا تو پہچان گیا کہ یہ واقعی پولیس کارڈ تھا کیونکہ میرا بھی سارا دن انہی کارڈوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ میں نے اپنی گرفت ڈھیلی کی تو اس نے مچل کر اپنی گردن چھڑا لی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا۔

''اب تم بتاؤ..... تم کون ہو اور اتنی رات گئے اکیلے یہاں اس ویرانے میں کیا کر رہے ہو؟''

میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے کپڑے درست کیے۔ بالوں پر ہاتھ پھیر کر انہیں اپنی جگہ جمایا۔ بیگ اٹھا کر کندھے پر رکھا اور پھر اپنی جیب سے ویسا ہی کارڈ نکال کر ساندل خان کے سامنے لہرایا۔'' انسپکٹر ضمیر..... سپیشل سروس..... کرائم برانچ۔''

میرے کارڈ پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل کر سیدھا کھڑا ہوا اور اضطراری حالت میں مجھے سلیوٹ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''سر..... اس علاقے میں ایک مجرم پھر رہا ہے جو عورتوں کے بال اور کپڑے کاٹ جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں وہ چڑیل یا ڈائن ہے مگر میں سمجھتا ہوں یہ کوئی مجرم ہے اس لیے میں اس علاقے میں گشت کر رہا تھا تاکہ مشکوک لوگوں پر نظر رکھ سکوں۔''

''جانتا ہوں اور اسی معاملے کو حل کرنے کے لیے مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔'' میں نے اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب میرے ساتھ چلو مجھے تھانے پہنچنا ہے۔''

☆.....☆.....☆

تھانے پہنچتے ہی میں نے روزنامچہ اور دوسری تمام فائلیں منگوالیں جن میں اس بال کاٹنے والی ڈائن کے متعلق واقعات، شکایات اور دوسری تفصیل درج تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ کون کر رہا ہے۔ کیوں کر رہا ہے۔ اتنا تو مجھے یقین تھا کہ یہ سب کسی چڑیل کی نہیں بلکہ کسی انسان کی کارروائی ہے کیونکہ کوئی چڑیل چاقو یا خنجر سے کام نہیں لیتی۔ جب کہ ان سب واقعات میں کپڑے اور بال خنجر سے کاٹے گئے تھے۔

تھانے کے ساتھ ہی کوارٹر بنے ہوئے تھے وہیں ایک کمرہ میرے لیے تیار کر دیا گیا۔ میں نہا دھو کر وہاں جا کر سو گیا۔ سوتے ہوئے بھی میرے ذہن میں یہی کیس گھوم رہا تھا۔ صبح جب آنکھ کھلی تو ایک نیا ہی معاملہ میرا انتظار کر رہا تھا۔

جب تھانے پہنچا تو معلوم ہوا کہ رات اس ڈائن نے پھر ایک وار کیا ہے۔ مگر اس بار اس کا نشانہ کوئی عورت نہیں بلکہ ایک نوجوان لڑکا وقاص تھا۔ وقاص چھت پر اکیلا سو رہا تھا کہ برقع پوش چڑیل نے حملہ کر دیا۔ وہ بال تو نہیں کاٹ سکی مگر اس کے کپڑے کاٹ گئی تھی۔ ان لوگوں نے صبح تھانے میں رپورٹ درج کروائی تھی۔ وقاص خوف زدہ نظر آ رہا تھا اور وہ رپورٹ درج کروانے کے حق میں نہیں تھا مگر اس کے بزرگ اس پر مصر تھے۔

بیانات کے مطابق محلے کے ایک آدمی نے جو اپنے گھر کی کھڑکی سے اتفاقاً باہر جھانک رہا تھا ایک برقع پوش کو وقاص کے گھر کی چھت پر چڑھتے دیکھا۔ پہلے تو وہ اسے دیکھ کر ڈر گیا مگر پھر اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ اس کا شور سن کر کافی لوگ اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے وقاص کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ جب سارے لوگ چھت پر پہنچے تو وقاص بے ہوش پڑا ملا۔ اس کا سارا لباس پھٹا ہوا تھا۔

میں نے کئی لوگوں سے سوالات کیے مگر کسی نے بھی اس برقع پوش کو بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ ساری بات سننے کے بعد میں نے ساندل خان کو ساتھ لیا اور ان لوگوں کے

ساتھ وقاص کے گھر پہنچ گیا۔ مقصد جائے وقوعہ کا معائنہ کرنا تھا مگر میرے ذہن میں کئی ایک تشنہ سوالات سر اٹھا رہے تھے۔ میں نے ساری چھت کو اچھی طرح دیکھا۔ اس چھت سے گلی میں اترنا نہایت آسان تھا۔ تین اطراف مکان تھے۔ گلی والی طرف کھلی تھی۔ اگر وہ برقعہ پوش اس طرف سے اوپر آیا تھا تو پھر واپس کس طرف سے گیا اور اسے کسی نے جاتے ہوئے کیوں نہیں دیکھا۔ دوسرا اور اہم سوال یہ تھا کہ اس دفعہ اس برقع پوش چڑیل نے کسی عورت کی بجائے ایک نوجوان پر حملہ کیوں کیا تھا؟۔

میں نے وقاص سے کئی ایک سوالات کیے مگر وہ کسی کا بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ اس نے بتایا کہ وہ سو رہا تھا جب اس نے کسی کے چھت پر کودنے کی آواز سنی۔ آنکھ کھلی تو ایک برقع پوش چھت پر موجود تھا۔ جس نے کوئی بات کیے بغیر خنجر سے اس پر حملہ کر دیا۔ وقاص نے بھاگنے کی کوشش کی مگر ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ سر زمین سے ٹکرانے کے باعث بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو سارے اہل محلہ اس کے گرد اکٹھے تھے۔

جب میں تھانے واپس پہنچا تو میں نے کچھ سوچ کر ساندل خان کو وقاص پر نظر رکھنے کی خاص ہدایت کی۔ اس نے فوراً ایک تجربہ کار سپاہی کو اس کام پر مقرر کر دیا۔ مجھے وقاص پر شک ہو رہا تھا کہ وہ ضرور کچھ چھپا رہا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ رپورٹ کے مطابق اس دن کسی اور جگہ اس ڈائن کا حملہ نہیں ہوا تھا بلکہ کئی دن خیریت سے گزر گئے مگر لوگ ابھی تک خوف زدہ تھے۔

مجھے بار بار شک ہو رہا تھا کہ وقاص اس معاملے کو سلجھانے میں ہمیں مدد دے سکتا ہے۔ جب تین چار دن گزر گئے اور جو سپاہی وقاص کی نگرانی پر مقرر تھا وہ کوئی خاص خبر نہ لا سکا تو میں نے خود ہی کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس رات میں نے ساندل خان کو ساتھ لیا اور وقاص کے گھر سے تھوڑی دور ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے وقاص کے گھر کا دروازہ صاف نظر آ رہا تھا۔ ساندل خان کو اس کارروائی کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر تو وہ خاموش بیٹھا رہا پھر سرگوشی کے انداز میں پوچھنے لگا۔

''سر!..... آپ کو وقاص پر شک کیوں ہے؟ یہ بے چارہ تو خود اس ڈائن کا شکار بنا ہے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے ساندل خان کی طرف دیکھا اور بولا۔

''ساندل خان لگتا ہے تم پولیس میں چنے دے کر بھرتی ہوئے ہو۔ کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ آج تک اس ڈائن نے صرف عورتوں کو نشانہ بنایا اب ایک دم اس نے کسی مرد کو نشانہ کیوں بنایا۔''

''یہ اس کی مرضی ہو سکتی ہے۔'' ساندل خان نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔ میری بات شاید اسے ناگوار گزری تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں اس سے مزید کوئی بات کرتا مجھے وقاص کی گلی کے آخری سرے پر ایک سایہ سا لہراتا نظر آیا۔ میں نے انگلی کے اشارے سے ساندل خان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اسے سایہ کی طرف متوجہ کیا۔ سائے کو دیکھتے ہی اس کی پولیس والی ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔ وہ چوکنا نظر آنے لگا تھا۔

وہ سایہ تھوڑی دور ایک بغلی گلی میں مڑ گیا۔ میں محتاط انداز میں اٹھا اور دبے پاؤں سائے کا تعاقب کرنے لگا۔ ساندل خان میرے پیچھے تھا۔ گلی میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ وہ کوئی برقع پوش خاتون تھی جو ایک طرف جا رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی ساندل خان ایک لمحے کے ٹھٹکا پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''یہ کوئی انسان ہے یا ڈائن۔ آج میرے ہاتھ سے بچے گی نہیں۔''

میں نے ساندل خان کی طرف ستائشی نظروں سے دیکھا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑا آگے جا کر وہ برقع پوش ایک اور گلی میں مڑ گئی۔ میرے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔ ساندل خان نے قریب ہوتے ہوئے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''سر!..... میں اس علاقے سے اچھی طرح واقف ہوں۔ آپ اس کا پیچھا جاری رکھیں۔ میں ساتھ والی گلی میں سے ہوکر اسے آگے سے جا کر پکڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

میں نے کوئی جواب دینے کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ساندل خان فوراً ہی ایک چھوٹی سی گلی میں گھس گیا۔ میں محتاط ہوکر اس برقع پوش کے پیچھے چلتا رہا۔ وہ محتاط انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ اب ہم ایک کھلے علاقے میں پہنچ چکے تھے جہاں گھر تھوڑی دور دور بنے ہوئے تھے۔ ایک گھر کے پچھواڑے میں وہ برقع پوش رک گئی۔ ایک نظر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر حیرت انگیز طور پر بندر کی سی پھرتی سے مکان کی دیوار پر چڑھنا شروع کر دیا۔

اسے دیوار پر چڑھتے دیکھ کر میں اپنا ریوالور نکال کر تیزی سے اس کی طرف بھاگا اور ساتھ ہی للکارا۔

''رک جاؤ..... ورنہ گولی مار دوں گا۔''

میری آواز سنتے ہی اس برقع پوش کی رفتار تیز ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کرتا ایک طرف سے ساندل خان نمودار ہوا اور اس نے ایک پتھر گھما کر برقع پوش کو دے مارا جو سیدھا اس کی ٹانگ پر جا کر لگا۔ اسی وقت میں نے بھی ایک فائر کر دیا۔ گولی کی آواز اور شور شرابہ سنتے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں سے جھانکنے لگے۔ کچھ تو باہر بھی نکل آئے۔

دوسری طرف وہ برقع پوش پتھر لگنے اور پھر فائر کی آواز سن کر سیدھی زمین پر آن گری۔ میں نے لپک کر اسے دبوچ لیا۔ ساندل خان بھی میری مدد کر رہا تھا۔ وہ مضبوط آدمی تھا اس کی گرفت بھی سخت تھی مگر برقع پوش بھی سخت جان تھی۔ اسے قابو کرنے میں ہمیں دقت ہو رہی تھی۔ ساندل خان نے اس کی گدی پر ایک زور کا ہاتھ مارا تو برقع پوش بے جان ہوکر زمین پر گر گئی۔ شاید وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

لوگوں کا ایک ہجوم ہمارے آس پاس اکٹھا ہو چکا تھا مگر وہ سخت خوف زدہ نظر آ رہے تھے۔ اس لیے کوئی بھی قریب آنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔ برقع پوش کے بے ہوش ہوتے ہی ساندل خان نے اس کے چہرے کے نقاب کھینچ ڈالا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی پورا ہجوم چیخ اٹھا۔ ان کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا۔ وہ جو کچھ دیکھ رہے تھے اس پر ان کو یقین نہیں آ رہا تھا مگر مجھے پورا یقین تھا۔ میرا شک بالآخر درست ثابت ہوا تھا۔

نقاب کے پیچھے وہی نوجوان وقاص تھا جس پر چند دن پہلے حملہ ہوا تھا اور مجھے جس پر شک تھا۔ میں نے ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ ساندل خان کی طرف دیکھا تو وہ ایک کھسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''آپ درست تھے جناب.....''

''تو پھر تھانے فون کرو۔ جوانوں کو بلاؤ اور پریس کو بھی خبر کر دو۔'' میں نے ہاتھ جھاڑ کر اٹھتے ہوئے اسے ہدایات دیں۔

☆.....☆.....☆

آخر کار ڈائن کا معمہ اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ لوگ حیران تھے کہ جسے وہ ڈائن یا چڑیل کا کمال سمجھتے تھے وہ سب ایک انسان کا کام تھا۔ پہلے تو وقاص نے کچھ بھی قبول نہ کیا مگر جب ساندل خان نے اسے ایک آدھ گھنٹہ ڈرائنگ روم کی سیر کروائی تو وہ توتے کی طرح سب کچھ بولنے لگا۔ اس نے بتایا کہ وہ جس لڑکی یا عورت سے دوستی نہیں کر سکتا تھا اس کے ساتھ ڈائن والا کھیل کھیلتا تھا۔

اس کام کا آغاز اس نے جمیلہ والے کیس سے کیا تھا۔ پہلے تو اس کا مقصد صرف اسے خوف زدہ کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا تھا مگر پھر اس کا حوصلہ بڑھ گیا اور اس نے اس پر حملہ کر کے غصے میں اس کے بال کاٹ ڈالے مگر جمیلہ نے گل دان سے جو ضرب اسے لگائی تھی اس کی وجہ سے اسے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد اس نے ضد اور انا میں آ کر دوسری عورتوں اور لڑکوں پر حملے شروع کیے۔ جب ان واقعات کا تعلق کسی ڈائن یا چڑیل سے جوڑا گیا تو اس نے اپنی کارروائیوں کو مزید پراسرار بنا کر لوگوں کے اس وہم کو تقویت دینا شروع کر دی اور ان کے خوف سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔

''مگر تم نے اپنے اوپر حملے کا ڈرامہ کیوں رچایا؟'' ساندل خان نے سخت لہجے میں پوچھا تو وقاص کہنے لگا۔

''اس رات میں اپنے ایک نئے شکار پر حملہ کرنے جارہا تھا کہ اس بے وقوف پڑوسی نے مجھے دیکھ لیا اور شور کرنا شروع کر دیا۔ میں اس وقت چھت سے نیچے اتر رہا تھا مگر وہ سمجھا کہ میں چھت پر چڑھ رہا ہوں۔ اس کا شور سن کر میں دوبارہ اپنی چھت پر واپس چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ لوگ اس پڑوسی کا واویلا سن کر چھت پر ضرور آئیں گے۔ اس لیے میں نے خود ہی اپنے کپڑے پھاڑے، برقع اور خنجر اپنی جگہ پر چھپائے اور بے ہوش ہونے کی اداکاری کرنے لگا تاکہ لوگوں کی توجہ میری طرف ہو جائے اور وہ کوئی ایسی کارروائی نہ کریں جو میرے لیے مشکل بن جائے۔''

ساندل خان نے اس کے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھا اور اسے دباتے ہوئے بولا۔

''بے وقوف مچھندر!..... تم تو اپنی کوشش میں کامیاب ہو ہی گئے تھے اگر ہمارے سر کو تم پر شک نہ ہو جاتا تو.....''

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔

''مجرم جتنا مرضی چالاک ہو مگر قدرت اس کی مدد نہیں کرتی کیونکہ وہ جھوٹ کا سہارا لے رہا ہوتا ہے۔ اس کی بس ایک غلطی اسے مروا دیتی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اب تم اپنے گناہ کی سزا بھگتو۔''

اس کے بعد میں نے ہیڈ کوارٹر اس سارے معاملے کی رپورٹ بھیجی اور مجرم کی گرفتاری کی خبر دی۔ اس کے بعد میں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ میرے دماغ سے ایک بوجھ اتر چکا تھا اس لیے جلد ہی نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔ میں دوسرے دن دوپہر کے بعد تک سوتا رہا۔ اس دوران میں ساندل خان نے مجرم کا چالان مکمل کیا۔ اسے عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ لیا اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔

جاگنے کے بعد میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ شام کو ساندل خان میرے پاس آیا تو میں اپنا بیگ باندھ رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

''بس میرا کام ختم۔ کیس حل ہو گیا۔ اب مجھے واپس جا کر رپورٹ کرنی ہے۔'' میں نے سرسری سا جواب دیا۔

''میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس کیس میں میری مدد کی۔'' ساندل خان ممنونیت بھرے لہجے میں بولا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں آج رات کا کھانا کسی اچھے سے ہوٹل سے کھائیں۔''

اس کی سادگی دیکھ کر میں منع نہ کر سکا۔ شام کو وہ مجھے اپنے ساتھ ایک اوسط درجے کے ریسٹورنٹ میں لے گیا جو اس علاقے کے لحاظ سے واقعی سب سے اچھا تھا۔ ہوٹل کا عملہ یقیناً ساندل خان کو جانتا تھا اس لیے وہ اسے مکمل پروٹوکول دے رہے تھے اور ساندل خان اسی پر باچھیں کھلائے بیٹھا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد جب ہم باہر نکلنے لگے تو میں نے ساندل خان کو یاد دلایا کہ اس نے کھانے کا بل تو ادا ہی نہیں کیا۔ تو وہ بولا۔

''اس کی فکر نہ کریں سر جی۔ ان کے ساتھ میرا حساب چلتا ہے۔'' پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔

''کھانے کے بعد پان مل جائے تو مزا ہی آجاتا ہے۔ آپ ادھر ہی رکیں میں ابھی پان لے کر آیا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک پان کی دکان کی طرف لپک گیا۔ میں ساندل خان کے انتظار میں کھڑا آس پاس یونہی دیکھنے لگا۔ وہاں بہت زیادہ رش نہیں تھا۔ اچانک میں چونک اٹھا۔ ہوٹل سے چند گلیاں آگے مجھے ایک مشکوک انسان نظر آیا بلکہ اسے عورت کہیں کیونکہ وہ برقع اوڑھے ہوئے تھی۔ مجھے جس چیز نے اس کی طرف متوجہ کیا تھا وہ یہ کہ حالیہ واقعات کے بعد کوئی بھی اکیلی عورت شام کے بعد گھر سے نہیں نکلتی تھی اور دوسرا یہ عورت اسی قسم کے برقع میں ملبوس تھی جیسا وقاص اوڑھ

کر ڈائن والے حملے کرتا تھا۔ وہ عورت مشکوک انداز میں اِدھر اُدھر جھانک رہی تھی۔

میرے اندر کا سراغ رساں بیدار ہونے لگا۔ وہ عورت مڑی اور تیزی سے گلی میں گھس گئی۔ میں فوراً اس کے پیچھے لپکا اور گلی کے سرے پر پہنچ گیا۔ وہ عورت تیز تیز قدم اٹھاتی گلی میں چلی جارہی تھی۔ میں نے دیکھا وہ گلی بند تھی۔ بالکل سامنے ایک اونچی دیوار بنی ہوئی تھی۔ میری موجودگی کا احساس کرتے ہی وہ عورت تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔

''رک جاؤ کون ہو تم..... میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' میں نے اسے پکارا۔

میری آواز سنتے ہی اس کی رفتار مزید تیز ہوگئی۔ اس وقت تک وہ بند گلی کے سرے پر پہنچ چکی تھی۔ دیوار کے پاس پہنچتے ہی وہ مڑی۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار والا بڑا سا شکاری چاقو چمک رہا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہی ہو۔

چاقو دیکھتے ہی میں چوکنا ہوگیا اور محتاط قدموں سے آگے بڑھنے لگا اور سوچنے لگا وقاص تو گرفتار ہو چکا ہے، پھر یہ کون تھی۔ اب یہ کیا نیا قصہ شروع ہونے جارہا تھا۔ میں مزید کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ پھرتی سے میں نے اپنا ریوالور جیب سے نکال کر اس پر تان لیا۔ ریوالور دیکھتے ہی اس برقع پوش نے اپنا ہاتھ یوں لہرایا جیسے وہ مجھ پر چاقو پھینکنا چاہ رہی ہو۔

اس کا انداز دیکھتے ہی میں نے بے اختیار گولی چلا دی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور برقع پوش زمین پر آن گری۔ میں فوراً اس کی طرف لپکا مگر قریب پہنچتے ہی میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ مجھے میرے حواس سُن ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ دیوار کے پاس صرف ایک کالا برقع زمین پر پڑا ہوا تھا اور اس کے اندر کوئی انسان نہیں تھا..... وہ کہاں گئی.....؟

اسی وقت مجھے اپنے عقب میں گھروں کی کھڑکیاں دروازے کھلنے کی آواز سنائی دی اور پھر چند بھاگتے قدم میری طرف بڑھنے لگے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو لوگ اپنے گھروں سے باہر جھانک رہے تھے اور ساندل خان بھاگتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ آتے ہی وہ پوچھنے لگا۔

''کیا ہوا سر..... گولی کیوں چلائی۔ میں تو آپ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ آپ اس گلی میں کیا کر رہے ہیں؟۔''

اس نے ایک ساتھ کئی سوال داغ دیے۔

''ایک مشکوک شخص اس گلی میں داخل ہوا تھا میں اس کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آگیا، مگر شاید وہ بھاگ گیا ہے۔'' میں نے اسے ٹالنے کے لیے بات بنائی۔ اب میں اسے کیا بتاتا کہ وہ عورت برقع میں سے کہاں غائب ہوگئی۔

ساندل خان نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بولا۔

''بھاگ کہاں سکتا ہے، یہ گلی تو بند ہے۔ لگتا ہے آپ کو وہم ہوا ہے۔''

اس کی بات سن کر میں نے مڑ کر گلی کی دیوار کی طرف دیکھا تو ایک بار پھر میرا دماغ دھواں بن کر اڑنے لگا۔ مجھے چکر سے آنے لگے۔ دیوار کے قریب پڑا کالا برقع بھی اب غائب ہو چکا تھا۔ جگہ یوں صاف تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ دماغ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ مجھے وہم ہوا ہے۔ پھر وہ کون تھی جو کالا برقع اوڑھے اس گلی میں داخل ہوئی، اس نے مجھ پر خنجر سے حملہ کرنے کی کوشش کی اور پھر غائب ہوگئی۔ میں کچھ دیر خالی جگہ کو گھورتا رہا پھر ساندل خان کی طرف مڑا اور بولا۔

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو ساندل خان!..... مجھے وہم ہی ہوا ہے۔ آؤ یہاں سے چلیں۔''

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کا بازو تھاما اور واپس ہولیا۔ دوسرے دن میں اسی ریلوے اسٹیشن سے واپسی کی ٹرین پر سوار ہوگیا مگر اپنے ساتھ بہت سے سوالات لیے جارہا تھا کہ اگر وقاص پکڑا گیا تھا تو وہ کون تھی جو بند گلی میں غائب ہوگئی تھی۔ کیا وہ واقعی ڈائن تھی۔

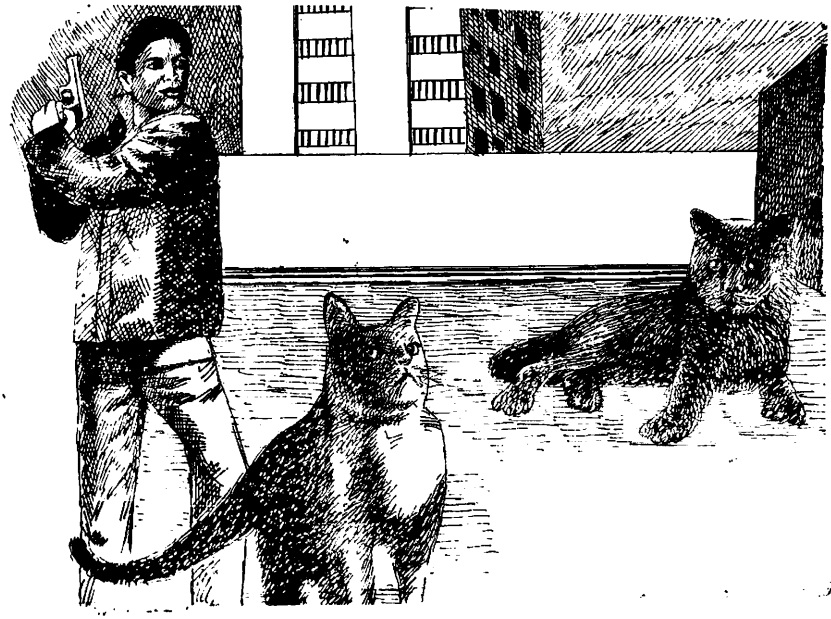

تریاق

میمونہ ارم مون شاہ۔کلر کہا

رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی اور افق پر چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا کہ اچانک کھڑکی کے پٹ زور زور سے ہلنے لگے پھر اچانک ڈرائونی آواز سنائی دی تو.....

دل و دماغ بلکہ عقل کو حیران کرتی لرزیدہ لرزیدہ خوف کا سکہ بیٹھاتی ڈراؤنی کہانی

رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی اور افق پر موجود چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔حریم شہزاد جو شہزاد ابراہیم اور ثانیہ شہزاد کی نازوں پلی اکلوتی اولاد تھی اس وقت اپنے کمرے میں جہازی سائز کے بیڈ پر بیٹھی موجودہ دور کی مصنفہ علینہ عرفان کا ناول ''کالا تعویذ'' پڑھنے میں اس طرح سے مگن تھی کہ اسے اردگرد کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ایک دم سے کھڑکی میں کھٹکا سا ہوا حریم نے ایک نظر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔باہر شاید طوفان تھا کھڑکی کا پردہ زور زور سے ہلتا دکھائی دیا۔اسے اپنا پسندیدہ ناول پڑھتے ہوئے طوفان کی آمد کی یہ مداخلت بالکل بھی پسند نہ آئی اس نے اٹھ کر کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے اور پردے برابر کر دیئے۔یہ کہانی اتنی دلچسپ تھی کہ اسے ختم کرنے کے لیے وہ ناول اور خود کے بیچ یہ رات کا فاصلہ بھاری محسوس ہو رہا تھا مگر کچھ تو تھا جو اسے کھٹک

رہا تھا اگلے کچھ پلوں میں اس کا دماغ نیند کی زیادتی کی وجہ سے بوجھل پڑ رہا تھا مگر وہ بھی بضد تھی کہ اسے یہ ناول مکمل کر کے سونا ہے۔ رات دھیرے دھیرے سرکتی جا رہی تھی ہوا میں خنکی کے شور کے ساتھ ساتھ باہر اداسی میں کسی کے غصے کی شدت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

رات کے ڈھائی بج رہے تھے وہ مزے سے اپنے بستر میں پڑی خوابوں کی دنیا میں گم تھی اس کے سینے پر ناول اوندھا پڑا ہوا تھا جس سے یہ سمجھنے میں دقت پیش آ رہی تھی کہ اگر اس نے ناول مکمل کر لیا ہے تو وہ اس کے پاس کیوں موجود ہے اگر مکمل نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ اس نے اسے ادھورا چھوڑا اور خود نیند کے مزے لے رہی ہے۔ یہ باتیں صرف حریم کے ذہن تک رسائی حاصل کر کے ہی معلوم کی جا سکتی تھیں اور جسے سب معلوم کرنا تھا اس کی آمد کے اثرات شروع ہو گئے۔

گھڑی کی سوئیاں کچھ سیکنڈ ہی اوپر گئی ہونگی کہ اچانک سے کھڑکی کے پٹ زور زور سے ہلنے لگے پردے خود بخود سائیڈ پر ہو گئے اور ایک ہی جھٹکے سے کھڑکیاں کھل گئیں۔ تبھی کھڑکی کے راستے ایک کالی موٹی بلی کمرے میں داخل ہوئی اس کی آنکھیں اندھیرے میں بھی چمک رہی تھیں۔ ایک ہی جست میں وہ سوئی ہوئی حریم کے بستر پر چڑھ گئی اور سرہانے بیٹھ کر اس کے بالوں میں اپنے پنجے ایسے چلانے لگی جیسے کوئی ماں پیار سے اپنی بیٹی کے بالوں کو سہلاتی ہے۔ کچھ وقت بعد بلی نے پنجوں کی گردش روک دی وہ کچھ پل حریم کے چہرے کی جانب دیکھتی رہی اچانک اس نے اپنے منہ سے ہلکی مگر مخصوص آواز نکالی اور پنجے مارنے کی وجہ سے حریم کے سر سے بہنے والے خون پر اپنا منہ رکھ دیا۔ کچھ پلوں میں وہ اسی کھڑکی کے ذریعے باہر کی طرف نکل کر اندھیرے میں گم ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

فجر کے وقت حریم کی آنکھ الارم کی آواز سے کھلی۔ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھی اور وضو کرنے کے لیے واش روم میں گئی جب واپس آ کر اس نے کمرے کی لائٹ آن کی تو اس کے بستر پر پڑے کالی بلی کے بال ایک دم سے غائب ہو گئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد حریم نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور باہر لان میں چلی آئی۔

کچھ دیر شبنم بھری گھاس پر ٹہلنے کے بعد وہ پودوں کے پاس لگے جھولے پر بیٹھنے کے لیے آگے بڑھی تو وہ جھولا خود سے جھولنا شروع ہو گیا حالانکہ اس وقت ہوا بھی نہیں تھی۔ معمول کے ہوتے ان واقعات کو حریم نے مکمل طور پر نظر انداز کیا اور جھولے پر بیٹھ کر سکون سے آنکھیں بند کر لیں اس بات سے انجان کہ سامنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی سیاہ بلی کو اس کا یہ انداز بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔ روز کی طرح حریم کی کنپٹی کے پاس سے درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھیں اسے لگتا تھا جیسے روز ہی اس کے سر کا آپریشن کیا جاتا ہو اور وہاں سے آہستہ آہستہ سب کچھ باہر نکالا جاتا ہو۔ مگر وہ نئے دور کی پڑھی لکھی لڑکی تھی اس نے اپنا دھیان ایسی باتوں سے ہٹا کر سر جھٹکنے کی کوشش کی وہ حیران تھی کہ اس نے ایسی عجیب باتیں کب سے سوچنا شروع کر دی ہیں۔

☆.....☆.....☆

کالج جاتے ہی گیٹ میں اسے اپنی اکلوتی دوست عائشہ مل گئی۔ جو ایک ہفتے کی چھٹیاں لے کر اپنے گاؤں گئی ہوئی تھی وہاں اس کے دادا کی حویلی تھی۔ عائشہ کے والد صاحب کے دو بھائی اور ایک بہن تھے جو کہ گاؤں میں رہتے تھے عائشہ کے والد چونکہ آرمی آفیسر تھے تو انہوں نے اپنی فیملی کو اپنے ساتھ اسلام آباد ہی رکھا ہوا تھا۔ جبکہ حریم کے والد اکلوتے تھے اور اس کی والدہ کے دو بھائی یورپ میں رہتے تھے۔ حریم کے ماموں چاہتے تھے کہ حریم یہ سال اپنی پڑھائی یہاں مکمل کرے اور ہائیر ایجوکیشن کے لیے ان کے پاس چلی آئے۔ لیکن اس کی اپنی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے والدین کے پاس رہ کر تعلیم جاری رکھے اور ساتھ ساتھ بابا کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ اکلوتی ہونے کے باوجود اس کی طبیعت میں نرمی سی تھی اور وہ بلا اعتراض والدین کی بات مان لیا کرتی تھی۔ ان کے گھر میں کوئی

اور بھی تھا جسے حریم کے گھر سے باہر نکلنے پر بھی اعتراض تھا اور وہ تھی اس سیاہ بلی کی مالکن ''صوفیہ احمد۔''

☆.....☆.....☆

صوفیہ احمد کالے علم کا جانا مانا نام جو کسی ہنستے بستے کو منٹوں میں اجاڑ کر اس کی تباہی پر قہقہے لگایا کرتی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے پیسوں کی ضرورت تھی اور وہ اس لائن میں ایسا کام کرتی تھی سچ تو یہ تھا کہ بزنس کی دنیا میں اس کا بہت بڑا نام تھا۔ اپنے حریف کو کالے علم کے ذریعے ناکوں چنے چبوانا اس کی عادت تھی وہ انہیں اتنا مجبور کر دیتی تھی کہ تھک ہار کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔ پچھلے ایک سال سے جو حریف اس کے سامنے آیا وہ کوئی اور نہیں اس کا بیسٹ فرینڈ اور سچا پیار تھا جسے دور سے ہی وہ من ہی من بہت پیار کرتی تھی۔ پڑھائی مکمل ہونے کے بعد وہ بزنس سیکھنے کے لیے چار سال کے لیے کینیڈا چلی گئی اور جب وہ کامیاب بزنس وومن بننے کے بعد واپس وطن لوٹی تو خبر ملی کے وہ اپنی محبت کو ہمیشہ کے لیے کھو چکی ہے کیونکہ اس کے پیار یعنی ''شہزاد ابراہیم'' کی نہ صرف شادی ہو چکی تھی بلکہ اس کی ایک سال کی بیٹی بھی تھی۔

''میں تمہیں کبھی خوش نہیں رہنے دوں گی۔''

اس بات نے جہاں اسے اندر سے توڑ دیا تھا وہیں اس کے اندر رقابت کا جذبہ بھی پیدا کر دیا تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ کینیڈا میں اس کا مذاق مذاق میں سیکھا کالا علم آگے کتنے لوگوں کی ہنستی بستی زندگی برباد کر دے گا اپنے حریفوں کو تکلیف دینا تو اس کے لیے عام سی بات بن چکی تھی۔ ان بیس سالوں میں وہ بے تحاشا امیر کبیر اور ملک کی مشہور بزنس وومن بن چکی تھی۔ انتظار تھا تو صرف کچھ دنوں کا کیونکہ اگلے کچھ ہی دنوں میں حریم اکیس سال کی ہونے والی تھی۔

☆.....☆.....☆

''حریم بیٹا! کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟؟؟''

ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے شہزاد ابراہیم نے جب صبح بنا ناشتے کے حریم کو تیار ہو کر باہر نکلتے دیکھا تو

ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کی دستیابی

مہران نیوز ایجنسی
حیدر آباد
0222-780128

الفتح نیوز ایجنسی
مہران مرکز سکھر
071-5613548

احمد نیوز ایجنسی
شاہی بازار بہاولپور
0300-6836902

طارق بک ڈپو
لوہاری بازار سیالکوٹ
PH:052-4568440

جھنگ نیوز ایجنسی
کمالیہ روڈ نزد ٹوبہ ٹیک سنگھ
PH:0321-7531597

اقبال پرویز نیوز ایجنسی
گجرانوالہ سٹی
0333-8103489

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک راولپنڈی
051-5531610

سوال کیا۔

''بابا میں عائشہ کے ساتھ بازار جانے لگی ہوں آج اس کی بہن کی منگنی ہے تو اسے بہت سارے کام ہیں۔ سوچا اس کی کچھ مدد کروادوں۔''

حریم نے رک کر انہیں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا جاؤ مگر دس بجے تمہیں ایئرپورٹ جا کر اپنے ماموں کی بیٹی عائلہ کو ریسیو کرنا ہے۔ وہ یہاں پہلی بار آرہی ہے تو وقت پر اسے لینے پہنچ جانا۔''

یہ کہہ کر وہ ناشتہ کرنے میں مگن ہوگئے۔

''واؤ عائلہ آپی آرہی ہیں۔ یہ تو بہت بڑا سرپرائز ہے۔ اوکے بابا! میں آپی کو لینے وقت پر ایئرپورٹ پہنچ جاؤں گی۔''

اس نے خوشی کا اظہار کیا اور عائشہ کو فون ملایا۔

☆.....☆.....☆

''اف یار! میں بہت زیادہ تھک چکی ہوں چلو پہلے کہیں جا کر ناشتہ کرتے ہیں۔''

تین گھنٹے بازار میں گھومنے کے بعد عائشہ اس سے گویا ہوئی۔

''ہاں! بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے کیونکہ میں نے بھی ناشتہ نہیں کیا چلو کچھ دیکھتے ہیں۔''

یہ کہہ کر حریم اسے کیفے میں لے آئی اور کھانے کا آرڈر کیا۔

''اوہ نو! مجھے تو ایئرپورٹ پہنچنا تھا۔''

حریم کو اچانک سے یاد آیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جارہی ہو کھانا تو مکمل کر کے جاؤ۔''

عائشہ اسے پکارتی رہ گئی مگر وہ بھاگتے ہوئے کیفے سے باہر نکلی کیونکہ سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر دس بج چکے تھے۔

''ارے حوری! اپنا سیل تو لیتی جاؤ۔''

عائشہ اس کے پیچھے بھاگی مگر تب تک وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکی تھی۔

''جانے عائلہ اور بابا میرے بارے میں کیا سوچیں گے میں کتنی غیر ذمہ دار ہوگئی ہوں۔''

یہ سوچتے ہوئے اسے بازار والا واقعہ یاد آگیا جب وہ عائشہ کے ساتھ شاپنگ کر رہی تھی تو اسے محسوس ہوا جیسے کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور نگاہیں گاڑنے والے کو ڈھونڈنا چاہا مگر وہاں پر کوئی نہیں تھا۔ پھر جب عائشہ کی بہن کے لیے چادر لیتے ہوئے اسے اپنے لیے وہاں موجود ایک سفید رنگ کی چادر پسند آئی تو عین اسی وقت ایک بلی کہیں سے اس کی گود میں آ پڑی جس کے جسم پر لگی گندگی کی وجہ سے وہ بے داغ چادر میلی ہوگئی۔ دکاندار نے اس بلی کو مار کر وہاں سے بھگانا چاہا مگر وہ پہلے ہی وہاں سے رفو چکر ہو چکی تھی۔

حریم کے ذہن میں ابھی یہی بات چل رہی تھی کہ اس کا دھیان گاڑی سے ہٹ گیا اور اب گاڑی سڑک کی بجائے پتھریلے راستے پر آ چکی تھی اچانک حریم کو جھٹکا لگا تو وہ سوچوں کی دنیا سے نکلی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی اس کی گاڑی ہچکولے کھاتے ہوئے بڑے سے درخت سے ٹکرا گئی۔ اچانک ایک دھماکہ ہوا اور کار میں آگ لگ گئی مگر اس سے پہلے ہی حریم کو جادو کے اثر سے بے ہوش کر کے گاڑی سے نکال لیا گیا تھا اب وہ جنگل میں بنی ایک کٹیا میں رکھے لکڑی کے تخت پر لٹائی گئی تھی۔

''ہاہاہاہا۔''

سامنے کھڑی صوفیہ احمد زوردار آواز میں قہقہے لگا رہی تھی کیونکہ کل حریم کی سالگرہ تھی اور آج رات اماوس کا عروج تھا پھر وہ حریم کو اپنے جادو کے اثر میں کر کے ان کے پورے خاندان کو تباہ و برباد کر سکتی تھی۔

''ہاہاہا۔۔ بس کچھ وقت۔۔۔ پھر میرا انتقام پورا ہوگا۔''

ہنستے ہوئے وہ چڑیلوں سے زیادہ بدصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اچانک وہی سیاہ بلی اچھل کر اس کے قدموں میں آ بیٹھی اور اس کے پاؤں چاٹنے لگی کچھ ہی پل میں وہ انسانی روپ میں آ گئی اور قہقہے لگانے میں اس کا ساتھ دینے لگی۔ یہ سارا کیا دھرا اسی کا تھا جو روز رات کو حریم کے پاس جاتی اور اس کے اوپر منتر پھونک کر

آتی تھی آج اسی کی بدولت حریم نے راستے پر غور نہیں کیا اور گاڑی غلط روڈ پر ڈال دی جس سے حریم کے گھر والوں کو لگتا کہ یہ سچ میں ایک حادثہ ہے۔

سیاہ بلی جو اصل میں صوفیہ کی موکل تھی وہ خوش تھی کہ اس کی تابعداری سے اس کی مالکن بہت خوش ہے لیکن یہ اس کی سوچ تھی اچانک ہی صوفیہ نے کوئی منتر پڑھا اور اس کی جانب پھونک دیا جس کے بعد اس کے بدن میں آگ لگ گئی۔

''ہاہاہا۔۔ہاہاہاہاہا۔''

صوفیہ احمد پھر سے قہقہے لگانے میں مصروف ہوگئی۔

''بے چاری بلی! تمہیں کیا لگتا تھا میں تمہیں ثبوت کے طور پر زندہ رکھوں گی؟ ویسے بھی مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی۔''

یہ کہہ کر اس نے بلی کی راکھ پر پاؤں رکھ دیئے اب اسے شدت سے رات ہونے کا انتظار تھا۔

☆.....☆.....☆

''کبھی کبھی اپنی چیزیں چھوڑ کر چلے جانے والے سب کچھ ہی چھوڑ جاتے ہیں ان کا لوٹنا بھی ناممکنات میں شامل ہوجاتا ہے۔''

جیسے ہی عائشہ نے دیکھا کہ حریم کی گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہوچکی ہے وہ کیفے واپس آنے کے لیے مڑی جب وہاں ایک طرف بیٹھے درویش نے اسے مخاطب کیا۔

''اپنے ہی اپنوں پر ہوتے وار نہ دیکھ پائے وہ اپنائیت کام کی۔''

عائشہ نے جیسے ہی ایک قدم مزید بڑھایا پھر سے آواز آئی۔''آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔''

عائشہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور سوال کیا۔

''ہاں بچے! عجیب لگا نا؟ زیادہ عجیب تب لگے گا جب مخاطب تم ہوں گی اور چپ میں۔''

یہ کہہ کر وہ درویش سڑک کی ایک طرف چلنے لگا۔ عائشہ نے کندھے اچکائے اور کیفے کے اندر داخل ہوگئی۔

کھانا کھانے کے بعد وہ باہر نکلی تو عصر کا وقت ہو چکا تھا رکشے کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں تو وہی درویش ایک درخت کے نیچے بیٹھا چہرہ نیچے کیے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔ کچھ سوچ کر عائشہ نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور اپنے قدم اس کی طرف بڑھا دیئے۔

''بابا! یہ کچھ پیسے لو اور کچھ کھا لو تمہیں بھوک لگی ہوگی۔''

درویش نے اس کی طرف دیکھا مسکرا کر پیسے پکڑ اور اسے نیچے بیٹھنے کو کہا۔ عائشہ کو عجیب لگا مگر اس نے بابا جی کی بات ٹالنا مناسب نہ سمجھا۔

''نگاہیں اس نوٹ پر گاڑے رکھو کچھ نظر آئے بھی تو خاموش رہنا۔''

اس درویش بابا نے نوٹ کو اس کی آنکھوں کے سامنے کیا اور آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنے لگا۔

کچھ دیر عائشہ اس کھیل کو دلچسپی سے دیکھتی رہی مگر وہ اکتا کر نگاہیں بدلنے والی تھی کہ اس کی چیخ نکل گئی۔ سامنے نوٹ پر ایک منظر دکھائی دے رہا تھا جہاں تختے پر کسی کو لٹایا گیا تھا اور سامنے ایک بھیانک الجھے بالوں والی عورت ہاتھ میں چھری پکڑے کچھ پڑھنے میں مصروف تھی۔ عائشہ کی چیخ بے ساختہ تھی کہ نوٹ میں نظر آتی اس عورت نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں اس کی آنکھوں میں وحشت آگ کی صورت دکھائی دے رہی تھی عائشہ کو اس کی آنکھوں میں جس کا عکس نظر آیا اسے دیکھ کر عائشہ بے ہوش ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

''کون ہے وہ جسے میرے عزائم کی خبر ہوئی کون ہے وہ۔''

صوفیہ احمد طیش اور غصے میں سوچے جا رہی تھی کیونکہ یہ پہلی بار ہوا تھا جب اس کا دھیان اپنے جاپ سے ہٹا تھا۔

''میرا علم مجھے کیوں نہیں بتا پا رہا کہ کس کی ہمت ہوئی جو وہ مجھ پر نظر رکھے۔''

وہ اس وقت اپنے حواسوں میں یہ تک بھول گئی کہ اسے یہ جاپ مغرب سے پہلے مکمل کرنا ہے اور سوفی صاحب یہی تو چاہتے تھے۔

صوفی صاحب اپنے وقت کے جانے مانے عامل تھے جو کسی بھی وقت کہیں بھی سفر کے لیے چل دیتے ان کا گزر بازار سے ہوا جہاں وہ پہلی بار حریم سے ملے اور انہوں نے اس کے سر پر منڈلاتا سیاہ ہول پہچان لیا تھا جو کسی عام انسان کو نظر نہیں آتا تھا انہیں یہ سب عجیب لگا تو اپنے علم سے سب کچھ معلوم کرلیا اور اب درویش کی صورت وہ عائشہ کو حریم کے ساتھ ہوئے واقعات اور صوفیہ احمد کی سچائی بتا چکے تھے۔

''بابا جی اب کیا ہوگا؟ میں اپنی دوست کو اس ڈائن کے چنگل سے کیسے چھڑاؤں؟''

☆.....☆.....☆

عائشہ کو ہوش آیا تو وہ جنگل میں بنی ایک کٹیا میں موجود تھی جہاں صرف ایک جائے نماز رکھی ہوئی تھی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جگہ صرف عبادت یا چلہ کاٹنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

''بچے یہ کام اتنا مشکل بھی نہیں ہے اور آسان بھی نہیں۔ مشکل اس لیے نہیں کہ میرا علم صوفیہ احمد سے کئی گنا زیادہ ہے میں اسے یہاں بیٹھے بیٹھے بھسم کرسکتا ہوں اور مشکل یہ ہے کہ اس نے اپنی اس موکل کو اپنے ہی ہاتھوں مار دیا جس کے ذریعے وہ کچھ برسوں سے حریم کا دماغ اپنے قابو میں کررہی تھی۔''

''لیکن یہ تو اچھی بات ہے نا''

عائشہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھی بات ہے کیونکہ ایسے صوفیہ احمد کی طاقت کمزور پڑگئی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اس موکل کے کہے کلمات کے بنا تمہاری دوست واپس کبھی انسانی صورت میں نہیں لوٹ سکتی۔ میں تمہیں کچھ دکھاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر صوفی بابا نے کچھ پڑھا اور کٹیا کی دیوار پر ایک منظر دکھائی دیا جہاں حریم کو ایک جگہ باندھا گیا تھا اور اس کے دونوں ہاتھوں میں ڈرپس نصب تھیں ایک کے ذریعے اس کے جسم سے خون نکل کر بوتل میں بھرا جارہا تھا اور دوسری ڈرپ میں سبز رنگ کا مادہ تھا جو اس کے جسم میں داخل ہورہا تھا۔ اس مادے کو دیکھ کر عائشہ کو ابکائی سی آتی محسوس ہوئی۔

''یہ کیا گندگی ہے۔''

اس نے صوفی بابا سے سوال کیا۔

''صوفیہ احمد جان چکی تھی کہ اس پر اس سے بھی زیادہ طاقت والی کسی شے نے نظر رکھی ہوئی ہے اسی لیے اب اس نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے وہ حریم کے جسم سے سارا خون نکال کر کسی اور کے جسم کو حریم کا روپ دے گی اور اس سبز مادے کے ذریعے وہ حریم کو شیطانی طاقتیں دے کر اس کے وجود کو ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنالے گی۔''

''نہیں! میں ایسا نہیں ہونے دونگی۔ آپ کچھ کرتے کیوں نہیں ہیں آپ تو کچھ بھی کرسکتے ہیں۔''

اس نے صوفی بابا کے سامنے التجا کی۔

''یہ سب تمہیں کرنا ہوگا اور وہ بھی آج رات چاند نکلنے سے پہلے، جیسے ہی چاند نکلے گا حریم کے جسم سے خون کی آخری بوند بھی باہر نکل آئیگی اور وہ سبز مادہ اس کے وجود کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لے گا۔''

صوفی بابا نے جواب دیا۔

''میں؟ مجھے بتائیں مجھے کیا کرنا ہوگا میں وہ سب کروں گی۔'' عائشہ نے کہا۔

''تمہیں اس جگہ پر جانا ہوگا جہاں صوفیہ نے اپنی اس موکل کو جلایا اور وہ راکھ لانی ہوگی۔''

عائشہ یہ سن کر سوچ میں پڑگئی وہ اندر سے ڈر رہی تھی۔

''ڈرو مت! میں اپنے علم سے صوفیہ احمد کو الجھا کر رکھتا ہوں تم اپنی آنکھیں بند کرو۔''

اس نے ایسے ہی کیا۔

''بچے اپنی آنکھیں کھولو۔''

عائشہ نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ صوفی بابا کی کٹیا میں نہیں بلکہ حریم کے گھر کے اندر موجود تہہ خانے

میں کھڑی ہے اسے حیرت محسوس ہوئی اور وہ آگے بڑھنے لگی۔ سامنے دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیونکہ حریم یہیں موجود تھی اور اسے لگی خون کی ڈرپ میں بس تھوڑی سی جگہ خالی بچی تھی اور سبز مادے والی بوتل میں تھوڑا سا مادہ رہ گیا تھا۔

اس نے بنا دیر کیے فرش پر بکھری ساری راکھ کو سمیٹنا شروع کردیا۔

''ہاہاہا! تم مجھ سے بچ کر کہاں جارہی ہو؟''

جیسے ہی وہ ساری راکھ کو مٹھی میں لیے کھڑی ہوئی اچانک اس کا سامنا صوفیہ احمد سے ہوا جو انسان کم اور بلا زیادہ لگ رہی تھی۔ عائشہ کو خوف محسوس ہوا لیکن اس نے بے ساختہ راکھ والی مٹھی کو اپنے پیچھے کیا اور مٹھی کھول دی کیونکہ اس کے کانوں میں صوفی بابا کی آواز پڑ رہی تھی جنہوں نے اسے کہا کہ مٹھی کھول دو وہ یہ راکھ لے رہے ہیں۔

''میری بات کا جواب دو۔''

صوفیہ احمد نے خونخوار لہجے میں سوال کیا۔

''مم۔۔ میں۔۔ میں عائشہ ہوں حریم کی دوست جو یہاں حریم کو بچانے آئی ہے اور تمہیں جہنم واصل کرنے۔''

عائشہ جو پہلے خوف کے مارے کبھی بول بھی نہیں پارہی تھی اس نے جیسے ہی صوفی بابا کو صوفیہ احمد کے پیچھے کھڑے پایا اس کی جان میں جان آگئی۔

''میرے سامنے زبان درازی کرتی ہو ابھی مزہ چکھاتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے منہ میں کچھ پڑھا اور عائشہ کی طرف پھونک ماری جس نے آگ کے شعلے کی شکل دھار لی ابھی جیسے ہی وہ آگ عائشہ کی طرف بڑھنے لگی اچانک کہیں سے سیاہ بلی نے اس شعلے پر جھپٹا مارا اور اسے عین صوفیہ کے سر پر دے مارا جس سے اس کے بدن میں آگ لگ گئی۔

''تمہیں تو میں نے اپنے ہاتھوں سے جلایا تھا پھر تم زندہ کیسے ہو؟''

صوفیہ احمد نے حیرت کے مارے اپنی اس موکل سیاہ بلی سے سوال کیا جواب انسانی روپ دھار چکی تھی۔

''اس لڑکی کے ذہن میں کہے میرے کلمات نے مجھے پوری طرح سے مرنے نہیں دیا اور باقی میری زندگی کو صوفی بابا نے بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے۔''

''تم مم مم! یہاں؟''

صوفیہ نے مزید حیرت سے اپنے پیچھے کھڑے صوفی بابا کو دیکھا جو دراصل شہزاد ابراہیم تھے لیکن وہ خود اپنی بیٹی کو نہیں بچا سکتے تھے اس لیے انہوں نے عائشہ اور اس سیاہ بلی کی جان بچا کر اس کی مدد طلب کی۔

''میں تمہاری بیٹی کو ختم کردوں گی اور تمہیں بھی۔''

صوفیہ احمد نے چلا کر کہا مگر اس سے پہلے ہی اس کے جسم سے آگ کا دھواں اٹھا جس نے اسے جلا کر بھسم کردیا۔ کیونکہ شہزاد ابراہیم اور سیاہ بلی نے بیک وقت اس پر منتر پھونکا تھا۔

''اب ہمیں جلدی سے حریم کو بچانا ہے۔''

عائشہ نے چلا کر کہا۔

وہ سب حریم کی طرف بھاگے جس کے جسم میں خون کی بس ایک بوند بچی تھی۔ اس سیاہ بلی نے فوراً جا کر حریم کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اور اپنے پنجے سے اس کے بال سہلانا شروع کردیئے وہ ساتھ ساتھ کچھ پڑھتی بھی جارہی تھی جس کی وجہ سے اب بوتلوں کی روٹین میں فرق آگیا تھا سبز مادہ باہر کی طرف آرہا تھا اور خون واپس جسم کی طرف سفر کرنے لگا۔ اماوس کا چاند افق پر دکھائی دے رہا تھا سبز مادے والی بوتل ایک دم سے چکنا چور ہوئی اور سارا مادہ راکھ بن گیا۔

حریم کے جسم کو جھٹکا سا لگا اسے ہوش آنے لگا تھا۔ یہ دیکھ کر شہزاد ابراہیم اور عائشہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا اٹھے۔

سیاہ بلی نے بھی مشکور آنکھوں سے شہزاد ابراہیم کو دیکھا اور باہر کی طرف چلی گئی۔

نمبر 19

نعیم بخاری آکاش-اوکاڑہ

رات کو باتوں باتوں میں نوجوان نے انکشاف کیا تھا کہ اس نے یہ مکان دو ماہ قبل کرائے پر لیا تھا تو مکان ٹھیک ٹھاک تھا لیکن پھر اچانک رات میں.....

اچھی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے دل گرفتہ اور دل فریفتہ ذہن کو مبہوت کرتی کہانی

خود پسندی اور انا دو الگ نام ہیں لیکن اگر آپ خود پسندی اور اپنی بات کو اہمیت دے کر اگلے بندے کو متاثر کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے کیونکہ جہاں خود پسندی پائی جاتی ہے وہاں انا کسی زہریلے مادے کی طرح آپ کی ذات میں شامل ہو جاتی ہے، اور آپ کی ذات کو مسخ کر کے آپ کو معاشرے کا ناسور بنا دیتی ہے۔

لہٰذا میں ان دونوں چیزوں سے دور رہنے والا ایک عام انسان تھا لیکن میرے اندر ایک خوبی بہر حال پائی جاتی تھی اور وہ تھی ٹیلی پیتھی کی خوبی.....! لیکن خوبی بھی مجھے اللہ تعالیٰ نے محدود ہی دی تھی۔ جی ہاں میں کسی کے ذہن کو پڑھ سکتا تھا اور پھر کسی انتہائی کمزور ذہن کے مالک شخص کو، کوئی خاص کام کرنے پر مجبور بھی کر سکتا تھا، مگر ہر کسی کو نہیں اور بعض اوقات تو مجھے کسی کا ذہن پڑھنے میں کافی دشواری کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا، یا پھر کبھی کبھار کسی کا ذہن پڑھ پانا بھی میرے لئے عذاب بن جاتا تھا اور مجھے صدنا کامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔

اور اپنی اسی خوبی کی بدولت میں نے پرائیویٹ ڈیٹیکٹو بننے کا ارادہ کیا۔ آگے پیچھے کوئی تھا نہیں لہٰذا کوئی روکنے والا بھی نہیں تھا اور اگر کوئی روکنے والا نہیں تھا تو جناب ساتھ دینے والا بھی نہیں تھا کیوں کہ اس کام کو شروع کرنے کے لئے ایک عدد آفس کی ضرورت تھی اور اس کے لئے پیسے میرے پاس پیسے نہیں تھے تو ایسے مشکل وقت میں مجھے اپنا دوست عبید یاد آیا تو پھر میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور جا دھمکا اس کے گھر.....!

اس کے گھر آنا جانا تھا لہٰذا دروازہ کھلا دیکھ کر سیدھا اندر ہی چلا گیا اور پھر اندر کا نظارہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے کیونکہ ہمارے دوست موصوف اپنے ابا سے پٹ رہے تھے، اُن کے ابا نے غصے سے میری طرف دیکھا تو اول فول بکتے ہوئے مجھے جوتا کھینچ مارا میں تو جست لگا کر سائیڈ میں ہو گیا اور پھینکا گیا جوتا ان کے وفادار کتے کو جا لگا جو ٹاوں، ٹاوں کرتے ہوئے گھر سے باہر بھاگا تو میں نے بھی راہِ فرار میں ہی عافیت سمجھی.....

خیر قصہ مختصر کہ عبید نے مجھے سود پر قرضہ دلوا دیا اور میں نے اپنا آفس بنا لیا۔ کراچی کے پوش ایریا میں بنایا گیا آفس مجھے بہت ہی پسند آیا تھا لیکن اس میں بھی ایک دقت تھی اور وہ یہ کہ یہ آفس میرے علاوہ کسی کو پسند نہیں آ رہا تھا جبھی تو اتنے دن گزرنے کے بعد کوئی بھی کہیں میرے پاس نہیں آیا تھا۔

حسبِ معمول میں چاچا شیدے کی دوکان پر ادھار چائے پینے آیا تھا جب میں چائے پی چکا تو کوڈو کلر میرے پاس بل لے کر آدھمکا، دراصل یہ چھوٹے قد کا آدمی تھا اور اسے کوڈو کلر کا نام اس کے ادھار یوں نے دیا تھا جن کا ماننا تھا کہ کوڈو کلر سے ادھار لے کر بندہ چھپ نہیں سکتا یہ بندہ کمال کا ہنرمند تھا اور اپنا پیسہ نکالنا جانتا تھا۔

میں نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ ''کیا بات ہے جناب..... آج تو ڈبنگ اسٹائل میں بل لینے آئے ہو۔'' کوڈو کلر نے میری بات کو بھاؤ نہ دیتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں آپ کے چائے پینے سے ڈر نہیں لگتا ہے صاحب..... ہمیں تو آپ کے ادھار سے ڈر لگتا ہے۔'' مجھے ایک دم ہی ہنسی آ گئی وہ بالکل رَجو کے سے انداز میں بات کر رہا تھا۔ وہ پھر مخاطب ہوا۔ ''سات سو اسّی روپے ہیں تیرے نکاں پیسے.....'' وہ غصے میں تھا میں نے فوراً اپنے ہنر کا استعمال کیا اور کوڈو کے ذہن میں آن دھمکا میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور یہ باور کرایا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے اور پیسے جلد ہی مل جائیں گے میں بھاگنے والا نہیں۔

یہ وہ باتیں تھیں جو میں نے کوڈو کلر کے ذہن میں ڈال دی تھیں۔ کوڈو کلر آرام کے ساتھ واپس چلا گیا تو میں بھی وہاں سے کھسک گیا۔ میں لمبے، لمبے ڈگ بھرتا ہوا جب اپنے آفس میں آیا تو اندر ایک خوبرو عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا جو یقیناً میری ہی منتظر تھی مجھے دیکھ کر وہ احترام سے کھڑی ہوگئی۔

میں نے سراپا اس کا جائزہ لیا وہ اسمارٹ تھی اور دراز قد کی مالک تھی اس نے بلیک کلر کا چشمہ لگا رکھا تھا جو اس کے بوب کٹ ہیئر اسٹائل کو اور بھی جاذب نظر بنا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ شائستہ لہجے میں بولی۔

''کیا آپ مسٹر ہادی ہیں۔''

''جی..... میں ہادی ہوں۔'' میں نے تاسف سے جواب دیا۔ اس نے یقیناً میرے ٹیبل پر رکھی نیم پلیٹ پڑھ لی تھی۔ جہاں پر واضح طور پر لکھا ہوا تھا Detective Haddi میں نے اس خوبرو سراپا حسن کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے مقابل اپنی نشست پر براجمان ہوگیا۔

''جی فرمایئے میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔''

جواب دینے سے پہلے اس نے اپنا چشمہ اتارا اور ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔ ''دراصل مجھے لگتا ہے کہ جس کیس کی وجہ سے میں آپ کے پاس آئی ہوں اسے سننے کے بعد شاید آپ کو میری دماغی حالت پر شک گزرے۔''

میں نے فوراً کہا۔ ''ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میں ایک جاسوس ہوں اور میرا یہ ماننا ہے کہ کچھ عجیب طرح کے حالت سے گھبرا کر ہی لوگ میرے پاس آئیں گے لہٰذا مجھے آپ کے کیس سے دلی وابستگی ہوگی.....''

اس نے ہاں میں سر ہلانے کے بعد کہا۔ ''مجھے لگتا ہے کہ میری سوتیلی بیٹی کی جان کو خطرہ ہے۔'' وہ رکی اور میرے چہرے کا بغور جائزہ لینے کے بعد گویا ہوئی۔ ''میری بیٹی کو لگتا ہے کہ اس پر سایہ ہے وہ کہتی ہے کہ کوئی مرا ہوا انسان اسے اپنے ساتھ لے جانے کی بات کرتا ہے۔

وہ رکی تو میں بولا۔ ''آپ نے کہا آپ کی سوتیلی بیٹی کیا آپ کے شوہر نے دوسری شادی بھی کی ہوئی ہے۔''

اس نے فوراً جواب دیا۔ ''اصل میں عامر نے میرے ساتھ دوسری شادی کی تھی ان کی پہلی بیوی وفات پا گئی تھیں سلمیٰ اس وقت چھوٹی تھی جب میری شادی ہوئی۔

''آپ کی بھی کوئی اولاد ہے۔''

''جی میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے بیٹا اسلام آباد میں پڑھتا ہے جبکہ رخسانہ گھر میں ہی ہوتی ہے۔''

اس نے وضاحت کی تو میں نے پوچھا۔

''سلمیٰ کو کیسے یقین ہے کہ کوئی مرا ہوا انسان اس

سے باتیں کرتا ہے۔"

"وہ ایک دفعہ صحن میں تھی تو بیہوش ہوگئی تھی اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا اور ہم گھر والوں نے بھی کتنی دفعہ اس سائے کو دیکھا ہے جو سلمیٰ کے کمرے میں اکثر آتا رہتا ہے۔"

"تو آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کی مدد کروں۔"

"جی بالکل کیوں کہ پولیس والے ایسے کیسز کو ہینڈل نہیں کرتے اور الٹا ہم ہی کسی مصیبت میں پڑ جائیں گے اور اس کام میں آپ کو معقول معاوضہ دوں گی۔"

وہ خاموش ہوئی تو میں نے ہاں کرنے سے پہلے اس کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش کی میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کہاں تک سچ بول رہی ہے مگر مجھے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ مجھے اس کے ذہن تک رسائی نہیں ملی......

میں حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ بہرحال میں نے ہامی بھر لی کیوں کہ قرض بھی تو لوٹانا تھا۔ "اوکے میں آپ کا کیس ہینڈل کروں گا۔" وہ مسکرائی اور بولی۔

"آپ کا معاوضہ" پھر جب ہمارے درمیان ڈیل فائنل ہوگی تو شازیہ صاحبہ وہاں سے چلی گئیں میرا ان کے گھر شام کو جانا طے ہوا تھا۔

شام تک کا وقت اسی سوچ بچار میں گزر گیا کہ آخر میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے مسز شازیہ کا ذہن کیوں نہیں پڑھ پایا۔ مجھے اس کے ذہن تک رسائی کا نہ ملنا عجیب بات تھی۔ لیکن جو بھی تھا میرا کام چل پڑا تھا اور میرے ہاتھ میں ایک انتہائی پیچیدہ کیس تھا شام کو جب میں مسز شازیہ کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچا تو ان کا عالیشان بنگلہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

میں نے بیل بجائی تو دروازہ مسز شازیہ نے ہی کھولا جیسے وہ میری ہی منتظر ہوں۔ لان میں کرسیاں ٹیبل لگائی گئی تھیں۔ مسز شازیہ نے مجھے وہاں بیٹھنے کا کہا اور خود اندر چلی گئی۔ مسز شازیہ اندر جاچکی تو میں کرسی پر بیٹھنے لگا اسی وقت مجھے اپنے بائیں جانب سے کھٹکے کی آواز آئی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے آہستگی سے کھڑکی بند کی ہو میں نے بائیں جانب دیکھا تو مجھے کھڑکی نظر آ گئی لیکن باہر سے اندر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اٹھا اور کھڑکی کے نزدیک آ گیا میں نے دونوں ہاتھوں کو اپنی آنکھوں کے گرد گھیرا رکھا اور اندر جھانکنے کی کوشش کی دفعتاً میرے عقب سے کسی نے ہنکارا بھرا تو میں نے فوراً مڑ کر دیکھا میرے عقب میں ایک چالیس سے پینتالیس سال کے لگ بھگ ایک باوقار آدمی کھڑا ہوا تھا اس سے پہلے میں اپنی خفت مٹانے کے لئے کچھ کہتا۔ وہ آدمی بولا۔

"میں نے اندر سے پردے لگا کر کھڑکیوں کو بند کردیا ہے۔ کیوں کہ سلمیٰ کو روشنی پسند نہیں ہے۔"

"دراصل مجھے اندر سے آواز آئی تو غیر ارادی طور پر میں ایسی غلطی کر گیا۔" میں نے اپنی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہمیں بھی سلمیٰ کے کمرے میں سرگوشیاں اور مختلف طرح کی آوازیں آتی ہیں، ایسے میں غلطی کرنا فطری امر بن جاتا ہے۔" وہ پڑھا لکھا سلجھا ہوا انسان تھا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کا کہا جب ہم کرسیوں پر براجمان ہوچکے تو مسز شازیہ اپنی بیٹی رخسانہ کے ساتھ نمودار ہوئیں اُن کے ہاتھ چائے کی ٹرے تھی جس میں خشک میوہ جات اور بسکٹ بھی نمایاں تھے ہم لوگ چائے اور لوازمات سے لطف اندوز ہوچکے تو میں نے کہا۔ "آپ میں سے کسی نے کوئی غیر معمولی بات دیکھی ہو جو سلمیٰ کے لئے خطرے کا باعث ہو تو آپ مجھے بتا سکتے ہیں۔"

مسز شازیہ کے شوہر عامر نے بولنے میں پہل کی۔ "سلمیٰ ایک سلجھی ہوئی لڑکی ہے ہماری زندگی بہت ہی اچھی گزر رہی تھی کہ اچانک ہی سلمیٰ نے اپنے آپ کو کمرے میں مقید کردیا۔ پہلے پہل تو وہ کچھ بھی بتانے سے گھبراتی تھی لیکن ایک رات میں اپنے آفس سے لیٹ گھر آیا تو میں جیسے ہی گھر میں داخل ہوا مجھے کسی انسان کا سایہ سلمیٰ کے کمرے کے دروازے کے پاس نظر آیا۔ میں فوراً ہی سلمیٰ کے کمرے میں گیا اور دیکھا کہ وہ اپنی وارڈ

روب کو بند کر رہی تھی، اتنی رات کو کپڑوں کی کھڑکی کے پاس اس کا یوں کھڑا ہونا مجھے معیوب لگا پھر میرے بے حد اسرار پر بھی وہ کچھ بتانے پر قائل نہیں ہوئی.....''

مسٹر عامر اپنی روداد سنا چکے تو مسز شازیہ بولیں۔

''میں نے اس کے کمرے سے ایک رات مردانہ آواز سنی جو بہت ہی واضح تھی میں اس کے کمرے میں گئی تو میرے اسرار کرنے پر سلمٰی نے بتایا کہ کوئی مرا ہوا انسان اس سے باتیں کرتا ہے اور اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ اس کی بات سن کر ہم پریشان ہوگئے اور پھر باہمی مشورے سے آپ کی خدمات حاصل کی گئیں۔''

مسز شازیہ اپنی بات کہہ چکی تو میں نے سوالیہ نظروں سے رخسانہ کی جانب دیکھا تو رخسانہ بولی۔

''حالات اس وقت زیادہ خراب ہوئے جب ایک رات وہ مجھے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ مجھے اپنے دوست سے ملوانا چاہتی ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''آپ نے اس سے پوچھا نہیں کہ رات کو کون سا دوست اس کے کمرے میں آیا ہے۔'' اس نے تاسف سے جواب دیا۔

''میں نے پوچھا تھا۔'' پھر اس نے کیا کہا۔

''رخسانہ دوبارہ گویا ہوئی۔'' اس نے بتایا کہ وہ اپنا نام نہیں بتاتا مجھے تجسس ہوا اور میں اس کے ساتھ کمرے میں چلی گئی اس نے مجھے اپنے ساتھ بیڈ پر بٹھالیا پھر اس نے دراز کھولا اور اس میں سے ایک دانت نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولی کہ یہ اس کے دوست کا دانت ہے۔'' رخسانہ سانس لینے کے لئے رکی اور پھر بولی۔''میں نے کہا کہ اس نے تمہیں دانت کیوں دیا تو سلمٰی بولی کہ اس کے دوست کا ماننا ہے کہ اس تحفے کے ذریعے ان کے درمیان دوستی پکی ہوجائے گی پھر جب میں نے پوچھا کہ اس کا دوست تو کمرے میں موجود نہیں کیا وہ آنے والا ہے تو سلمٰی نے کہا کہ وہ وارڈ روب میں چھپا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ تم اسے وارڈ روب کا دروازہ کھول کر باہر نکالو۔''

''آپ کو ڈر نہیں لگا کیا آپ کے دل میں خیال نہیں آیا کہ آپ کو اپنے پاپا یا ممی کو بلا لینا چاہئے۔'' میرے سوال پر وہ بولی۔''میرے دل میں خیال آیا تھا لیکن اس وقت میں ڈر گئی تھی اور پہلے کمرے سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔''

''تو کیا آپ نے وارڈ روب کھولا۔''

''نہیں سلمٰی کے کہنے پر میں نے مڑ کر وارڈ کو دیکھا اور بیڈ سے نیچے اتر آئی اور میں نے سلمٰی سے کہا کہ اس کا دوست مجھے ڈرا رہا ہے لہٰذا وہ خود ہی باہر آجائے تو سلمٰی نے کہا کہ نہیں وہ چاہتا ہے کہ وارڈ روب تم کھولو اس کی بات سن کر مجھے شدید خوف محسوس ہوا اور میں دروازے کی جانب بھاگی اور دفعتاً مجھے وارڈ روپ کے پٹ زور سے کھلنے کی آواز آئی تب تک میں کمرے کا دروازہ کھول چکی تھی، باہر نکلتے ہوئے مجھے ایسا لگا جیسے میرے بالوں کو کسی نے پکڑنے کی کوشش کی ہو مگر میں بھاگتے ہوئے پاپا کے پاس آئی اور سب کچھ بتادیا۔

''رخسانہ اپنی روداد سنا چکی تو میں نے عامر سے پوچھا۔

''آپ کا بیٹا کہاں ہے کیا وہ اس سارے معاملے سے بے خبر ہے۔'' مسٹر عامر نے تحمل سے جواب دیا۔''عظیم کے لاسٹ سمسٹر چل رہے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ ایسے وقت میں اسے پریشان کردیا جائے اور مسٹر ہادی اگر آپ کے ذہن میں شازیہ، عظیم یا پھر رخسانہ کے متعلق کوئی شک پنپ رہا ہے تو وہ بے سود ہوگا کیونکہ سلمٰی مجھ سے زیادہ شازیہ اور رخسانہ کو چاہتی ہے اور میری فیملی میں ایسا غلیظ کام کوئی نہیں کرسکتا آپ کو ہائر کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ پولیس والے الٹا ہم سے سوالات شروع کردیتے اور حالات مزید خراب ہوجاتے میں امید کرتا ہوں کہ میری تمہید کے پیش نظر آپ آئندہ شک کا دائرہ میری فیملی کے بجائے اصل نکتے پر مرکوز رکھیں گے۔'' مسٹر عامر نے دوٹوک لہجے میں بات میرے گوش گزار کردی تھی۔ اس عرصے کے دوران میں رخسانہ اور مسٹر عامر کا ذہن پڑھ چکا تھا جہاں تک مجھے آسانی سے رسائی مل گئی تھی۔

اوران کے ذہنوں میں مجھے سلمین سے ہمدردی کے علاوہ کچھ نہیں ملا تھا۔

''میں آپ کی ہدایت پر غور کروں گا۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں سلمٰی سے ملنا چاہوں گا۔'' اور اس دوران میں کمرے کا جائزہ بھی لے پاؤں گا۔''

مسٹر عامر نے کہا۔ ''سلمٰی کو شازیہ نے آپ کے متعلق بتا دیا تھا اور وہ آپ سے ملنے پر رضامند ہے لیکن اس کے کمرے میں آپ اکیلے ہی جائیں گے کیوں کہ سلمٰی کو تنہائی پسند ہے اور تمام لوگوں کی موجودگی میں وہ کھل کر بات بھی نہیں کر پائے گی۔''

مسٹر عامر نے معقول بات کی تھی لہٰذا میں مسز شازیہ کی معیت میں چلتا ہوا سلمٰی کے کمرے تک پہنچ گیا۔ مسز شازیہ نے دروازہ نوک کیا تو تھوڑے توقف کے بعد سلمٰی کی آواز سنائی دی۔ ''آ جائیں دروازہ کھلا ہے۔'' مسز شازیہ نے باہر سے ہی کہا۔ ''سلمٰی مسٹر ہادی آئے ہیں یہ تم سے تمہارے دوست کے متعلق چند سوال کریں گے۔'' انہوں نے رک کر جواب کا انتظار کیا مگر اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مسز شازیہ نے مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا اور خود واپس چلی گئیں.....!

میں نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا کمرے میں سلمٰی کے بیڈ کنارے رکھا لیمپ روشن تھا باقی تمام لائٹس آف تھیں کھڑکیوں اور روشن دار کو بند کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے اندر اندھیرا کچھ زیادہ ہی تھا۔ جبکہ سلمٰی اپنے بیڈ کی پشت پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس کی گود میں سیاہ رنگ کی ایک بلی تھی جس کے گلے میں سنہری رنگ کا پٹہ تھا سلمٰی اس کی کمر سہلا رہی تھی میں نے بلی کا بغور جائزہ لیا تو مجھے وہ ایک ایرانی بلی لگی جو بہت ہی خوب صورت تھی بلی نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''ایم سوری شاید میری وجہ سے آپ کے آرام میں خلل پڑا ہوگا۔'' سلمٰی جواب تک وارڈ روب کو گھور رہی تھی اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ اس نے بالوں کو کلوز کر کے کیچر لگا دیا تھا جبکہ رت جگے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اس کے گال اندر کی طرف دھنسے ہوئے تھے اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ لگ رہی تھی۔

''آپ اس کرسی پر بیٹھ سکتے ہیں۔'' اس نے میری بات کو نظر انداز کر دیا تھا کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے دیوار پر دیکھا کہ وہاں پر کچھ لائنیں لگائی گئی تھیں۔ میں نے ان کو گنتی کیا تو وہ 19 لائنیں تھیں جن میں سے بارہ لائنوں کو کاٹا ہوا تھا لگتا تھا جیسے سلمٰی گنتی کر رہی ہو۔ مجھے یہ بات کافی عجیب لگی تھی جب میں کرسی پر بیٹھ چکا تو سلمین نے کہا۔ ''میرے دوست کو آپ کا آنا اچھا نہیں لگا۔''

''کیا وہ تم سے ناراض ہو گیا ہے۔''

''ہاں وہ کہتا تھا تم لوگوں کا دماغ پڑھ لیتے ہو۔''

سلمٰی کے انکشاف پر میں دنگ رہ گیا کیوں کہ اپنی ٹیلی پیتھی کی خوبی کے متعلق میں نے کسی کو کبھی نہیں بتایا تھا۔

''وہ بس تمہیں ڈراتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے۔'' میں نے اسے یقین دلانا چاہا اس دوران بلی لپک کر میرے پاس آ گئی تھی اور میرے پاؤں پر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

''آپ مجھے اپنے دوست کے متعلق بتا سکتی ہیں کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔''

''وہ کہتا ہے کہ وہ سیاہ دیواروں میں رہتا ہے جہاں سے بھاگنا ممکن نہیں ہے اور وہ اکیلا ہے اور چاہتا ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ چلوں۔'' سلمٰی نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں بتایا۔

''وہ کس دن آپ کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔''

''پہلے دن جب وہ آیا تو اس نے کہا کہ میں دیوار پر 19 لائنیں لگا دوں اور ہر روز جب وہ مجھے کہے تو میں ایک لائن کاٹ دوں اسی طرح جب میں آخری لائن کو بھی کاٹ دوں گی تو مجھے اپنے ساتھ لے جائے گا۔''

''وہ دکھنے میں کیسا ہے۔'' میں نے دوبارہ سوال کیا سلمٰی کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر چلا گیا۔ ''وہ سیاہ رنگ کا ہے جیسے کسی انسان پر سیاہ پگھلتا ہوا رنگ پھینک

دیا گیا ہو۔'' بات کرتے ہوئے سلمٰی وارڈ روب کو بار بار دیکھتی تھی۔ میں نے وارڈ روب کا بغور جائزہ لیا اور بولا۔

''کیا وہ وارڈ روب سے نکلتا ہے۔''

''ہاں۔'' سلمٰی نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔

''کیا جب اس کا دل کرے وہ آجاتا ہے یا پھر آپ وارڈ روب کو کھول کر اسے اندر آنے دیتی ہیں۔'' سلمٰی میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ''پہلے پہل وہ مجھے آواز دے کر کہتا تھا کہ میں وارڈ روب کا دروازہ کھولوں اور وہ باہر نکلتا تھا۔''

''پھر اس کے بعد کیا ہوا۔''

''پھر ایک دن اس نے مجھے ایک دانت دیا اور بتایا کہ یہ اس کا دانت ہے اگر میں اسے اپنے پاس رکھ لوں تو پھر وہ جب چاہے وارڈ روب سے باہر آسکتا ہے۔''

''تو یقیناً آپ نے وہ دانت اپنے پاس رکھ لیا ہوگا کیا آپ کو ایسا نہیں لگا کہ یہ سب کچھ غیر مناسب اور انتہائی خطرناک ہے اور آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اور اس عفریت کے متعلق آپ اپنے گھر والوں کو آگاہ کردیں۔'' میں نے تاسف سے کہا تو وہ کرب آمیز لہجے میں بولی۔ ''میں نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی وہ پہلے دن کو میرے پاس آتا تھا لیکن جب میں نے اس سے دانت لیا تو وہ پوری پوری رات میرے کمرے میں گھومنے لگا اور مجھے تنگ کرنے لگا ایک دن میں نے اسے دھمکی دی کہ میں اس کی موجودگی کا اپنے گھر والوں کو بتادوں گی تو اس نے میری کمر پر تھپڑ مارا جس کی تکلیف میں آج بھی اپنے جسم پر محسوس کرتی ہوں۔'' وہ رکی تو میں نے کہا۔ ''میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے تمام باتیں بتائیں اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ کا دوست میری موجودگی کو ناگوار نہیں سمجھے گا۔'' سلمٰی نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا میں وہاں پر رکا نہیں اور کمرے کا ایک بار پھر طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے باہر آگیا۔

ٹی وی لاؤنج میں وہ تینوں افراد میرے منتظر تھے میں جیسے ہی اندر داخل ہوا مسز شازیہ نے اضطرابی لہجے میں پوچھا۔ ''سلمٰی نے بات کی آپ سے۔''

''جی۔'' پھر عامر نے کہا۔

''تو آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔''

''سلمٰی کی باتوں سے مجھے کافی سیر حاصل معلومات ملی ہیں میں آج کوئی حکمت عملی بنا کر آپ کو آگاہ کردوں گا۔''

''ہم امید کرتے ہیں کہ آپ بہتر حل ڈھونڈ نکالیں گے۔'' مسز شازیہ نے کہا تو مسٹر عامر بولے۔ ''مسٹر ہادی ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ جب تک اس کیس کو حل نہیں کرلیتے آپ ہمارے گھر میں رہیں تاکہ آپ اس مردار کو خود دیکھ لیں۔'' اس کی بات میں دم تھا۔ لہٰذا میں نے ہاں کردی۔

''چلیں میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دیتا ہوں۔'' مسٹر عامر نے کہا تو میں نے مڑتے ہوئے مسز شازیہ کو مخاطب کیا۔ ''مجھے یاد آیا مسز شازیہ آپ کی بلی بہت ہی پیاری ہے۔''

''کیا.....؟'' ان تینوں نے یک لخت حیران ہو کر کہا تھا۔ ''آپ کس بلی کی بات کررہے ہیں۔'' رخسانہ نے حیرانگی کے عالم میں دریافت کرنا چاہا۔

''سیاہ رنگ کی بلی..... غالباً وہ ایرانی نسل کی بلی ہے جس کے گلے میں سنہری رنگ کا پٹا بھی بندھا ہوا ہے اور پٹا صرف پالتو بلیوں کو ہی باندھا جاتا ہے۔'' میں نے تفصیلاً بتایا تو مسٹر عامر بولے۔ ''لیکن اس بلی کو مرے ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا ہے اور میں خود اسے جنگل میں دفنا کر آیا تھا یہ کیسے ممکن ہے۔'' اس گھر والوں کے ساتھ تو کوئی عجیب ہی معاملہ تھا یہاں پر سب کچھ ہی غلط ہو رہا تھا۔

''دیکھیں میں آپ سے ہمدردی رکھتا ہوں لیکن ایک بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ اگر وہ ایرانی بلی مرچکی ہے تو سلمٰی اس کو اپنی گود میں بٹھا کر سہلا کیوں رہی تھی کیا اسے معلوم نہیں ہے کہ وہ مرچکی ہے۔'' میں ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''دراصل وہ بھی سلمٰی کی ہی ہے جب سے وہ ان حالات

کو پہنچی ہے ہمیں اس کی فکر کھائے رہتی ہے اور بلی کیوں کہ سلمٰی کے کمرے سے باہر مری تھی اس لئے وہ اس بات سے بے خبر ہے اور ہم نے اُسے بتایا بھی نہیں کہ ایسے ہی اس کی پریشانی میں اضافہ ہوگا۔'' مسز شازیہ نے وضاحت بیان کی تو ان کی بات میں مجھے دم نظر آیا بہر حال بلی کی موجودگی میرے لئے خوفناک معمے سے کم نہیں تھا۔

''خیر جو بھی ہو میں اس معاملے کو حل کر کے رہوں گا۔'' میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ تو مسٹر عامر مجھے میرا کمرہ دکھانے کے لئے میرے ساتھ آ گئے مجھے کمرے میں چھوڑنے کے بعد وہ چلے گئے اور میں نہانے کے لئے چلا گیا جب واش روم سے باہر آیا تو مسز شازیہ میرے لئے کھانے کے ٹرے لگا چکی تھیں کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد وہ چلی گئیں۔ میں اس نکتہ بے قراں کو سمجھانے کی حکمت عملی ترتیب دے لی تھی اور صبح ہوتے ہی میں اپنی تفتیش کا دائرہ کار بڑھانے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

سوتے ہوئے میں اچانک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے کوئی جلتی ہوئی چیز میرے چہرے پر رکھ دی ہو میں نے فوراً لیمپ آن کیا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میرے سرہانے مسٹر عامر کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ اس وقت یہاں خیریت تو ہے نا.....'' انہوں نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور ہاتھ اٹھا کر کمرے کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا وہاں پر اندھیرا تھا اور میں کچھ دیکھنے سے قاصر تھا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا مسٹر عامر نے اندھیرے کونے کی طرف قدم بڑھا دیئے شاید وہ مجھے کچھ دکھانا چاہتے تھے میں بھی بیڈ سے نیچے اتر آیا اور مسٹر عامر کے پیچھے چلتے ہوئے اندھیرے کونے کی طرف بڑھنے لگا۔ جہاں پر لیمپ کی روشنی نہیں جا رہی تھی۔ مسٹر عامر چلتے ہوئے تاریک حصے میں پہنچ چکے تھے جبکہ میں ابھی روشنی میں ہی تھا کہ اچانک ایک خیال میرے ذہن میں سرایت کر گیا، میں نے دروازے کی جانب دیکھا دروازہ اندر سے لاک تھا میں نے خود چٹخنی لگائی تھی تو پھر مسٹر عامر اندر کیسے آئے۔

اس خیال کے آتے ہی ایک خوفناک لہر میرے وجود کو پاش پاش کر گئی۔ میں نے اندھیرے میں کھڑے مسٹر عامر کی جانب دیکھا تو دنگ رہ گیا۔

کیوں کہ وہاں پر مسٹر عامر نہیں بلکہ وہی مرا ہوا انسان کھڑا ہوا تھا اس نے گھوم کر میری طرف دیکھا اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے اس پر کسی نے پگھلتا ہوا رڑ پھینک دیا ہو اس کے جسم میں جگہ جگہ سوراخ تھے جن سے گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ وہ میری طرف بڑھا اور اسی وقت دروازہ زور زور سے کسی نے کھٹکھٹانا شروع کر دیا پھر باہر سے مسز شازیہ اور عامر کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔

''مسٹر ہادی کیا آپ ٹھیک ہیں..... جواب دیں مسٹر ہادی۔'' میں نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ مسز شازیہ اور مسٹر عامر جلدی سے اندر داخل ہوئے اور مسٹر عامر نے لائٹ آن کر دی اور میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ کمرے میں وہ مرا ہوا انسان نہیں تھا وہ غائب ہو چکا تھا۔

عامر نے مجھے مخاطب کیا۔ ''مسٹر ہادی آج رات سلمٰی کی حالت بہت ہی خراب تھی ہم دونوں اس کے کمرے میں ہی رہے تھے ہمیں کوریڈور میں سایہ دکھائی دیا جسے شازیہ نے دیکھا جو کچن میں چائے بنانے جا رہی تھی جب ہم آپ کے دروازے کے پاس آئے تو آپ کے بولنے کی آواز آئی اور پھر ہم نے دروازہ نوک کیا۔'' مسٹر عامر تفصیل بتا چکے تو میں نے کہا۔ ''وہ مرا ہوا انسان یہیں پر تھا اور یقیناً مجھے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔''

''مجھے لگتا ہے کہ ہمیں سلمٰی کے کمرے میں رات گزارنی چاہئے۔'' ہم دونوں نے مسز شازیہ کی بات سن کر ہامی بھر لی اور سلمٰی کے کمرے کی جانب دیئے۔

☆.....☆.....☆

صبح ہوتے ہی میں نے ناشتہ کیا اور مسٹر عامر کے گھر سے نکل آیا۔ رات والے واقعہ سے پہلے میں یہی سوچ رہا تھا کہ شاید مسز شازیہ، رخسانہ اور عظیم مل کر سلمٰی کو

مارنا چاہتے ہیں تاکہ تمام جائیداد ہڑپ کرسکیں مگر رخسانہ کا ذہن پڑھنے کے بعد اور پھر اس مرے ہوئے انسان کو دیکھنے کے بعد مجھے اپنی سوچ بدلنا پڑی تھی۔ میں یہ جان گیا تھا کہ اُن کے ساتھ ہونے والے حادثات سچے تھے اور سلیف کی زندگی خطرے سے دوچار تھی۔

رات کو باتوں، باتوں میں مسٹر عامر نے انکشاف کیا تھا کہ یہ گھر انہوں نے چند ماہ پہلے ہی خریدا تھا اور جتنی رقم میں سودا طے پایا تھا وہ غور طلب تھی کیوں کہ گھر کی کنڈیشن کے حساب سے گھر کو اونے پونے داموں فروخت کردیا گیا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ اس گھر میں پہلے رہنے والے لوگوں کے ساتھ بھی ایسے ہی واقعات رونما ہوئے ہوں گے۔ جبھی رقم اتنی کم مانگی گئی تھی۔

لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی تفتیش کی شروعات پولیس اسٹیشن سے شروع کروں مجھے امید تھی کہ اگر پہلے کبھی اس گھر میں رہنے والوں کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہوگا تو اس کی رپورٹ ضرور درج کروائی گئی ہوگی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ تھانے جانے سے پہلے اپنے دوست عبید کو ساتھ لے جایا جائے تاکہ اسے میں مالک مکان بتا کر پولیس والوں سے انفارمیشن نکلوا سکوں۔ کیوں کہ مسٹر عامر پولیس کو اس معاملے میں دیکھنا نہیں چاہتے تھے تو ان کو ساتھ لے جانا ممکن نہیں تھا۔

میں نے عبید کو فون کرکے اپنی بتائی ہوئی جگہ پر بلایا۔ وہ اپنی بائیک پر آیا تھا لہٰذا ہم جلد ہی متعلقہ تھانے میں پہنچ گئے صبح سویرے کا وقت تھا اور ابھی پوری طرح عملہ بھی حاضر نہیں ہوا تھا ہم دونوں کمپلینٹ آفس میں داخل ہوئے، ایک موٹی توند والا پولیس آفیسر اپنی کرسی پر بیٹھا ٹیبل کو صاف کرنے میں مصروف عمل تھا اس کے سر کا اوپری حصہ بالوں سے عاری ہوچکا تھا، ہمیں اندر داخل ہوتا دیکھ کر اس نے سرسری سی نظر ہمارے اوپر ڈالی اور پھر فائلیں ترتیب سے رکھنے میں مشغول ہوگیا اور ساتھ ساتھ وہ اپنی گنج پر بیٹھنے والی مکھیوں کو بھی اڑانے کی ناکام کوشش کررہا تھا جو اس کے گنجے سر کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ میں نے شائستہ لہجے میں کہا۔ ''سر آپ سے تھوڑی معلومات درکار تھیں۔'' اس نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔ ''تشریف رکھیں۔'' ہم بیٹھ چکے تو اس نے چند فائلیں ٹیبل پر پڑی ٹوکری میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''جی کیا خدمت کرسکتا ہوں آپ کی۔'' میں نے عبید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سر یہ سوسائٹی چائنہ ٹاؤن کے مکان نمبر 19 کے رہائشی ہیں اور کچھ دنوں سے ان کے ساتھ عجیب طرح کے واقعات رونما ہورہے ہیں لہٰذا ہم جاننا چاہتے ہیں کہ جن سے انہوں نے گھر خریدا تھا ان لوگوں نے کسی حادثے کی رپورٹ درج کروائی ہو۔''

''اوہ۔'' اس نے میری بات سنتے ہی چونک کر کہا۔ ''یہ دراصل پہلے انسان نہیں ہیں جو مکان نمبر 19 کی شکایت لے کر آئے ہیں ان سے پہلے بھی لوگ آتے رہے ہیں اور کیوں کہ یہ انوکھی نوعیت کا کیس ہے اس لئے میرے ذہن سے نکلا نہیں۔'' مجھے اس سے کسی ایسے ہی سوال کی توقع تھی اپنی بات کہنے کے بعد پولیس والے نے اپنے گنج سے مکھیوں کو اُڑایا تھا میں نے کہا۔ ''سر اگر ہوسکے تو مجھے ان کیسوں کی تفصیلات پڑھنی ہیں۔''

''جی بالکل لیکن آپ کی تعریف.....'' میں نے عبید کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ مالک مکان ہیں اور میں ایک پرائیویٹ جاسوس ہوں جو ان کے ساتھ ہونے والے حادثے کے سلسلے میں ان کی معاونت کررہا ہوں۔''

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے لیکن اس کے لئے آپ کو DPO کا تصدیق شدہ لیٹرز درکار ہوگا جس کے اوپر کا پرائیویٹ جاسوس رجسٹرڈ نمبر درج ہو جبکہ مسٹر عبید کے پاس ان سوسائٹی والوں میں سے کسی تین افراد کے گواہان کے طور پر دستخط شدہ ایک درخواست ہو جس پر ان کے متعلقہ کونسلر کی اسٹیمپ بھی لگی ہو تبھی آپ کو معلومات دی جاسکتی ہے۔'' اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس نے پھر سے اپنے گنج سے مکھیوں کے غول کو اڑایا تھا پھر ایک دفعہ تو میرا دل چاہا کہ اپنا جوتا اتار کر اس کے گنجے سر پر دے ماروں اور پانچ سات مکھیوں کو قتل عام کردوں اور ساتھ

ہی اس پولیس والے کی طبیعت بھی صاف ہوجاتی کیوں کہ جو وہ ڈیمانڈ کررہا تھا وہ فی الفور ممکن نہیں تھا۔

لہٰذا میں نے دوسرا طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا وہ میری طرف دیکھ رہا تھا میں اسے ہپناٹائز کرتے ہوئے اس کے ذہن میں پہنچ گیا اور اس پولیس والے کے متعلق پہلے مجھے جس بات کا پتا چلا وہ یہ تھی کہ آج صبح سویرے کسی بات پر غصہ میں آکر اس کی دوسری اور نئی نویلی دلہن نے چائے سے بھرا کپ اس کے گنج پر دے مارا تھا کپ ٹوٹ گیا تھا اور گرما گرم چائے سے اپنے گنجے سر کی تواضع کروانے کے بعد وہ بھاگتا ہوا گھر سے نکلا اور رومال سے سر صاف کرکے تھانے میں آگیا تھا تبھی اس کے گنجے سر پر کھیاں تابڑتوڑ حملے کررہی تھیں۔

خیر میں نے اسے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ متعلقہ لیٹر وہ ہم سے وصول کرچکا ہے اور اب ہمیں مکان نمبر 19 کی فائل نکال کردے۔ میں جیسے ہی اس کے دماغ سے باہر نکلا وہ اٹھا اور الماری کھول کر ایک فائل اس نے میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے فائل کا بغور مطالعہ شروع کردیا۔

میں جیسے، جیسے فائل کا مطالعہ کررہا تھا، ویسے ویسے میرے حیرت کدہ میں اضافہ ہورہا تھا۔ اس فائل کے مطابق سات لوگوں کا اس گھر میں قتل ہوچکا تھا جن میں چار لڑکیاں اور تین لڑکے شامل تھے اور ان تمام کی عمریں دس سے پندرہ سال کے درمیان تھیں ان واقعات میں جو بات مشترک اور میرے لئے ورطہ حیرت تھی وہ یہ تھی کہ ہر کیس میں مختلف تصاویر بھی شامل تھیں جن میں سے ایک تصویر نمبر 19 لائنوں کی بھی تھی۔ یہ ویسی ہی لائنیں تھیں جیسی میں سلمیٰ کے کمرے میں دیکھ چکا تھا مگر ان تصاویر میں فرق یہ تھا کہ تمام 19 لائنیں کاٹی گئی تھیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ سلمیٰ سچ بول رہی تھی۔

اور وہ مرا ہوا انسان واقعی سلمیٰ کو انیسویں دن مارنے والا تھا یہاں پر نمبر 19 بہت ہی اہمیت اختیار کرگیا تھا۔

میں نے فائل کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اہم نکات کی اپنے اسمارٹ فون سے تصاویر بھی نکال لی تھیں۔ تمام اہم باتیں پڑھنے اور نوٹ کرنے کے بعد ہم نے فائل پولیس والے کے حوالے کی اور تھانے سے باہر آگئے عبید کا کام پورا ہوچکا تھا لہٰذا میں نے اس کو واپس بھجوادیا اور مسٹر عامر کا نمبر ڈائل کیا۔

فون ریسیو کرنے کے بعد مسٹر عامر سنجیدگی سے بولے۔ ''جی ہاں مسٹر ہادی فرمایئے۔''

''عامر آپ نے جس شخص سے مکان خریدا تھا اس کی بیٹی اسی مکان میں قتل ہوچکی ہے۔'' میں نے انکشاف کیا تو مسٹر عامر گویا ہوئے۔ ''مسٹر ہادی میں نے اور شازیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم یہ گھر چھوڑ دیتے ہیں شاید اس طرح سلمیٰ کی جان بچ جائے۔'' وہ رکے تو میں نے کہا۔

''ایسا بھی ممکن نہیں ہے کیوں کہ دو خاندان ایسے بھی تھے جنہوں نے گھر کو چھوڑ دیا مگر پھر بھی متاثر ہونے والے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے آپ فکر مت کریں میں جلد ہی آپ سے رابطہ کروں گا۔'' اور پھر اُن کا جواب سنے بغیر میں نے سلسلہ منقطع کردیا دراصل میں نے سڑک کے دوسری طرف اسی سیاہ بلی کو دیکھا تھا جو رات کو سلمیٰ کے کمرے میں تھی۔

میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہی سلمیٰ کی بلی ہے مگر اس کے گلے میں بندھا سنہری رنگ کا پٹا ویسا ہی تھا جیسا میں سلمیٰ کی بلی کے گلے میں دیکھ چکا تھا اور اس بلی کی طرف متوجہ ہونے کا ایک عنصر یہ بھی تھا کہ وہ ساکن کھڑی یک ٹک مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ مڑی اور ایک پرانی سی دوکان کے پہلو میں جاکر کھڑی ہوگئی اور مڑ کر میری طرف دیکھنے لگی۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا اور کوئی فیصلہ نہیں کرپارہا تھا۔

اتنے میں وہ بلی مڑی اور واپس اسی جگہ پر آکے کھڑی ہوگئی کچھ دیر کے بعد وہ دوبارہ مڑی اور پھر اسی پرانی سی دکان کے پہلو میں کھڑی ہوگئی ایسا لگتا تھا جیسے

وہ اپنے پیچھے آنے کے لئے کہہ رہی تھی۔

میں بلی کی جانب بڑھ گیا میں جیسے ہی بلی کے نزدیک پہنچا تو وہ دکان میں داخل ہوگئی میں بھی اس کے پیچھے چلنے لگا، یہ ایک پرانی لائبریری کی دکان تھی جو اندر سے کافی بڑی تھی پہلے حصے میں کتابوں کی شلفیں تھیں جبکہ اگلے حصے میں اخبارات کے انبار ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جو کافی پرانے لگتے تھے اور گھٹے مٹی سے اَٹے پڑے تھے۔

وہ بلی چلتی ہوئی ایک انبار کے پاس آ کر رک گئی پھر وہ مڑی مجھے دیکھا اور اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا کر اس انبار کے پانچوں نمبر والے اخبار کو اپنے پنجوں سے کریدنے لگی وہ صرف ایک ہی اخبار کے بنڈل کو کرید رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ میری توجہ اس بنڈل کی طرف مبذول کروانا چاہتی ہو، میں نے آگے بڑھ کر انبار سے بنڈل اٹھا کر سائیڈ پر رکھنے لگا۔

بلی مجھے اخبار ہٹا کر رکھتے ہوئے دیکھ کر سائیڈ میں ہوگئی تھی۔ مطلوبہ بنڈل نکالنے کے بعد میں نے بلی کی طرف دیکھا مگر میں دنگ رہ گیا کیوں کہ وہاں پر اب بلی موجود نہیں تھی اسی کشمکش میں لائبریری کا مالک میرے پاس آیا اور بولا۔ ''جی صاحب کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔''

''بس کچھ پرانے اخبارات کا مطالعہ کرنا تھا۔'' میں نے مختصر کہا تو وہ بولا۔ ''ٹھیک ہے آپ ٹیبل پر بیٹھ جائیں۔'' اس لائبریرین کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے میں مطلوبہ جگہ پر آ کر بیٹھ گیا اور اخبارات کو کھول کر پڑھنے لگا اس ایک بنڈل میں پورے سال کے اخبارات تھے جو کہ 50 سال پرانے تھے میں نے پہلے اخبار کا سرسری معائنہ کیا اور اسے سائیڈ میں رکھ دیا۔ اس اخبار میں مجھے کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی تھی۔

دوسرے اخبار کو میں نے جیسے ہی نکالا تو پہلے صفحے پر موجود ہیڈ لائن پڑھ کر میں چونکنا ہوگیا۔ وہاں پر سرخی بڑے حروف میں درج تھی۔ ''گولڈن ٹاؤن کے ذیلی بینک میں ڈکیتی کی واردات ڈاکو دو کروڑ روپے لے کر فرار، بینک منیجر کے ملوث ہونے کا خدشہ۔'' میں نے تفصیل پڑھنا شروع کی۔ ''دن دہاڑے ایک آدمی بینک میں آیا اور تھیلے میں بند دو کروڑ روپے کا کیش لے کر فرار ہوگیا اس نے گارڈ کو پہلے گولی مار کر زخمی کر دیا تھا پولیس کی جانب سے اطلاع ملی ہے کہ اس واردات میں بینک منیجر کے ملوث ہونے کے قوی امکانات ہیں کیوں کہ اتنی بڑی رقم کی ایک بینک سے دوسرے بینک میں منتقلی اور آنے کا وقت صرف منیجر کو معلوم ہوتا ہے۔

ڈکیتی کی واردات پڑھنے کے بعد میں نے اگلے روز اخبار کا پڑھا اس میں لکھا تھا۔ ''ذیلی بینک کے منیجر کو زیر تعمیر گھر جو کہ حال ہی میں بنے چائنہ ٹاؤن کی گلی نمبر 19 میں واقع ہے اس گھر سے بینک منیجر کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے بعد میں نے اگلے دن کا اخبار پڑھا جس میں ڈکیت کی بیرون ملک فرار کی خبر لگی تھی جبکہ بتایا گیا تھا کہ بینک منیجر سے تفتیش شروع ہے۔ جب میں نے اگلے دن کی ورک گردانی کی تو پتا چلا کہ بینک منیجر کے خلاف ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے باعزت بری کر دیا گیا۔

جبکہ ڈکیتی کرنے والے کے متعلق بار بار اخبارات میں یہی تذکرہ ہوتا رہا کہ مجرم بیرون ملک فرار ہو چکا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ہی یہ ڈکیتی ایک معمہ بن کر رہ گئی۔ میں نے اخبارات کی سرخیوں کی موبائل سے تصاویر نکال لیں۔ اس کیس کی گتھیاں سلجھنے لگی تھیں اور میں کسی نتیجے تک پہنچ چکا تھا۔

میرے ذہن میں بننے والی کہانی فی الحال مفروضوں پر ہی مبنی تھی مگر مجھے قوی یقین تھا کہ میں سلمٰی کی زندگی بچانے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔ اس معاملے میں پولیس کو شامل کرنے کا وقت آ گیا تھا لہٰذا لائبریری سے باہر آ کر میں نے مسٹر عامر کو کال کی اور تھانے میں بلا لیا۔ اور تمام واقعات اس کے سرگوش گزار کر دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ سلمٰی کی زندگی کیسے بچائی جاسکتی ہے۔

مسٹر عامر کو اعتماد میں لینے کے بعد میں نے انہیں بتایا کہ وہ اب رپورٹ فائل کریں تاکہ اس گتھی کو سلجھایا جاسکے۔ مسٹر عامر اور میں نے مل کر پولیس کو تمام حقائق بتائے اور کیوں کہ مکان نمبر 19 میں پہلے بھی

سات قتل ہو چکے تھے۔ اس لئے پولیس بھی اس معاملے میں ہر ممکن معاونت کے لئے تیار تھی۔

لیکن ان تمام باتوں میں اہم بات یہ تھی کہ اس بینک منیجر کا زندہ ہونا بہت ہی ضروری تھا کیوں کہ بینک ڈکیتی کو پچاس سال گزر چکے تھے ہم وہیں پر بیٹھے رہے جب تک پولیس والوں نے بینک منیجر کے گھر کا پتا نہیں کرالیا اور مجھے یہ سن کر بہت ہی خوشی ہوئی کہ وہ ضعیف العمر ہو چکا تھا مگر زندہ تھا۔

مگر بینک منیجر کو گرفتار کرنے کے لئے میری معاونت کی ضرورت تھی کیوں کہ گرفتاری ٹھوس ثبوت کے بنا ممکن نہیں تھی اور ٹھوس ثبوت میں جانتا تھا کہ کہاں پر ہے پولیس والوں کو ساتھ لے کر ہم مسٹر عامر کے گھر میں آ چکے تھے پھر ہم سلمٰی کے کمرے میں گئے جو کہ اضطرابی کیفیت میں کمرے میں ٹہل رہی تھی یقیناً مسز شازیہ نے اسے ہمارے آنے کی خبر پہنچادی تھی۔

کمرے میں مسٹر عامر، مسز شازیہ، رخسانہ اور سلمیف بھی موجود تھی جبکہ پولیس اہلکار بھی کمرے میں داخل ہو چکے تھے وردی میں ملبوس ایک پولیس والے نے پورے کمرے کی اپنے ڈیجیٹل سرکاری کیمرے سے تصاویر بنائیں پھر میری ہدایت پر وارڈ روب کو دیوار سے ہٹادیا گیا۔

اور میرے کہنے پر چند پولیس والوں نے دیوار کے اس حصے کو گرانا شروع کردیا جہاں پر وارڈ روب رکھا ہوا تھا۔ پولیس والوں نے جلد ہی دیوار گرادی تھی دیوار میں شگاف پڑ چکا تھا اور میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مجھے ڈر تھا کہ اگر میرا شک غلط ثابت ہوگیا تو مجھے بہت ہی خفت اٹھانا پڑے گی۔

پھر میری نشاندہی پر پولیس والوں نے زمین کی کھدائی شروع کردی پہلے فرش کو توڑا گیا نیچے نرم زمین تھی تھوڑی دیر کھدائی کے بعد کدال کسی چیز سے ٹکرائی تو ایک اہلکار بولا۔ ''سر نیچے کچھ ہے۔'' تمام لوگ گڑھے کے نزدیک ہوگئے تھے۔ اہلکاروں نے اب احتیاط سے کھدائی شروع کردی تھی دیکھتے ہی دیکھتے ایک انسانی وجود سیاہ رنگ کے بوسیدہ کپڑے میں لپٹا ہوا نمایاں ہوگیا سیاہ رنگ کا کپڑا تار، تار ہو چکا تھا جبکہ اس میں لپٹا ہوا شخص ڈھانچہ بننے کی حد کو پہنچ چکا تھا۔

چمڑی اس کے گال کے اندر دھنستی جارہی تھی ایک اہلکار نے جھک کر کپڑا اس کے منہ سے ہٹایا تو میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ مرے ہوئے انسان کے منہ اور ہونٹوں پر ضرب کا نشان تھا جہاں سے جلد گل سڑ چکی تھی اس کا اوپری ہونٹ شدید چوٹ کی وجہ سے کٹ گیا تھا اور میں صاف دیکھ سکتا تھا کہ اس کے اوپر والے دانتوں میں سے ایک دانت غائب تھا کیمرہ مین تصویریں بنانے میں لگا ہوا تھا۔

میں نے سلمٰی سے کہا۔ ''پلیز مجھے اس دانت کی ضرورت ہے جو تمہارے دوست نے دیا تھا۔'' سلمٰی لاش کو دیکھ کر دنگ کھڑی ہوئی تھی میرے مخاطب کرنے پر وہ چونکی اور دراز سے دانت نکال کر میرے ہاتھ میں رکھ دیا پولیس والے حیران کھڑے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کررہے تھے۔ میں گڑھے میں اتر گیا پورا کمرہ بدبو سے بھر گیا تھا تمام لوگوں نے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ میں نے جھک کر دانت مرے ہوئے انسان کے ٹوٹے ہوئے دانت کی جگہ پر رکھا تو وہ فٹ بیٹھ گیا یہ دانت اسی شخص کا تھا۔

میں باہر نکل آیا اور انسپکٹر سے بولا۔ ''اب آپ بینک منیجر کو گرفتار کرسکتے ہیں اور بہتر ہوگا اگر اسے ایک بار یہاں لایا جائے تاکہ وہ اس لاش کو دیکھ لے۔'' انسپکٹر نے فوراً اپنے ساتھ آئے ہوئے اہلکاروں کو ضروری ہدایات دیں اور لاش سے تمام لوگوں کو دور کرنے میں مصروف ہوگیا۔

سلمٰی اپنے اطمینان سے کھڑی ہوئی تھی۔ عامر اور شازیہ بھی قدرے سہل دکھائی دے رہے تھے جبکہ رخسانہ سلمٰی کو اپنی بانہوں میں بھر کر بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

تقریباً تین گھنٹوں کے تھکا دینے والے انتظار کے بعد پولیس اہلکار ایک ستر سے اسّی سال کے معمر شخص کو لے کر کمرے میں داخل ہوئے بوڑھے شخص کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے

اس بوڑھے شخص کے علاوہ ایک نوجوان تھری پیس سوٹ میں ملبوس خراماں، خراماں چلتے ہوئے آرہا تھا اس کے چہرے پر ناراضگی واضح تھی۔

یقیناً وہ اس بوڑھے شخص کا بیٹا تھا اور اپنے ضعیف العمر باپ کی ایسے گرفتاری پر نالاں دکھائی پڑتا تھا۔ گڑھے کے قریب آکر وہ بوڑھا بینک منیجر گھٹنوں کے بل گر گیا اور اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے ڈھانپے رونے لگا آنسو اس کی سفید داڑھی کو تر کررہے تھے، جبکہ پینٹ کوٹ میں ملبوس نوجوان پھٹی پھٹی نظروں سے لاش کو گھور رہا تھا۔

میں آگے بڑھا اور بوڑھے بینک منیجر کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنا جرم قبول کرلیں گے۔ معافی کا وقت تو یقیناً گزر چکا ہے۔ مگر گناہ کا ازالہ باقی ہے جو آپ ہی کو ادا کرنا ہوگا۔'' بوڑھا شخص روتا ہوا اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ پھر اس نے کپکپاتی آواز میں بولنا شروع کیا۔

شاہد میرا دوست تھا اور زندگی میں کچھ کرنا چاہتا تھا۔ مگر حالات اس کے خلاف تھے۔ ایف اے کرنے کے دوران ہی اس کی والدہ کو دل کی بیماری لاحق ہوگئی جس کے علاج کے لئے بیس لاکھ روپے کی ضرورت تھی جبکہ شاہد متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور اتنے روپوں کا انتظام اس کے بس کی بات نہیں تھی وہ مجھ سے مدد مانگنے آیا۔ تبھی میرے دل میں بینک لوٹنے کا خیال آیا اور میں نے بہترین پلان بنایا اور ہم اس میں کامیاب ہوگئے۔

یہ مکان نمبر 19 اس وقت زیر تعمیر تھا ہم نے یہاں پر ملنے کا پلان بنایا ہوا تھا۔ ایک دن کے بعد جب میں اور شاہد اس زیر تعمیر مکان میں ملے تو وہ بہت ہی خوش تھا مگر میری سوچ کچھ اور تھی کیوں کہ پولیس والے مجھ پر شک کررہے تھے لہٰذا اگر شاہد پکڑا جاتا تو میں بھی گرفتار ہوجاتا اسی ڈر کے پیش نظر میں نے اینٹ کا وار شاہد کے چہرے پر کیا جس کی وجہ سے اس کا ایک دانت ٹوٹ کر گر گیا جبکہ شاہد شدید ضرب کی وجہ سے بے ہوش ہوگیا۔

شاہد کے پاس سیاہ رنگ کا کپڑا تھا جس سے وہ چہرہ ڈھانپ کر آیا تھا میں نے اسی کپڑے میں اس کی لاش کو لپیٹا اور گڑھا کھود کر دفنا دیا کیوں کہ گھر زیر تعمیر تھا لہٰذا کسی نے کھدائی کا نوٹس نہیں لیا اور اوپر فرش ڈال دیا گیا۔

کچھ دن کے بعد میں حالات کا جائزہ لینے کے لئے واپس مکان نمبر 19 میں آیا تو پولیس والے جو میرا پیچھا کررہے تھے مجھے گرفتار کرکے لے گئے۔ کچھ عرصہ تک کیس چلا نہ ہی شاہد ملا اور نہ ہی میرے خلاف کوئی ٹھوس شواہد ملے پھر بینک کو انشورنس کا پیسہ مل گیا اور یہ کیس ٹھنڈا پڑتے ہوئے بند ہوگیا۔ لیکن میں اس قتل کو کبھی بھول نہیں پایا میں پھانسی کا حقدار ہوں۔''

بوڑھا بینک منیجر زار و قطار رونے لگا جبکہ مسٹر عامر سمیت سب لوگ اس کیس کو اس طرح پایہ تکمیل تک پہنچتے ہوئے دیکھ کر ششدر تھے کیوں کہ ایک تو مرنے والا غلط ٹائم پر قتل کیا گیا۔ جب اس کی والدہ کو اس کی سخت ضرورت تھی اور بالآخر آج اس کا قاتل اسی کی لاش کے پاس بیٹھا ماتم کدہ تھا اور یقیناً پھانسی کے تختے پر لٹکنے والا تھا مگر اس کی عمر دیکھ کر دکھ ہوتا تھا۔ اس ضعیف العمر شخص کا بیٹا لاش کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی لڑی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

پولیس والے لاش اور بوڑھے بینک منیجر کو لے کر جاچکے تھے جبکہ میں سوچ رہا تھا کہ جانور بھی کتنے وفادار ہوتے ہیں کہ سلمٰی کی بلی مرکر بھی اس کی زندگی کے لئے فکرمند تھی اور اس کیس کو حل کرنے میں بڑی حد تک بلی کا کردار بھی تھا۔

بہرحال میرا پہلا کیس حل ہوچکا تھا مسٹر عامر کی فیملی سے داد وصول کرنے کے بعد میں اپنے آفس کی جانب چل دیا نجانے کوئی مصیبت کا مارا میرا انتظار کررہا ہو۔

زہریلا عاشق

اے اے احمد-میانوالی

گولی چلی اور موذی کے چیتھڑے اڑگئے جسے دیکھ کر سب کے سانس رک گئے پھر موذی کے بل کھلتے چلے گئے اور دوشیزہ زمین پر گرگئی، موذی ہمیشہ کے لئے مرچکا تھا لیکن پھر حقیقت دسامنے آئی تو.....

خوف کی دنیا کی شاہکار کہانی جو کہ پڑھنے والوں کے ذہن سے برسوں محو نہ ہوگی

موٹی موٹی آنکھوں، سرخ رنگت اور بھرے بھرے جسم والی نرگس سولہ سال کی ایک الہڑ اور خوبصورت لڑکی تھی۔ جدھر سے گزرتی، لڑکے دل تھام کر رہ جاتے، اور لڑکے تو لڑکے، لڑکیاں بھی یہ بات کہنے پر مجبور تھیں کہ نرگس سے زیادہ خوبصورت لڑکی پورے گاؤں میں نہیں ہے۔

حسب معمول آج بھی نرگس کھیتوں میں اپنے بابا کو کھانا دے کر واپس آرہی تھی۔ سورج اپنی آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ اور دھوپ کی روشنی سے نرگس کے رخسار اور بھی زیادہ سرخ ہورہے تھے۔ گاؤں سے دو میل کے فاصلے پر نرگس کے باپ علی شیر کی زمینیں تھیں اور نرگس روزانہ پیدل جا کر اپنے بابا کو دوپہر کا کھانا دے کر آتی تھی۔ اس وقت بھی نرگس تقریباً آدھا فاصلہ طے کر چکی تھی گرمی اور دھوپ کی وجہ سے وہ کافی پریشان ہورہی تھی اور جلد سے جلد گھر پہنچ جانا چاہتی تھی۔ راستے میں آنے والی چھوٹی نہر کا پل کراس کر کے اب وہ گندم کی تیار فصل کے ساتھ چلتی ہوئی جارہی تھی۔ کہ یکدم سنائی دینے والی آواز سن کر وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس نے ادھر ادھر سر گھما کر دیکھا مگر کچھ بھی نظر نہ آسکا۔ ٹھیک اسی لمحے آواز واضح اور صاف سنائی دی۔

''آتی ہو..... یا..... میں آؤں؟''

نرگس نے چونک کر داہنی سمت دیکھا اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ٹھیک اسی لمحے آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

''آتی ہو..... یا..... میں آؤں؟'' نرگس نے سر گھما کر

چاروں طرف دیکھا۔ دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اور پھر اس کی نظر میں گھومتے گھومتے دوبارہ گندم کی فصل پر آ کر ٹھہریں۔ لیکن وہاں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

یکا یک نرگس پر نامعلوم سی گھبراہٹ طاری ہوگئی اور وہ جلدی سے آگے بڑھ گئی اس کے قدموں کی رفتار مزید تیز ہوگئی۔ دور ہوتی ہوئی آواز کی بازگشت اب بھی اُس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ ''آتی ہو..... یا..... میں آؤں؟''

دوسرے دن کھانا دے کر نرگس جوں ہی گندم کے اس کھیت کے پاس پہنچی تو اس کے قدم خود بخود رک گئے۔ اور نظریں گندم کے کھیت کا طواف کرنے لگیں۔ ٹھیک اسی لمحے آواز بلند ہوئی۔ ''آتی ہو..... یا..... میں آؤں؟''

اور نرگس کے پیروں میں جیسے پھر کیاں لگ گئیں۔ شدید گھبراہٹ اور وحشت کے عالم میں طوفانی رفتار سے چلتی ہوئی وہ گاؤں کے قریب تر ہوتی چلی گئی۔ جوں جوں وہ گاؤں کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ اُس کے ذہن میں اُمڈتے ہوئے خیالات کا ہجوم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ نرگس اس وقت عمر کی جس منزل پر تھی۔ وہ ہر بات سمجھ سکتی تھی اور چونکہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی۔ اور آتے جاتے خود پر اٹھنے والی نظروں کا مطلب سمجھتی تھی۔ اپنے حسن اور خوبصورتی سے اچھی طرح آشنا تھی۔ اس لئے گندم کے کھیت میں سے بلند ہونے والی آواز کون کر جو پہلا خیال اس کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ ضرور گاؤں کا کوئی شرارتی لڑکا اس سے شرارت کر رہا ہے اور اس سے راہ و رسم بڑھانے کا خواہش مند ہے۔ لیکن نرگس اس قسم کی لڑکی ہرگز نہ تھی۔ اور اپنے والدین کی عزت اسے اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ سو اس بات پر نرگس کا پریشان ہونا ایک فطری امر تھا۔ اور اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے؟ اور پھر وہ گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ ابھی فی الحال اسے یہ بات اپنے گھر نہیں بتانی چاہئے۔ بلکہ اپنی سب سے قریبی دوست شانتل سے رابطہ کرنا چاہئے۔ سو اب اس کا رخ سیدھا شانتل کے گھر کی طرف تھا۔

شانتل نے جب یہ پورا ماجرا سنا تو کھلکھلا کر ہنس پڑی..... اور بولی۔ ''بنورانی۔ یہ تو کسی بڑے دل والے کا کام لگتا ہے۔ جو تمہاری خاطر نتائج کی پروا کئے بغیر تمہارے راستے میں بیٹھا رہتا ہے۔ ایمان سے، یہ تو بڑی ہی ہمت کی بات ہے کہ اسے تمہارے بھائیوں کا خوف بھی محسوس نہ ہوا۔ سچی اگر کوئی میرے لئے ایسا کرتا تو میں جی جان سے اُس پر قربان ہو جاتی۔ اس نے نرگس کو چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔

''چل ہٹ.....! بے شرم کہیں کی۔'' نرگس شرم سے سرخ ہوتے ہوئے بولی۔ ''ویسے نرگس رانی اگر تم اس بے چارے پر ترس کھا لو تو کیا حرج ہے۔''

''دیکھ شانتل میں پتھر مار دوں گی ہاں!'' نرگس نے شانتل کے بال کھینچتے ہوئے کہا۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں ایسی باتیں بالکل پسند نہیں کرتی۔ تمہارے پاس اس لئے آئی تھی کہ اس مصیبت سے نجات کے لئے کوئی اچھا مشورہ دو گی۔ اگر تم نے ایسی ہی باتیں کرنی ہیں تو میں تو چلی۔'' نرگس نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔ اور ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اچھا بابا اچھا! مشورہ بھی دیتی ہوں تم بیٹھو تو سہی۔'' شانتل نے نرگس کا بازو کھینچ کر اسے بٹھاتے ہوئے کہا۔ اچھا دیکھو کل جب تم کھانا لے کر جاؤ گی تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اسی بہانے میں بھی اس عاشق کو دیکھ لوں گی اور ساتھ ہی اسے سمجھا بھی دوں گی کہ میاں صاحبزادے ان تلوں میں تیل نہیں اور یہاں تمہاری دال نہیں گلنے والی۔'' امید ہے کہ بات اُس کی سمجھ میں آ جائے گی ورنہ..... پھر کچھ اور سوچیں گے۔''

ٹھیک ہے؟ اور پھر یہ بات طے کرنے کے بعد نرگس اپنے گھر چلی گئی اور اس سے اگلے دن کھانا دے کر واپس آتے ہوئے وہ دونوں ایک ساتھ تھیں۔ پل کراس کرنے کے بعد مخصوص فصل پر پہنچ کر نرگس کے قدم خود بخود رک گئے اور پھر اس نے شانتل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یہی وہ کھیت ہے شان..... ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ وہاں آواز بلند ہوئی، وہی مخصوص لہجہ، وہی مخصوص جملہ اور نرگس کا دل دھک سے رہ گیا۔ شانتل نے ایک نظر نرگس کی طرف دیکھا جس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ پھر وہ کھیت کی طرف دیکھتے ہوئے غصیلی آواز میں بولی۔

''کون ہو تم..... باہر نکل کر سامنے آؤ۔'' لیکن

واب میں وہی مخصوص آواز سنائی دی۔ ''آتی ہو..... یا..... ں آؤں۔'' اور شانتل کی پیشانی پر آنے والے بل مزید گہرے ہوگئے۔ ''دیکھو تم جو کوئی بھی ہو شرافت سے باہر نکل ؤ اور سیدھی طرح بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ نرگس کو کیوں یشان کرتے ہو؟'' لیکن جوابی آواز میں پھر وہی مخصوص لہ سنائی دیا۔ ادھر نرگس کو شدید گھبراہٹ اور نامعلوم سی بے ینی کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ اُس نے شانتل کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''چلو شانتل چلیں مم..... میرا دل گھبرا رہا ہے۔''

شانتل نے مڑ کر نرگس کی طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر کھیت کی طرف دیکھتے ہوئے گرجی۔ ''تم سامنے نہیں ئے نا۔ اس کا مطلب ہے کہ تم سیدھی طرح نہیں مانو گے۔ ب تمہارے ساتھ نرگس کے بھائی خود ہی نمٹ لیں گے مجھے۔ شانتل نے نرگس کا ہاتھ تھاما اور دونوں تیز تیز چلتی ئیں گاؤں کی طرف روانہ ہوگئیں۔ واپسی کا راستہ طے کرتے ہوئے شانتل اس شخص کی دیدہ دلیری پر سخت حیران ھی۔ دیکھو نرگس اول تو یہ جو کوئی بھی تھا دوبارہ ایسی جرأت ہیں کرے گا کیونکہ میں نے اُسے تمہارے بھائیوں کی مکی دی ہے، اور تم نے دیکھا کہ میری اس بات کے بعد دوبارہ آواز سنائی نہیں دی تھی۔ لیکن فرض کرو کہ وہ دوبارہ بھی یسا کرتا ہے تو بہتر ہوگا کہ تم گھر میں بتا دو..... جو کوئی بھی یہ گھٹیا حرکت کر رہا ہے۔ چچا علی شیر اور سرفراز بھائی، افتخار ائی وغیرہ خود ہی اس سے نمٹ لیں گے۔ ٹھیک ہے نا؟ اور س نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دوسرے دن جب نرگس واپس آتے ہوئے مخصوص کھیت تک پہنچی تو اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ کھیت کے قریب سے گزرتے ہوئے نرگس نے آنکھ بھر کر بھی کھیت کی طرف نہیں دیکھا۔ لیکن ابھی وہ چند ہی قدم چلی ہوگی کہ ہوا کے دوش پر سنسناتی ہوئی وہی مخصوص آواز کسی دعا کے کی مانند اس کے کانوں سے ٹکرائی اور نرگس کی ریڑھ کی ڈی میں سردی کی لہری دوڑ گئی اور اس کا دل اچھل کر جیسے حلق ں آ گیا۔ اس نے گھبرا کر کھیت کی طرف دیکھا لیکن کچھ نہ ظر آیا۔ ٹھیک اسی لمحے آواز دوبارہ سنائی دی۔ دوسری دفعہ آواز کا سننا ہی تھا کہ وہ بھاگ پڑی اور گھر پہنچ کر ہی سانس لیا۔ وہ چارپائی پر گری اور ہوش و حواس سے بے گانہ ہوگئی۔

جب ہوش آیا تو امی اس کے سرہانے بیٹھی تھیں جب کہ سامنے والی چارپائی پر اس کے بابا، لالا سرفراز اور لالا افتخار بیٹھے ہوئے پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ نرگس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھ کر لالا افتخار اٹھے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ پگلی روتے نہیں ہیں۔ بات کیا ہے مجھے بتا آخر ہوا کیا ہے؟ کس نے تجھے پریشان کیا ہے۔ بہنا صرف ایک بار مجھے بتا دے صرف ایک بار..... اور آخری جملہ کہتے ہوئے جیسے اُن کے لہجے میں بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ اتنا سننا تھا کہ نرگس پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور پھر اس نے ساری داستان انہیں سنا دی۔

سب کچھ بتانے کے بعد نرگس بولی۔ ''بھیا آئندہ میں کھانا لے کر نہیں جاؤں گی۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اور لالا سرفراز تڑپ کر کھڑا ہوگیا۔ جواب تک بالکل خاموش بیٹھا تھا سب کچھ سن رہا تھا۔ ''نہ بہنا نہ۔ تیرے شیروں جیسے دو بھائی ہیں۔ ڈرنے کی بات کر کے ہمیں سر جھکانے پر مجبور مت کر۔ تو کھانا لے کر ضرور جائے گی اور کل جب تو کھانا لے کر جائے گی تو جب تجھے یہ آواز سنائی دے تو اسے کہنا کہ تو آ جا.....'' باقی ہم خود دیکھ لیں گے سمجھی! لالا سرفراز کڑکتی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہاں پتر..... !سرفراز ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تو کھانا لے کر ضرور آنا اور ایسا ہی کرنا۔ ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ وہ کتا جو کوئی بھی ہے ہم اس سے اچھی طرح نمٹ لیں گے اور اسے ایسا سبق دیں گے..... کہ آئندہ..... کسی کی دھی بیٹی کو پریشان کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ بابا نے بھی غصہ بھری آواز میں کہا۔ جب سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تو نرگس اس کے لئے تیار ہوگئی۔

اگلے دن معمول کے مطابق نرگس جب کھانا لے کر نکلی تو شانتل اس کے ساتھ تھی۔ آج صبح ہی سے آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی ہوا بھی چل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے موسم خاصا خوشگوار ہو رہا تھا۔ مخصوص

کھیت کے قریب سے گزرتے ہوئے نرگس اور شانتل نے کھیت کی طرف دیکھا جہاں گندم کی سنہری فصل لہلہا رہی تھی۔ لیکن انہیں کچھ بھی نظر نہ آسکا۔ کھیت میں مکمل خاموشی اور سکوت طاری تھا۔ دونوں خاموشی کے ساتھ کھیت سے گزر گئیں۔ ڈیرے پر انہیں نہ تو بابا نظر آئے اور نہ ہی کٹائی کرنے والے لوگ۔ لیکن دونوں نے کسی تبصرے کے بغیر روٹی اندر کمرے میں رکھی اور خاموشی سے واپس چل پڑیں۔ اور پھر نہر کا پل کراس کرنے کے بعد چند لمحوں بعد ہی گندم کے اس مخصوص کھیت کے پاس آ پہنچیں۔ اور پھر چند قدم کا مزید فاصلہ طے کیا ہوگا جب نرگس کے کانوں میں وہی مخصوص آواز سنائی دی۔ نرگس ٹھٹک کر رک گئی اور اس کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ پھر اس نے جی کڑا کے کہا۔ تم ہی آ جاؤ۔ آخر پتہ تو چلے تم ہو کون؟ ہو کون..... ہو کون.....'' نرگس کی آواز کی بازگشت چاروں طرف سنائی دے رہی تھی۔

ٹھیک اسی لمحے گندم کی فصل سے تیز سرسراہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ جیسے کوئی حرکت کر رہا ہو۔ اور نرگس کے ساتھ ساتھ شانتل کی نظریں بھی کھیت میں اس جگہ مرکوز ہوگئیں جہاں سے سرسراہٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دونوں دم سادھے کھیت کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

لیکن وہ ان کی مخالف سمت سے نمودار ہوا تھا۔ شاہانہ انداز سے چلتے چلتے وہ نرگس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اور پھر اس کا سر نرگس کے قدموں میں جھکتا چلا گیا۔ یوں جیسے بارگاہ حسن میں سجدہ ریز ہو رہا ہو۔ حسن کی دیوی کی سلامی دے رہا ہوں اور پھر اس نے اپنا سر آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا۔ وہ تھوڑا سا اور آگے بڑھا تو اس کا سر نرگس کے پیروں پر جا ٹکا! پھر وہ تھوڑا سا اور آگے بڑھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنا چہرہ اس کے پیروں پر رگڑ رہا ہو.....

لیکن نرگس جیسے اس کے وجود سے بالکل لاعلم تھی۔ وہ اب بھی گندم کے کھیت کی طرف گھورے جا رہی تھی۔ اور وہ نرگس کے پیروں، ٹانگوں سے لپٹ کر آہستہ آہستہ سرکتا ہوا اوپر اور اوپر اٹھتا چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نرگس کے پورے وجود سے لپٹ کر کھڑا ہو گیا اور اپنا سر اور چہرہ نرگس کے سر پر ٹکا دیا۔ اس نے نرگس کے وجود کو بری طرح بھینچ رکھا تھا۔ بالکل ایسے جیسے نرگس کے جسم میں سرایت کرنا چاہتا ہو۔ اس کے وجود میں پیوست ہو کر ایک جان دو قالب کا فرق مٹا دینا چاہتا ہو۔ نرگس بالکل خاموش اور بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ جیسے وہ اس کے وجود، اس کے لمس سے یکسر بے خبر ہو۔

ٹھیک اسی لمحے شانتل نے پیچھے مڑ کر نرگس کی طرف دیکھا اور اس پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے ایک طویل اور دہشت ناک چیخ بلند ہوئی اس کے ساتھ ہی وہ گری اور ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی۔ ادھر چیخ کی آواز بلند ہوتے ہی ایک ہلچل سی مچ گئی۔ اور ارد گرد کے کھیتوں نے جیسے آدمی اگلنا شروع کر دیئے ہوں۔ سب سے آگے علی شیر، سرفراز اور افتخار اور اُن کے پیچھے دیگر افراد، لیکن سامنے والے منظر کو دیکھ کر سب کے سب بھونچکاں رہ گئے۔ کیونکہ سامنے نظر آنے والا منظر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

جبکہ نرگس بالکل ساکت کھڑی تھی۔ جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ سب کے سب حیرت کے مارے گنگ کھڑے تھے۔ اور یہ روح فرسا منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر افتخار نے حوصلہ کیا اور بندوق سیدھی کرنے لگا۔

لیکن چوہدری شیر علی نے اسے روک دیا۔ افتخار گولی نرگس کو بھی لگ سکتی ہے۔ سرفراز ایک طرف خاموش کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بندوق افتخار کے ہاتھوں سے چھین لی اور بولا۔ ''گولی چلانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ابا جان! شاید مرتو وہ ویسے بھی گئی ہے۔ اس طرح شاید ہم اسے بچا سکیں۔'' گولی چلی اور سانپ کے پھن کے چیتھڑے اڑ گئے۔ ایک لمحے کے لئے سب کے سانس جیسے رک گئے۔ پھر سانپ کے بل کھلتے چلے گئے اور نرگس نیچے گر پڑی۔ سرفراز نے سانپ اس سے علیحدہ کیا اور اس کے گال تھپتھپانے لگا۔ آنکھیں کھول بہنا۔ یہ دیکھ ہم نے موذی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ آنکھیں کھول بہنا۔ آنکھیں کھول دے۔'' لیکن بے سود۔ چوہدری علی شیر نے آگے بڑھ کر نرگس کی نبض دیکھی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ نرگس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

اجڑی دلہن

عنیزہ فضل داد- کراچی

نوجوان کی موت اس کی نظروں کے عین سامنے رقص کرتی دکھائی دینے لگی تھی، اب اسے بچنے کی کوئی صورت باقی نہ تھی اور پھر نوجوان دھڑکتے دل کے ساتھ.....

کبھی کبھی بداحتیاطی انسان کے لئے جان لیوا ہوجاتی ہے، حقیقت کہانی میں پنہاں ہے

رات کے تیسرے پہر بھونکتے کتوں کی آوازیں میرے دل کو دہلانے لگیں سنسنان سڑک پر خراب بائیک لیے میں کسی مدد کی امید لیے وہاں کھڑا ہی تھا کہ سامنے سے آتے دو بچوں کو دیکھ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''بھلا رات کے اس پہر ان بچوں کا اس سنسان سڑک پر کیا کام''

تھوڑی ہی دیر میں وہ بچے میرے عین سامنے آ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر چلنے کی دعوت دی ان کی اس دعوت کو قبول کرنے کہ سوا میرے پاس کوئی اور راستہ نہ تھا کچھ ہی دیر چلنے کی مسافت طے کرکے ہم اس صدیوں پرانے گھر کے عین سامنے کھڑے تھے کہ جس کی موجودگی نے بہت سی کہانیوں کو جنم دیا تھا۔

اس سنسان جنگل میں موجود قبرستان کے عین سامنے بنے اس گھر کی موجودگی ہر ایک کے دل و دماغ میں

ہزاروں سوال پیدا کرتی میں ابھی ان سوالوں کی کشمکش میں مبتلا اسے دیکھے ہی جا رہا تھا کہ یکدم ایک عجیب سی آواز نے میری اس سوچ کے مرکز کو توڑ ڈالا کیونکہ اس گھنے جنگل کے بیچ و بیچ کسی صنف نازک کی آہ و بکا کی صدائیں آنا عام بات نہ تھی میں اپنے دل کو قابو میں کیے قدم بڑھاتے تھوڑا مزید آگے بڑھا ہی تھا کہ میرے ساتھ چلتے بچے یکدم کہیں غائب ہو گئے اور ان کا یوں غائب ہو جانا کسی خطرے سے خالی نہ تھا اس بات کا اندازہ مجھے بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آدھی رات میں سنسان سڑک پر جھومتے بچے کوئی آدم زاد ہوں بلکہ وہ تو بس میری نظروں کا ایک دھوکہ تھا کہ جس کے سبب میں اتنی دور اپنی جان ہتھیلی میں لیے اس بنگلے کے عین سامنے آ کھڑا تھا۔

کون ہو تم؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟

مم مم میں وہ۔۔۔وہ۔

میں نے پوچھا کون ہو تم؟

میرے سامنے کھڑا شخص اس وقت میرے لیے زندگی بن کر نمودار ہوا۔

وہ میں۔۔۔ میں پلیز میری مدد کیجیے میں نہیں جانتا میں یہاں کیسے آیا؟

کیا تم نہیں جانتے کہ تم یہاں کیسے آئے؟

ہاں یاد آیا وہ۔۔ وہ!! وہ دو بچے تھے جو مجھے بیچ سڑک پر ملے جہاں میری بائیک خراب کھڑی تھی انہوں نے مجھے کہا تھا کہ یہاں چند قدم آگے عین ان کے گھر کے سامنے ایک مکینک رہتا ہے جو میری مدد کر سکتا ہے لیکن وہ نا جانے اب کہاں غائب ہو گئے ہیں پلیز آپ میری مدد کیجیے۔

کیا سچ میں تم ان دو بچوں کے ہمراہ یہاں آئے ہو؟

جی ہاں۔۔۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں آپ میرا یقین کیجیے۔۔۔

اگر تمہیں وہ بچے یہاں اپنے سنگ لائے ہیں تو اس بات کا یقین کر لو کہ اب تمہارا بچ پانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو چکا ہے کیونکہ کچھ عرصہ پہلے وہ مجھے بھی اپنے سنگ یہاں لائے تھے۔

کلک کلک۔۔کیا مطلب؟

یہ کہتے ہی میرے سامنے کھڑا شخص ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر قریب ایک قبر میں جا دفن ہوا۔ ہر طرف سے آتی چیخ و پکار کی صدائیں میرے کانوں کے پردوں کو پھاڑنے لگی تھیں میں اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ زمین پر جا بیٹھا ہی تھا کہ یکدم چھنکارتی پائل کی آواز نے میرے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے۔

مجھے میری موت میری نظروں کے عین سامنے رقص کرتی دیکھائی دینے لگی تھی اب بچنے کی کوئی صورت باقی نہ بچی کیونکہ ہر طرف سے ہاتھوں میں اٹھائے خون رستے دھڑکتے دل میری جانب بڑھنے لگے وہ ایک نہیں تھی وہ تو ہزاروں کی تعداد میں اجڑی دلہنوں کی ایک فوج تھی جو قدم با قدم اپنے ہاتھوں میں تازہ دھڑکتے خون رستے دل اٹھائے میری جانب بڑھتی چلی آ رہی تھیں ان کا یوں میری جانب بڑھنا میرے سانسوں کی ترتیب بگاڑنے لگی میرا دھڑکتا دل اب بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا ایسے جیسے میلوں دور کھڑے میرے دل کی دھڑکنیں سنی جا سکتی ہوں کہ یکدم میری زوردار چیخ نے سارے ماحول کے نقشے کو یکسر بدل ڈالا کیونکہ میرے سرہانے بیٹھی میری ماں کی موجودگی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ وہ سب صرف ایک خواب تھا۔۔۔

ماں کی گود میں سر رکھے میں دوبارہ پرسکون نیند کی تلاش میں جا لیٹا ہی تھا کہ اچانک ماں کے اس جملے نے کہ۔

”بیٹا یہ تمہاری گردن پر کیسے عجیب و غریب نشان ہیں انہیں دیکھ کر تو لگتا ہے کہ یہ کسی کے دانتوں کے نشان ہیں مگر یہ نشان تمہاری گردن پر کیا کر رہے ہیں۔“

میری راتوں کی نیند دن کا چین سب ختم کر دیا یعنی وہ سب صرف ایک خواب نہیں تھا بلکہ وہ حقیقت کی ایک ایسی داستان تھی جو سب کی نظروں سے اوجھل میرے لیے ایک خوفناک انجام تیار کیے ہوئے تھی۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

بجھاتے کہاں پیاس اپنی پرندے
سمندر میں اتنا بھی پانی نہیں ہے
(صدام ساگر.....اسلام آباد)

جھکی ذرا چشم جنگجو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہوجائے جنگ ہوکر
(انتخاب: ایس حبیب خان.....کراچی)

وعدوں کے ساتھ بہت دور تک چلیں
تھامے تمہارا ہاتھ بہت دور تک چلیں
بادل، ہوا، سراب، ستارے ہزار ہا
ہم لے کے کائنات بہت دور تک چلیں
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

میری بے قرار آنکھیں سدا منتظر رہی ہیں
تھا انتظار جن کا کبھی بھول کر نہ آئے
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

دل میں نہ اڑتا غبار کس کا ہے
وہ جا چکا ہے پھر انتظار کس کا ہے
(صباشاہ بخاری.....جڑانوالہ)

آنکھوں میں چھپالوں تجھ کو، دل میں میں بسالوں
میرے محبوب صنم، تجھے میں کیا نام دوں، میرے محبوب صنم
(ذکاءاللہ بھٹی.....لاہور)

تمہارا نام لکھ کر مٹانا بھول جاتا ہوں
تمہیں جب یاد کرتا ہوں بھلانا بھول جاتا ہوں
بہت سی ایسی باتیں ہیں جو میرے دل میں رہتی ہیں
مگر جب تم سے ملتا ہوں تو بتانا بھول جاتا ہوں
(جہانزیب.....کراچی)

گرنے سے پہلے میں بھی قابل پرواز تھا
بے وفائی اس نے کی جس کی وفا پہ بڑا ناز تھا
(ڈاکٹر رانا عامر شہزاد.....نکانہ صاحب)

ابھی تو مدفن بھی نہ ہوئے تھے خاک قبرستان میں ہم
کہ شہنائیوں کے ساتھ رقص کرتے جانم ہمارے نکلے
(کاشف خان.....کراچی)

تم خواب میں آئے پاس میرے
ہم دل کی تمنا کہہ نہ سکے
ہم خواب میں بھی ڈرتے رہے
رسوا تو نہیں کردو گے مجھے
(رشک نور.....فیصل آباد)

واہ میرے محبوب بڑی جلدی خیال آیا
بس کرو چومنا اب اٹھانے دو جنازہ
(محمد دانیال.....پشاور)

تم صاف رہو یا نہ رہو اے مہ تاباں
ہم وہ ہیں کہ دل بھی کبھی میلا نہیں ہوتا
کیوں عشق میں ڈوبے نہ رہیں چاہنے والے
دریائے محبت میں کنارہ نہیں ہوتا
(مہر پرویز احمد دولو.....میاں چنوں)

ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمار چمن
قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشت دیوار چمن
وقت ہے، گر بلبل مسکیں زلیخائی کرے
یوسفِ گل جلوہ فرما ہے، یہ بازار چمن
(ایس حبیب خان.....کراچی)

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

اپنے خیالوں میں آنے کی اجازت دو ہم کو
ہم تمہارے ہیں بتانے کی اجازت دو ہم کو
یہ نہ ہو ٹوٹ جائے امید وفا ہماری
بس کچھ پل جینے کی اجازت دو ہم کو
(شاہد علی خان.....لورالائی)

☆☆

پڑھ کے صلی علی سرور ملا
دیدہ و دل کو کیسا نور ملا
طٰہٰ، یٰسں آپ کا سہرا
آپ کی شان میں کلام خدا
رحمت دو جہاں آپ ہوئے
رب کے اک ترجماں آپ ہوئے
دینِ اسلام آپ سے پھیلا
شرک کا داغ آپ نے دھویا
آپ کی کیا ثنا قمر سے ہو
قلب خوش آپ کی نظر سے ہو
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

کیے جو ہم سے وعدے تو انہیں وفا کرنا
مانگ لینا جان ہم سے پر نہ جفا کرنا
ہنس کر کردیں گے سب کچھ قربان ہم
معصوم سا دل توڑنے کی نہ خطا کرنا
میں عشق کی انتہا کو چھوجاؤں جو کہو
میرے عشق کو ہی میری نہ سزا کرنا
زمانے کی تلخیاں سہہ کر تم کو پایا ہے
ہو کر قریب وہ تلخیاں بھلایا کرنا
قدم قدم پر دکھاتا ہے زمانہ دل
گر ہوسکے تو ہر دکھ کا تم مداوا کرنا
جب فرصتوں میں ہو کمی محسوس تو
آنا میرے پاس اور پیار سے جایا کرنا
میری فرصتوں کی محتاج محبت کی قسم
ہے نینا کی فطرت تو تجھ سے وفا کرنا!!!
(ایڈووکیٹ نیناخان.....کراچی)

تیری چاہت میں تیرے دیوانے ہوگئے
اب تو ہم اپنوں سے بیگانے ہوگئے
تیری پھول سی صورت کے ہم طلبگار تھے
پھر آنکھوں میں کیسے خواب سہانے ہوگئے
جو تیری یاد میں کھوئے رہتے تھے اکثر
وہ جان تمنا تیرے جیسے مستانے ہوگئے
تیری شوخ نگاہوں نے کردیا زخمی ہم کو
کارگر تیری آنکھوں کے نشانے ہوگئے
تیرے ساتھ گزارے تھے پیار بھرے لمحات
جیسے اب وہ ماضی کے فسانے ہوگئے
اپنی جان سے زیادہ تجھے چاہا ہے جاوید
پھر کیوں غیروں سے تیرے یارانے ہوگئے
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

دل کی بربادی کا قصہ ہم نے سن لیا
اک دیوانی کو ہمارے دل نے چن لیا
آئی صبا تو پوچھا مزاج یار کا
ایک ایک پہلو ادا صبا نے گن دیا
پتا چلا کہ دیوانی تنہائیوں میں رہتی ہے
خوش رہنے کا ہم نے اسے فن دیا
اب اشک نہیں بہانہ مسکرانا ہے سدا
چلو من بھی دیا اور تمہیں تن بھی دیا
اب نہ کہنا تنہا ہوں تمہارے ساتھ ہوں میں
اے صبا اسے کہنا کیا اس نے سن لیا
(محمد اسحاق انجم.....کنگن پور)

لہرائے سدا آنکھ میں پیارے تیرا آنچل
جھومر ہے تیرا چاند، ستارے تیرا آنچل
آنچل میں چھپے رنگ نکھاریں تیری زلفیں
الجھی ہوئی زلفوں کو سنوارے تیرا آنچل
اس وقت ہے تتلی کی طرح ہوا دوش پر
اس وقت کہاں بس میں ہمارے تیرا آنچل
اب تک میری یادوں میں ہے رنگوں کا تلاطم
دکھتا تھا کبھی جھیل کنارے تیرا آنچل
لپٹے کبھی شاخوں سے کبھی زلف سے الجھے
کیوں ڈھونڈتا رہتا ہے سہارے تیرا آنچل

کاجل بہہ بہہ کے رلائے مجھے اب بھی
رہ رہ کے مجھے اب بھی پکارے تیرا آنچل
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

یہ شاہکار وطن تار تار پیراہن
یہ جھلسے جھلسے سے چہرے پہ زرد زرد بدن
یہ وہ ہیں جن کی سیاست سے آشنائی نہیں
نہ راس آسکا ان کو نہ ان کا علم نہ فن
وفا و صدق و صفا ہیں صفات اعلیٰ درست
مگر نتیجہ فقط تلخی ہائے کام و دہن
شجر شجر ہے ستم آلود ہر کلی پر خون
نہ پوچھ ہم نفسو حسن و آب رنگ چمن
ہزار زخم ہیں دل میں تو اشک آنکھوں میں
نہ آرزوئے بہاراں، نہ پرکشش ساون
تمام عقل زیاں کار کے کرشمے ہیں واجد
کہ قحط و جنگ ہیں اب نصیب ہر دامن
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

سنو
تم سے ملتے بھی تو کیسے ملتے
گو کے منزل دور نہ تھی
مگر
کبھی راستوں نے بھٹکا دیا
کبھی موسموں کی نظر لگ گئی
کبھی کسی مجبوری کی زد میں آ گئے
اور کبھی
اور کبھی محبت ہی نہ رہی
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

چھیڑ دیتا ہے یہ دل پھر سے پرانی کوئی بات
کوئی دکھ کوئی گلہ کوئی کہانی کوئی بات
ایک چپ تھی جو کہ خوشبو کی طرح پھیلی تھی
صبح دم کہہ نہ سکی رات کی رانی کوئی بات
اہل گلشن کا تو شیوہ ہے کہ بدنام کریں
گل بھی سنتا کبھی بلبل کی زبانی کوئی بات
وہ تیرا عہد وفا تھا کہ وفائے وعدہ
میں کہہ کر پھر بھول گیا یاد دلانی کوئی بات
جانے کیوں اب کے پریشان ہیں تیرے خانہ بدوش
ورنہ ایسی بھی نہ تھی نقل مکانی کوئی بات
جس طرح ساری غزل میں کوئی عمدہ مصرع
جس طرح یاد میں رہ جائے نشانی کوئی بات
اہل دستار و قبا ترش جبیں کیوں ہیں شہزاد
کہہ گئی کیا میری آشفتہ بیانی کوئی بات
(ڈاکٹر رانا عامر شہزاد.....نکانہ صاحب)

دل سے دور وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
دونوں انسان ہیں خدا وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
وہ مجھے اور میں اسے الزام دیتا ہوں
مگر غلط اپنی جگہ وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
محبت تو ہم دونوں کرتے ہیں دل سے
محبت کا گناہگار وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
عمر بھر ساتھ اگر ہم جی لیں تو کیا ہوگا
پر ہاتھوں کی لکیروں میں وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
اس کے علاوہ میں کیا مانگوں اس خدا سے
اور کسی چیز کا طلبگار وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
(خضر حیات.....روڈہ تھل)

سرد راتوں کو میرے پاس آتی ہیں تیری یادیں
ہر شب تنہائی میں ستاتی ہیں تیری یادیں
لوٹ کر اب کبھی نہ آئے گا تیرے پاس
ہر شب یہی کہہ کر مجھے رلاتی ہیں تیری یادیں
روز و شب تجھے بھلانے کی کوشش کرتا ہوں
تیرا نام لے کر تڑپاتی ہیں مجھے تیری یادیں
جب کبھی بجھ جاتا ہے تیرے پیار کا دیا
مجھ سے پوچھے بغیر اسے جلاتی ہیں تیری یادیں
فلک بھلانا چاہتا ہوں جس صورت کو
ہر شب وہی صورت دکھاتی ہیں تیری یادیں
(فلک زاہد.....لاہور)

☆

جادونگری

شہزاد خان-صادق آباد

درخت کی عین موٹی شاخ پر پانچ عورتوں کے سر لٹک رہے تھے اُن کی چوٹیوں کو بل دے کر درخت کی شاخ کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا گیا تھا۔ جن سے خون ٹپک کر نیچے آبشار میں گر رہا تھا۔

ایک عجیب وغریب خونچکاں بھونچکاں حیرتناک اور تحیر انگیز لرزہ براندام کرتی کہانی

پورے چاند کی رات تھی چاند اپنے شباب پر تھا۔ چاندنی کا سحر فضا پر چھایا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی دلفریب ہوا چل رہی تھی چاروں طرف ایک سکون کی سی کیفیت طاری تھی خاموشی کا اندازہ آپ اس بات سے بخوبی لگا سکتے ہیں کہ کہیں سے جھینگر تک کے ٹرٹرانے کی آواز تک سنائی نہ دے رہی تھی کہ اچانک فضا گھوڑے کی ٹاپوں سے گونج اٹھی اور پھر جلد ہی ایک جانب سے گرد وغبار کا بادل سا اڑتا دکھائی دیا۔ گھوڑے کی ٹاپوں نے اس پرسکون ماحول میں ایک ارتعاش سا پیدا کر دیا تھا اور اس قسم کے ماحول میں ٹاپوں کی آواز بہت پراسرار لگ رہی تھی جیسے جیسے وہ آواز نزدیک آتی جا رہی تھی ویسے ویسے گھڑسوار کے خدوخال واضح ہوتے جا رہے تھے اور سیکنڈوں میں ایک عجیب منظر دکھائی دیا سامنے سے ایک انڈے کی مانند سفید گھوڑا جس کی پشت پہ سادہ لبادے میں ملبوس ایک جوان بگٹٹ اس کو بھگائے چلا آ رہا تھا گھڑسوار کے تمام جسم کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی ایک سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ چاند کی دودھیا روشنی میں گھڑسوار کا لباس اور گھوڑے کا رنگ ایک عجیب تاثر پیدا کر رہا تھا اور انہیں دیکھ کر جسم پر کپکپی کا احساس ہو رہا تھا چاروں جانب پھیلے ہوئے بیابان میں جا بجا جنگلی جھاڑیاں اور جھاڑ جھنکار پھیلا ہوا تھا۔ حشرات الارض تک اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے گھڑسوار اس اجنبی ماحول سے بے خبر اپنے دھیان میں بس گھوڑے کو بھگائے چلا جا رہا تھا اسے اس بات کی قطعی پرواہ نہ تھی کہ آسمان پر چمکنے والے ننھے ننھے ستارے حیرت بھری نظروں سے اسے اور اس کے گھوڑے کو زمین پر دوڑتے دیکھ رہے تھے گھوڑا ناک کی سیدھ میں یوں بھاگے چلا جا رہا تھا جیسے اسے پہلے ہی منزل کا پتا بتا دیا گیا ہو۔ اس لیے وہ تیزی سے اپنی منزل کی جانب بھاگتا چلا جا رہا تھا جلد ہی سامنے کچھ کھنڈرات کے آثار دکھائی دیے۔ گھوڑے نے بھاگتے بھاگتے تھوڑا سا اپنا رخ موڑا اور اب وہ ان مدھم نظر آنے والے کھنڈرات کی جانب بھاگنے لگا گھوڑے کی رفتار نے منٹوں میں فاصلہ طے کر لیا اور دور نظر آنے والے مدھم آثار نے کھنڈرات کا روپ دھار لیا۔ کھنڈرات کی ظاہری حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کو اس حالت میں صدیاں گزر گئیں ہیں چاند کی چاندنی میں ان کی نحوست ذرا اور نکھر کر سامنے آ گئی تھی اور اس کی طرف دیکھ کر وحشت طاری ہوتی تھی رات ہونے کی وجہ سے اس کے چاروں طرف بڑی بڑی چمگادڑیں اڑتی پھر رہی تھی ان کی جسامت عام چمگادڑوں سے کہیں زیادہ تھی چہرے انکے خون آشام ہونے کی غمازی کر رہے تھے گھڑسوار نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ کر اسے روکا اور اچھل

کراس کی پیٹھ سے نیچے آ گیا۔ جیسے ہی اس کے قدموں نے زمین کو چھوا کھنڈرات سے ایک سیٹی کی آواز گونج کی صورت میں سنائی دی اور اس کے ایک ٹوٹے پھوٹے بغیر چوکھٹ کے دروازے سے ایک انسانی ڈھانچہ باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کے چلنے سے ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آوازیں رات کی تنہائی میں بہت عجیب لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی جگہ دو گڑھے بہت نمایاں تھے لیکن اس کے باوجود یوں ناک کی سیدھ میں گھڑسوار کی جانب بڑھا چلا آ رہا تھا جیسے وہ باقاعدہ دیکھ رہا ہو۔ وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آ گیا اور اس کا جبڑا ہلا اور ایک باریک سی آواز سنائی دی سارس حاضر ہے۔ پیغام دینے کی اجازت ہے، گھڑسوار نے غور سے اسے دیکھا اور کہنے لگا..... ''بھولے ناتھ سے کہو زائن آیا ہے۔'' یہ سن کر ڈھانچے نے اثبات میں سر ہلایا اور واپس اس طرف مڑ گیا جہاں سے آیا تھا ابھی اسے کھڑے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اندر سے ایک بڑا سا اُلو اپنے بڑے بڑے پر پھڑپھڑاتا باہر نکلا اور اس کے سامنے پہنچ کر انسانی آواز میں چلانے لگا گرو کے حضور حاضری دو..... گرو کے حضور حاضری دو'' یہ کہتے ہوئے آسمان کی بلندیوں میں گم ہو گیا۔ گھڑسوار نے گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور خود جلدی سے کھنڈرات میں نظر آنے والے ایک ٹوٹے پھوٹے دروازے کی جانب پیش قدمی کی۔ کھنڈرات جس طرح باہر سے وحشت زدہ دکھائی دے رہے تھے اس سے کہیں زیادہ نحوست ان کے اندر پھیلی ہوئی تھی کھنڈرات کے اندر بہت سے کمرے در کمرے بنے ہوئے تھے اور غلام گردشوں کا ایک جال سا پھیلا ہوا تھا اور کہیں کہیں سے چھتوں میں بڑے بڑے سوراخ ہونے کی وجہ سے روشنی اندر تک پہنچ رہی تھی جس سے ان کے اندر آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا ایک دروازے کے سامنے جا کر ٹھہر گیا جس کی چوکھٹ کا دروازہ ندارد تھا لیکن اس میں رستہ ضرور بنا ہوا تھا وہ ہر چیز سے بے نیاز دروازے کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی اس کے اندر سے آنے والا ہو اب اس قدر خاموشی چھا گئی تھی کہ اسے اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ یکا یک دروازے میں ایک شخص کا ہیولہ نظر آیا اس نے سر سے پاؤں تک ایک لمبا چغہ زیب تن کیا ہوا تھا وہ اس کے نزدیک آ کر رک گیا اس کے پیچھے وہی انسانی ڈھانچہ موجود تھا جو چند لمحے پہلے اس سے مل چکا تھا۔ قریب آنے پر اس نے دیکھا کہ اس شخص کے چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی ہیں اور اس کی عمر کا اندازہ کم و بیش دو سو سال کے قریب ہو رہا تھا کیونکہ اس کے ابرو بڑھاپے کی وجہ سے لٹک کر اس کی آنکھوں کے آگے جھک آئے تھے اور اسے صاف طور پر دکھائی تک نہیں دے رہا تھا۔ قد کسی قدر جھکا ہوا محسوس ہوتا تھا اور پاؤں میں کوئی جوتی وغیرہ نہیں تھی لیکن اس کے باوجود کہ کھنڈرات میں جھاڑ جھنکار تھے وہ ننگے پاؤں اس طرح چل رہا تھا جیسے کسی مخمل کے قالین پر چل رہا ہو..... کہو بھولے ناتھ کے پاس کیوں آئے ہو اگر ایشور نے تمہاری سفارش نہ کی ہوتی تو تم اس عمارت سے سو کوس دور ہی جل کر بھسم ہو چکے ہوتے، بھولے ناتھ نے خونخوار لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ گھڑسوار نے اپنے چہرے سے نقاب اتار دیا تھا اور چاند کی چاندنی میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا وہ اٹھائیس برس کا ایک خوبرو نوجوان تھا اور نکلتے ہوئے سرو قد کی بدولت دیکھنے میں بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا بوڑھے کی بات سن کر اس کے جسم میں ایک سردی کی لہر دوڑ گئی اور وہ مخاطب ہوا۔ بھولے ناتھ کا میں بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے لئے وقت نکالا اور میں ایشور کا بھی مشکور ہوں کہ اس نے احسان کرتے ہوئے یہاں آنے کی سفارش کی..... اچھا آؤ میرے ساتھ یہ کہتے ہوئے بھولے ناتھ نے اس کو اپنے ساتھ اندر آنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ تینوں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے کھنڈرات کے اندر بنے ایک تہہ خانے میں اترتے چلے گئے۔ تہہ خانے میں سیڑھیاں نیچے تک چلی گئی تھیں اور کم و بیش وہ پچاس کے لگ بھگ سیڑھیاں اترے ہونگے کہ ان کے سامنے ایک اور کمرہ آ گیا تہہ خانے میں نجانے کہاں سے روشنی اور ہوا آ رہی تھی کہ اسے نہ تو کسی قسم کی گرمی کا احساس ہو رہا تھا اور نہ ہی اندھیرے کا وہ تینوں چلتے ہوئے سامنے نظر آنے والے کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک کافی کشادہ کمرہ تھا جس میں ایک طرف ہڈیوں کا ڈھیر لگا ہوا

تھا اس نے غور سے دیکھا..... خدا کی پناہ! وہ سب انسانی ہڈیوں کا ڈھیر تھا نجانے وہ کن بدنصیب انسانوں کی ہڈیاں تھیں اور کس قسم کے حالات سے دوچار ہوئے تھے چھتوں پر جا بجا مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ بے شمار چمگادڑیں الٹی لٹکی ہوئیں تھیں جسامت کے لحاظ سے وہ کبوتر کے برابر تھیں اتنی بڑی چمگادڑیں کم از کم اس نے اپنی زندگی میں پہلے نہیں دیکھی تھیں اور ان کی طرف دیکھ کر جسم پر تھرتھری سی چھوٹتی تھی اور پھر جلد ہی یہ احساس جاتا رہا بھولے ناتھ نے اسے ایک طرف بچھی چٹائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک طرف بیٹھ گیا ڈھانچہ بدستور اسی طرح کھڑا رہا..... اب اپنے یہاں آنے کا مقصد بیان کرو جس کے لیے ایشور نے تمہاری سفارش کی ہے، بھولے ناتھ نے اسے مخاطب کیا۔ میرا نام نرائن ہے اور میں یہاں سے ایک رات دن کی مسافت پر واقع ایک ریاست مورت نگر کے راجہ بہرام داس کا بڑا بیٹا ہوں کچھ عرصے سے ہماری ریاست میں ایک عجیب واقع تسلسل سے پیش آرہا ہے جس کی وجہ سے ساری نگری کے مکین خوف و ہراس میں مبتلا ہو کر رہ گئے ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ہر چاند کی چودھویں شب نگری کے کسی ایک گھر میں سے ایک سندر ناری یکا یک غائب ہو جاتی ہے اس کے لیے ہم نے کھوج لگانے کی بہت کوشش کی مگر راتوں کو پہرہ دینے کے باوجود ہم اس کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کب اور کس وقت چودھویں رات کون سے گھر کی ناری غائب ہو جائے گی۔ اس لیے سب گھروں پر پہرے بھی نہیں بٹھا سکتے۔ اس پریشانی کی وجہ سے نگری کے لوگ آہستہ آہستہ دوسرے محفوظ علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہو گئے ہیں اس وجہ سے راجہ بہرام داس بہت فکر مند ہیں تھک ہار کر میرے پتا نے ایشور سے رابطہ کیا، ایشور سے ہمارے پرکھوں کے بہت گہرے مراسم رہے ہیں جس کی وجہ سے پتا جی نے اس سے مدد چاہی۔ ایشور کو آپ ضرور جانتے ہوں گے وہ جمنا کے مشرق کی جانب پیلے مرگھٹ کے قریب واقع ایک قدیم گپھا میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں جب ہم نے ان کے پاس اپنے کارندے بھیجے تو وہ ایک خاص قسم کا جاپ کرنے جا رہے تھے اس لیے انہوں نے ہمیں آپ کے نام اپنی ایک خاص نشانی دے کر جلد پہنچنے کی تلقین کی جس کے جواب میں، میں فوراً چلا آیا یہاں کا پتہ مجھے انہوں نے پوری تفصیل سے بتا دیا تھا اس لیے مجھے بناء کوئی تکلیف اٹھائے یہاں آنے میں آسانی رہی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے ایک مٹی کا مجسمہ نکال کر بھولے ناتھ کے سامنے زمین پر رکھ دیا یہ "انگا دیوی" کا مجسمہ تھا جس کے بارے میں یہ روایت عام تھی کہ جس کے پاس یہ مجسمہ ہو گا خوش قسمتی کی دیوی اس پر سدا مہربان رہے گی بھولے ناتھ جو بڑے غور سے اس کی روداد سن رہا تھا جب اس کی نظر مجسمے پر پڑی تو خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھایا اور کہنے لگا..... ایشور کی اس نشانی کو میں سنسار کی سب سے قیمتی شے سمجھوں گا۔ میں جہاں تک ہو سکا مورت نگر کے باسیوں کو اس کشٹ سے نکالوں گا۔ اب اگر تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو میں تمہارے جانے کا بندوبست کیے دیتا ہوں میں چاند کی بارہ تاریخ کو مورت نگر پہنچ جاؤں گا اس دوران میں خاص جاپ کرنا چاہتا ہوں، ایشور نے کچھ تو تمہیں اس کا کارن بتایا ہو گا۔ بھولے ناتھ نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔ نہیں انہوں نے ساری روداد سن کر صرف یہی کہا کہ وہ اپنے ایک خاص جاپ میں مصروف ہیں اس لیے انہوں نے فوراً آپ کے پاس پہنچنے کے لیے زور دیا اور ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ جس قدر ہو سکے آپ کے پاس پہنچ کر اس کا کوئی اپائے تلاش کیا جائے۔ اس لیے جیسے ہی انہوں نے ہدایت کی میں بغیر وقت ضائع کیے آپ کے پاس پہنچ گیا ہوں۔ نرائن تفصیل بتا کر خاموش ہو گیا۔ ٹھیک ہے میں تمہاری واپسی کے لیے بندوبست کرتا ہوں تم فوراً مورت نگر پہنچ کر راجہ بہرام داس کو تسلی دو میں دو روز پہلے پہنچ کر اس کا کوئی نہ کوئی اپائے تلاش کروں گا۔ بھولے ناتھ نے یہ کہتے ہوئے ڈھانچے کو اشارہ کیا..... ڈھانچہ سر ہلاتا ہوا اندر کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک انسانی ہڈی تھی اس نے وہ ہڈی بھولے ناتھ کو تھمائی اور ایک جانب جا کھڑا ہوا۔ ہڈی ہاتھ میں لیتے ہی بھولے ناتھ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا اور پھر اسے

نرائن کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ یہ لو اسے اپنے سیدھے ہاتھ میں تھام لو اور گھوڑے پر بیٹھ کر اپنی آنکھیں بند کر لینا اور اس وقت تک آنکھیں مت کھولنا جب تک گھوڑا رک نہ جائے۔ جیسے ہی گھوڑا رکے گا تو تمہارے ہاتھ سے یہ ہڈی غائب ہو جائے گی۔ بس پھر تم اپنی آنکھیں کھول لینا تم خود کو اپنی ریاست کے قریب پاؤ گے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ہڈی اسے تھمادی جسے نرائن نے جلدی سے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا پھر وہ دونوں چلتے ہوئے کھنڈرات سے باہر نکل آئے۔ ڈھانچہ ان کے پیچھے نہیں آیا تھا شاید بھولے ناتھ نے اسے وہیں رکنے کا اشارہ کر دیا تھا کھنڈرات کے باہر اس کا گھوڑا وہیں کھڑا تھا جہاں نرائن نے اسے چھوڑا تھا اپنے مالک کو دیکھ کر وہ خوشی سے ہنہنایا۔ نرائن نے اسے تھپکی دی اور پھر بھولے ناتھ سے ہاتھ ملا کر اچک کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور آنکھیں بند کر کے اس کو ایڑ ماری ایڑ مارتے ہی گھوڑا ایک دم ہوا میں اچھلا اور نرائن کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ تیز آندھی میں اڑتا چلا جا رہا ہو ہوا کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اسے اپنا جسم بار بار گھوڑے سے نیچے کی جانب گرتا محسوس ہو رہا تھا جسے سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا لیکن ایک ماہر گھڑ سوار کی طرح وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھا جلد ہی گھوڑے کی رفتار آہستہ ہونے لگی اور پھر جیسے وہ ایک جگہ رکا اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہڈی اچانک غائب ہو گئی اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں کھول دیں یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ اپنی ریاست کے قریب ہی کھڑا ہے جو فاصلہ اس نے ایک دن رات کی مسافت سے طے کیا تھا وہ منٹوں میں طے ہو گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ گھوڑے کو چلاتا اپنے محل کی جانب بڑھنے لگا۔ صبح ہونے میں ابھی خاصا وقت تھا اس لیے گلیاں اور بازار سنسان پڑے تھے ہر طرف اک خاموشی طاری تھی اور لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے تھے جلد وہ اپنے محل کے نزدیک پہنچ گیا گھر کے افراد سوئے ہوئے تھے لیکن جب اس نے پہرے داروں سے کہہ کر اپنے پتا کو اٹھایا تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے گھر کے دیگر افراد بھی اٹھ گئے اس نے انہیں تمام واقعہ سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ چاند کی بارہ تاریخ کو بھولے ناتھ بذات خود یہاں آئے گا اور پھر وہ سب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پراسرار بلا سے نجات پا جائیں گے۔ دوسرے روز انہوں نے تمام ریاست میں یہ اعلان کرا دیا کہ ایک گیانی چاند کی بارہویں تاریخ کو ناریوں کی گمشدگی کے بارے میں کوئی اپائے کرنے آ رہا ہے۔ اس لیے تمام نگر باسیوں کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ بے فکر ہو کر اپنے اپنے کام کاج کریں اور کسی قسم کے خوف سے گھبرا کر اپنے بھرے پرے گھروں کو یوں چھوڑ کر نہ جائیں اور یہ کہ بہت جلد اس مصیبت سے نجات ملنے والی ہے راجہ کے اس اعلان کے ساتھ ہی پوری نگری میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس اعلان کے دوسرے دن وہ لوگ۔ جو گھبرا کر اپنے گھروں کو خیر باد کہہ چکے تھے واپس لوٹنے لگے۔ دوسری جانب چاند کی بارہ تاریخ کو بھولے ناتھ اپنے وعدے کے مطابق مورت نگر پہنچ گیا اور اس کے استقبال کے لیے راجہ بہرام داس اور اس کے دونوں بیٹے سرحد پر پہنچے ہوئے تھے وہ اسے عزت و احترام سے محل لے آئے۔ بھولے ناتھ اپنے ساتھ ایک اُلو اور ایک چرمی تھیلا لایا تھا جس میں نجانے کیا کچھ بھرا ہوا تھا اور اُلو عام اُلوؤں کی جسامت سے بڑا تھا اس کی بڑی بڑی اور لال انگارہ آنکھوں کی طرف دیکھ کر جسم پر کپکپی طاری ہوتی تھی۔ راجہ نے اس کے رہنے کے لیے محل کے دائیں جانب ایک قطار میں بنے کمروں میں سے ایک کمرے میں رہنے کے لیے بندوبست کر دیا تھا۔ کمرے میں ضرورت کی ہر چیز پہلے سے ہی رکھوا دی گئی تھی لیکن بھولے ناتھ نے یہ کہہ کر کہ اسے ان مادی چیزوں سے کوئی سروکار نہ ہے انہیں اٹھوا لیا جائے ان سب کے لئے بہت حیران کن تھا۔ بہرحال انہوں نے زیادہ زور دینا مناسب نہ سمجھا بعد میں اس نے خود کو تنہا چھوڑنے کا کہا اور وہ سب اسے وہیں چھوڑ کر واپس لوٹ آئے۔ یہ چاند کی تیرہ تاریخ تھی آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اس قدر اندھیرا تھا کہ ایک فٹ کے فاصلے تک کی چیز واضح دکھائی نہ دے رہی تھی دور جنگل سے کبھی کبھی گیدڑوں اور لگڑ بھگڑوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے جاتی تھیں۔ چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا بہت ہی لرزا دینے والی شب تھی اس بھیانک اور پراسرار خاموشی میں بھولے ناتھ ایک جانب بڑھا جا رہا تھا اس کے دائیں

کندھے پر اس کا اُلو بیٹھا ہوا تھا اور بائیں کندھے پر اس نے ایک چادر ڈالی ہوئی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ میں مٹی کی ہنڈیا اٹھائی ہوئی تھی جس کے منہ پر ایک سفید کپڑا بندھا ہوا تھا رات کے اندھیرے میں وہ یوں آگے بڑھا چلا جارہا تھا جیسے دن کا سماں ہو۔ چلتے چلتے وہ ایک پرانے برگد کے درخت کے نیچے جاکر ٹھہر گیا اور اُلو کو ہاتھ سے ہلکی سی تھپکی دی اُلو فوراً اس کے کندھے سے اڑکر برگد کی ایک شاخ پر جاکر بیٹھ گیا۔

بھولے ناتھ نے چادر کندھے سے اتار کر زمین پر بچھادی اور ہنڈیا کو اپنے سامنے رکھ کر خود آلتی پالتی مار کر چادر پر بیٹھ گیا۔ پھر آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ اُلو خاموشی سے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا کچھ دیر تک وہ جاپ میں مصروف رہا اور پھر اس کا جسم یوں لرزنے لگا جیسے اس کو بجلی کا ننگا تار چھو گیا ہو چند لمحوں تک یہی کیفیت رہنے کے بعد اس نے یکدم اپنی آنکھیں کھول دیں اور ہنڈیا پر ایک پھونک مار دی۔ پھونک پڑتے ہی اس پر بندھا ہوا کپڑا غائب ہوگیا اور اس میں سے دھوئیں کی ایک لکیر نکل کر درخت کی شاخوں کی طرف بڑھنے لگی دھواں جیسے ہی درخت کے اندر پہنچا اُلو چیختے ہوئے اس کی شاخ سے اڑا اور لہراتا ہوا بھولے ناتھ کے قدموں میں آن گرا۔ بھولے ناتھ نے لپک کر اس کو قابو کیا اور جلدی سے جیب سے ایک تیز دھار خنجر نکال کر اس کی گردن پر پھیرا اور گردن تن سے جدا کر کے دور پھینک دی۔ پھر جلدی سے اس کے مردہ جسم کو ہاتھوں میں اٹھا کر ہنڈیا کے اوپر کردیا۔ اُلو کے مردہ جسم سے گاڑھا گاڑھا خون نکل کر ایک دھارے کی صورت میں ہنڈیا میں گرنے لگا اور جیسے ہی اس کے خون سے آدھی ہنڈیا بھری بھولے ناتھ نے اس کے جسم کو پرے پھینک دیا اور جیب سے ایک کاغذ کی پڑیا نکال کر اس کو کھولا اور اسے ہنڈیا میں انڈیل دیا یہ ایک صدی پرانی قبر کے مردے کی ہڈیوں سے حاصل کیا گیا سفوف تھا جسے بڑی مشکل سے اس نے حاصل کیا تھا وہ چونکہ پہلے سے ہی یہ سب بندوبست کر کے چلا تھا اس لیے اسے یہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہوئی تھی اس نے اپنے طور پر حساب لگانے کی پوری کوشش کی تھی کہ اسی طرح ان پیش آنے والے عجیب وغریب واقعات کا پتہ لگ جائے مگر اسے سوائے اس کے کوئی بات معلوم نہ ہوسکی کہ یہ سب ایک پراسرار پرندے کی کارستانی ہے بعد میں اس نے اپنے گرو سے رابطہ کیا اور اسے تمام حالات بتائے جواب میں اسے ایک خاص جاپ کرنے کے بارے میں کہا گیا جس سے اس کے قبضے میں ایک روح آجاتی ہے جس سے وہ اس پرندے کو ہلاک کرنے کی مدد لے سکتا تھا۔ پھر اس نے گرو مہاراج کے کہنے کے مطابق ایک بھیانک اور تاریک غار میں انسانی کھوپڑیوں پر بیٹھ کر اور دو معصوم بچوں کا خون پی کر ایک جاپ کیا تھا جس کے جواب میں اس کے قبضے میں ایک روح آگئی تھی اور اس کے بعد وہ مورت نگر پہنچا تھا ایشور سے اس کا بہت پرانا یارانہ تھا ایک بار ویران علاقے میں اس کے پیچھے ایک خوفناک روح لگ گئی تھی اور اسے اپنی جان بچانا مشکل ہوگئی تھی کہ اچانک ایشور نے وہاں پہنچ کر اسے اس روح سے بچایا تھا اس دن کے بعد وہ ایشور کا دم بھرتا تھا اور اب جب کہ ایشور نے اس سے کام لینے کے لیے کہا تھا تو وہ بھی بے دھڑک اس کا کام کرنے کے لیے تیار ہوگیا تھا اس نے جیسے ہی پڑیا کھول کر ہنڈیا میں انڈیلی یکا یک اس میں سے نکلنے والے دھوئیں کا رنگ گہرے سرخ رنگ میں تبدیل ہوگیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے نارنجی شعلوں کا روپ دھار لیا اور اس کے اندر ایک روح کی شبیہہ ابھرنے لگی۔ وہ سفید لبادے میں ملبوس ایک روح تھی جس کا بدن شیشے کی مانند نظر آرہا تھا اور اس کے دونوں طرف دیکھا جاسکتا تھا اس نے چہرے پر ایک لمبا سا گھونگٹ نکالا ہوا تھا اور اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ کسی مرد کی روح ہے یا کہ عورت کی وہ جسمانی طور پر تو پوری باہر تھی لیکن اس کے پاؤں ہنڈیا کے اندر ہی تھے اور وہ دیئے کی لو کی مانند تھرتھرا رہی تھی اس کے ہاتھوں کے ناخن کانٹوں کی مانند تھے اور چہرہ مکمل طور پر گھونگٹ میں چھپا ہوا تھا، آشمل حاضر ہے مہاراج، روح کے منہ سے ایک غیر مرئی آواز نکلی شما ہو مہاراج کہ مجھے ملونا مندر کے پجاری سے اجازت طلب کرنے میں دیر ہوئی۔

کوئی بات نہیں آشمل تمہیں کسی قسم کی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں خوشی ہے کہ تم آگئیں۔ اب میری طرف غور سے دیکھو اور اپنا چہرہ دکھاؤ...... بھولے ناتھ نے

خوشی سے جھومتے ہوئے اس سے کہا یہ سنتے ہی روح نے ہاتھ سے گھونگٹ الٹ دیا اور بھولے ناتھ جو بڑے تجسس سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا ایک جھٹکے سے پیچھے کی جانب گرتے گرتے بچا۔ گھونگٹ الٹتے ہی اس کا بھیانک چہرہ اپنی تمام تر وحشت کے ساتھ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس کے منہ سے نکلے ہوئے لمبے لمبے اور پیلے دانت اس کی ٹھوڑی تک جھول رہے تھے اور اس کی آنکھیں ترچھی اور خونخوار تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھیانک اور سیاہ رنگ بہت خوفزدہ کر دینے والا تھا۔ بہت ہی لرزا دینے والا منظر تھا بھولے ناتھ جو کہ خود بھی ایک شیطان تھا اور اس قسم کے شعبدوں کا ماہر تھا وہ بھی اپنے ہوش قائم نہ رکھ سکا اور پھر جلدی سے سنبھل گیا کیونکہ وہ روح پر اپنی کمزوری ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ اسے ہی اپنے تابع نہ کر لے۔ خدا کی پناہ! تم تو بہت ہی بھیانک چہرے کی مالک ہو اور آئندہ میرے سامنے اپنا یہ بدصورت چہرہ لے کر دوبارہ نہ آنا اور اب جلدی سے اپنا چہرہ دوبارہ گھونگٹ میں چھپا لو بھولے ناتھ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ جواب میں روح نے ہنستے ہوئے اپنا چہرہ دوبارہ گھونگٹ میں چھپا لیا اور بولی جو حکم مہاراج! آپ نے مجھے کس کارن طلب کیا ہے بھولے ناتھ نے اسے تمام حالات بتائے روح ٹھہر کتے انداز میں لہرا لہرا کر اس کی زبانی تمام واقعات سنتی رہی اور بھولے ناتھ تمام تفصیل بتا کر چپ ہو گیا مہاراج اس پر اسرار گمشدگی کے پیچھے ایک سادھو کی روح کارفرما ہے یہ سارا چکر اسی سادھو کی روح کا ہی چلایا ہوا ہے جو کالی پہاڑیوں میں موجود غاروں میں سے ایک تاریک غار کی تہہ میں بیٹھ کر ایک جاپ میں مشغول ہے اس جاپ سے اسے صدیوں تک جیون رکھشا مل جائے گی اس کے بارے میں اسے ایک گیانی نے بتایا تھا اور کہا موت اس کے نزدیک نہ آئے گی اور یہ کہ جاپ کے دوران اسے دس سندر ناریوں کی ہتھیا کرنا ہو گی اور ان کے کلیجے کچے چبانا ہوں گے اور اسی مقصد کی خاطر اس نے ایک خاص عمل کر کے مورت نگر کا پتہ چلا لیا جس میں اسے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اکٹھی دس سندر ناریاں مل گئیں اور وہاں ایک ایک کر کے انہیں وہیں بیٹھا اپنے ایک چیلے سروپ کے ذریعے غائب کر رہا ہے اب تک وہ پانچ سندر ناریوں کی ہتھیا کر کے ان کے کلیجے چبا چکا ہے اور ابھی پانچ رہتی ہیں اگر اسی طرح وہ ہر چاند کی چودھویں رات کو ایک ایک کر کے ناری گم کرتا رہا تو پھر اسکو ہمیشہ کے لیے جیون مل جائے گا اور وہ سنسار میں بڑا شیطان بن جائے گا۔ ناری اٹھانے کے لیے وہ سروپ کو ایک پرندے کی شکل میں روانہ کرتا ہے وہ ہر چودھویں کی رات کو اچانک آتا ہے اور سادھو کی طرف سے نشاندہی کیے ہوئے گھر کی ایک ناری کو اپنے پنجوں میں دبوچ کر لے اڑتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ گھر کے افراد کی لاکھ پابندیوں کے باوجود بھی ناری کسی نہ کسی طرح باہر کھلے میدان میں خود بخود چل کر پہنچ جاتی ہے اور پھر اچانک کسی طرف سے وہ پرندہ نمودار ہوتا ہے اور ناری کو اپنے پنجوں میں دبا کر کالی پہاڑیوں میں غائب ہو جاتا ہے پرندے کی جسامت شتر مرغ سے ملتی جلتی ہے اور وہ اپنے بڑے بڑے پروں کی وجہ سے آسانی سے ایک ناری کو دبا کر اپنی منزل پر جا پہنچتا ہے جیسے جیسے روح تفصیل بتا رہی تھی بھولے ناتھ آنکھیں اور منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ تمام تفصیل بتا کر روح چپ ہو گئی۔ تم نے تفصیل تو بتا دی اب اس کا کوئی اُپائے بھی ساتھ ہی بتا دو۔ اب ان کالی پہاڑیوں تک کیونکر پہنچا جائے کیا اس سلسلے میں تم میری کچھ مدد کر سکتی ہو؟..... بھولے ناتھ نے روح سے پوچھا، میں صرف اس حد تک تمہارے کام آ سکتی ہوں کہ تمہیں کالی پہاڑیوں تک جانے کا راستہ بتا دوں اور ویسے بھی تم نے جو جاپ کیا ہے اس سے میں صرف تفصیل ہی بتا سکتی تھی اور اس سادھو کی شکتی کو میں کسی طور پر بھی توڑ نہیں سکتی۔ روح نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ ٹھیک ہے پھر مجھے ان کالی پہاڑیوں تک جانے کا راستہ بتاؤ۔ بھولے ناتھ نے مایوسی سے کہا اسے یہ سب سن کر بہت مایوسی ہوئی تھی اسے اپنا سارا کیا کرایا کام ضائع ہوتا محسوس ہو رہا تھا اس نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ جاپ کر کے روح کی مدد سے اس پر اسرار چکر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا مگر اب روح کی بات سن کر اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا اور کافی دیر تک مغز ماری کرنے کے بعد وہ تمام راستہ بخوبی سمجھ گیا بس اب میں اس سادھو سے نبٹ لوں گا تو اب جا۔

بھولے ناتھ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے روح کو واپسی کی اجازت دی یہ سنتے ہی روح نے خوشی سے ایک چیخ ماری اور یکدم آسمان کی جانب پرواز کرگئی جیسے ہی وہ ہنڈیا سے نکلی ہنڈیا ایک دھماکے سے پھٹی اور اس میں سے نکلنے والی راکھ اڑ کر بھولے ناتھ کے سر میں جا پڑی بھولے ناتھ نے اسے ایک گالی نکالی اور اپنے ہاتھوں سے راکھ جھاڑتا واپس اپنے ٹھکانے کی جانب چل پڑا۔

یہ چودھویں کی رات تھی چاند اپنے پورے شباب پر تھا چاروں طرف چاندنی چٹکی ہوئی تھی دل کو لبھانے والی خوشگوار ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی قدرت کا حسن بھرپور انداز میں نکھر کر سامنے آگیا تھا لیکن اس حسن کو دیکھنے والا کوئی بشر نہ تھا کیونکہ آج کی رات مورت نگر کے باسیوں کے لیے قیامت کی رات تھی ہر گھر میں ایک بھیانک سناٹا چھایا ہوا تھا خود مورت نگر کا راجہ بہرام داس بھی فکرمندی کے باعث اپنے محل کے کمرے میں ٹہل رہا تھا نرائن اور اس کا چھوٹا لڑکا نند لعل کرسیوں پر بیٹھے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اب سے کچھ ہی دیر قبل بھولے ناتھ محل سے نکل کر جنگل کی طرف چلا گیا تھا اور انہیں تاکید کر گیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے انہوں نے گھروں سے باہر نہیں نکلنا ہے حتیٰ کہ اگر رات کے کسی پہر وہ خود بھی آکر کسی کا دروازہ بجائے تو کوئی دروازہ نہ کھولے کیونکہ ہوسکتا ہے اس کے بھیس میں کوئی اور شیطانی روح اپنا مقصد پورا کرجائے راجہ بہرام داس ٹہلتے ہوئے بار بار اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کی مٹھی بنائے مارتا جا رہا تھا اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ بھولے ناتھ اس پراسرار چکر کو کیونکر ختم کرسکے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے ایشور کی صلاحیتوں پر بھی یقین تھا کیونکہ اب سے کچھ عرصہ قبل وہ ایشور سے اپنے کچھ مسائل حل کروا چکا تھا اس لیے اب جبکہ وہ خود کسی جاپ میں مصروف تھا تو اس نے یہ کام بھولے ناتھ کے سپرد کر دیا تھا اور اسے اب یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ بھولے ناتھ کی شکتی اس چکر کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی کہ نہیں؟ یا کہیں وہ خود بھی اس گھن چکر میں نہ پھنس جائے..... پتاجی! آپ بالکل چنتا نہ کریں بھولے ناتھ بہت گیانی ہیں اور ایشور نے کسی ایسے ویسے منش کے ذمے تو یہ کام نہ لگایا ہوگا انہوں نے بھولے ناتھ کو اس کا رن جان کر یہ ذمہ داری سونپی ہوگی نرائن نے خاموشی کو توڑتے ہوئے اپنے پتا سے کہا تم ٹھیک کہتے ہو نرائن پر بالک تم ان شیطانی قوتوں کو اچھی طرح نہیں جانتے یہ کس قدر طاقتور ہوتی ہیں ایک بری آتما کو ختم کرنے کے لیے ایک گیانی دھیانی کا ہونا لازمی ہے ورنہ وہ خود اس بری آتما کے ہاتھوں اپنی ہتھیار کروا بیٹھے گا اس لیے میں دل سے چاہتا تھا کہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایشور مہاراج خود یہاں تشریف لاتے، بہرام داس نے اس کو جواب دیا۔ لیکن پتاجی بھولے ناتھ نے بہت سارے جاپ اور چلے کاٹے ہیں اور میں خود اس کے ٹھکانے سے ہو کر آیا ہوں میں نے وہاں جو بہت سارے منظر دیکھے وہ اس کی شکتی کو بخوبی ظاہر کرتے تھے، نرائن نے دلیل دیتے ہوئے کہا تم ٹھیک کہتے ہو بھگوان کرے آج کی رات سکون سے گزر جائے، بہرام داس نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا اس قدر اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے فضا نے اندھیرے کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو بھولے ناتھ ایک کڑیل خچر پر سوار اندھیرے میں آگے بڑھا جا رہا تھا وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غور سے آگے جانے والے راستے کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک خچر کا اگلا دایاں پاؤں ایک لمحے کے لیے مڑا اور پھر یک لخت سیدھا ہو گیا بھولے ناتھ نے غور سے اس چیز کو دیکھنا چاہا جس سے اس کے خچر کو ٹھوکر لگی تھی تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سامنے ایک انسانی کھوپڑی زمین پر پڑی ہوئی تھی جس کی آنکھوں کا رخ اسی کی جانب تھا۔ ''بھولے ناتھ کیوں تنگ کرتے ہو مورکھ! جاؤ اپنا کام کرو اور مجھے اپنا کام کرنے دو'' کھوپڑی کے لب ہلے اور اسے ایک آواز سنائی دی بھولے ناتھ جو حیرت سے اسے تک رہا تھا اس کو بولتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کون ہو تم اور مجھے کیسے جانتی ہو بھولے ناتھ نے جواباً پوچھا۔ ''حیران ہونے کی ضرورت نہ ہے بھولے ناتھ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ تجھے یہاں کس نے اور کیوں بھیجا ہے میں اس سادھو کی روح بول رہی ہوں جسے تم ختم کرنا چاہتے ہو''

کھوپڑی نے اسے مزید حیران کردیا۔ اچھا تو تم اس سادھو کی روح ہو جس کا ذکر میری ایک تابع روح نے کیا تھا؟ بھولے ناتھ نے بے دھڑک لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ''ہاں اور تم یہ بھی سن لو کہ اگر تم نے کالی پہاڑیوں کا رخ کیا جل کر بھسم ہو جاؤ گے میری تابع روحیں تمہیں کالی پہاڑیوں سے پہلے ہی ختم کر دیں گی'' کھوپڑی نے اسے دھمکی دی ''ارے جا جا...... بھولے ناتھ کو دھمکی دیتی ہو میں ایک اور جاپ کرنے لگا ہوں اور آج کے بعد اگر تم نے مورت نگر کی کسی سندر ناری کو لیجانے کی کوشش کی تو کالی پہاڑیوں میں پہنچ کر تمہاری ہتھیا کردوں گا'' بھولے ناتھ نے بھی جواباً اسے دھمکی دی یہ سنتے ہی کھوپڑی نے ایک طنزیہ قہقہہ لگایا اور یکدم نظروں سے غائب ہوگئی۔ بھولے ناتھ نے آگے کا سفر ملتوی کردیا اور وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور جیب سے ایک چمکدار خنجر نکال کر اسے اپنے سامنے زمین پر گاڑ دیا اور اپنے چاروں طرف ایک حصار کھینچا اور کچھ دیر کے لیے اپنی سانس روک لی اور دل ہی دل میں ایک منتر کا ورد کرنے لگا جیسے جیسے وہ منتر پڑھتا جارہا تھا ویسے ویسے خنجر کا رنگ سرخی مائل ہوتا جارہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر سرخ ہوگیا کہ لگتا تھا کہ ابھی اس میں سے خون ٹپکنے لگے گا۔ بھولے ناتھ نے ایک ہی سانس میں ایک طویل منتر پڑھ لیا تھا اور پھر خنجر پر ایک پھونک مار کر زور سے اپنی سانس خارج کی اس کے پیٹ سے اس طرح کی آواز نکلی جیسے کسی غبارے سے ہوا نکلتے وقت آتی ہے اس نے سانس بحال ہوتے ہی ایک جھٹکے سے خنجر کو زمین سے نکال کر ہاتھ میں تھام لیا اور واپس مورت نگر کی جانب چل پڑا۔ چودہویں رات کا چاند ایک گول شیشے کی مانند آسمان پر دمک رہا تھا اس کی معطر اور ٹھنڈی چاندنی نے چاروں طرف ایک سحر سا طاری کیا ہوا تھا لیکن اس چاندنی کا نظارہ کرنے والے افراد اپنے گھروں کے اندر دبکے آنے والے وقت کا انتظار کررہے تھے ہر اس گھر میں موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا جس میں ایک نوجوان اور سندر ناری موجود تھی ایسے میں مشرق کی جانب سے ایک عجیب الخلقت بڑا سا پرندہ جو جسامت کے لحاظ سے شتر مرغ جتنا تھا اور اس کے بڑے بڑے سرمئی رنگ کے پر تھے اور طوطے کی مانند مڑی ہوئی نوکیلی چونچ اس کی وحشت میں بے پناہ اضافہ کررہی تھی وہ تیزی سے آیا اور مورت نگر کے گھروں پر پرواز کرنے لگا اس کی اُلو کی مانند بڑی بڑی اور گول آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک تھی یہ سروپ تھا جسے سادھو نے اس ایک منحوس پرندے کی شکل میں اپنے مذموم مقاصد کے لیے بھیجا تھا پرندے کی آنکھوں سے ٹپکتی ہوئی وحشیانہ چمک سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس سادھو نے اسے بھولے ناتھ کی دھمکی سے آگاہ کرکے بھیجا تھا ابھی وہ گھروں پر ایک چکر لگا کر سامنے نظر آنے والے میدان کی جانب پرواز کرنے ہی لگا تھا کہ اسے انتہائی بائیں جانب سے بنے ہوئے گھروں کی آخری نکڑ سے ایک نوجوان اور سندر ناری بے تحاشا بھاگتی ہوئی میدان کی جانب بڑھتی دکھائی دی وہ اڑتے اڑتے فضا ہی میں ساکن ہوگیا اور ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگا ناری بھاگتی ہوئی سیدھی میدان میں آن کر رک گئی اور اس کے منہ سے یوں آوازیں نکلیں جیسے وہ اشلوک پڑھ رہی ہو اسے کھلے میدان میں دیکھتے ہی پرندے نے جھپٹا مارا اور اسے اپنے خونخوار پنجوں میں دبوچ کر جیسے ہی بلندی کی جانب پرواز کرنا چاہی کہ اچانک ایک جانب سے بھولے ناتھ ایک جن کی طرح نمودار ہوا اور اس نے چیختے ہوئے ہاتھ میں پکڑا خنجر تاک کر اس پرندے کو دے مارا خنجر ایک تیر کی مانند اڑتا ہوا گیا اور اس پرندے کے پیٹ میں جا گھسا اور اس کے پنجوں میں دبی لڑکی ریت کی خالی بوری کی مانند زمین کی جانب گری خنجر لگتے ہی پرندے نے ایک جھٹکا کھایا اور پلٹ کر تیزی سے پرواز کرتا ہوا مشرق کی جانب غائب ہوگیا لڑکی سہمی ہوئی کبھی اس پرندے کو غائب ہوتا دیکھ رہی تھی اور کبھی بھولے ناتھ کو بھولے ناتھ والا معاملہ چونکہ اس کو بھی معلوم تھا اس لیے اس کی موجودگی پر اسے حیرت نہ ہوئی مگر اس پرندے کو ناکام لوٹتے دیکھ کر اسے اچنبھا ضرور ہوا تھا بھولے ناتھ نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اسے لے کر اس کے گھر کی جانب چل پڑا لڑکی کے گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی وہ سب اپنی طرف سے اس کی زندگی کی امید ختم کیے بیٹھے تھے ان کے لاکھ پکڑنے اور روکنے کے باوجود وہ ان سے اپنا دامن چھڑا کر یوں بھاگی تھی جیسے وہ اگر مزید رکنے کی کوشش

کرتے تو وہ ان میں سے کسی ایک کو ضرور ہلاک کر دیتی لیکن اب جیسے ہی بھولے ناتھ اس کو لے کر گھر میں داخل ہوا تو وہ خوشی سے نعرے مارتے اس کی جانب بڑھے۔ لڑکی کو زندہ سلامت دیکھ کر وہ بھولے ناتھ کے قدموں میں گر گئے۔ ان کے تفصیل پوچھنے پر بھولے ناتھ نے انہیں تمام ماجرا سنا دیا۔ دوسرے دن بھولے ناتھ کی پرندے کے ساتھ مقابلہ کی خبر اور سندر ناری کے زندہ بچنے کی خبر راجہ بہرام داس کے کانوں تک بھی پہنچ گئی اور اس وقت بھولے ناتھ اس کے پاس بیٹھا اپنی رات کی کارروائی کے متعلق اسے بتا رہا تھا جواب میں راجہ نے اسے شاباش دیتے ہوئے تاکید کی کہ وہ مورت نگر کو ہمیشہ کے لیے اس کھٹنائے سے نجات دلائے تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی واقعہ دوبارہ رونما نہ ہو سکے بھولے ناتھ کہنے لگا "اس کے لیے مجھے کالی پہاڑیوں میں جا کر اس سادھو کو ختم کرنا ہوگا تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے" ٹھیک ہے اس کا رن اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو اوش بتاؤ ہم ابھی اسی سمے اس کا بندوبست کیے دیتے ہیں" راجہ بہرام داس نے کہا۔ "نہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے بس آپ مجھے کل آگیا دے دیں اب میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد کالی پہاڑیوں میں پہنچ کر اس سادھو کے ٹینٹوے کو دباؤں" ٹھیک ہے میری طرف سے تمہیں ابھی سے آگیا ہے۔" راجہ بہرام داس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ بھولے ناتھ اس سے آگیا لے کر واپس اپنے ٹھکانے کی جانب چل پڑا۔ یہ ایک بڑی غار تھی جس کی دیواروں کا رنگ زمانہ کی گردش سے گہرا سیاہ پڑ گیا تھا اور اس کے اندر ننگا جا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اس میں ایک سادھو آلتی پالتی مارے اپنے سامنے دھونی رچائے بیٹھا تھا اس نے صرف ایک لنگوٹ کسا ہوا تھا اور گیروے رنگ کے لنگوٹ میں اور بالوں کی ایک لٹ جو اس کے سر پر واحد چیز تھی دونوں نے مل کر اسے عجیب مضحکہ خیز بنا دیا تھا دائیں طرف کچھ انسانی ہڈیوں کا ڈھیر پڑا تھا جس میں انسانی کھوپڑیاں دور سے ہی نظر آ رہی تھیں سادھو کے گلے میں کوڑیوں سے بنی مالائیں پڑی تھیں اس کے سامنے ایک ترشول زمین میں گڑا ہوا تھا ترشول کے منہ کے رخ بنے سریئے آسمان کی جانب اٹھے ہوئے تھے ان کے بیچ والے سریئے کی نوک پر ایک لڑکی کا سر ٹنگا ہوا تھا جس کی گردن سے گاڑھا گاڑھا خون قطروں کی شکل میں کوئلوں پر ٹپک رہا تھا اور اس کے ٹپکنے سے فضا میں ایک سڑاند سی پھیلی ہوئی تھی اور اس کا گہرا سرخ دھواں غار کی چھت کی طرف جا رہا تھا اچانک اس نے ایک جھٹکے سے پوری آنکھیں کھول دیں اف خدایا! اس کی آنکھوں سے سیاہ پتلیاں غائب تھیں اور انہیں دیکھ کر جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو رہی تھی پھر اس نے اپنی گردن غار کے دائیں طرف گھمائی اور اپنے دائیں ہاتھ کو ترچھا کر کے ایک جھٹکے سے لہرایا تو اس کی انگلیوں کی پوروں سے پیلی روشنی کا ایک دھارا نکلا اور غار کے داخلی دروازے کی جانب بڑھا اور یک لخت سروپ لہراتا ہوا اندر آن گرا۔ اس کے پہلو میں ایک سرخ رنگ کا خنجر دستے تک دھنسا ہوا تھا سروپ کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ بڑی اذیت اور مشکل سے یہاں تک پہنچا ہے سادھو نے وہیں بیٹھے بیٹھے اس کی جانب پھونک اور خنجر اچھل کر پرے جا گرا اور یکدم اس کے زخم سے خون کا ایک فوارہ نکلا خنجر نکلتے ہی سروپ کے منہ سے ایک سسکاری سی نکلی اور پھر اس کی سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگی پھر یک لخت اس نے ایک جھٹکا کھایا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی یہ دیکھتے ہی سادھو کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا اس نے ایک منتر پڑھتے ہوئے اپنے سامنے کی دیوار پر ایک پھونک ماری تو دیوار ٹیلی ویژن کی سکرین کی مانند روشن ہو گئی اس میں اسے بھولے ناتھ ایک سندر ناری کے ساتھ گلیوں میں جاتا نظر آیا اس نے پر خیال انداز میں سر ہلایا اور اپنے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے غار کی جانب کی اور ایک جھٹکے سے کھول دی دیوار دوبارہ تاریک ہو گئی سادھو سمجھ گیا کہ اس کو بھولے ناتھ نے ہی مارا ہے چونکہ بھولے ناتھ کا تعلق بھی شیطان کے چیلوں سے تھا اس لیے وہ اس کے ساتھ سوچ سمجھ کر مقابلہ کرنا چاہتا تھا اس کے لیے وہ اپنے تمام کالے علم کے وار استعمال کرنا چاہتا تھا۔ رات کا پچھلا پہر تھا بھولے ناتھ ایک خچر پر سوار رات کے اندھیرے میں تاریکی کا ایک حصہ ہی معلوم ہو رہا تھا اس نے اپنے پیچھے ایک تھیلا رکھا ہوا تھا جس کے حجم سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے اندر بہت سا

سامان ٹھنسا ہوا ہے خچر عام جسامت کے خچروں سے کافی بڑا تھا اس کا گہرا سیاہ رنگ رات کی تاریکی میں چھپ کر رہ گیا تھا بھولے ناتھ راجہ بہرام داس سے آگیا لے کر دوسرے دن کالی پہاڑیوں کی جانب محو سفر ہو گیا تھا وہ چاہتا تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ سادھو تک پہنچ کر اس کی ہتھیا کر دے اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا مقابلہ کسی عام منش سے نہیں بلکہ ایک گیانی سے ہے جو بڑا شیطان ہے اس لیے وہ بہت سوچ سمجھ کر اس کے سامنے جانا چاہتا تھا اس کے لیے اس نے کالے علم کا ایک خاص عمل ''مور پنکھ کی موٹھ'' حاصل کرنے کے لئے ایک پرانی قبر میں مسلسل تین راتوں تک بیٹھ کر چلا کاٹا تو اسے حاصل ہوا تھا اسے پورا وشواش تھا کہ سادھو اس جاپ کی مار بمشکل برداشت کر پائے گا۔ پھر وہ موقع ملتے ہی رات کے اندھیرے میں راجہ بہرام داس سے آگیا ملتے ہی نکل آیا تھا۔ آتے وقت وہ نرائن سے ضرور ملتا آیا تھا خچر خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا اس کی رفتار بہت آہستہ تھی کیونکہ کہیں گڑھے وغیرہ بھی تھے اس لیے انہیں بچ بچا کر چلنا پڑ رہا تھا خچر ناک کی سیدھ میں یوں آگے بڑھا چلا جا رہا تھا جیسے بھولے ناتھ نے اسے منزل کا پتہ پہلے سے ہی بتا دیا ہو بھولے ناتھ کسی خیال میں بیٹھا سوچوں میں گم تھا کہ خچر یکدم اچھل پڑا اگر بھولے ناتھ لپک کر اس کی گردن میں اپنے دونوں ہاتھ نہ ڈال دیتا تو اس وقت وہ زمین چاٹ رہا ہوتا اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آگے تاریکی میں دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھیلتی چلی گئیں آگے ایک بہت بڑی کھائی تھی اگر خچر بروقت رک نہ گیا ہوتا تو اس وقت تک بھولے ناتھ ہزاروں فٹ گہرا کھائی میں گر کر اپنی ہڈیوں کا سرمہ بنا چکا ہوتا اس نے دل ہی دل میں خچر کو دعائیں دیں پھر اس پر سے اتر کر اس کی رسی تھامی اور دائیں طرف جانے والے راستے پر چل پڑا۔ رات کی بھیانک تاریکی میں اسے ایک بلند پہاڑ دکھائی دیا جو ایک دیو کی طرح سر اٹھائے اس کے سامنے کھڑا تھا اور الٹے ہاتھ ایک بیابان چٹیل میدان تھا جس میں جا بجا جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں بھولے ناتھ اپنی آنکھیں بند کر کے آشمل روح کا سمجھایا ہوا پتہ ذہن میں لایا۔ آنکھیں بند ہوتے ہی نقشہ ایک سکرین کی مانند اس کے دماغ میں روشن ہو گیا نقشے کے مطابق وہ بائیں طرف جانے کی بجائے دائیں طرف نکل آیا کیونکہ آشمل روح نے اسے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ سادھو اس کو نظر میں رکھے ہوئے ہے اور اس کی کوشش ہو گی کہ وہ اپنا راستہ بھول کر کسی اور طرف جا نکلے اور پھر تمام عمر یوں ہی بھٹکتا رہے اب جس طرح اچانک وہ رستہ بھٹک کر اس طرف آ نکلا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سادھو اس کے پیچھے ہی لگا ہوا ہے اور اس کے آنے کی خبر اس تک برابر پہنچ رہی ہے وہ ذرا سنبھل گیا اس نے یکدم آنکھیں کھولیں اور بائیں طرف کے راستے کو چھوڑ کر دائیں طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی اس نے ایک فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کیا ہو گا کہ اسے ایک تیز پھنکار سنائی دی اس نے یکدم گھوم کر پیچھے دیکھا تو اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا اسے اپنے سامنے کم و بیش دو فٹ موٹا اور کم از کم بیس بائیس گز لمبا اژدھا منہ پھاڑے دکھائی دیا اژدہے کے منہ میں باریک باریک دانت آری کے دندانوں کی مانند رات کی تاریکی میں بھی نمایاں تھے اژدھے کی پھنکار کے ساتھ ہی اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکلے اور ان کی زد میں آنے والی جھاڑیاں راکھ کا ڈھیر بن رہی تھیں۔ بھولے ناتھ نے سنبھلتے ہی منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر اژدھے پر پھونک دیا اژدھا لپک کر پرے ہٹ گیا اور جواباً اس نے بھی ایک زوردار پھنکار ماری اور ایک بڑا سا شعلہ بھولے ناتھ کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے آگے بڑھا مگر اس کے جواب میں بھولے ناتھ نے ایک اور منتر پڑھ کر اس شعلے پر پھونک دیا اور شعلہ یوں بجھ گیا جیسے اس پر کسی نے پانی پھینک دیا ہو بھولے ناتھ نے فوراً جیب سے وہی سرخ خنجر نکالا اور تاک کر اژدھے کی آنکھ پر مارا خنجر تیر کی طرح اڑتا ہوا اژدھے کی طرف بڑھا اور ٹھیک اس کی آنکھ میں جا گھسا اس نے اذیت سے ایک تیز پھنکار ماری اور تکلیف سے اپنا سر زمین پر پٹکنے لگا بھولے ناتھ دور کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا خنجر دستے تک اس کی آنکھ میں گھسا ہوا تھا اور اس میں سے سبزی مائل گندا مواد نکل کر اس کے چاروں طرف جمع ہو رہا تھا اس کی اکلوتی آنکھ میں غیض و غضب کی بجلیاں لپک رہی تھیں اس نے اپنے سر کو ذرا سا

اوپر اٹھایا اور بھولے ناتھ کو قابو کرنے کے لیے آگے بڑھا بھولے ناتھ اس کے ارادے کو جان کر اچھل کر دور جا کھڑا ہوا اور پھر منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر اس کی طرف پھونک دیا اچانک ایک طرف سے ایک بڑا سا شیش ناگ نمودار ہوا اور اس نے اژدھے کو دیکھتے ہی ایک تیز سسکاری ماری اور اسکے منہ سے پانی کی ایک موٹی دھاری نکلی اور بارش کے پانی کی طرح اس اژدھے پر جا گری اور دیکھتے ہی دیکھتے اس اژدھے کا جسم گلنا شروع ہو گیا اور کچھ ہی دیر میں جہاں پہلے اژدھا بیٹھا تھا وہاں گدلے پانی کا ایک تالاب سا بن گیا نجانے پانی میں کیا تھا کہ اس نے منٹوں میں اژدھے کے جسم کو تیزاب کی طرح گلا دیا تھا اژدھے کے پانی بنتے ہی شیش ناگ دوبارہ نظروں سے غائب ہو گیا بھولے ناتھ دور کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا شیش ناگ کے غائب ہوتے ہی اس نے دوبارہ سفر شروع کر دیا وہ دل ہی دل میں ناگ دیوتا کے بروقت پہنچ جانے پر اس کا شکر ادا کر رہا تھا کیونکہ اس نے مجبور ہو کر ناگ دیوتا کو بلانے کا منتر پڑھا تھا اکثر یوں بھی ہوا تھا کہ اس نے بارہا منتر پڑھا مگر ناگ دیوتا کہیں اور پہنچا ہوتا تھا مگر آج یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس کے ایک بار منتر پڑھتے ہی وہ اچانک حاضر ہو کر اس کی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا بھولے ناتھ سمجھ گیا تھا کہ اس اژدھے کو اس سادھو نے ہی اس کے لیے بھیجا تھا وہ اپنے ایک جاپ کے ذریعے اس کے حربے کو ناکام کر چکا تھا۔

بھولے ناتھ کو خچر پر سفر کرتے مسلسل دو روز ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی تک کالی پہاڑیوں کے کوئی آثار تک دکھائی نہ دیئے تھے۔ اسے اس بات کا بھی افسوس تھا کہ اس نے خواہ مخواہ مشکل جاپ کر کے آشمل روح کو تابع کیا اور اس سے اسے حاصل کیا ہوا صرف کالی پہاڑیوں تک جانے کا راستہ وہ بھی بہت کٹھن اور شیطان کی آنت کی مانند طویل۔ سادھو کی طرف سے بھیجے گئے اژدھے کو دیکھ کر اسے یہ بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا مقابلہ بہت زوروں پر ہو گا کیونکہ دوسری طرف ایک عام منش نہیں بلکہ ایک گیانی ہے جسے کالے علم سے ہی مار دینا ہو گی۔ سفلی دنیا جسے کالی دنیا سے بھی پکارا جاتا ہے ایک علیحدہ اور پراسرار دنیا ہے یہ عام انسان کی سوچ سے بہت بالاتر ہے اس دنیا میں کچھ پراسرار قوتیں کارفرما ہیں اور ان کا الگ ہی نظام ہے۔ سائنس اس دنیا کے سامنے آج بھی بے بس رہی ہے بھولے ناتھ کالے علم کے بہت سے عمل کر کے خود بھی ایک بڑا شیطان بن چکا تھا مگر اب جبکہ اس کا واسطہ ایک بڑے گیانی سے پڑا تو اسے پتہ چلا تھا کہ اونٹ جب پہاڑ تلے آتا ہے تو پھر اسے اپنے قد پر شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے اس بات کی تسلی تھی کہ اس کے پاس کالے علم کا ایک وار "مور پنکھ کی موٹھ" تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس بات کا بھی فیصلہ کر چکا تھا کہ موقع ملتے ہی وہ ایک اور جاپ "جل جوتری" بھی مکمل کرے گا۔ "جل جوتری" بھی سفلی دنیا کا ایک عمل ہے جس سے اس کے مکمل کرنے والے کے پاس ایک ایسی شکتی آ جاتی ہے جس سے وہ اپنے دشمن کو بینائی سے محروم کر کے آسانی سے ختم کر سکتا ہے۔

"جل جوتری" کا جاپ کرنے کے لیے اسے صرف دو گھنٹے درکار ہوں گے اس میں اسے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر سورج کو مسلسل دیکھتے ہوئے منتر پڑھنا ہو گا۔ لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ اس دوران اسے آنکھیں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جھپکنی ہوں گی کیونکہ جیسے ہی اس نے آنکھیں جھپکیں ویسے ہی اسے آدھا زمین میں دھنس جانا ہو گا اور اسی حالت میں مزید دوبارہ دو گھنٹوں تک سورج کو مسلسل تکتے ہوئے جاپ مکمل کرنا ہو گا۔ یہ اس جاپ کی کڑی شرط تھی۔ تمام حالات میں اسے جاپ کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی مگر اب جبکہ اس کا واسطہ ایک بڑے شیطان سے پڑ گیا تھا تو اسے اب اپنی شکتیوں میں اس شکتی کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ ابھی ان خیالوں میں مگن تھا کہ اس کا خچر ایک جھٹکا لے کر رک گیا اس کے کان اس طرح سیدھے کھڑے ہو گئے جیسے کسی نے انہیں رسیوں سے باندھ کر آسمان کی بلندیوں کی جانب کھینچ لیا ہو بھولے ناتھ نے چونک کر آگے کی سمت دیکھا تو اسے خچر کے رکنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ خچر سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر زمین پر سینکڑوں چھوٹے بڑے سانپ موجود ہونے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صرف بھولے ناتھ کا راستہ روکنے کے لیے ہی آئے ہیں مختلف رنگوں کے

چھوٹے بڑے سانپ اور بڑے بڑے زرد رنگ کے بچھوؤں کو دیکھ کر جسم پر کپکپی طاری ہوتی تھی۔ بھولے ناتھ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر دوبارہ آنکھیں کھول کر اپنے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک پڑیا نکالی ''یہ سفوف ہرنا ری'' تھا شیش ناگ کی کچلی سے بنا ہوا اس سفوف کی خوشبو سے ہر قسم کے سانپ یوں دور بھاگتے تھے جیسے غلیل سے کوا دور بھاگتا ہے اس نے خچر کو ایڑھ لگائی اور سانپوں کے قریب لے گیا اب اس کا اور سانپوں کا فاصلہ ایک دو فٹ کے قریب رہ گیا تو اس نے پڑیا کھول کر ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھی اور پورے زور سے اسے پھونک ماردی۔ سفوف اڑ کر سانپوں اور بچھوؤں پر گرا اور اس نے دیکھا کہ سفوف پڑتے ہی سانپوں اور بچھوؤں میں کھلبلی سی مچ گئی اور جس کا جدھر منہ اٹھا اس طرف کو بھاگ گیا اور کچھ ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ بھولے ناتھ نے اطمینان کی ایک طویل سانس خارج کی اور خچر کو ہاتھ سے تھپکی دے کر آگے کی جانب چلنے کا اشارہ کیا۔ خچر خطرہ دور ہوتے ہی اپنے کان دوبارہ نارمل حالت میں لے آیا تھا۔ انسان کی نسبت جانور خطرے کی بو کو جلد اور دور سے بھانپ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بھولے ناتھ کو سفر کرتے ہوئے تیسرا روز تھا شام کا جھٹپٹا چھا رہا تھا سورج کو غروب ہوئے آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا اور آسمان پر کہیں کہیں سفید بادل تیرتے پھر رہے تھے کہیں کہیں ان کے اندر سے جھانکتے ستارے زمین پر دیکھنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ بھولے ناتھ کے مطابق اسے اب تک کالی پہاڑیوں کی سرحد پر پہنچ جانا چاہیے تھا اور اسی لئے وہ ابھی اِدھر اُدھر ہی دیکھ رہا تھا کہ اچانک سامنے سے ایک سر کٹا برآمد ہوا اس کے کندھوں پر صرف گردن ہی تھی اور جسم سر سے محروم تھا۔ گردن سے خون ایک فوارے کی مانند اُبل رہا تھا۔ جس کے گرنے سے اس کا سارا جسم خون میں نہایا ہوا تھا۔ بھولے ناتھ نے اسے دیکھتے ہی خچر کو روک لیا خچر نے جب اپنے سامنے اس عجیب و غریب مخلوق کو دیکھا تو بدک کر اپنی دونوں ٹانگیں اوپر اٹھا کر زمین پر ماریں اور بھولے ناتھ کو زمین پر گرا کر ایک جانب بھاگ گیا بھولے ناتھ جو ٹکٹکی باندھے سر کٹے کی طرف دیکھ رہا تھا اچانک جھٹکا لگنے سے سیدھا پکے ہوئے پھل کی طرح زمین پر گرا اور خچر کو برا بھلا کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا سر کٹا آہستہ آہستہ چلتا سیدھا اس کی جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا اس کے چلنے سے محسوس ہوتا تھا کہ اسے راستہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔ قریب پہنچ کر اس نے جیسے ہی بھولے ناتھ کو بوچنے کی کوشش کی بھولے ناتھ اچھل کر دور ہٹا اور منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر اس کی طرف پھونک دیا منتر پڑھتے ہی اسکے منہ سے ایک لہر نکل کر سر کٹے کی جانب بڑھی مگر سر کٹے کے قریب جیسے ہی پہنچی سر کٹے نے ایک طرف ہٹ کر اسکا یہ حربہ ناکام بنا دیا۔ بھولے ناتھ نے یہ دیکھتے ہی دوبارہ ایک اور منتر پڑھا اور اس بار اس نے جیسے ہی اپنے ہاتھوں کو اس کی طرف جھٹکا اس کی انگلیوں سے پانچ تیز دھار خنجر تیر کی طرح اڑتے ہوئے گئے اور سیدھے سر کٹے کے جسم میں پیوست ہو گئے مگر یہ دیکھ کر بھولے ناتھ حیرت کی شدت سے آنکھیں پھاڑے رہ گیا کہ جہاں جہاں خنجر پیوست ہوئے تھے وہاں سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں نکلا تھا اور سر کٹا بھی زندہ حالت میں اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ بھولے ناتھ نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور جلدی سے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک گول لوہے کا کڑا نکالا جس پر مختلف رنگوں کی چنگاریاں حرکت کرتی نظر آ رہی تھیں اس نے ایک منتر پڑھ کر اس کڑے پر پھونکا اور گرو مہاراج کا نعرہ لگاتے ہوئے اسے سر کٹے کی طرف اچھال دیا کڑا سیدھا سر کٹے کی گردن میں جا کر فٹ ہو گیا۔ سر کٹے نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے کڑے کو پکڑ کر گلے سے نکالنے کی کوشش کی مگر کڑا اس طرح اس کی گردن میں فٹ ہو گیا تھا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اسے اپنے ہاتھوں سے سختی کے ساتھ جکڑ لیا ہو اور دیکھتے ہی دیکھتے کڑے کا حجم بڑھنے لگا اور کچھ ہی دیر میں وہ ٹائر کے برابر موٹا ہو گیا اور اس کے وزن سے سر کٹے کا آدھا جسم زمین کی جانب جھک گیا۔ اس کے ہاتھ پیر چلانے سے پتہ چلتا تھا کہ اسے بے پناہ تکلیف کا احساس ہو رہا ہے۔ بھولے ناتھ فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سر کٹے کے جھکتے ہی اس نے تھیلے سے وہی سرخ خنجر نکالا اور دیکھتے ہی دیکھتے فضا میں چاروں طرف گوشت کے جلنے کی سڑاند پھیل گئی۔

بھولے ناتھ سادھو کو ایک بار شکست دے چکا تھا۔ سر کٹے کا جسم پگھلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ مادے میں تبدیل ہو کر ایک تالاب کی شکل اختیار کر گیا۔ رات کا جھٹپٹا ہر سو پھیل گیا تھا آسمان پر کہیں کہیں چمگادڑیں اڑتی پھر رہی تھیں۔ دور کہیں سے لگڑ بھگڑوں کے چیخنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھی۔ بھولے ناتھ نے چاروں طرف ایک طائرانہ نظر دوڑائی کہ شاید اسے کہیں اپنا خچر نظر آجائے مگر وہ تو اس طرح بھاگا تھا جیسے اس نے موت کو اپنے سامنے دیکھ لیا ہو۔ بھولے ناتھ نے منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر فضا میں پھونکا تو ایک ہدہد کہیں سے نمودار ہوا اور پکارنے لگا۔ ”تپ دھاری حاضر ہے مہاراج“ ”تپ دھاری یہ بتاؤ کالی پہاڑیوں تک پہنچنے کے لیے مجھے کس سمت میں سفر کرنا ہوگا۔ بھولے ناتھ نے اسے دیکھتے ہی مخاطب کیا۔ ”مہاراج کالی پہاڑیوں تک پہنچنے کے لیے آپ کو پہلے سرخ چشمے پر پہنچ کر پانچ سندر ناریوں کے کٹے ہوئے سروں سے ٹپکنے والے خون سے غسل کرنا ہوگا کیونکہ سادھو آپ کو کالی پہاڑیوں تک پہنچنے نہ دے گا۔ اس لیے اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو کالی پہاڑیوں تک جانے والے راستے میں آپ کو ”بھیتل ناڑی“ نامی چڑیل سے سامنا کرنا پڑے گا اس لیے جب آپ سندر ناریوں کے سروں سے ٹپکنے والے خون سے غسل کرلیں گے تو آپ ”بھیتل ناڑی“ نامی چڑیل کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے اور اس طرح آپ ایک بڑی شکتی کو بغیر چھیڑے کالی پہاڑیوں میں داخل ہو سکیں گے۔“ ہدہد نے ہوا میں ساکن پر پھڑ پھڑاتے ہوئے انسانی آواز میں تفصیل بتائی۔ ”لیکن یہ سرخ چشمہ کہاں ہے اور اس تک کیسے پہنچا جائے۔“ بھولے ناتھ نے سوال کیا۔ اس کے لیے آپ کو شمال کی طرف سفر کرنا ہوگا یہاں سے دو راتوں کی مسافت پر آپ کو ایک دریا ملے گا آپ کو اس دریا کے الٹے رخ چلنا ہوگا تقریباً آدھا دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ کو ایک آبشار ملے گا اس آبشار کے عین اوپر ایک بڑا سا شاہ بلوط کا گھنا درخت ہوگا اس درخت کی ایک شاخ کے ساتھ پانچ سندر ناریوں کے سر چوٹیوں کے ساتھ اکٹھے بندھے نظر آئیں گے یہ ان ہی سندر ناریوں کے سر ہیں جنہیں سادھو جیون رکھشا کی خاطر ختم کر چکا ہے۔ ان سروں کی گردنوں سے گاڑھا گاڑھا خون ٹپک رہا ہوگا جو سیدھا آبشار کے پانی میں گر رہا ہے اس خون کو ایک طلسمی طریقے کی مدد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پابند کر دیا گیا ہے کیونکہ جب تک یہ خون ٹپکتا رہے گا اس وقت تک اس سادھو کی روح کو جیون رکھشا ملتی رہے گی اس سادھو کی روح کالی پہاڑیوں کے ایک تاریک غار میں موجود ایک زرد بچھو میں بند ہے اس بچھو میں اس قدر زہر بھرا ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا رنگ زرد دکھائی دیتا ہے اور آس پاس کی زمین اس کی زہریلی پھونکوں سے سیاہی مائل ہوگئی ہے۔ اس لیے آپ کو اس تک پہنچنے کے لیے سادھو کی حفاظتی روحوں سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ ان سب کو ختم کرنے کے بعد ہی آپ اس زرد بچھو تک پہنچ سکتے ہیں۔“ ہدہد نے پھدکتے ہوئے مزید تفصیل بتائی۔

بھولے ناتھ ہونقوں کی طرح منہ کھولے تفصیل سن رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مورت نگر کے باسیوں اور راجہ بہرام داس پر دل ہی دل میں لعنت بھیج رہا تھا جنہوں نے خواہ مخواہ اسے ان بکھیڑوں میں لا پھنسایا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے ایشور پر بھی غصہ تھا جس نے اپنے گلے سے مصیبت اتار کر اس کے گلے میں ڈال دی تھی۔ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ اپنا سفر آگے شروع کرے یا یہیں سے واپس لوٹ جائے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں غرق تھا کہ اسے ہدہد کی آواز سنائی دی۔ ”مہاراج اب مجھے آگیا دیں میرے جانے کا وقت ہوگیا ہے۔“ ”ٹھیک ہے دفع ہو جاؤ۔“ بھولے ناتھ نے حقارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے اس بات کا غصہ تھا کہ وہ جس شکتی سے بھی کام لینے لگتا ہے وہ صرف تفصیل بتانے تک ہی محدود رہتی ہے۔ اب تک کسی شکتی نے اسے فائدہ نہیں پہنچایا تھا۔ کافی دیر سوچ بچار کرنے کے بعد اس نے آگے جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ واپس لوٹنے سے ایک تو اس کی بے عزتی ہوتی دوسرا ایشور کی ناراضگی بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ یہ کام کرنے سے وہ ایشور کا احسان اتار سکتا تھا۔ اس نے یہ سوچتے ہی شمال کی سمت سفر شروع کر دیا چرمی تھیلا اس نے کاندھے کے ساتھ لٹکا لیا تھا۔ سفلی دنیا میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ اگر چھوٹی شکتی رکھنے والا اگر کسی

بڑی شکتی مان سے کوئی کام لے گا تو اسے اپنی ایک شکتی بلیدان کرنا پڑتی ہے۔ اس سے پہلے وہ ناگ دیوتا سے مدد لے کر اپنی ایک شکتی اسے دان کر چکا تھا۔ اب اسے پیدل چلنا عذاب لگ رہا تھا حالانکہ وہ اگر چاہتا تو اپنی ایک شکتی دے کر کسی بڑی شکتی مان سے اڑن قالین یا کوئی اور سواری اپنے لیے منگوا سکتا تھا لیکن یہ سوچ کر اس نے پیدل سفر کرنا مناسب سمجھا کہ ابھی پتہ نہیں اسے کالی پہاڑیوں میں کن حالات میں کون کون سی شکتی سے کام لینا پڑے۔ اس لیے اس نے پیدل سفر کرنے کو ترجیح دی اس طرح اسے اپنی منزل تک پہنچنے میں کچھ دیر لگ سکتی تھی مگر اس طرح وہ اپنی ایک شکتی کو بچا سکتا تھا۔ اس نے گرو کو یاد کر کے شمال کی جانب سفر شروع کر دیا اور اسے اس بات کی بھی فکر تھی کہ دو روز بعد چودھویں کی رات تھی اس لیے وہ چاہتا تھا کہ پانچ سندر ناریوں کے سروں میں چھٹے سر کا اضافہ نہ ہو سکے اور اس سے پہلے ہی وہ سادھو کو ہلاک کر کے اس قصے کو پاک کر دے۔ وہ خود بھی اس مسئلہ سے اکتا گیا تھا اس لیے وہ جلد از جلد اس سے جان چھڑا کر واپس اپنی دنیا میں لوٹ جانا چاہتا تھا، اسے دن رات سفر کرتے دوسرا روز تھا کہ اسے اپنے سامنے ایک گھنا اور بھیانک جنگل دکھائی دیا۔ وہ چلتا ہوا اس میں داخل ہو گیا جنگل میں درخت آپس میں اس طرح جڑے ہوئے تھے کہ ان میں سے سورج کی روشنی تک نہیں آ رہی تھی جس کی وجہ سے دن کے وقت بھی جنگل میں خوفناک حد تک تاریکی پھیلی ہوئی تھی وہ آہستہ آہستہ چلتا راستہ ٹٹولتا آگے بڑھتا رہا اسے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ اس بھیانک جنگل میں اسے کوئی موذی درندہ تک دکھائی نہ دیا تھا حالانکہ اس طرح کے بھیانک اور خوفناک جنگل میں موذی جانوروں کا پایا جانا یقینی تھا۔ وہ یہی سوچتا ہوا آگے بڑھتا رہا تقریباً دو گھنٹے تک مسلسل پیدل چلنے کے بعد اسے سامنے کے رخ روشنی دکھائی دی اور درختوں کی تعداد بھی کہیں کہیں کم تھی اور اب کہیں کہیں جنگلی گھاس اور جنگلی سیب کی جھاڑیاں دکھائی دینے لگی تھیں اس نے ایک جھاڑی سے دو تین جنگلی سیب توڑے اور انہیں اپنے معدے میں اتار لیا اس سے اسے تازگی کا ایک خوشگوار احساس ہوا۔ کچھ دور اور چلنے کے بعد وہ جنگل سے نکل آیا اب چاروں طرف روشنی پھیل گئی تھی۔ مسلسل اندھیرے میں چلنے سے ایک دم روشنی میں آنے سے اسے عجیب سا احساس ہوا تھا اور یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس کے سامنے ایک چمکدار دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا اس کا سفید سفید پانی جھاگ اڑاتا ہوا بہہ رہا تھا اور اس کا پاٹ کم از کم چالیس فٹ چوڑا ضرور ہوگا۔ وہ دریا کے پانی پر نظریں جمائے اس کی طرف بڑھتا رہا اور پھر اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی جس طرف سے پانی کا بہاؤ تھا اس طرف سے اسے پانی کے اندر ایک سرخ لکیر جس کی موٹائی تقریباً تین انچ ضرور ہوگی ایک پٹی کی صورت میں بہہ رہی تھی اس نے آہستہ آہستہ خود کو سنبھال کر دریا کے کنارے کے قریب کیا اور ہاتھ بڑھا کر اس سرخ لکیر پر انگلی رکھ کر اس میں سے کچھ لیا اور پھر اس کو سونگھ کر سر ہلانے لگا۔ یہ ان ہی سندر ناریوں کی گردنوں سے ٹپکنے والا خون تھا جسے وہ تلاش کر رہا تھا۔ خون اس قدر گاڑھا تھا کہ وہ پانی میں حل ہونے کی بجائے ایک پٹی کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ وہ دوبارہ اٹھا اور دریا کے اس طرف چلنے لگا جہاں سے یہ پٹی آ رہی تھی دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا آسمان پر سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ گرمی کی شدت سے چرند پرند بھی اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکے ہوئے تھے۔ وہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتا کافی دور نکل آیا تھا جنگل اب بہت پیچھے رہ گیا تھا مسلسل پیدل چلنے سے اس کے پاؤں سوج کر کپا ہو گئے تھے اس نے کچھ دیر آرام کرنے کا سوچا اور دریا کے دائیں کنارے پر لگے ایک بوہڑ کے پیڑ کے نیچے ایک جگہ صاف کر کے چرمی تھیلا اپنے سر کے نیچے رکھ کر آنکھیں موند لیں اور جلد ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ ابھی اسے سوئے ہوئے دس منٹ ہی بمشکل ہوئے ہوں گے کہ اسے اپنے پاؤں میں تکلیف کا احساس ہوا اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے ایک تیز دھار خنجر اس کے پاؤں کی چھوٹی انگلی میں گھسیڑ دیا ہو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو اسے حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا اس کے پاؤں سے چند انچ کے فاصلے پر ایک عجیب و غریب مکڑی جس کے منہ کی جگہ تیز دھار برمے کی مانند چونچ تھی اور اس کا جسم ایک غبارے کی مانند

پھول اور پچک رہا تھا اور اس کے اندر سبزی مائل زہر صاف نظر آرہا تھا اس نے اسے دیکھتے ہی جلدی سے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک مرہم نکالا اور اسے جلدی سے اپنی انگلی پر مسل لیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی کھڑاؤں اٹھا کر اس مکڑی پر دے ماریں۔ کھڑاؤں کسی اینٹ کی طرح اس مکڑی کے جسم پر پڑیں اور اس کے پھولے ہوئے جسم سے گندا مواد ابل پڑا مکڑی کے آس پاس جو گھاس پھونس لگی تھی اس مواد کے لگتے ہی دھواں بن کر اڑ گئی۔ بھولے ناتھ ہونقوں کی مانند کبھی اس مکڑی کی طرف اور کبھی راکھ بنی گھاس پھونس کو دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں گرو کا شکر ادا کر رہا تھا اس کی بروقت آنکھ کھل گئی اور اس کے پاس ''لاجونتی مرہم'' بھی موجود تھی ورنہ اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکا اور اب اس نے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔ تقریباً پانچ چھ کوس چلنے کے بعد اس کے کانوں میں کسی آبشار کے گرنے کی آواز پڑی۔ اس آواز کو سنتے ہی اس نے اپنی رفتار تیز کر دی وہ جلد از جلد اس معاملہ کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ دائیں طرف درختوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا اس نے اپنے قدم اس جھنڈ کے جانب بڑھا دیئے اور جب وہ اس کے نزدیک پہنچا تو اسے اس کے اندر ایک بہت بڑا آبشار نیچے زمین پر گرتا دکھائی دیا آبشار کا پانی بھورے رنگ کی ایک چٹان سے چادر کی شکل میں زمین پر گر رہا تھا اور اس کے گرنے سے ایک زوردار آواز پیدا ہو رہی تھی۔ آبشار کے عین اوپر ایک بہت بڑا شاہ بلوط کا درخت نظر آرہا تھا جس پر پیڑے کی شکل کے پھل لگے صاف نظر آرہے تھے۔ درخت کی عین موٹی شاخ پر پانچ عورتوں کے سر لٹک رہے تھے ان کی چوٹیوں کو بل دے کر درخت کی موٹی شاخ کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا گیا تھا سر گردنوں تک کٹے ہوئے تھے اور ان میں سے نکلی ہوئی رگیں اور نسیں دور سے نظر آرہی تھیں ان کی گردنوں سے مسلسل خون ٹپک کر آبشار کے پانی میں گر رہا تھا خون کے مسلسل گرنے کی وجہ سے نیچے پانی میں خون کے جمنے سے ایک چادر سی بن گئی تھی اور اس میں سے ایک پتلی سی دھار چشمے کے پانی کے ساتھ بل کھاتی آگے تک چلی گئی تھی وہ اس پتلی دھار کے سہارے ہی یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا اس نے اپنا چرمی تھیلا ایک طرف رکھا اور کپڑے اتار کر پانی میں گھس گیا۔ چشمے کا پانی یخ ٹھنڈا تھا اسے نہایت ہی لطف محسوس ہو رہا تھا اس نے اشنان کرنے کے بعد وہ کپڑے پہنے اور چرمی تھیلا ہاتھ میں اٹھا کر جھنڈ سے باہر نکل آیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اس نے منہ میں ایک منتر پڑھ کر فضا میں پھونکا تو کہیں سے ایک ہدہد نمودار ہوا اور پکارنے لگا۔ ''تپ دھاری حاضر ہے مہاراج۔'' تپ دھاری یہ بتاؤ تمہارے کہنے کے مطابق میں نے سرخ چشمے سے غسل کر لیا ہے اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' بھولے ناتھ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ''مہاراج اب آپ مشرق کی جانب سفر شروع کر دیں چند کوس تک چلنے کے بعد آپ کو ایک ویران باغ نظر آئے گا اس باغ کو عبور کرنے کے بعد ریتلا علاقہ شروع ہوگا اس میں آپ کو ایک کچا مکان نظر آئے گا اس مکان میں ایک کنواں ہے اس کے پانی میں یہ تاثیر ہے کہ اس کے بدن پر لگتے ہی رات کے وقت بھی آپ دن کی طرح دیکھ سکیں گے۔ اس کے علاوہ آپ چونکہ سرخ چشمے سے غسل کر چکے ہیں اس لیے آپ ''بھیتل ناڑی'' نامی چڑیل کی نظروں سے اوجھل رہیں گے۔ آپ کو اب مسلسل تین روز تک پیدل سفر کرنا ہوگا اور رات دن چلتے رہنا ہوگا اس لیے رات کے اندھیرے میں دیکھنے کے لیے اس کنوئیں کا پانی لازمی حاصل کرنا ہوگا دوسری صورت میں مہاراج آپ کو صرف دن کی روشنی میں ہی سفر کرنا ہوگا۔ ہدہد نے پھدپھداتے ہوئے کہا۔ ''لعنت ہو تم پر اور تمہارے کنوئیں پر تم صرف مشوروں کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتے۔'' بھولے ناتھ نے منہ بناتے ہوئے غصے سے کہا۔ ''شما ہو مہاراج ہماری شکتی صرف اسی کا رن جواب دے سکتی ہے اور اس کے سوا ہم بھگوان کے آگے مجبور ہیں۔ تپ دھاری نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے اب تم اپنی منحوس صورت لے کر دفع ہو جاؤ۔'' بھولے ناتھ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی ہدہد غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہوتے ہی بھولے ناتھ نے اپنا سفر مشرق کی جانب شروع کیا اور مسلسل چار کوس تک چلنے کے بعد اسے باغ نظر آیا جس میں جا بجا جھاڑ جھنکار اُگا ہوا تھا ویران باغ کی حالت سے

اندازہ ہوتا تھا کہ اسے اس حالت میں صدیاں بیت گئی ہیں۔ کہیں کہیں اکا دکا درخت نظر آرہے تھے زیادہ تر جنگلی گھاس اگی ہوئی تھی۔ بھولے ناتھ حیرت سے ادھر اُدھر دیکھتا آگے بڑھتا رہا جلد ہی باغ سے نکل کر وہ ایک ریتلے علاقے میں نکل آیا چاروں طرف ریت ہی ریت اڑتی پھر رہی تھی کہیں کہیں ٹنڈ منڈ ڈنڈ اتھور کے پودے سر اٹھائے کھڑے تھے اور ریت میں زرد رنگ کی ریگستانی چھپکلیاں بھاگتی صاف نظر آرہی تھیں بھولے ناتھ آنکھیں میچے ادھر اُدھر تک رہا تھا اسے اس کچے مکان کی تلاش تھی جس کے بارے میں "تپ داری" نے اسے بتایا تھا ریت کے بگولوں کی وجہ سے اسے آس پاس کا علاقہ صاف طور پر نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے اندازے سے ایک جانب قدم بڑھا دیے کچھ دور تک چلنے کے بعد اس کو چند فرلانگ کے فاصلے پر ایک کچا مکان نظر آیا اس نے دل ہی دل میں اپنے اندازے کی داد دی اور گرو کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مکان کی جانب قدم بڑھا دیے مکان مکمل طور پر کچا تھا اور اس کا مین دروازہ ٹوٹا ہوا تھا مکان کی دیواریں شکستہ ہوگئی تھیں یوں لگتا تھا جیسے کسی بھی وقت زمین بوس ہو جائیں گی۔ ایک طرف ایک اونچی منڈیر بنی ہوئی تھی بھولے ناتھ سمجھ گیا کہ یہی کنواں ہے اس نے اپنے قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔ یہ ایک صدیوں پرانا کنواں تھا جس پر ایک بوسیدہ رسی اور اس کے ساتھ ایک لوہے کا ڈبہ بندھا ہوا تھا ڈبے میں جا بجا سوراخ نظر آرہے تھے گردش لیل و نہار کے باعث اس کا زنگ سے برا حال تھا۔ بھولے ناتھ نے رسی کو کھول کر اس کے ساتھ بندھے ڈبے کو کنوئیں میں پھینک دیا کنواں اندر سے تاریک نظر آرہا تھا نجانے اس میں پانی ہے بھی کہ نہیں یہ تو ڈبے کے واپس آنے پر ہی پتہ چل سکتا تھا بھولے ناتھ نے رسی کو ادھر اُدھر ہلا کر دوبارہ اوپر کھینچ لیا ڈبے میں اسے تھوڑا سا پانی جس میں آدھا کیچڑ ملا ہوا تھا نظر آیا بھولے ناتھ نے جلدی سے اس میں ہاتھ ڈال کر اپنی چلو میں لے کر اپنی قمیض پر مل لیا بعد میں کیچڑ کو ڈبے کے اندر اچھی طرح مل لیا جس سے اس کے سوراخ کسی قدر بند ہو گئے تھے پھر اسے دوبارہ پانی میں ڈال دیا اور ایک جھٹکے سے واپس کھینچ لیا ڈبے میں آدھے سے زیادہ پانی موجود تھا یا نکل گیا تھا اس نے جلدی سے پانی لے کر اپنی قمیض پر مل لیا اسی طرح اس عمل کو مزید دو تین بار دہرانے کے بعد اس کی قمیض سامنے سے گیلی ہوگئی تو اس نے ڈول کو واپس کنوئیں میں پھینک دیا۔ ہر طرف ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا اب شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے بھولے ناتھ اسی کشمکش و پنج میں تھا کہ اب سفر آگے شروع کرے یا کچھ دیر آرام کرے کچھ سوچنے کے بعد اس نے آگے جانے کو ہی ترجیح دی کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی لاپرواہی سے سادھو کوئی فائدہ اٹھالے۔ یہی سوچ کر اس نے رات کے اندھیرے میں آگے بڑھنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ کنوئیں کے پانی کی وجہ سے اسے رات کے وقت دیکھنے میں آسانی محسوس ہو رہی تھی۔ ساری رات سفر کرنے کی وجہ سے اس کے بدن میں اب تکلیف ہونے لگی تھی اس نے یہ سوچ کر کہ دن کے وقت کہیں دو تین گھنٹے کے لیے آرام کرلوں گا اپنا سفر جاری رکھا۔

اب ہر طرف سحر پھوٹنے لگی تھی دن کا اجالا دھیرے دھیرے ہر سو پھیلنے لگا اس نے ریگستان سے چلتے وقت اپنا رخ مشرق کی جانب ہی رکھا تھا اس لیے اسے راستہ بھٹکنے کا کوئی خوف نہ تھا۔ اب وہ ایک بیابان علاقے سے گزر رہا تھا جس میں سوائے سوکھی اور خشک گھاس کے اور کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا اسے چلتے چلتے ایک زرد رنگ کے اژدھے اور جنگلی بلی کو بھی آپس میں گتھم گتھا دیکھا دونوں آپس میں ازلی جنگ لڑنے میں مصروف عمل تھے۔ اس نے انہیں چھیڑنے کی بجائے اپنا سفر جاری رکھا کچھ دیر چلنے کے بعد اس نے درختوں کا لامتناہی سلسلہ دیکھا درختوں کی بہتات سے پتہ چلتا تھا کہ وہ ایک ذخیرہ ہے اس نے یہ سوچ کر کہ شاید یہاں آرام کرنے کے لیے دو تین گھنٹے میسر آجائیں اپنا رخ ان درختوں کی طرف موڑ لیا۔ درختوں کے نزدیک پہنچ کر اس نے کسی ایسے سایہ دار درخت کو تلاش کیا جس کے نیچے وہ دو گھڑی آرام کر سکے۔ جلد ہی اسے پیپل کا ایک بڑا سا درخت دکھائی دیا جس کے تنے کی گولائی کم از کم دس فٹ ضرور ہوگی اس نے اس کی طرف قدم بڑھائے اور تھوڑی سی جگہ صاف کر کے اپنا چرمی تھیلا سر کے نیچے رکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو شام کے سائے گہرے

اسماءالحسنیٰ کامیابی کا راستہ

پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہوجایا کرتی ہیں

شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو

جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو

شوہر یا بیوی کی اصلاح

اولاد کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا

گھریلو ناچاقی

کاروباری بندش

جنات کا سایہ

دیگر مسائل

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگئی ہو اور ہر عامل ناکام ہوگیا ہو ہم سے مشورہ ایک مرتبہ ضرور لیں عامل وہ جس کا علم سات سمندر پار چلے کالے وسفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید تنویر شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

سید تنویر شاہ

کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام راز داری کے ساتھ کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

خواہش، زندگی کی کوئی خواہش ہے یا کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہوگی انشاءاللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملائیے اور آزمالیجئے

ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے

نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاءاللہ کامیابی ہوگی

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ ہو وہ آنکھیں ہی کیا جن میں شرم نہ ہو وہ علم ہی کیا جس میں عمل نہ ہو، وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو

سید تنویر شاہ

فوارہ چوک مین جی ٹی روڈ ملتان

0301-6411113

ہو چلے تھے پرندے آسمان کی بلندیوں پر اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے اس نے ایک زوردار انگڑائی لے کر تھیلا بغل میں دبایا اور آگے کا سفر شروع کر دیا۔ مسلسل سفر کرتے اس کا سامنا بہت سے جنگلی جانوروں اور ایک خشک دریا سے ہوا۔ دریا پار کر کے وہ ایک ایسے علاقے میں آن نکلا جہاں ہر طرف میدان میں سنگی مجسمے نصب تھے مجسموں کی شکلیں عجیب وغریب تھیں کسی کی آنکھیں غائب تھیں کسی کا ایک بازو غائب تھا کوئی بغیر سر کے تھا اور کسی کی ٹانگ غائب تھی وہ حیرت سے انہیں دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ وہ جیسے ہی ان مجسموں کے درمیان پہنچا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے سب کے سب اچانک زندہ ہو گئے ہوں اور اس کو دبوچنے کے لیے بیقرار ہوں یہ صرف اس کا احساس تھا ورنہ ان مجسموں کو ساکت ہی رہنا تھا اور وہ ساکت ہی تھے۔ اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے اپنے قدم تیز کر لیے بعد میں اسے اپنے پیچھے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ خود جادوگری کا باشندہ تھا اس لیے ایسے شعبدوں پر کان دھرے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ یہ رات کے تقریباً دو بجے کا وقت ہوگا جب چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا زمین پر دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا ایک خونخوار چہرے کی مالک چڑیل جس کے لمبے لمبے دانت اس کے جبڑوں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور اس کے بال سرکنڈوں کی مانند آسمان کی جانب اٹھے ہوئے تھے اور ہاتھوں کے ناخن تیز دھار چھریوں کی طرح مڑے ہوئے تھے ایک غار کے دہانے پر ٹہل رہی تھی اس کی نظریں سرچ لائٹ کی مانند ادھر اُدھر گھوم رہی تھیں اس کے ہونٹوں کی لالی سے لگتا تھا جیسے ابھی ابھی کسی جانور کا خون پی کر آئی ہے۔ یہ ''بھیتل ناڑی'' چڑیل تھی جسے سادھو نے کالی پہاڑیوں میں داخل ہونے والے غار کے دہانے پر پہرے پر بٹھایا تھا۔ سادھو نے اس کو ایسی شکتی دی تھی کہ کوئی جاندار اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا تھا لیکن یہ سادھو کی خام خیالی تھی کیونکہ ''تپ دھاری'' اس کا توڑ نکال چکا تھا اور بھولے ناتھ کو سرخ چشمے سے غسل کرنے والی ترکیب بتا کر اس کا یہ حربہ ناکام بنا چکا تھا۔ بھولے ناتھ کی شکل میں سادھو کی بھیانک موت لمحہ بہ لمحہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

یہ ایک بڑی سی غار تھی جس کی سیلن زدہ دیواروں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے ایک طرف سادھو دھونی دُھائے آسن جمائے بیٹھا تھا اس کے سامنے پتھر کا ایک بڑا سا پیالہ دھرا تھا جس میں انسانی دماغ کا ملغوبہ اور خون تھا۔ وہ منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے ایک جانب رکھا سیندور لے کر پیالے میں ڈالتا جا رہا تھا سیندور کی وجہ سے غار میں ایک عجیب اور ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ سادھو کے جسم پر ایک لنگوٹ کے سوا کچھ نہیں تھا اور اس کے سر پر جھولتی واحد بالوں کی لٹ گدھے کی پونچھ کی مانند ادھر اُدھر لہرا رہی تھی۔ وہ بار بار منتر پڑھ کر پیالے پر پھونکیں مارتا جا رہا تھا کہ اچانک اس کے جسم کو جھٹکے لگنے لگے اس کا چہرہ تکلیف کی شدت سے سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں اس کی سفید سفید آنکھیں سیاہ پتلیوں سے عاری تھیں وہ ٹکٹکی جمائے اپنے سامنے والی دیوار کو گھور رہا تھا کہ یکدم ایک جھپاکا ہوا اور سامنے کی دیوار پر ایک بہت بڑی مکڑی کا ہیولا نمودار ہو گیا مکڑی کا سائز کم وبیش گینڈے کی جسامت سے ملتا جلتا تھا اس کا جسم غبارے کی مانند پھولوں اور پچک رہا تھا سادھو اس پر نظریں جمائے منہ ہی منہ میں عجیب وغریب الفاظ پڑھ رہا تھا کہ اچانک غار میں ایک غیر مرئی آواز گونجی ''آنکبوت حاضر ہے مہاراج شما کیجئے کہ سنہری دلدل سے واپسی میں دیر ہوئی۔'' مکڑی کے منہ سے ایک عجیب سے لہجے میں آواز سنائی دی۔ ''شما دی مجھے بھولے ناتھ کے بارے میں بہت فکر ہے اس نے ''مورکھ پنکھ کی موٹھ'' قبضے میں کر لی ہے اس لیے مجھ اس کا کوئی اُپائے بتاؤ'' سادھو نے جواب میں کہا۔ مہاراج آپ کو چنتا کرنے کی ضرورت نہ ہے فی الحال بھولے ناتھ آپ کی پہرہ دار ''بھیتل ناڑی'' کے پاس ہی پہنچا ہے اس لیے ابھی اسے کالی پہاڑیوں میں داخل ہو جانے دیں اس کے بعد آپ کی تابع روحیں اس کی ہتھیا کر دیں گی۔ آنکبوت نے اسے تسلی دی۔ نہیں اب جبکہ وہ غار کے دہانے کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ کالی پہاڑیوں سے پہلے ہی اس کا کریا کرم کر دیا جائے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے سامنے آ جائے اور مجھے بعد میں کوئی اُپائے کر کے نقصان

اٹھانا پڑے۔" سادھو نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ مہاراج اب جبکہ آپ بضد ہیں تو میں آپ کو یہ بتانے پر مجبور ہوں کہ آپ بھولے ناتھ کے ہاتھوں بہت کشٹ بھوگیں گے کیونکہ اس کے پاس جو شکتیاں ہیں وہ آپ کے لیے بہت زیادہ پریشانی کا کارن بنیں گی اب بھولے ناتھ سرخ چشمے کے پانی سے غسل کر کے آرہا ہے جس کی وجہ سے وہ "بھیتل ناڑی" کو نظر نہیں آئے گا اور ہمیں اس پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھنا ہوگا آپ کو اس کے لیے کالے علم کا ایک خاص عمل "گوگیہ پاشا" حاصل کرنا ہوگا کیونکہ اس کے بغیر آپ سرخ چشمے کے پانی کا توڑ نہیں کر سکیں گے۔ میں آپ کو یہ تمام تفصیل نہ بتاتی مگر آپ کی خاطر میں نے اپنی جان کی بازی لگاتے ہوئے اپنے گرو کا مان توڑا ہے۔ اس لیے اب میں خود ہتھیار کر رہی ہوں کیونکہ اگر گرو کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں نے اپنی شکتی سے بڑھ کر کام لیا ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے مجھے "چاہ بابل ہنجراں" میں پھینک دیں گے۔ اس لیے وہاں کی دردناک اور بھیانک موت کی بجائے میں آسانی سے اپنی زندگی ختم کرنا پسند کروں گی..... یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی سانس روک کر ایک جھٹکا لیا اور اس کا جسم غبارے کی مانند پھٹا اور دیوار سپاٹ ہو گئی۔ سادھو ہونقوں کی مانند منہ کھولے سپاٹ دیوار کو تک رہا تھا اس کے جسم پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اپنے سامنے رکھا پیالہ اٹھایا اور اس میں موجود انسانی دماغ کھانے لگا بعد میں اس میں بچ جانے والا ملغوبہ پیا اور ایک ڈکار لے کر اٹھ کھڑا ہوا اس نے جلد از جلد "گوگیہ پاشا" حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بھولے ناتھ جیسے ہی ایک موڑ مڑا اسے رات کے اندھیرے میں ایک سنگی دیوار دکھائی دی غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ یہ ایک دیو قامت پہاڑ ہے جس کے سامنے کے رخ ایک بڑی سی غار کا دہانہ دکھائی دے رہا تھا اس کے سامنے ایک دہشتناک چہرے کی مالک چڑیل بے قراری کے عالم میں ٹہل رہی تھی اس کا بھیانک چہرہ چاند کی دودھیا روشنی میں خوفناک منظر پیش کر رہا تھا اس کے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن خنجر کی مانند چمک رہے تھے بھولے ناتھ کچھ دیر کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر اس نے آگے قدم بڑھا دیے جب وہ اس سے تیس چالیس قدم دور رہ گیا تو اس نے دیکھا کہ چڑیل کے دیکھنے اور ٹہلنے کے انداز میں ذرا برابر بھی فرق نہیں پڑا تو اسے کچھ حوصلہ ہوا اور پھر یہ سوچ کر اسے مزید تقویت ملی کہ وہ سرخ چشمے کے پانی سے غسل کر چکا ہے اور "تپ دھاری" کے کہنے کے مطابق اسے "بھیتل ناڑی" چڑیل دیکھ نہیں پائے گی۔ اس لیے وہ بے فکری سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آگے بڑھتا رہا۔ سامنے ہی غار کا دہانہ منہ پھاڑے کھڑا تھا دور سے دیکھنے پر یوں لگتا تھا جیسے پتھر کا بہت بڑا مجسمہ دونوں کندھے جھکائے زمین پر دیکھ رہا ہو۔ وہ ایک جھکائی دے کر چڑیل کے پہلو سے بچ کر نکل گیا اور غار کے اندر قدم رکھ دیا..... غار کے اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور ایک ناموس قسم کی بو دور تک پھیلی ہوئی تھی وہ اندر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے راستہ ٹٹولتا آگے بڑھتا رہا اسے اس بات کا بھی ڈر تھا کہ کہیں کسی گڑھے میں نہ جا گرے دور کہیں ایک جنگو سا چمکتا دکھائی دے رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ وہ غار کا دوسرا دہانہ ہے وہ اس روشنی کے دائرے پر ٹکٹکی باندھے آگے بڑھتا رہا..... ابھی اس نے چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ اسے اندھیرے میں غراہٹ سنائی دی وہ ٹھٹک کر رک گیا اور اندھیرے میں غور سے دیکھنے کی ناکام کوشش کرنے لگا..... غراہٹ سے اندازہ ہوتا تھا کہ اندر کہیں خطرناک جانور گھسا بیٹھا ہے وہ ایک لمحہ مزید سن گن لینے کے بعد دوبارہ چل پڑا چرمی تھیلے کو اس نے مضبوطی سے اپنے دائیں ہاتھ میں تھاما ہوا تھا کہ اچانک اس کے کندھے پر ایک بھاری ہاتھ آن پڑا وہ اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا مگر اتنی سی دیر میں اس کو اپنے کندھے کی ہڈی ٹوٹتی محسوس ہوئی اور اسے اندھیرے میں دو سرخ آنکھیں چمکتی دکھائی دیں آنکھوں کی بناوٹ گول اور گہری سرخ تھیں بھولے ناتھ نے اچھل کر خود کو اس کے دوسرے حملے سے بچایا اور جلدی سے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک لوہے کی سلاخ نکال لی سلاخ کا سائز ڈیڑھ ہاتھ کے برابر تھا مگر بھولے ناتھ نے جیسے ہی ایک منتر پڑھ کر اس پر پھونکا اس کا سائز بڑھنا شروع ہو گیا اس نے سلاخ کے بڑا ہوتے ہی اس کو گھما کر ان سرخ آنکھوں کے عین درمیان

میں دے مارا مگر سلاخ لگتے ہی ایسی آواز آئی جیسے سلاخ کسی لوہے کی چیز سے جا ٹکرائی ہو بھولے ناتھ بیوقوفوں کی مانند آنکھیں گھماتے ہوئے حیرت سے اِدھر اُدھر تکنے لگا ابھی وہ اس مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ اس کے سینے پر ایک زوردار تھپڑ پڑا تھپڑ کھاتے ہی بھولے ناتھ اچھل کر پشت کے بل زمین پہ جا گرا..... تھیلا اس کے ہاتھ میں رہا جسے اس نے مزید مضبوطی سے تھام لیا وہ سمجھ گیا کہ وہ سادھو کی کسی تابع روح سے الجھ پڑا ہے اب اس نے اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے کالے علم کے جاپ استعمال کرنا مناسب سمجھا اس لیے یہ سوچتے ہی تھیلا بازو کے ساتھ لٹکایا اور منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر اس بلا کی جانب پھونک دیا اس کے منہ سے ایک سفید رنگ کی گیند نکل کر اس بلا سے جا ٹکرائی اور یکدم ایک چھپاکا سا ہوا اور ایک لمحے کے لیے غار میں روشنی پھیلی اور پھر تاریکی چھا گئی اس ایک لمحے کی روشنی میں ہی اس ان دیکھی بلا کی حقیقت کھل گئی تھی اس کا قد بن مانس کی مانند اور جسم سیاہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا اس کے پاؤں کی چھ انگلیاں تھیں جن کے بڑے بڑے مڑے ناخن بہت بھیانک لگ رہے تھے۔ بھولے ناتھ نے صرف اس کو دیکھنے کے لیے ہی روشنی کا گولہ پھینکا تھا اب جب کہ اس کو اس کی ماہیت کا پتہ چل گیا تھا تو اس نے اس کے لیے ایک طرح کا اُپائے تلاش کر لیا تھا..... اس نے جلدی سے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک رسی نکالی جس کے ایک سرے پر چار کونوں والا ستارہ بندھا ہوا تھا اس میں سے سفید رنگ کی چھلکیاں سی نکل رہی تھیں اس نے رسی کو گھما کر اندازے سے اس بلا کی طرف اچھال دیا رسی کا دوسرا سرا اس کے دوسرے ہاتھ میں ہی رہا۔ ستارہ تیزی سے اڑتا ہوا اس بلا کی جانب بڑھا اور سیدھا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں جا گھسا..... یہ ''مکھ منڈل'' تھا اس کے گرو کی نشانی اس کے گرو کے کہنے کے مطابق اس میں ایسی تاثیر تھی کہ اگر فولاد میں بھی سوراخ کرنا چاہیں تو اس ستارے کے نوکیلے سرے کی مدد سے وہ بھی کر سکتے ہیں اس نے سب سے پہلے اس چیز کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا جو کہ کامیاب رہا ستارے کی نوک گھستے ہی اس کی بھیانک چیخ غار کی خاموشی میں ایک ایٹم بم کی طرح گونج اٹھی نجانے ستارے میں کیا خاص بات تھی کہ اسے اتنی سخت اذیت سے دوچار ہونا پڑا تھا..... یہ طلسم کی دنیا تھی یہاں سب کچھ ممکن تھا یہ حیرتوں کی دنیا تھی یہاں سوچنے سمجھنے والا خود پاگل ہو جاتا تھا۔ کچھ دیر تک غار میں اس بلا کی اذیت ناک اور بھیانک چیخیں گونجتی رہیں اس کے بعد اس طرح خاموشی چھا گئی جیسے غار میں کبھی کوئی آہٹ تک نہ ہوئی ہو..... بھولے ناتھ کو ''بھیتل ناڑی'' چڑیل کی بھی فکر تھی کیونکہ اسے اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس مرنے والے موذی کی کربناک چیخوں سے کہیں وہ غار کے اندر نہ گھس آئے اور اسے اس کا بھی کوئی اُپائے کرنا پڑے لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی کیونکہ غار کے پہلے دہانے پر مسلسل خاموشی تھی..... اس نے کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھا پھر آگے بڑھ گیا جگنو کا سائز اب آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا وہ غار کے دوسرے دہانے سے دس پندرہ قدم دور ہی تھا کہ اچانک دہانے پر ایک ببون آن کودا ببون کی تھوتھنی چاند کی روشنی میں چمک رہی تھی اس کے ہونٹوں کا رنگ گہرا سرخ تھا جس سے اس کی وحشت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی خونخوار آنکھوں میں بے پناہ وحشت چھائی ہوئی تھی پنجوں کے مڑے ہوئے ناخن دور ہی سے صاف نظر آ رہے تھے..... بھولے ناتھ اسے دیکھتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا دہانے کے نزدیک پہنچ جانے کی وجہ سے وہ بھی ببون کی نظروں میں آ گیا تھا۔ اس لیے اس نے دوبارہ تاریکی میں چھپنا مناسب نہ سمجھا ببون نے اس پر نگاہیں جماتے ہوئے اچھل کر اس کی گردن کو دبوچنا چاہا مگر بھولے ناتھ جھکائی دے کر ایک طرف ہٹ گیا اور ببون اپنی مستی میں آگے نکل گیا۔ اتنے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھولے ناتھ نے غار کے دہانے کی جانب دوڑ لگا دی کیونکہ غار کے اندر مقابلہ کرنے کی نسبت غار سے باہر مقابلہ کرنا آسان تھا اس لیے وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر سرخ خنجر نکال لیا اور جیسے ہی ببون دوڑتا ہوا غار سے باہر نکلا اس نے تاک کر خنجر اس کے سینے پر دے مارا مگر ببون بھی شیطانی روح تھا اس لیے صاف بچ نکلا۔ سرخ خنجر اس کے پیچھے غار کے اندر جا گرا..... بھولے ناتھ نے وار خالی جاتے دیکھ کر ایک منتر پڑھ کر پھونکا تو فضا

میں ایک عجیب الخلقت قسم کا پرندہ اچانک نمودار ہوگیا اس کی چونچ دو فٹ لمبی اور دونوں جانب سے آری کے دندانوں کی مانند تیز تھی۔ اس نے بھون کو دیکھتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ بھون نے اپنے بچاؤ کی بہت کوشش کی مگر پرندہ اس پر حملہ کرتے ہی فضا میں بلند ہوا اور کچھ ہی دیر میں سامنے بھون مردہ حالت میں پڑا تھا اور پرندہ اس کے ہلاک ہوتے ہی دوبارہ غائب ہوگیا..... بھولے ناتھ کو اس پرندے سے مدد لینے کی خاطر سرخ چشمے والی شکتی بلیدان کرنا پڑی تھی اب وہ دوبارہ ''بھیتل ناڑی'' سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا..... بھون کے مرتے ہی اس نے غور سے اپنے چاروں طرف دیکھا تو اسے چاروں طرف عجیب قسم کی ویرانی پھیلی دکھائی دی ہر طرف بلند و بالا پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے ہر پہاڑ میں کم از کم تیس چالیس غار دکھائی دے رہے تھے..... وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ سادھو نجانے کون سی غار میں چھپا ہوا ہے اور وہ بچھو نجانے کون سی تہہ میں قید ہے جس میں اس کی جان ہے..... ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ اچانک اسے سامنے سے چار پانچ روحیں آتی دکھائی دیں ان کے چہرے گھونگٹوں میں چھپے ہوئے تھے اور ان کے سیاہ ہاتھ چاند کی روشنی میں عجیب منظر پیش کر رہے تھے وہ ناک کی سیدھ میں اس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی ان کے چلنے سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ چلنے کی بجائے پانی پر تیرتی آ رہی ہوں بھولے ناتھ منہ پھاڑے ان کی طرف دیکھتا رہا اس کا ذہن ماؤف ہوگیا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان پر کون سا وار کرے..... اس کے سوچتے ہی روحیں اس کے سر پر آن پہنچیں وہ پانچوں ہاتھ پھیلائے اور گھیرا بنائے اس کو پکڑنے کے انداز میں آگے بڑھیں..... بھولے ناتھ ایک جھٹکا لیتے ہوئے ہوش میں آیا اور دوڑ کر پرے ہٹ گیا اس کے پرے ہٹتے ہی روحیں دوبارہ چیختی ہوئی اس کی جانب بڑھیں مگر اب بھولے ناتھ کو سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا اس نے ایک منتر پڑھ کر ان روحوں پر پھونک دیا تو اس کے منہ سے شعلوں کی ایک قطار نکلی اور سیدھی ان روحوں سے جا ٹکرائی مگر سوائے ایک جھٹکا لگنے کے ان پر کوئی اثر نہ ہوا..... بھولے ناتھ نے اپنا وار خالی جاتے دیکھ کر دوبارہ ایک اور منتر پڑھ کر ان پر پھونک دیا اس بار اس کے پاؤں کی انگلیوں سے دس اژدھے اپنے اپنے منہ کھولے اور سبز رنگ کے پانی کی پھوار پھینکتے ان روحوں کی طرف بڑھے روحیں انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اچھل کر پیچھے ہٹیں ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہوگئی ہیں..... بھولے ناتھ نے پیروں کو حرکت دیتے ہوئے اس طرف گھمائے جس طرف روحیں اچھل کر ہو گئی تھیں اژدھے بھی لہراتے ہوئے اسی جانب ہو گئے ان کے منہ سے خوفناک پھنکاریں نکل رہی تھیں اور پانی کی پھواریں ان روحوں پر پڑ رہی تھیں جس کی وجہ سے ان کے چہروں پر تکلیف کے آثار پھیلے ہوئے تھے۔ آس پاس کا علاقہ ان کی بھیانک چیخوں سے گونج اٹھا ان کے چیخنے سے لگتا تھا جیسے کسی ویرانے میں سینکڑوں روحیں مل کر بین کر رہی ہوں..... کچھ ہی دیر میں وہاں روحوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ بھولے ناتھ نے سکون کا سانس لیا وہ اپنی شکتیوں کی بدولت سادھو کے اس حربے کو بھی ناکام کر چکا تھا۔

یہ ایک تنگ و تاریک کمرہ تھا جس کی دیواروں کا رنگ گہرا نیلا تھا اور اس کی چھت پر ایک اکلوتا بلب جل رہا تھا بلب کا ہونا نہ ہونا برابر تھا کیونکہ اس کی کمزور روشنی کمرے کی تاریکی کو دور کرنے سے قاصر تھی..... سادھو کمرے کے بیچ ایک دری بچھائے اپنے سامنے ایک ترشول گاڑھے آسن جمائے بیٹھا تھا ترشول کے تینوں کونے آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے ترشول کے بیچ والے سریے کی نوک پر ایک بندر کی کھوپڑی ٹنگی ہوئی تھی جس کی آنکھیں زندہ تھیں اور اس کے منہ سے اس کی لمبی زبان باہر تک لٹکی ہوئی تھی ترشول کے ساتھ ہی ایک پرات میں کوئلے دہک رہے تھے سادھو منتر پڑھتے ہوئے ایک بھورے رنگ کا سفوف کوئلوں پر پھینکتا جا رہا تھا جس کے جلنے سے کمرے میں عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی..... ایک گھنٹے تک مسلسل جاپ کرنے کے بعد سادھو نے بندر کی کھوپڑی ترشول سے اتاری اور اس کی باہر تک لٹکتی زبان کو ہاتھ سے پکڑ کر جھٹکے دینے شروع کر دیئے ہر جھٹکے پر بندر کی زندہ آنکھوں میں تکلیف کے آثار ابھرتے صاف دکھائی دیتے مسلسل چھ سات جھٹکے دینے کے بعد اچانک کمرے کا اکلوتا بلب بجھ گیا اور اس کے سامنے دیوار ٹیوب

لائٹ کی روشنی کی مانند دودھیا رنگ میں بدل گئی اور پھر اس پر ایک بہت بڑے بندر کی شبیہہ ابھرنے لگی..... بندر کی دم اس کی جسامت سے پانچ گنا بڑی تھی اور وہ بیٹھنے کے انداز میں پوز بنائے ہوئے تھا اس کی خونخوار آنکھوں میں وحشت ٹپک رہی تھی یہ ہنومان دیوتا تھا جس کے پاس گگیہ پاشا جادو کا مکمل تھا..... سادھو نے اسے دیکھتے ہی ایک نامانوس زبان میں اشلوک پڑھنے شروع کردیے۔ ہنومان دیوتا نے اسے دیکھتے ہی منہ کھولا اور کہنے لگا..... ''کیا کشٹ ہے مورکھ ہمیں نیلم وادی کی تاریک کھوہ سے کیوں آنا پڑا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ یہ ہمارے جاپ کرنے کا سمے تھا تم پر کون سی ایسی بپتا آن پڑی ہے کہ ہمیں اچانک اپنا جاپ ادھورا چھوڑ کر یہاں آنا پڑا''..... ہنومان دیوتا کے لہجے میں بلا کی تیزی تھی..... دیوتا کے چرنوں میں اپنا سر رکھتا ہوں دیوتا کی ناراضگی کو دور کرنے کے لیے میں ایک سندر کنیا کا دل پیش کرتا ہوں کہ شاید اس کارن میں نرکھ بھوگنے سے بچ جاؤں۔'' سادھو نے اس کی بات سن کر خوشامدانہ لہجے میں کہا..... کہو کیا بپتا آن پڑی ہے۔ جواب میں سادھو نے اسے تمام روداد کہہ ڈالی۔ ہنومان دیوتا سر ہلاتے ہوئے اسکی رام کہانی سنتا رہا آدھ گھنٹہ تک مسلسل بولنے کے بعد سادھو خاموش ہوگیا..... مورکھ اس سنسار میں تو اکیلا ہی شکتی مان نہیں ہے کچھ ایسے شیطان بھی اس دھرتی پر جنم لیتے رہتے ہیں جو اپنی بڑی بڑی شکتیوں کے کارن چھوٹے چھوٹے شیطانوں کی ہتھیا کرتے رہتے ہیں..... بھولے ناتھ ایک بڑا شیطان ہے اس کے مقابلے میں تمہارا حاصل کیا ہوا کالا علم ناکافی ہے تم اس کے راستے میں رکاوٹیں تو ڈال سکتے ہو لیکن اس کے سامنے مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس لیے اب اگر تم گگیہ پاشا کے کارن اس کو روکنا چاہتے ہو تو مجھ سے لے لو لیکن یہ یاد رکھو کہ وہ تم سے بڑا شیطان ہے اس لیے اس کی شکتی ''مور پنکھ کی موٹھ'' گگیہ پاشا سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہنومان نے جواب میں اسے تفصیل سے بتایا۔ سادھو آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے اس کی باتیں سن رہا تھا اب تک تو اسے یہ امید تھی کہ ہنومان دیوتا اس کو کوئی اُپائے بتادے گا تو وہ بھولے ناتھ کا کریا کرم کردے گا مگر اب اس کی باتیں سن کر اسے اپنی زندگی کی فکر پڑ گئی تھی..... لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی امید ضرور تھی کہ اس کا زرد بچھو تک پہنچنا مشکل ہوگا کیونکہ اس نے اس بچھو کو کالی پہاڑیوں کے ایک تاریک غار میں چھپا رکھا تھا مگر اسے اس بات کی فکر ضرور تھی کہ اب تک اس کے تابع روحیں مسلسل ہلاک ہوتی جارہی تھیں اور بھولے ناتھ موت کے کارندے کی طرح مسلسل اس کی طرف بڑھ رہا تھا..... میری مانو تو فوراً پاتال کے تیسرے حصے میں جاکر چھپو ورنہ بھولے ناتھ نے اچانک یہاں پہنچ کر تمہارا یقینی خاتمہ کردینا ہے۔'' دیوتا نے اسے یوں سوچوں میں گم دیکھ کر مشورہ دیا..... ٹھیک ہے مجھے یہ بات پسند آئی ہے آپ کا بہت بہت دھنے وان..... سادھو نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا اس کی یہ بات سنتے ہی ہنومان کی شبیہہ دیوار سے غائب ہوگئی اور اب پہلے کی طرح دیوار کا رنگ گہرا نیلا ہوگیا اور بلب دوبارہ روشن ہوگیا..... سادھو نے سامان سمیٹا اور غار سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

روحوں کا خاتمہ ہوتے ہی بھولے ناتھ نے دوبارہ سفر شروع کردیا چاند کی دودھیا روشنی میں بھیانک غار کچھ زیادہ ہی خوفناک لگ رہے تھے کچھ دور چلنے کے بعد اس نے ایک منتر پڑھ کر فضا میں پھونکا تو ''تپ دھاری'' حاضر ہوگیا۔ ''کیا حکم ہے مہاراج'' اس نے اپنے پر پھڑپھڑائے۔ ''تپ دھاری'' اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا اب جبکہ سامنے کالی پہاڑیاں ہیں اب مجھے کیا پتہ کہ سادھو کون سی غار میں چھپا بیٹھا ہے۔ بھولے ناتھ نے اس کو دیکھتے ہی کہا..... مہاراج مجھے آگیا دیں میں ابھی اس کا پتہ چلا لیتا ہوں۔'' تپ دھاری نے اس سے اجازت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے لیکن جلدی واپس آنا۔'' بھولے ناتھ نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا..... یہ سنتے ہی ''تپ دھاری'' غاروں کی طرف اُڑ گیا..... بھولے ناتھ زمین پر ہی بیٹھ گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا..... چاروں طرف ایک سکون کی کیفیت طاری تھی خاموش فضا میں کہیں کہیں بڑی بڑی سیاہ چمگادڑیں اڑتی پھر رہی تھیں اور چاند ایک گول تھال کی مانند آسمان پر روشن تھا۔ کالی پہاڑیوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا

جیسے بہت سے دیو سر اٹھائے کھڑے ہوں اور انہوں نے اپنے بڑے بڑے منہ کھول رکھے ہوں وہ ٹکٹکی لگائے اس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف تپ دھاری پرواز کر گیا تھا.....

تھوڑی دیر میں اسے تپ دھاری واپس آتا دکھائی دیا اس کی پرواز سے لگتا تھا کہ وہ کوئی خاص چیز دیکھ کر آرہا ہے جس کے متعلق وہ بھولے ناتھ کو جلد از جلد آگاہ کرنا چاہتا ہے۔

بھولے ناتھ اس کو واپس آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تپ دھاری نے آتے ہی اسے بتایا کہ سامنے نظر آنے والی تیسری پہاڑی کے چھٹے غار میں سادھو ایک جاپ کرنے میں مصروف ہے اور اس کی جان والا بچھو آٹھویں پہاڑی کے پندرہویں غار کی تاریک کھوہ میں چھپا ہوا ہے۔ اس لیے بجائے اس سادھو کو خبردار کرنے کے اس زرد بچھو کے پاس پہنچ کر اس کا خاتمہ کرنا چاہیے۔'' تپ دھاری نے اس کے پاس پہنچتے ہی تیز تیز لہجے میں اسے بتایا۔ ٹھیک ہے میں ابھی اس زرد بچھو کے پاس پہنچتا ہوں..... بھولے ناتھ اس نے اس کی بات سن کر فوراً حامی بھرتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی جلدی پہاڑیاں گنی اور آٹھویں پہاڑی کے پندرہویں غار کے دہانے میں داخل ہو گیا۔ غار میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور اس میں عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے اس میں بہت سے انسانوں کا خون کیا گیا ہو..... وہ ناک سکیڑتا آگے بڑھتا رہا جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ویسے ویسے تاریکی چھٹتی جا رہی تھی کچھ دیر چلنے کے بعد اس کے سامنے ایک چوراہا آ گیا جس کے چاروں طرف تنگ راہداریاں بنی ہوئی تھیں وہ سوچنے لگا کہ کس طرف چلا جائے اس نے کچھ سوچتے ہوئے دائیں طرف نظر آنے والی راہداری پر قدم رکھ دیے راہداری آگے چل کر تنگ ہو گئی اور آگے مزید جا کر ایک سنگی دیوار تھی وہ واپس پلٹ پڑا دوبارہ چوراہے میں آ کر اس نے بائیں راہداری میں قدم رکھ دیے کچھ دیر چلنے کے بعد اس کے سامنے کچھ سیڑھیاں نیچے تہہ خانے کی طرف جاتی دکھائی دیں ان سے نیچے اترنے کے بعد وہ ایک کشادہ غار میں آ گیا غار کے بیچوں بیچ ایک پیالے نما جگہ بنی ہوئی تھی وہ تیز تیز قدم اٹھاتا جیسے ہی پیالے نما جگہ کے قریب پہنچا تو اسے اس کے اندر ایک بہت بڑا زرد رنگ کا بچھو بے قراری کے عالم میں ٹہلتا نظر آیا۔ بچھو کا حجم بڑی بلّے کے برابر تھا اور اس کے جسم میں زرد رنگ کا پانی دور سے ہی نظر آ رہا تھا یہ زہر تھا بہت مہلک جس کا ڈسا پانی نہ مانگے..... اس کے آس پاس پتھریلی زمین سیاہ ہو گئی تھی یہ اس کی زہریلی سانسوں کا اثر تھا..... بھولے ناتھ اور اس کے درمیان تقریباً چالیس پچاس فٹ کا فاصلہ ہو گا اس نے جلدی سے چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالا جس کے پیچھے کے حصے پر ایک ربڑ چڑھی ہوئی تھی اس نے اس تیر کے آگے کے حصہ پر ایک منتر پڑھ کر پھونکا اور اس زرد بچھو کا نشانہ لے کر چھوڑ دیا تیر ہوا کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی سے بچھو کی جانب بڑھا اور جیسے ہی وہ اس کے نزدیک پہنچا ایک دم واپس پلٹا اور تیزی سے بھولے ناتھ کی جانب بڑھنے لگا..... بھولے ناتھ جو تجسس سے اس بچھو پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا تیر کو واپس پلٹتے دیکھ کر بوکھلا کر ایک دم پیچھے ہٹا اور اس کا اس طرح پیچھے ہٹنا ہی اس کے لیے زندگی کا باعث بن گیا ورنہ تیر اس کی پیشانی میں گھس چکا تھا..... تیر واپس پلٹے دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ بچھو کو طلسمی طریقے سے محفوظ کر دیا گیا ہے اس لیے اس کا کوئی اور اُپائے کرنا ہو گا..... ابھی وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اچانک غار میں ایک خوفناک آواز گونجی اور اس کے سامنے دھواں سا پھیلنا شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے سادھو کا روپ دھار لیا..... بھولے ناتھ اسے دیکھتے ہی سنبھل گیا..... سادھو نے نمودار ہوتے ہی اس کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا..... '' بھولے ناتھ تمہاری موت تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے میں نے تمہیں خبردار کیا تھا کہ تم میرے راستے میں نہ آؤ مگر تم نے میرے جاپ میں خلل ڈال کر اپنی موت کو خود دعوت دی ہے''..... یہ کہتے ہوئے اس نے اس پر ایک منتر پڑھ کر پھونک دیا..... اس کے منتر پھونکتے ہی فضا میں ایک بہت بڑی گدھ نمودار ہوئی اور اس نے چیختے ہوئے بھولے ناتھ پر حملہ کر دیا..... بھولے ناتھ ابھی اپنے بچاؤ کی کوئی صورت سوچ ہی رہا تھا کہ گدھ نے جھپٹ کر اس کے سینہ پر پنجہ مار دیا پنجہ کھاتے ہی بھولے ناتھ کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی وزنی ہتھوڑا اس کے سینے پر مارا گیا ہو اس کے منہ سے ایک سسکاری نکلی، وہ گھٹنوں کے

بل نیچے بیٹھ گیا..... نیچے جھکتے ہی اس نے یکدم ایک منتر پڑھا اور سادھو کی جانب دیکھتے ہوئے ایک ہاتھ کی مٹھی بند کر کے کھول دی ایسا کرتے ہی اس کے ہاتھ سے چنگاریاں نکل کر سادھو کی جانب بڑھیں مگر سادھو نے بھی جلدی سے کالے علم کا ایک وار ''گوگیہ پاشا'' اس پر پھونک دیا اور بھولے ناتھ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں کسی نے کھولتا ہوا پانی بھر دیا ہو اور پھر یہ پانی اس کے جسم سے باہر نکلنا شروع ہو گیا اس کے جسم پر سیاہی مائل بلبلے بننا شروع ہو گئے اور بلبلہ بنتے ہی وہ پھٹ جاتا اور پھر اسکے گندے مواد سے مزید بلبلے پیدا ہو جاتے یہ کالے علم کا ایک خطرناک اور بھیانک وار تھا جسے ''گوگیہ پاشا'' کے نام سے پکارا جاتا تھا بھولے ناتھ بھی ایک شیطان تھا اس نے سسکتے ہوئے اور تکلیف سے کراہتے ہوئے جلدی سے ایک منتر پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک دیا تو ان بننے والے بلبلوں میں کمی ہونے لگی اس نے اپنی ایک شکتی کا بلیدان کر کے ''مانگ شیوسران'' کا وار کر دیا تھا سادھو جو دور کھڑا تھا یہ دیکھ رہا تھا اس نے پھر گدھ کو اشارہ کیا مگر اب بھولے ناتھ سنبھل گیا تھا اس نے تھیلے سے ایک سوئی نکالی جس کے سرے پر ایک سفید موتی ٹنگا ہوا تھا اس نے موتی کو پکڑ کر کھینچا تو اس کے ساتھ لگا دھاگا کھنچتا چلا گیا اور جب وہ گز بھر کا ہو گیا تو اس نے ایک منتر پڑھ کر اسے گدھ کی جانب اچھال دیا موتی سوئی سمیت تیر کی طرح اڑتا ہوا گدھ کی جانب بڑھا اور اس کی گردن میں اس کا دھاگہ پھنس گیا اور سوئی اچھل کر اس کے سینے میں پیوست ہو گئی..... گدھ ایک جھٹکا کھا کر پیچھے کی جانب اچھلا اور دھک کی آواز سے زمین پر آن گرا..... سادھو نے یہ دیکھتے ہی فرار کی کوشش کی مگر اب بھولے ناتھ اس کو سنبھلنے کا موقع نہ دینا چاہتا تھا اس نے ایک منتر پڑھ کر اس پر پھونک دیا اچانک کہیں سے ایک لوہے کی تار نمودار ہوئی اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سادھو کے ساتھ لپٹنا شروع ہو گئی سادھو نے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اپنے بچاؤ کی بہت کوشش کی مگر تار نے اسے مضبوطی سے جکڑ لیا تھا اسے باندھتے ہی اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک لٹو نکالا جس کے اندر کالے رنگ کے دھاریاں بنی ہوئی تھیں اور ان دھاریوں پر سفید سفید نشان بھی نمایاں تھے اس نے لٹو ہاتھ میں لیتے ہوئے بچھو کی جانب اچھال دیا لٹو لڑھکتا ہوا تیزی سے بچھو کی طرف بڑھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس پر بنی دھاریوں نے چھ کالے ناگوں کا روپ دھار لیا جن کے جسموں پر سفید سفید نشان واضح دکھائی دے رہے تھے وہ یکدم پھنکارتے ہوئے بچھو کی جانب بڑھے اور اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اچھل کر اس پر حملہ کر دیا اس کے منہ سے آگ کی لپٹیں نکل نکل کر بچھو کے جسم پر پڑ رہی تھیں بچھو نے اپنی جان بچانے کی بہت کوشش کی مگر ان سانپوں کے حملے سے خود کو نہ بچا سکا۔

ادھر بچھو کو جیسے ہی آگ نے گھیرا اُدھر سادھو کے جسم کو آگ لگ گئی اور غار میں اس کی بھیانک چیخیں گونج اٹھیں اور پل بھر میں زرد بچھو کی زرد راکھ وہاں پڑی تھی اور سادھو بھی راکھ کے ڈھیر کی صورت میں وہاں پڑا تھا اور اس کے مرتے ہی ایک تیز سرخ آندھی چلی اور ایک بھیانک آواز سنائی دی۔

''مارا مجھے بھولے ناتھ نے کہ میں جیون رکھشا کے لیے جاپ کر رہا تھا۔'' اس کے بعد نہ تو وہاں غار تھی اور نہ ہی کالی پہاڑیاں تھیں۔ بلکہ بھولے ناتھ ایک درختوں کے جھنڈ کے نزدیک کھڑا تھا جھنڈ پار کر کے جیسے ہی وہ باہر نکلا تو سامنے مورت نگر کی سرحد تھی اور اسے راجہ بہرام داس اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا اسے دیکھتے ہی وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گیا..... پھر وہ اسے محل میں لے گئے اور بھولے ناتھ نے اسے تمام تفصیلات سنائیں تفصیلات سن کر راجہ بہرام داس کہنے لگا کہ سادھو کے مرتے ہی ایک تیز آندھی آئی اور اس میں سادھو کے مرنے کی آواز سنائی دی تھی تو ہم سمجھ گئے کہ وہ نرک میں پہنچ گیا ہے تو ہم دو دنوں سے تمہارے استقبال کے لیے سرحد پر کھڑے رہے..... بعد میں ایشور بھی یہاں پہنچ گیا اور اس نے بھی بھولے ناتھ کو شاباش دی بھولے ناتھ نے کچھ دنوں تک مورت نگر رہنے کے بعد واپسی کی آگیا چاہی۔ انہوں نے اسے کچھ دن مزید رکنے کے لیے کہا لیکن وہ واپسی کے لئے بضد رہا وہ سب اسے مورت نگر کی سرحد تک چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com